إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مجلد چہارم

مشتمل بر بحث نبوت و منصب نبوت

اولاً

مقدمہ میں منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً ملک عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے،

اور اسکے بعد

نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے، اصلاح کی مشکلات، انکا انسداد، تبلیغ و دعوت اور اسکی کامیابی، عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو کی تردید، توحید کی تکمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کاملہ، ملائکہ، انبیاء، کتب الٰہی، روز جزا، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث اور انکے ضمن میں متعدد اہم مسائل کی تشریح،

تالیف

باہتمام مسعود علی ندوی،

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

سنہ ۱۹۳۲ء

فہرست مضامین سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد چہارم

شب ظلمت

۱۶۰ — ۲۳۳

پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت

۱۶۰

ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

۱۹۰ — ۲۳۳

عربوں کے خصوصیات اور خیر الامم بننے کی اہلیت

۲۳۴ — ۲۴۱

صبح سعادت

۲۴۲ — ۲۶۹

تبلیغ نبوی اور اسکے اصول اور اسکی کامیابی کے اسباب

۲۷۰ — ۳۱۱

اسلام
یا
محمد رسول اللہ کا پیغمبرانہ کام
۳۱۲ - ۳۱۷

عقائد
۳۱۸ - ۶۸۶

اللہ تعالیٰ پر ایمان
۳۲۶ - ۴۳۴

فرشتون پر ایمان،
۴۳۵ - ۴۵۲

رسولون پر ایمان
۴۶۵ - ۴۵۳

کتب الٰہی پر ایمان
۴۹۴ - ۴۶۶

۲- آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل

۵۲۸ - ۵۵۵

قیامت اور جزاے اعمال ۵۲۸

قیامت ،

۵۳۰ - ۵۵۵

دوزخ

۵۹۹ - ۶۲۷

جنت

۶۲۹ - ۶۶۴

قضا و قدر

٦٦٥ - ٦٨٠

ایمان کے نتائج

٦٨١ - ٦٨٦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اے باز کنِ درِ معانی | بر ما کلیدِ آسمانی
ہرچہ از تو گمان برم بچونی | آن من بوم و تو زان برونی
شاہِ رُسل و شفیعِ مُرسل | خورشیدِ یقین و نورِ اوّل
سلطانِ ممالکِ رسالت | طغرائے صحیفۂ جلالت

پیشِ نظر کتاب، سیرۃ النبیؐ کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے، اس کا موضوع "منصبِ نبوت" ہے، اس تقریب سے سب سے پہلے اسمین ایک مقدمہ ہے، جسمین نبوّت کی حقیقت اور اُس کے لوازم وخصوصیات کی تشریح ہے، اسکے بعد دیباچہ ہے، جسمین آنحضرت صلعم کی ولادت اور ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی واخلاقی وروحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص آنحضرت صلعم سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی واخلاقی حالت تھی، اور اسکی اصلاح مین جو دقتین درپیش تھین شرح وبسط کیساتھ انکی تفصیل کیگئی ہے، اس کے بعد آپ کے تعلیمات وارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے،

آنحضرت صلعم کو پیشگاہِ باری سے جو شریعتِ کاملہ اور قانونِ ابدی عطا ہوا، وہ درحقیقت چار عنوانون پر منقسم ہے، عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات، خیال تھا کہ عقائد وعبادات کی ایک جلد ہو، اور اخلاق ومعاملات دوسری جلد مین ہون، مگر جیون جیون مسافرِ قلم اس دشوار گذار مرحلہ مین آگے بڑھتا گیا، راستہ اسی قدر وسیع اور مسافت

اتنی ہی بعید نظر آنے لگی، ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا، دوسری جلد میں عبادات، اور ان کی حقیقت اور فرائضِ چہارگانہ کے حقائق و فوائد سے بحث ہوگی، اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق و معاملات ہوگا، جس میں ہم انشاء اللہ بہ تفصیل بتائیں گے کہ تمدن و معاشرت بالخصوص قوانینِ نکاح، طلاق، وراثت، حقوقِ نساء، غلامی، جہاد، اصولِ حکومت اور اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول، اور تمام سلطنتوں اور قوموں کے کیا قوانین تھے، اور آج مغرب نے اس انتہائی تہذیب تک پہنچکر کس حد تک ان امور میں ترقی کی ہے، پھر موازنہ کرکے ہم دکھائیں گے کہ شریعتِ اسلام کے مقابلہ میں، مغرب کا معراجِ ترقی، شریعتِ اسلام کا پایۂ اولین ہے۔

حضرت الاستاذ مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورۂ بالا مباحث میں سے صرف عرب جاہلیت کے مذہبی و اخلاقی حالات کے پچیس ۲۵ تیس ۳۰ صفحے لکھنے پائے تھے، کہ وفات پائی، یہ صفحے بھی ان اوراق میں شامل ہیں، مگر چونکہ ان میں بکثرت اضافہ و ترمیم کی ضرورت ہوئی ہے، اس لئے ان صفحات کو ان کے اسمِ گرامی کی طرف منسوب کرنے میں احتیاط کرتا ہوں، بقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری خاکسار ہی کے خطاکار قلم پر ہے، وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ،

کوشش کی ہے کہ ان اوراق میں پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے پیغام و تعلیم کو پوری تشریح، استناد، استدلال اور دلچسپی کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے، قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سب سے آگے رکھا گیا ہے، اور اسی کے پرتو میں احادیثِ صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، مناظرانہ پہلو سے بچکر، ہر پیشِ نظر مسئلہ میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس غرض سے موازنہ کیا گیا ہے، تاکہ اسلام کی تکمیلی شان نمایاں ہوجائے،

ان اوراق کے لکھنے والے کے نزدیک نسخِ شریعت کے معنی کسی حکم کو اس کے غلط یا غیر مفید ہونے کے سبب سے سرے سے مٹا کر کسی دوسرے حکم کو نافذ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ محرّف احکام کی جگہ پر اصل احکام کے دوبارہ نازل ہونے، اور دنیا کے حسبِ حال ناقص کی جگہ کامل، اور کامل کے بدلہ کاملتر تعلیمات دیئے جانے کے ہیں، اس لئے قرآنِ پاک کے ناسخِ کتب اور اسلام کے ناسخِ ادیان ہونے کے معنی ان کے مٹا دینے والے کے نہیں،

بلکہ اُن کی تکمیل کرنے والے کے ہین، مذاہب کی تاریخ جب سے شروع ہوتی ہے، ہر مذہب اور اسکی کتاب انسانی عروج و ترقی کی ایک ایک منزل ہے، اور اسلام اس عروج و ترقی کی وہ انتہائی منزل مقصود ہے، جس کے بعد تکمیلِ دین کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ خود اُس کا دعویٰ ہے، اور اس دعویٰ مین کوئی اور دین اُس کا شریک نہین ہے، کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ،

ان تکمیلی مباحث مین سے یہ جلد صرف عقائد پر مشتمل ہے، اور کون نہین جانتا کہ مذاہب مین اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم، اور انکی بحث کتنی نازک ہے اس لیے اس خارزار سے کسی آبلہ پا کا بسلامت گذر جانا کس قدر مشکل ہے، تاہم مین نے جدّ و جہد اسی کی کی ہے کہ کسی آبلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستہ کو طے کرون، چلنے والا تو تھک کر چور ہے، اب یہ دیکھنے والون کو فیصلہ کرنا ہے کہ اُس نے رہروی کی یہ شرط کہان تک پوری کی،

ارباب بصیرت جانتے ہین کہ اسلامی فرقون مین سے کسی فرقہ کے مطابق بھی اگر عقائد کی کتاب لکھی جاتی تو یہ منزل نہایت آسان تھی کہ اُن مین سے ہر ایک کی مدوّن و مرتّب کتابین سامنے ہین لیکن مجھے اس جلد مین کسی خاص فرقہ کے نہین، بلکہ اسلام کے وہ عقائد لکھنے تھے جنپر ایمان لانے کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا ہے، اور جن کی تعلیم محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ کو دی تھی، چنانچہ ان اوراق مین انھین چند عقائد کی تشریح ہے، اور یہ وہی ہین جو اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى مین مذکور ہین، یعنی خدا، اُس کے فرشتون، اُس کی کتابون، اُس کے رسولون پر اور آخری دن اور قضا و قدر پر ایمان، چنانچہ اس جلد مین مقدمہ و دیباچہ کے بعد انھین چھ باتون کی تفصیل و تشریح ہے،

مین نے اپنے جانتے اسکی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح مین قلم، صراطِ مستقیم سے تجاوز نہ کرے، لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہان ٹھوکر کھائی ہے، اس لیے اسکی بارگاہ مین نہایت عجز سے دعا ہے کہ خداوندا میری لغزش کو دوسرون کی لغزش کا سبب نہ بنانا، اور ہم سب کو سیدھی راہ دکھانا،

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ، جس کو خدا راہ دکھائے وہ راہ پایا ہوا ہے،

(اعراف ۲۲۰)

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۔ (زمر)

اور جس کو خدا راہ دکھائے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں،

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۔ (بقرہ)

ہمارے پروردگار ہمارے بھول چوک کی بازپرس ہم سے نہ فرمانا،

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
توقیع قبول، روزیش باد

طالب رحمت
سلیمان ندوی
دار المصنفین، اعظم گڈھ،

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مُقدمہ

منصبِ نبوّت

کتاب کا موضوع، آپکے پیغمبرانہ کارنامے

سیرت کی عام کتابون مین آنحضرت صلعم کے واقعاتِ زندگی کے اندر جو چیز سب سے زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہے، وہ غزوات اور لڑائیان ہین لیکن یہ غزوات اور لڑائیان ظاہر ہے کہ مقصود بالذات نہ تھین بلکہ وہ سلسلہ دعوت مین اتفاقاً پیش آگئین، آنحضرت صلعم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اُنھون نے اُس کے قبول کرنے سے نہ صرف انکار کیا، بلکہ اُس کے مٹانے کی پرزور کوشش کی، اُس کے قبول کرنے والون کو ستایا، اور اُن کو اُن کے گھرون سے نکال دیا، وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہان اُنکی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اُسکی سچائی کو قبول کیا، یہ دیکھکر مخالفون نے ہر طرف سے یورش کی، اور چاہا کہ اس جماعت کو بزورِ شمشیر مٹا دین، اُس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیرین کین اور اُن کی پرزور سازشون اور کوششون کے سیلاب کو پہاڑ بنکر روکا، اس کشمکش نے خونریز لڑائیون کا ایک سلسلہ چھیڑ دیا، جو متصل دس سال تک قائم رہا، رفتہ رفتہ اعجازِ نبوّت، حسنِ تدبیر، لطفِ اخلاق سے تمام عرب کے سر ہو گئے، اور پھر ایک پُر امن نظام قائم ہو گیا، بے شبہہ یہ کارنامہ بھی کچھ کم مستوجبِ منقبت نہین لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیشِ نظر رکھتے ہونگے کہ ہم کس ذاتِ اقدس

کے سوانح لکھ رہے ہین،

یہ جو کچھ ہوا، او رپیش آیا، وہ گو نہایت عجیب حیرت انگیز اور کرشمۂ ربانی کا پورا مظہر ہے، تاہم وہ درحقیقت آنحضرت صلعم کا اصلی براہِ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہین، وہ اتفاقی حوادث ہین، جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ مین دشمنون کی مخالفت سے پیش آگئے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہین، جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہوتے، اور وہی آپ کی سیرۃ مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہین، یعنی عرب مین سرتاپا روحانی واخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا، ترانۂ توحید اور سرودِ محبت سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو معمور کرنا، ظلمتکدۂ عالم کو سراجِ منیر بنکر بقعۂ نور بنا دینا، گمراہون کو راستہ بتانا، بھولون کو یاد دلانا، بندون کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاقِ فاضلہ کا سکھانا، گناہون کے دفتر کو دھونا، انسانون کو شیطانون کے دامِ فریب سے نکال کر، فرشتون کی صف مین کھڑا کرنا، دنیا کو رفق و محبت، لطف و شفقت، اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی، پند و موعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قلوب وارواح کے ویران گھرون کی ازسرِنو آبادی، الغرض خاتم النبیین کا اصلی کام ایک شریعتِ ابدی کی تاسیس، مذاہبِ عالم کی اصلاح، فنِ اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانونِ الٰہی کا اظہار و عرض، اور تہذیبِ نفوس کی معراجِ اخیر تھی، اور یہ سب اسی پرآشوب زمانہ مین ہوتا رہا جس کے لیل و نہار بظاہر صرف حملون کے تیرباران کے روکنے مین صرف ہو گئے، پیشِ نظر جلد آنحضرت صلعم کی سیرتِ مبارکہ کے انھین واقعات اور کارنامون پر مشتمل ہے،

نبی اور مصلح اور حکیم

بظاہر نظر آتا ہے، کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگون سے بھی انجام پاتے ہین، جو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہین ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہین، اور سعی و محنت اور متواتر جد و جہد سے ان مین کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہین، اور ان کو قعرِ ذلت سے نکال کر ترقی کی سطحِ مرتفع تک پہنچا دیتے ہین، ایسے لوگون کو مصلح اور ریفارمر کہتے ہین، اور ایسے بھی ہوتے ہین، جن کے منھ سے اخلاق و حکمت، اور پند و موعظت کے موتی جھڑتے ہین، جنکو حکیم کہتے ہین، اس حالت

مین ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم مین کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوتہ نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم مین کوئی امتیاز نہین کرتے، اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھین اس فرق و امتیاز کو نمایان کر دینا ضروری سمجھتے ہین،

نبوت کی حقیقت اور خصوصیات

اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ضروری ہے، کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لیجائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح **امام غزالی** نے معارج القدس[1] مین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین کی ہے، یہ دونون بزرگ تصوف، فلسفہ، اور نقلیات تینون کوچون سے باخبر ہین، اس لئے یہ جو کچھ بتائین گے، اس مین کچھ کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا،

امام صاحب فرماتے ہین،

"نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے،۔۔۔۔۔ وہ عطیۂ الٰہی اور موہبتِ ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہین ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام-۱۵)	اللہ بہتر جانتا ہو کہ جہان وہ اپنی پیامبری کا منصب رکھے،
وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا[2]	اور اسی طرح ہمنے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح
مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ	بھیجی، تو پہلے نہین جانتا تھا، کہ کتاب کیا ہے اور ایمان
جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ	کیا ہے لیکن اسکو ہم نے ایک نور بنایا ہو جس سے ہم اپنے بندون
عِبَادِنَا (شوری-۵)	مین سے جسکو چاہین راہ سوجھائین،

اس موقع کے لیے صریح آیت یہ ہے،

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (جمعہ ۱)	یہ (نبوت) خدا کا فضل ہو جس کو چاہے دے،

[1] معارج القدس کا یہ حصہ حضرت الاستاذ مرحوم نے الکلام کے آخر مین بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے، [2] امام صاحب نے آیت پوری نہین لکھی ہے، مین نے اپنی طرف سے آیت پوری کر دی ہے،

گو یہ صحیح ہو کہ وہ عبادات و ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور ریا اور شہرت طلبی سے پاک ہون، نفس مین آثارِ وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہین، تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہین، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے، بلکہ جس طرح نوعِ انسان کا انسان اور فرشتون کا فرشتہ بنجانا اُن کے افراد کی سعی و محنت کا مرہونِ منت نہین، اسیطرح نوعِ انبیا کا نبی بنجانا اُن کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہین، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہین، بلکہ فیضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لئے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت. نوعِ انبیا کے لیے اکتسابی چیز نہین، لیکن منشاے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل، قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہین،

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبرون کے آغازِ وحی کے حالات مین آپ کو یہ ملے گا، کہ انھون نے ایک زمانہ تک عبادت و مراقبہ مین بسر کیا، ایک ایک مہینہ، ایک ایک چلہ اس طرح گذارا کہ وہ مادّی دنیا کی آلائشون سے یکسر الگ ہو گئے، توراۃ مین حضرت موسیٰؑ کے متعلق ہے، کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت مین رہے، اسی طرح انجیل مین حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنسان جنگل مین چالیس روز تک روزہ رکھکر عبادتون مین مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آنحضرت صلعم کا غارِ حرا مین مہینون عزلت گزین رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت مین مصروف رہنا سب کو معلوم ہے،

چنانچہ آنحضرت صلعم نبوت سے پہلے حرا مین جا کر جب عبادت مین مشغول ہوئے تو رویاے صادقہ دیکھنے لگے، جس کی سچائی مثل سپیدۂ صبح کے صاف نمایان ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت مین مصروف رہتے تھے، کہ آپ کے دونون پاؤن سوج جاتے تھے، اسی لیے قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا :۔

طٰہٰ، مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (طٰہٰ-۱) (اے پیغمبر!) ہم نے یہ قرآن تجھپر اس لیے نہین اُتارا کہ تو تکلیف اٹھائے

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ، نبوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل مین حسن صورت، اعتدالِ مزاج، نشو و نما کی پاکی، حسنِ تربیت، طہارتِ نسب، کرمِ اخلاق، نیکیِ طینت، متانت، سنجیدگی، دوستانِ الٰہی کیساتھ

نرم خوئی، اور تواضع، اور دشمنانِ حق کیساتھ شدتِ قوت، پائی جائے، علاوہ برین وہ راست گفتار، امانت دار، تمام برائیون
سے پاک، فضائل ومحاسن سے آراستہ اور ذلیل باتون سے مبرا ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والون کو معاف، اور اپنے ساتھ
برائی کرنے والون کیساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، قرابت مندون، اور ہمسایون کیساتھ احسان، مظلومون کی اعانت،
فریادخواہون کی فریادرسی، اُسکی طینت، اور نیکی سے محبت، اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے، اُسکی شان
جیساکہ قرآن نے بتایا ہے، یہ ہوتی ہے، کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (نجم۔۱) تمھارا ساتھی (پیغمبر) نہ گمراہ ہوا، اور نہ بہکا،

اس کی یہ صفت اس دنیاوی عالم مین ہے، کہ وہ ہر گمراہی و بے راہروی سے پاک ہوتا ہے،۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نجم۔۱) اسکی نگاہ نہ کج ہوئی، اور نہ سرکش ہوئی،

یہ اُس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق اُسکی کیفیت ہوتی ہے،

تمام دنیا کی قوتین اُس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعًا وکرہًا سرنگون ہوجاتی ہین، باایں ہمہ
وہ مغرور، جابر، جفاپیشہ، بدخو، اور درشت مزاج نہین ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے بارِ عظیم کو اُٹھاتا ہے، اور
اس کا پورا حق اداکرتا ہے، اور تمام عالم مین اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے،

نبوت ورسالت کے ثبوت کا اجمالی طریقہ

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہین، ایک اجمالی، اور دوسرا تفصیلی، اجمالی طریقہ یہ ہے کہ جس طرح
انسان کو حیوان پر نفسِ ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، کہ یہ عقلی ودماغی خصوصیت حیوان
مین نہین پائی جاتی جس کے بل پر انسان حیوان پر حکمرانی کرتا ہے، اور اس کا مالک بنا ہوا ہے، اور اُس کو اپنے
کام مین لگائے ہوئے ہے، اسی طرح انبیا علیہم السلام کو اپنے نفوسِ قدسیہ کی بنا پر تمام انسانون پر برتری حاصل ہے،
وہ اپنے ان قدسی نفوس، اور پیغمبرانہ قوت سے دوسرون کو راہِ راست سوجھاتے، اور خود راہِ راست پر قائم رہتے ہین،
اُنکی پیغمبرانہ عقل وفہم تمام انسانی عقلون سے بالاتر ہوتی ہے، اور اُن کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے، جس کی بنا پر
وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتی اور اُن پر قابو پاتی، اور اُن کو کام مین لگاتی ہے، اور جس طرح انسانون

کے عجیب و غریب کام حیوانون کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہین، اسی طرح پیغمبرون کے عجیب و غریب کام انسانون کو معجزہ نظر آتے ہین، .... اور اگرچہ نبی عام انسانون کیساتھ بشریت اور انسانیت مین برابر کا شریک ہوتا ہے، مگر عقلیت و معنویت مین وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے، کیونکہ اس مین وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے، وہ دوسرے انسانون مین نہین ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (کہف-۱۲) مین تمہاری ہی طرح بشر ہون، مجھ پر وحی کیجاتی ہے،

دیکھو کہ بشریت مین گو پیغمبر کو دوسرے انسانون کے مثل کہا ہے، مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونون مین حدِ فاصل قرار دیدیا ہے،

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہین،

پہلا طریقہ | انسان مین تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہین، فکری، قولی، عملی، ان تینون سے جو افعال سرزد ہوتے ہین، وہ اچھے بھی ہوتے ہین، اور برے بھی، فکر یعنی رائے، صحیح بھی ہوتی ہے، اور غلط بھی، قول، سچ بھی ہوتا ہے، اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، اور اچھے اور برے مین تمیز کیونکر ہو؟ پھر کیا یہ تمیز ہر شخص کرسکتا ہے، یا کوئی نہین کرسکتا، یا بعض کرسکتے ہین، اور بعض نہین، پہلے دو احتمال بداہتہً غلط ہین، اب رہگیا تیسرا احتمال، یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہین، جو ان حدود کو متعین کرسکتے ہین، کہ فلان رائے و عقیدہ صحیح اور فلان غلط ہے، فلان قول سچ، فلان جھوٹ ہے، اور فلان فعل اچھا اور فلان برا ہے، جس شخص کو خالقِ فطرت اپنے فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے، وہی پیغمبر اور صاحبِ شریعت ہوتا ہے،

دوسرا طریقہ | نوعِ انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور مصلحتی معاملات مین باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت ہے، اگر انسانون مین باہم یہ اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فرد زندہ رہے، نہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو سکے، اسی بقاے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے،

انسان کو اس کے لیے دو قسم کے کامون کی ضرورت ہی ایک یہ کہ اچھے کامون مین سب مل کر ایکدوسرے کا ہاتھ بٹائین اس کو **تعاوُن** کہتے ہین، اور دوسرے یہ کہ بُرے کامون سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کرین، اوس کو **تمانُع** کہتے ہین، اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان، کھانے، پہننے اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے، تعاون کے ذریعہ نکاح و قرابت، اولاد و اعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلّقات پیدا ہوتے ہین، اور تمانُع کے ذریعہ سے نوعِ انسانی، اور افرادِ انسانی کی زندگی، اور اُن کی دولت و جائداد، اور عزّت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس تعاون اور تمانع کے اصول ضرور ہی کہ مرتّب، محدود، اور معلوم ہون، اور وہ اس طرح بنائے جائین جنمین کسی خاص شخص، خاندان، قبیلہ، قوم، اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو، بلکہ اُن مین سب کا برابر فائدہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانون کے ذریعہ نہین، بلکہ وحیِ رّبانی، اور تعلیمِ الٰہی سے بن سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہرحال کوئی خاص شخص، یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہوگا، ایسا غیر جانبدارانہ قانون جسمین تمام مخلوقات کی حیثیت یکسان ہو، اور کسی طرف پلّہ جھکنے نہ پائے، اور تمام عالم کے لیے یکسان واجب العمل ہو محال ہے، اسلیے ضرور ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہون جس کے ہاتھ مین نظامِ عالم کی باگ ہے، اور جو پورے نوعِ انسانی کے اندرونی و بیرونی احوال و کیفیات کے رموز سے باخبر ہے، یہ اصول خلّاقِ عالم کیطرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہین وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے،

تیسرا طریقہ یہ وہ طریقہ ہے، کہ جس نے اُس کو نہین جانا، اس نے نبوّت کی حقیقت نہین پہچانی، پہلے یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہین، **خلق**[1] (پیدا کرنا نیست سے ہست کرنا) اور **امر**[2] (جو موجود و ہست ہے اُس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات انہی دو چیزون سے عبارت ہے، تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی مین واسطہ ہین، اسی طرح پیغمبر، خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے مین واسطہ ہین، اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے، اوسی طرح فرشتون پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہین،

ایمان لانا ضرور ہے، اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے مین واسطہ ہین،

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئین،

۱۔ چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے، اس لیے ممکن کے وجود مین آنے کے لیے ایک مرجح کا ہونا ضروری ہے جسکی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، اور وہ شئی عدم سے وجود مین آسکے یہی امر مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے،

۲۔ ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے، جو دمبدم حرکت کی تجدید کرتا رہے، حرکات کی بھی دو قسمین ہین، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے محرک مین ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو، آفتاب و ماہتاب، اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات گو طبعی ہین تاہم اُن کو حرکت دینے کے لیے کسی عاقل و مدبر کی ضرورت ہے، اسی لیے قرآن نے اُن کے لیے کہا،

وَاَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حم السجدہ - ۲) خدا نے ہر آسمان مین اُسکا فرض اور کام وحی کیا،

۳۔ اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع مین نہین آسکتین، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے، اور حق کو باطل سے، سچ کو جھوٹ سے، اور خیر کو شر سے ممتاز کردے،

۴۔ خدا کے حکم دو قسم کے ہین تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم مین جاری ہے، جس کی بنا پر تمام عالم مین تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید مین ہے،

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہین،

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف - ۷) اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہے، چنانچہ قرآن مین ہے،

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (بقرہ ۴) اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمکو پیدا کیا،

مقدّمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا، کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہین اس لیے مرجح کی ضرورت ہی، اختیاری ہین، اس لیے عقل کی ضرورت ہی خیر وشر کے محتمل ہین، اسیلیے رہنما کی ضرورت ہے، اِسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،

نظامِ عالم مین خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہی، وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اسی قیاس سے انسانون پر خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے، وہ بھی ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے ذریعہ سے ہوگا، اور اُنہین کا نام پیغمبر ہے،

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے چھٹے مبحث کے دو ابتدائی بابون مین اس پر بحث کی ہی، اور حقیقت یہ ہی کہ کمال نکتہ سنجی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ مین لکھتے ہین:-

نبی کی ضرورت انسان مین دو قسم کی قوتین ہین بہیمی اور ملکوتی، کھانا، پینا، شہوت، حرص وطمع، استیلاء وجبر وغیرہ افعال بہیمی قوت کے آثار ہین، اور غور وفکر، علم ومعرفت، حسن اخلاق، صبر وشکر، عبادت وطاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہین، انسان کی روحانی کامیابی کے لیے ضروری ہے، کہ اُسکی بہیمی قوت، اُسکی ملکوتی قوت کے تابع ہو، اگرچہ عقل سلیم اُن اصول اور طریقون کو معلوم کرسکتی ہی، جنکے ذریعہ سے بہیمیت کے تابعِ ملکوتیت ہونے کے فائدے، اور گناہ وعصیان کے نقصانات ظاہر ہون عقل سلیم کے اس علم سے، انسان فائدہ اٹھاکر اپنی اصلاح کرسکتا ہے، مگر یہ تو امکان عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے، کہ انسان کی آنکھون پر موجودہ دنیاوی لذائذ، حرص وطمع، اور بیجا خواہشون اور غفلتون کے اتنے تو بر تو پردے پڑجاتے ہین کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوتِ احساس کا مادہ فاسد ہوجاتا ہی، جیسے بیماری مین انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہی، تو میٹھی سی میٹھی چیز اُس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان واحساس کے فاسد ہوجانے سے بھی وہ حق وباطل، خیر وشر، اور نیک وبد کی تمیز کو بھول جاتا ہی، اسیلیے نوعِ انسان کو ایسے صحیح رہنماؤن، اور روحانی معلمون کی ضرورت ہی، جن کے احساس و وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو،

اگر افراد، جماعات اور اہل ملک کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو اپنی سیاست کے زور سے اُن مین صلح و

وآشتی اور امن و امان پیدا کر دے، تو ایک قوم کی قوم بلکہ کُل دُنیا کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیون نہ ہو، جو ہر گروہ کی استعداد کو پیش نظر رکھکر اُس کے مطابق اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دیسکین اُسی طرح کم ہین جسطرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانون کے معمولی پیشون، نجّاری اور لوہاری، کو دیکھو کہ کس قدر معمولی ہین، مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہین، یہ پیشے بھی ایسے لوگون کے بغیر وجود مین نہین آئے جنکو ان کامون کا خاص ذوق و وجدان تھا، اور اُن کو ان کامون کی خاص فطری استعداد ملی تھی جس کے ذریعہ سے اُنھون نے اس فن کو تکمیل تک پہنچایا، اور اس کے اصول و قواعد وضع کیے، اور بعد کے آنے والون نے اُن کی تقلید کی، اور اس تقلید سے مدارج علیا تک پہنچے، پھر اخلاق و روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن جسقدر اہم اور نازک ہے، کیا اس کو سمجھنا اور وضع کرنا ہر کس و ناکس کا کام ہو سکتا ہے،

نبی کی عصمت | پھر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے، کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہے، اور وہ اپنے علم اور تعلیم مین غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے، اور یہ اُس وقت تک ممکن نہین جبتک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیون سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اُس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو، جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، کیا کسی کو اس علم مین کہ اُس کو بھوک یا پیاس معلوم ہوتی ہے، کوئی غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے، جس مین نہ دلیل کی حاجت ہوتی ہے، اور نہ عقل و مثال کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اسطرح رکھدیا ہے، کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلین پیش کرے، کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہین ہے، ہم کبھی اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے، اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار نہین ہو سکتے، اور اپنے یقین کو غلط نہین کہہ سکتے، بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا وجدان و ذوق سلیم رکھدیا ہے، جس کا عمل ہمیشہ صحیح، اور جس کا احساس ہمیشہ درست، اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے،

نبی کی محبوبیت | ایسا شخص جب لوگون کے سامنے آتا ہے، اور لوگون کو بار بار کے تجربہ سے اُس کی صداقت، سچائی،

اور راستبازی کا یقین ہوجاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہین اُن سے اُس کا مقرّب بارگاہِ الٰہی ہونا بھی ظاہر ہوجاتا ہی، تو ہر طرف سے لوگ اس کے اردگرد جمع ہوجاتے ہین، اور اُسکی محبّت کی راہ مین جان و مال، اور اہل و عیال سب کو قربان کردیتے ہین،

شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل مین اسی "بحثِ نبوّت" کو ایک اور انداز سے لکھتے ہین جسکا ماحصل یہ ہی:-

مصلحین | فضل و کمال، اور علم و عمل کے لحاظ سے انسانون کے مختلف درجے ہین، اُن مین سب سے بڑا درجہ **مفہّمین** کا ہی، اور یہ وہ لوگ ہین جنکی قوّتِ ملکیہ نہایت بلند ہی، اور جنھین یہ قدرت ہوتی ہے کہ سچّے اور صحیح جذبہ سے ایک خاص نظام کو دُنیا مین قائم کردین، اور اُن پر بارگاہِ الٰہی سے ایسے علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہی جنھین ربّانی آثار نظر آتے ہین، ایسے لوگ معتدل مزاج اور اپنی صورت و سیرت مین درست، اور عقل و ذکاوت مین متوسط ہوتے ہین، نہ اس قدر بلید کہ جزئیات سے کلیات تک انکا پہنچنا مشکل ہو، نہ اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کرکے ہمیشہ ذہنیات اور تخیلات مین مبتلا رہین، صحیح فطرت پر وہ قائم رہتے ہین، طور و طریق اُنکے پسندیدہ ہوتے ہین، خدا کیساتھ اُن کا تعلق عبادت و طاعت سے، اور بندون کیساتھ عدل و انصاف سے قائم رہتا ہی، وہ اپنے فیصلون مین شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہین کرتے بلکہ منفعتِ عامّہ اور تدبیرِ کلّی کا لحاظ کرتے ہین، وہ براہِ راست کسی کو تکلیف نہین دیتے اِلّا یہ کہ منفعتِ عامّہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو، تو وہ اُس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کرلیتے ہین، وہ ہمیشہ اپنے کاروبار مین عالمِ غیب کی طرف مائل رہتے ہین جس کا اثر اُن کی بات چیت، کام کاج، اور معاملات مین نمایان ہوتا ہے، کارکنانِ عالم اونکی تائید و نصرت مین رہتے ہین، معمولی ریاضت سے اُنکے کے لیے قرب و سکینت کے وہ دروازے کھُل جاتے ہین، جو دوسرون کیلئے نہین کھلتے،

مصلحین کے اقسام | **مفہّمین** کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہین، اور اُن کی مختلف استعدادین ہین، اور اس بنا پر اُن مین سے ہر ایک کے الگ الگ اصطلاحی نام ہین، جو[١] زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیبِ نفس کے علوم پاتا ہی، وہ **کامل** ہی، اور جو[٢] اخلاقِ فاضلہ اور تدبیرِ منزل کے اُصول حاصل کرتا ہے، وہ **حکیم** ہے، جو[٣] عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہی، اور اُن کے مطابق اس کو لوگون مین عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے، وہ **خلیفہ** ہے، اور جس[٤] پر ملاءِ اعلیٰ

کا نزول ہوا ہو، وہ اس سے تعلیم پائے، اور وہ اس کو مخاطب کرے، اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں وہ **مؤیّد بروح القدس** کہلاتا ہے، اور وہ جس کی زبان اور دل میں وہ نور ہو، کہ لوگ اُس کی صحبت اور پند و موعظت سے نفع اُٹھائیں، اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اُس کے رفقائے خاص میں منتقل ہو جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں، اُس کا نام **ہادی** اور **مُزکّی** (پاک کرنے والا) ہے، اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے اُصول و قواعد اور اُسکی مصلحتوں کی واقفیت ہو، اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو، وہ **امام** کہا جائیگا، اور جس کے قلب میں یہ ڈالا جائے، کہ وہ لوگوں کو اُن کی اس مصیبتِ عظمیٰ سے خبردار کرے، جو اس دُنیا میں اُن کے لیے اُن کے اعمال کے نتیجہ کے طور پر مقدر ہے، اور اُن کی بداعمالی کے سبب سے اُن سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے، یا قبر اور حشر میں اُنپر جو مصیبتیں آنیوالی ہیں اُس کا نام **مُنذِر** (ڈرانے والا ہشیار کرنے والا) ہے،

اور جب حکمتِ الٰہی کا یہ اقتضا ہوتا ہے، کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے اُن مفہمین میں سے کسی کو بھیجے تو اوسکی آمد مخلوق کے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے، اور وہ بندوں پر یہ فرض قرار دیتا ہے، کہ وہ دل و جان سے اوس کی اطاعت کریں، اور بارگاہِ الٰہی میں تاکید ہوتی ہے، کہ جو اوسکی اطاعت کرے، اس سے خوشنودی، اور جو اُس سے مخالفت کرے، اُس سے ناخوشی ظاہر کیجائے، یہی شخص **نبی** ہوتا ہے،

نبیؐ کی دو بعثتیں نبیوں میں بڑا درجہ اُس کا ہوتا ہے، جس کو اس پیغمبرانہ بعثت کیساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے، اور وہ یہ مرادِ الٰہی یہ ہوتی ہے، کہ اُس نبی کے ذریعہ سے اُس کی قوم، اور اُس کی قوم کے ذریعہ سے دوسری قومیں ظلمت سے نکل کر نور میں آئیں، تو اُس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثتِ اولیٰ، اور اوسکی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے نامزدگی بعثتِ ثانیہ ہے،

نبیؐ کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اِشارہ ہے،

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	وہی خدا جس نے اَن پڑھوں میں، اُنھیں میں سے ایک رسول
یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمْ	بھیجا، جو اُن کو اُس کی آیتیں سناتا، اور ان کو پاک بناتا، اور

اَلْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ، (جمعہ-۱) اُن کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے،

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت مین اشارہ ہے،

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ تم بہترین اُمت ہو جو لوگون کے لیے، وجود مین لائی گئی،

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران-۱۱) نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے باز رکھتے ہو،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلعم کی پیغمبرانہ بعثت اُنکی اُمت کے لیے ہوئی، ویسی ہی اُنکی اُمت کی بعثت دوسری قومون کی طرف ہوئی، اور اسی معنی مین قرآنِ پاک کی یہ آیت بھی ہے،

لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا تاکہ رسول تمپر گواہ ہو، اور تم لوگون پر گواہ ہو،

شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (حج-۱۰)

اسی لیے احادیث مین ہے، کہ آپنے صحابہ کو فرمایا فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ "تم آسانی کرنے والے بناکر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بناکر نہین"، آنحضرت صلعم سے پہلے جو انبیا علیہم السلام آئے وہ ان مختلف مذکورہ بالا مناصب مین سے ایک یا دو منصب کیساتھ مبعوث ہوئے لیکن آنحضرت صلعم ان تمام منصبون پر ایک ساتھ سرفراز ہوئے، اور یہ تمام فنون آپکی واحد ذات مین جمع کردیئے گئے، اور آپ کو یہ دونون بعثتین بھی بکمال استحقاق عطا ہوئین،

بعثت کیلئے کسی قوم کا انتخاب

یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمتِ الٰہی کا اقتضا اس لیے ہوتا ہے، کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم ونسق مین جو اضافی خیر متصور ہے، وہ ان دونون اُسی رسول کی بعثت پر منحصر ہوتا ہے، اور اس بعثت کے حقیقی سبب کا علم اُسی دانائے غیب کو ہے، مگر اتنی بات ہم قطعاً جانتے ہین، کہ کچھ اسباب ایسے ہین، جو بعثت کیساتھ ضرور پائے جاتے ہین، اور امت پر اُس رسول کی اطاعت اسی لیے فرض ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قومون سے جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس مین خدا کی اطاعت و پرستش کی استعداد اور اُنہین اللہ تعالیٰ کے فیضان اُٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہے، اُس مین وہ رسول مبعوث ہوتا ہے، اور چونکہ اس قوم کی اصلاح اُسی پیغمبر کی پیروی اور اتباع مین منحصر ہوتی ہے، اس لیے بارگاہِ الٰہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اُنکی اطاعت سب پر واجب کیجائے،

بعثت کا زمانہ اس موقع پر چند باتین اور قابلِ لحاظ ہین، اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہی، کہ کوئی نئی حکومت اس لیے قائم کیجائے، تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُن دوسری حکومتون کو جو دُنیا مین فساد اور شر کا موجب بنی ہوئی ہین، مٹا دیا جائے، تو ایسی حالت مین اللہ تعالیٰ اُس شخص کو بھیجتا ہے، جو پہلے اس قائم ہونے والی سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے، اور اُس کے دین کو درست کرے، تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسری قومون کی اصلاح ہو، جس طرح ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا اور اُس کو اپنا برگزیدہ بنانا چاہتا ہی، تو اُس مین وہ ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے، جو اُس کی کجی کو دور کردے، اور اُس کو کتابِ الٰہی کی تعلیم دیکر اُس کو اس کا مستحق بنا دے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنی اسرائیل مین بعثت ہوئی، یا کسی قوم کے متعلق قضائے الٰہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہی، کہ اس کو مزید زندگی ملتی رہے، اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے، تو مجددین نبوت پیدا ہوتے ہین، جیسے بنی اسرائیل کے مختلف زمانون مین حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور پیغمبرون کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی،

نبیؐ کی یقینی کامیابی ہر نبی کی بعثت کے دور مین اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے، کہ اوسکو اور اُس کے دوستون کو کامیابی اور اُس کے دشمنون کو پے درپے ناکامی ہو، (یہانتک کہ حق استوار اور دعوت مکمل ہوجائے) قرآن پاک مین ہی،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (صافات) اور ہماری بات، اپنے پیغمبرون کے متعلق پہلے ہی طے ہوچکی ہی، کہ اونہین کی مدد کیجائیگی، اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا،

ان دونون بزرگون (امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحب) نے اپنے اپنے الفاظ مین جو کچھ کہا ہی، وہ حرف بحرف صحیح ہی، انبیائے کرام علیہم السلام کے احوالِ مبارکہ اور سوانحِ مقدسہ پر جسکی نظر عمیق و وسیع ہوگی اُس کو ان اصول کے تسلیم کرنے مین ذرہ بھر شک نہین ہوسکتا، اور اُن پر استدلال، واقعات اور حوادث سے اوسی طرح کیا جاسکتا ہی جس طرح نفسیاتِ اجتماع (سائیکالوجی آف پیپل) یا نفسیات رہنمائی (سائیکالوجی آف لیڈرشپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے ہین، اسطرح امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات مین جو کچھ کہا ہے ہم مجازاً کہہ سکتے ہین کہ وہ "نفسیات نبوت" کے گویا ابواب ہین،

موجودہ زمانہ مین خیالات، طرزِ گفتار، اسلوبِ تحریر، اور طریقۂ استدلال، غرض ہر چیز مین فرق ہوگیا ہے، اس لیے ضرورت ہے، کہ اہلِ زمانہ سے اونکی اصطلاح مین گفتگو کیجائے، اور جو اصول قائم کیا جائے اُس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے، کہ عقل و نقل دونون دربارون مین کہنے والے کی بات کا اعتبار ہو،

غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا، کہ دُنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کیلئے پیدا ہوا ہے، وہ اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر خود بخود اُس کو پورا کر رہا ہے، اور اُس کے خالق نے اس کے روزِ پیدایش سے اس کو جو حکم دیدیا ہے، اُسکی تعمیل سے وہ سرِ مو انحراف نہین کرتا، آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام مین لگی ہوئی ہے، آفتاب دُنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے، اور وہ ہر آن اور ہر لحمہ اسمین مصروف ہے، زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اوسکو انجام دیرہی ہے، ابر کو سیرابی اور گوہر باری کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہین، اور وہ اِس کام مین لگے ہوئے ہین، حیوانات جن کامون پر مامور ہین، وہ بخوشی اُن کو کر رہے ہین، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دُنیا مین کسی کام پر اسی طرح مقرر ہوکر آیا ہے یا نہین؟ اگر آیا ہے تو کیا اسکو انجام دیرہا ہے؟

آؤ انسان کو غور سے دیکھین، بظاہر وہ بھی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، اُٹھتا بیٹھتا زندگی گذارتا ہے، اور پھر مرجاتا ہے، کیا اوسکی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے، اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان مین کیا پہچان؟ اور ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ مین کیا تمیز؟ اور صاحبِ عقل اور بیعقل مین کیا فرق؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لیے انسانون سے سوال کرتا ہے اور بجا سوال کرتا ہے؟

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا — کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا،

(مومنون - ۶)

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی، (قیامہ - ۲) — کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا،

اِس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے لیکن وہ غرض و مقصد کیا ہے؟

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے تو بھی آفتاب اسیطرح چمکتا رہیگا، سمندر اُسی طرح اُبلتے رہین گے، ہوائین اسیطرح چلتی رہینگی، پانی اسی طرح برستا رہیگا، سبزے اُسی طرح اُگتے رہین گے، اور درخت اوسی طرح

پھلتے رہین گے لیکن اگر درخت نہ پھلین، تو انسان کی ہستی معرضِ خطر مین پڑ جائے، سبزیان نہ اگین، تو انسان بھوکا مرجائے، پانی نہ برسے تو انسان پیاسا تڑپ جائے، اگر ہوا نہ چلے تو انسان گھٹ کر مرجائے، اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے، اگر آفتاب نہ چمکے، تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے، سمندر نہ ہو تو نہ پانی برسے، نہ سبزیان اگین، نہ انسانی غذا میسر آئے، نہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو، الغرض دنیا کی کوئی اہم ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہین، لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانۂ ہستی کے ایک ایک پرزہ کا حاجتمند ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہین، کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض وغایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے، جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآنِ پاک دوسرے موجودات ومخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ-۳) — اُسی نے تمھارے لیے (اے انسانو!) وہ سب پیدا کیا جو زمین مین ہے،

پھر یہ بھی بتایا،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ (حج-۹) — (اے انسان!) کیا تو غور نہین کرتا کہ زمین مین جو کچھ ہے اُن سبکو تمھارے کام مین اُسنے لگا رکھا ہے،

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اُس نے اعلان کیا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ (نحل-۲) — اور (اے انسانو!) اُس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمھارے کام مین لگایا ہے اور ستارے بھی اسکے حکم سے کام مین لگے ہین،

ہستیان دو ہی ہین، خالق کی اور اُسکی مخلوقات کی، مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ اُن مین ہر ادنی چیز اپنے سے اعلی چیز کے کام آ رہی ہے، جمادات، نباتات کے، نباتات حیوانات کے، اور جمادات اور نباتات اور حیوانات تینون انسان کے کام آ رہے ہین، آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلی ہستی کے کام آنا چاہیئے، مخلوقات مین تو اب اس سے کوئی اعلی ہستی نہین، تو لامحالہ اوسکی تخلیق خود خالق کے لیے ہوئی ہے،

الغرض دنیا کی ساری چیزون کی غرض و غایت بواسطہ یا بلا واسطہ، انسانون کی بقا، زندگی اور آسایش ہے، لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لیے نہین، بلکہ خدا کے لیے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اور مین نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری طاعت کرین،

(ذاریات - ٣)

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمین ہین،

١- ایک وہ جو اِن صفات سے یکسر محروم ہین جیسے آفتاب، ماہتاب، زمین، مٹی، پتھر، پھل، پھول، درخت،

٢- دوسرے وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتے ہین لیکن قیاس و استقراء و تمثیل اور حاضر پر غائب کو قیاس کرکے کسی نئے علم کا استخراج کرنا اُن کی قدرت سے باہر ہے، اُن کا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیا تک محدود ہے، جیسے حیوانات،

٣- تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل و ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقرا و تمثیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے، جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے،

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہین، وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہین اور کبھی اُن مین تخلف نہین ہوتا، اِسی لیے اُن کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہین، جنکا صدور اِن مخلوقات سے ہمیشہ یکسان اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے، دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار اور حرکات پیدا ہوتے رہتے ہین، وہ گو ارادہ اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہین لیکن اُن کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال، حرکات اور آثار یکسان طور سے ظاہر ہوتے ہین، اُن کے خلاف نہین ہو سکتا، اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے، اُن کے اِن افعال، حرکات اور آثار کو جبلت، فطرت اور طبیعت کہتے ہین، اُن کے صدور مین بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہین، جیسے حیوانات کے افعال اور اُن کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام، کہ وہ ازل سے قیامت تک

یکسان، ایک ہی طرح، اور وہ بھی کسی غایت، اور انجام ومآل کے پہلے سے سوچے بغیر اُن سے صادر ہوتے ہین،

تیسری مخلوق کے بعض افعال گو طبیعت وجبلّت کے مطابق ہوتے ہین جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ اور اضطرارًا سرزد ہوتے ہین، مگر اُس کے اور دوسرے افعال وحرکات تمامتر اُس کے ارادہ، اختیار اور فہم سے صادر ہوتے ہین، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہین جنپر خیر وشر اور نیک وبد کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اس سے بڑھکر یہ کہ اُس کے تمام عاقلانہ کام، عاقبت بینی، انجام، اور مآل کار کو خیال کرکے اُس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہین اور یہین سے اسکی ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے،

جن وانس کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر وشر کی ذمہ داری سے بری ہین، جمادات ونباتات تو اس لئے کہ اُن کے افعال وحرکات تمام تر مجبورانہ، بے ارادہ، اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہین، یا یون کہو کہ اُن احکام کے بموجب ہمیشہ ہوتے ہین، جو خدا نے اُن کو اوّل ہی دن دیدیئے ہین حیوانات بھی اسلئے اس ذمہ داری سے بری ہین، کہ اُن کے افعال وحرکات بھی تمامتر جبلّی وطبعی ہین، اور وہ جبلّت وطبیعت پر مجبورانہ بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہین، یا یون کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطرارًا عمل پیرا ہین، اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہین، کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلّت سے اطاعت پر مجبور ہین، اور اِسی لیے اُن سے عصیان نہین سرزد ہوتا، صرف ایک انسان ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتون مین ارادہ، اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی بدی اور خیر وشر ان دونون پہلوؤن مین سے کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہین ہے، بلکہ وہ عقل وفہم سے سوچ سمجھکر مآل کار، اور انجام پر غور کرکے یا اپنے جذبات کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے، اس لیے وہی خیر وشر کے امتیاز اور حق وباطل کے فرق کے لیے پیغام الٰہی کا محتاج قرار پایا،

جمادات ونباتات، اور دیگر مخلوقات سے احکام الٰہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلّت یا فطرت یا خاصیت کو، قرآن پاک یون ادا کرتا ہے،

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ، يَخَافُوْنَ	اور خدا ہی کے آگے سر جھکاتے ہین، جو آسمانون مین ہے اور جو زمین مین ہے جاندارون مین سے اور فرشتے وہ سرکشی نہین کرتے اپنے پروردگار کا اوپر سے ڈر

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (نحل)

رکھتے ہین، اور کرتے ہین، جو حکم پاتے ہین،

اس فطری اطاعت الٰہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو، جیسا کہ قرآن مین ہی،

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا
(نحل-۹)

اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیون پر وحی بھیجی کہ پہاڑون
مین اور درختون مین اور جہان چھت ڈالتے ہین، اپنے
لیے گھر بنالے پھر ہر پھل مین سے کھا، پھر اپنے پروردگار کی
راہون پر (مقررہ احکام پر) چل مطیع ہوکر،

دیکھو اس آیت پاک مین طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الٰہی کہا گیا ہے، اور دوسری جگہ انکی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو اُن کی زبانِ حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ
وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (نور)

کیا تو نے نہین دیکھا کہ آسمان اور زمین مین جو کوئی ہے اور اُڑتے
جانور پر کھولے اسکی یاد کرتے ہین، ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی
طرح کی نماز اور اُسکی پاکی کی یاد، اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہین

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کیطرح مجبور محض نہین پیدا کیا گیا ہے، بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا، وہ احساس اور ارادہ جو جمادات مین معدوم، نباتات مین محل بحث، اور حیوانات مین متحرک ہے، وہ انسان مین پوری طرح بیدار اور کارفرما ہے، اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جمادات مین معدوم، نباتات مین مفقود اور حیوانات مین محدود ہے، وہ انسان مین ایک حد تک وسیع ہے، علاوہ ازین ہر کام مین عاقبت بینی، اور تامل اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے، اسی لیے تمام مخلوقات مین وہی ارادی تکلیف کا مستحق قرار پایا، اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ اطاعت الٰہی کے لیے نہین، بلکہ بالارادہ اطاعت کے لیے اسکی تخلیق ہوئی فرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

ہم نے اپنی امانت آسمانون پر اور زمین پر اور پہاڑون پر
پیش کی تو اونھون نے انکار کیا اور اس سے ڈرے،

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط (احزاب - ۹) اور انسان نے اُس کو اٹھا لیا،

یہ امانت، اسکی نیکی و بدی کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے، جس کے نتیجہ کے طور پر شریعت الٰہی کا نزول ہوا ہے، انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے با ارادہ اور باختیار افعال مین بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الٰہی کی اطاعت کرنا ضروری ہو، یعنی جسطرح بے اختیارانہ افعال مین فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کرکے حکم الٰہی کی تعمیل کیجاتی ہے، اُسی طرح با ارادہ اور اختیاری افعال مین بھی شریعت کی بالارادہ اطاعت کرکے حکم الٰہی کی تعمیل ضروری ہو،

اس مطلب کو دوسرے لفظون مین یون ادا کرسکتے ہین، کہ غیر ارادی افعال و حرکات مین جسطرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہین، اُسی طرح ارادی افعال مین بھی شرعی الہام و وحی کی بالارادہ پیروی کرین،

لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہین جب تک اُس کے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو، انبیا اور رسول وہی ہین جنپر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے، اور وہ ان ذی ارادہ بندون کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے اور اُسکی اطاعت کی دعوت دیتے ہین،

یہ نکتہ کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعاً مجبور اور مجبول ہین اور کسی قدر بااختیار انسان کے افراد اپنے اُسی تھوڑے سے اختیار اور ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرتے پر آمادہ ہین، خود قرآن پاک کے الفاظ مین موجود ہے، فرمایا،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ	کیا تو نے نہین دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکاتا ہے جو آسمانون
فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ	مین ہو اور جو زمین مین ہے، اور سورج اور چاند اور ستارے
وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط وَ	اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان، اور
كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط (حج - ۲)	بہت ہین (انسان) جنپر عذاب ٹھہر چکا،

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کلی اطاعت اور سرافگندگی کا اعلان ہے

لیکن خاص با ارادہ اور باعقل اور انجام بین انسانون کی دو قسمین کردی گئین مطیع اور سرکش،

کائنات کے صحیفہ کا تدریجی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا، کہ جمادات، نباتات، حیوانات، اور انسان مین جس صنف مخلوقات مین احساس، ارادہ، اور اختیار کی تجلی کمی ہو، اسی قدر فطرت اس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس حد تک احساس، ارادہ، اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی مین بڑھتا جاتا ہے، اسیقدر معلّم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے، اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشو ونما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہین، نباتات جنمین ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی آنکھین کھولتی ہے، اُن کی غذا خود اُن کے پانون کے نیچے ہوتی ہو، اور وہ خود اٹھ کر اور چل کر اُن تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات جنمین یہ اوصاف جاگ کر کروٹین بدلتے ہین، اُنکی غذا بے جوتے بوئے، بے سینچے نکھارے، بن پکے پکائے، ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے، لیکن انسان جسمین یہ تینون اوصاف بیٹھکر حکمران اور کارفرما ہوتے ہین، اس کے منھ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہین پہنچ سکتا جب تک اُس کی جد وجہد، محنت، اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پانون تک نہین پہنچتا،

جہان احساس، ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اسیقدر طبیعت، فطرت، اور جبلّت کی اضطراری حکومت قائم ہے، لیکن جیسے جیسے اِن تینون اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت اور جبلّت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہوکر احساس، ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات و اعمال کی باگ فطرت و جبلّت کے مضبوط اور ناممکن التغیر ہاتھون سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور ہر آن بدل جانیوالے ہاتھون مین آجاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کرین گے، جو ان کو کرنا چاہیئے، نباتات عموماً وہی بنین گے جو ان کو بننا چاہیے، حیوانات وہی کام انجام دین گے، جو ان کے سپرد کردیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار، اور ارادہ پاکر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور حدود و اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاؑ اور رسولؑ وہی ہین، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اس کی اُس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لیے آتے ہین،

اس اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان مین "دل" ہے جو انسان کے سر سے لیکر پاؤن تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک ادنی جنبش و حرکت پر حکمران ہے، اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم مین سب کچھ ہوتا اور سر انجام پاتا ہے، انبیا اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آتے ہین،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل مین قدم قدم پر ہزارون چیزون کی احتیاج ہوتی ہے، ان چیزون کے مہیا اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان مین استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے، اور یہ استعداد و قوت فیاض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم مین ہمین ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر انسان مین جس قسم کا میلان ہوتا ہے، اسی کی استعداد اس مین پائی جاتی ہے، اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جنکو تم ایجادات اور اختراعات کہتے ہو، ہر پیشہ ور اپنے متعلقہ کام کو بڑھاتا، اور ترقی دیتا ہے، اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لیے سامان فراہم کرتا ہے،

ان مادی ضروریات کے بنانے والون کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہین بعض ان مین محض مقلد ہوتے ہین، جو وہی بنا سکتے ہین، جو بنانا سیکھا ہے بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہین، جو اچھے کاریگرون کے صرف نمونون کو دیکھکر اچھی چیزین تیار کرسکتے ہین بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہین کہ وہ نئی نئی چیزین بناتے، دریافت کرتے، اور ایجاد کرتے ہین، اور بعد کے آنے والے مدت تک انھین کی تقلید کرتے رہتے ہین، کاشتکاری کے اصول، ازالہ مرض کی تدبیرین، کھانے پکانے کے طریقے، سواری کے ضروریات، رہنے سہنے کے سامان، پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلات، اُن مین سے ہر شئے کی ضرورت ہے، اور اُن مین ہر ضرورت کے لیے خالق فطرت نے ایک ایک گروہ کو پیدا کر دیا ہے، اور وہ اپنے اپنے کام کو انجام دیتے رہتے ہین، ان ضرورتون کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اُس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے ضروریات کا جنکو تم اصول تمدن، طریقۂ معاشرت، آئین عدل و انصاف، اخلاق حسنہ اور دین و تقوی کے نام سے موسوم کرتے ہو دور شروع ہوتا ہے اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانون کے سامنے نہ ہون، تو آدم کے بیٹون کی یہ جنت دوزخ ہو جائے

اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت، جانوروں کا گلہ اور درندوں کا جھنڈ بنجائے،

جو تمھارے لیے غلہ پیدا کرتا ہی، وہ کاشتکار ہے، اور جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے، جو زیور گھڑتا ہے، وہ سونار ہے، جو تمھارے کپڑے بنتا ہے وہ جولاہا ہے، جو تمھارے مکان بناتا ہے وہ معمار ہے، جو تمھاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہی، جو تمھاری نگہبانی کرتا ہے، وہ حاکم ہے، جو تمھارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، وہ قاضی ہے، جو تمھارے ملک کے اندر امن وامان کا ضامن ہے، وہ بادشاہ ہے، جو تمھاری جسمانی بیماریوں کا معالج ہے وہ طبیب ہے، جو اپنی صناعیوں سے تمھاری ضرورتوں کے لیے کاریگری کی چیزین بناتا ہی وہ صناع ہے اور جو تمھارے لیے مادی کائنات کے چہرہ سے اسرار کا پردہ ہٹاکر تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے،

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمھارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگران ہین، اُن کی بھی ایک جماعت ہے، لیکن جسطرح تمھارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہین، اسیطرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والون مین بھی مرتبے اور درجے ہین، بعض وہ ہین جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل و تقلید کرتے ہین، یہ عام علما ہین بعض وہ ہین جو اچھے روحانی نمونون کو دیکھکر خود بھی اُن کی عمدہ نقل اتارتے ہین اور دوسرون کو بھی بتاتے ہین، یہ مجددین ہین، بعض ایسے ہین جو الہام ربانی سے فیض پاکر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہین، یہ انبیاء ہین، اُن کے مقدس ہاتھ، تمھارے لیے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بننے، اوزار بنانے اور صناعی کرنے کے لیے نہین بلکہ اُن سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کے لیے ہین، اُنکی مبارک انگلیان تمھارے ان تارون پر پڑتی ہین، جنسے یہ صدہا قسم کے نغمے نکل رہے ہین، یعنی تمھارے دل کی رگون پر، غور کرو کہ یہ اصل مرکز جسپر تمھارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جد وجہد کا مدار ہے، یعنی "دل" کیا انبیاء اور اُن کے متبعین کے سوا کوئی طبقہ اس کی نشو ونما، حفاظت، ترقی، تکمیل، اور اصلاح کے لیے بھی کام کر رہا ہے، اور کیا خالق فطرت کا یہ فرض نہ تھا، کہ وہ تمھاری مادی ترقی و اصلاح کی طرح، تمھاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا، اور ایسا سمجھنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، نوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ

سے متعلق نہین کی ہے، کیا اسکی شانِ ربوبیت کیساتھ سوءِ ظن نہین ہو؟

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقون کو باہم جوڑکر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے، وہ ان سب کو جو تمہارے لیے روٹی تیار کرتے ہین، کپڑے بنتے ہین، جھوپڑے بناتے ہین، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہین، ایک دوسرے کیساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کرکے اُن مین روحانی برادری پیدا کرتے ہین، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹون کو جنکو دولت و غربت، سوسائٹی اور مجلس حکومت اور اقلیم، اور جغرافی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہین، اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر، پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوام عالم کو اولادِ آدم، اور کل بلند و پست طبقون کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہین، اور اُن کے اخلاقی روحانی عالم مین اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہین، اُن کے دلون سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہین، اُن کے احساس، ارادہ، اور اختیار کی باگ پر اُن کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہین، اور اُن کو اعتدال کی حد بتا کر صحیح و غلط کی تمیز عطا کرتے ہین،

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی، رسول، اور پیغمبر کہتے ہین، ان کو گو براہِ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہین ہوتا، بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لیے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک اُن کے فرائض مین داخل ہے، جہانتک ان کو دل اور قلب و روح کے کامون کی اصلاح کیلیے انکی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

ایک شبہہ اور اُس کا جواب اس مقام پر ایک شبہہ یہ ہوتا ہے، کہ افرادِ انسان کے درمیان، امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہین، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے مگر ان کے کامون کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے، اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہہ کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح مین یون سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتون سے نظر ڈالتے ہین، اور اسی اختلافِ نظر سے ان کا فن بھی علحدہ علحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کیجائے، تو کیمسٹری ہے، اگر اس کی زندگی اور اسباب

زندگی پر غور کیا جائے تو بیالوجی (علم الحیات) ہے، اگر اس کے دماغی قویٰ اور اُن کے آثار کی تحقیق کیجائے، تو سائیکالوجی (علم النفس) ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اُس کے شخصی افعال و اعمال کے حدود اور اُن کے اسباب و علل اور غرض و غایت پر نظر ڈالو، تو یہ ایتھکس (فلسفۂ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کیجائے تو یہ سوشیالوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب کی جستجو کیجائے، تو یہ طب ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتوں سے بحثیں کیگئی ہیں، اور اُن سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہیں، تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانی ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں اور باانہمہ ان میں سے ہر ایک علم و فن علیحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علیحدہ ہیں،

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں، فلاسفروں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے، مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازاروں، گلیوں، آبادیوں، اور میدانوں میں امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفر انسانوں کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تفتیش اور ان میں نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہے، فلسفۂ اخلاق کے معلم تمہارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہیں، اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں، حکیم اور واعظ تمہارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے نہایت شیریں، خوشگوار اور ڈھلے ہوئے فقرے سناتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا رہنما ہو، جو تمہارے احساس، ارادہ، اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتائے، بلکہ تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے، اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تلقین و فیض صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات و جذبات بلکہ احساس، ارادہ اور اختیار کی غرض و غایت بلکہ پورے دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے، اور شر کے تخم کو دلوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کر دے، البتہ نبی یہ تمام کام سرانجام دیتا ہے، وہ انسان کو

اس کے احساس ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری یاد دلاتا ہی، اور ان قویٰ کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کر دیتا ہے،

وہ بادشاہون کی طرح صرف بازارون مجمعون اور آبادیون کا امن و اطمینان نہین چاہتا، بلکہ وہ لوگون کے دلون کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے، وہ معلّمینِ اخلاق کیطرح اسباب و علل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پروا نہین کرتا، بلکہ اخلاق سیئہ خواہ کسی سبب سے ہون، وہ ان کی بیخ کنی کرتا ہے، اور اخلاق حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہون وہ ان کو انسانون کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسانی اوہام کے طلسم کو توڑ دیتا ہے، اور غلط رسوم و رواج کی بندشون کو کھولتا ہے، اور انسانون کو انسانون کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی مین دیتا ہے،

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف ۱۹)

وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے اور اچھائیون کو ان کے لیے حلال اور خبیث چیزون کو حرام ٹھہراتا ہی، اور ان کے اس بندھن اور زنجیرون کو جو ان پر ہوتی ہین، ان سے اتارتا ہے،

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ، (نساء ۲۳)

ایسے رسول بھیجے جو نیکون کو خوشخبری دیتے اور بدکارون کو ہشیار کرتے ہین، تاکہ رسولون کے اس وعظ و تذکیر کے بعد پھر انسانون کو خدا پر الزام دینے کا موقع نہ ملے (کہ ہم بھولے تھے تو خدا نے ہمکو کیون نہ یاد دلایا)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ۳۰)

ہم نے رسولون کو کھلی ہدایتین دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور (عدل کی) ترازو دی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہین، (اور دنیا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرے)

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہین، ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہین بڑھتا، مگر انبیا، اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی

اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھکر کرتے ہین کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائدار زندگی پر کیا پڑیگا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لیے نہین، بلکہ روح کے لیے کرتے ہین، اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشا کے مطابق بجالاتے ہین، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق ہی سے نہین بلکہ مخلوق کو خالق سے، اور خالق ہی کے لیے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہین،

وہ صرف اچھی اچھی اور میٹھی میٹھی باتین لوگون کو نہین سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہین اور دوسرون کو اس کا عامل بناتے ہین، وہ خیال آرا شاعرون اور جھوٹے حکیمون کی طرح نہین ہوتے، جو کہتے ہین اور کرتے نہین، دماغ ہوتے ہین مگر دل نہین ہوتے، زبان ہوتے ہین، مگر ہاتھ نہین ہوتے،

وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (شعراء-۱۱)

اور شاعرون کے پیرو کار گمراہ ہوتے ہین، تم دیکھتے نہین کہ وہ ہر میدان مین سر مارتے پھرتے ہین، اور وہ وہ کہتے ہین جو کرتے نہین،

وہ اس دعوی کیساتھ انسانون مین آتے ہین، کہ اُن کے خالق نے جس نے اُن کے ذرہ ذرہ کا سامان راحت فراہم کیا ہو، وہی ان کے قلب و روح کا سامان راحت بھی بہم پہنچاتا ہے، اور ہمین اس لیے بھیجا ہے، کہ ہم اُن کے قلب و روح کو اس سامان کا برتنا سکھائین، اور اُن کے رب کا پیغام ان کو سنائین اور بتائین کہ وہ کیا چاہتا ہے، کہ اس کے بندے اپنے احساس، اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو کس طرح اس عالم مین صرف کرین کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان، اور امن و سعادت کی روشنی مین داخل ہون،

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (حدید-۱)

وہی خدا ہے جو اپنے (رسول) بندے پر کھلی آیتین اتارتا ہے کہ تم کو (اے انسانو!) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی مین لائے (اور اللہ نے ایسا اسلیے کیا) کہ وہ تمپر شفقت کرنے والا مہربان ہے

انبیا بھی ایک بادشاہ کی طرح جماعتون کا انتظام کرتے ہین، مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لیے

نہیں، بلکہ خدا کے لیے، وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لیے مقنن کی طرح قانون بناتے ہیں، اور قاضی کی طرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہیں، مگر انعام شاہی اور تنخواہ ماہانہ پا کر کسی دنیا وی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لیے نہیں، بلکہ جسم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں، وہ بھی فلاسفر کی طرح رموز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں، مگر تجربہ، استقرار اور قیاس سے نہیں بلکہ عالم الاسرار کے مبدء علم سے فیض پا کر، وہ بھی حکیم و واعظ کی طرح پر تاثیر کلام کرتے ہیں مگر ان کے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہیں بلکہ خدا سے سنکر، اور وہ صرف کہتے نہیں بلکہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں، اور جو کرتے ہیں وہ دوسروں سے کراتے ہیں، وہ خدا سے ہیں، خدا سے پاتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور وہی اوروں کو سناتے ہیں، غرض اوپر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے وہی وہ نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں،

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى
عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوٰى، ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى، وَ
هُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى . . . . .
فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا
رَأٰى، أَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى . . . . .
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى، لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (والنجم-۱)

قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ نیچے گرے، کہ تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ بھولا
بھٹکا اور نہ وہ نفس کی خواہش ہی سے بات کرتا ہے، وہ تو وہی ہے جو اسکو
وحی کے ذریعہ کہا جاتا ہے، اس کو بڑی قوتوں والے نے سکھایا، طاقت والا
تو وہ سیدھا ہوا، درآنحالیکہ وہ آسمان کے سب سے اوپر کناروں میں تھا
تو اس نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، نہ اسکے دل نے جو اس نے دیکھا،
اسکو جھوٹ کہا، کیا وہ جو دیکھتا ہے تم اس پر اس سے جھگڑتے ہو،
نہ بینائی نے کجی کی اور نہ سرکشی کی، اس نے اپنے رب کی بڑی
بڑی نشانیوں میں سے دیکھیں،

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ، هٰذَا
بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف ۲۴)

کہدے (اے پیغمبر) کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر میرے
رب کی طرف سے وحی کیجاتی ہے، یہ (اے انسانو!) تمہارے رب
کی طرف سے بصیرتیں ہیں، اور انکے لیے جو ایمان لاتے ہیں ہدایت اور رحمت ہیں،

وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ

یہ تو عالم کی پرورش کرنے والے کی طرف سے اتارا گیا ہے، اسکو امانت والی روح

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (شعراء ۱۱)

نے تیرے دل پر اتارا تاکہ فصیح عربی زبان میں تو ہشیار کرنیوالوں میں سے ایک ہو،

نکتہ، یہ بالکل ممکن، بلکہ واقعہ ہے، کہ ایک ہی قسم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں کسی قوم کی اصلاح کا کام ہو کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں، خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کر کے صرف مخلصانہ اغراض کو لو، کوئی یہ سمجھتا ہو کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہو، کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہو، کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے، کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے، کوئی جسمانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہو، کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے، لیکن انبیاء کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں، وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے، اُن کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، اور خدا کی معرفت ہوتی ہے، اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں،

یہی سبب ہے کہ اُن کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے، دولت بھی ہاتھ آتی ہے، علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے، اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر منظر خادمانہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے، مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہئے، کہ سیاسی مصلحین کیطرح سلطنت، مالی مصلحین کیطرح دولت، تعلیمی مصلحین کیطرح تعلیم علم و فن، جسمانی مصلحین کیطرح زور و قوت، ان کا مطمح نظر نہیں ہوتا، بلکہ جو کچھ اُن کے سامنے ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، خدا کی خوشنودی ہوتی ہے، اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی، ثانوی اور ضمنی ہوتی ہیں،

نبی اور غیر نبی کے امتیازات سطور بالا سے ہویدا ہے، کہ انبیا اور ان کے مشابہ اشخاص میں کتنا عظیم الشان فرق ہے، یہ فرق چار حیثیتوں سے نمایاں ہو، مبدأ اور منبع کا فرق، غرض و غایت کا فرق، طریق دعوت کا فرق، اور علم و عمل کا فرق، نبی کے علم کا مبدأ اور منبع، ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ ہو وہ تعلیم ربانی، شرح صدر، اور وحی و الہام ہوتا ہو، اور حکیم کے علم کا ماخذ و منبع تعلیم انسانی، گذشتہ تجربہ، استقرار اور قیاس ہوتا ہے، یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے، اور نبی خالق عقل سے، اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال

اور جد وجہد کا منشا، اپنی شہرت طلبی، علم کا اظہار، قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اوسکی اصلاح ہوتا ہے، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضامندی کے لیے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے، طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے، کہ حکیم اپنی دعوت کی عمارت کو تمامتر حکمتون، مصلحتون، اور علت واسباب کے ستونون پر کھڑی کرتا ہے، مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت محبت اور رضاجوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کہتا ہے لیکن اس کا کرنا اُس کے لیے ضروری نہین، نبی جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے، اور اس کا کرکے دکھانا اُس کیلئے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے منبر پر آراستہ نہین ہوتا بلکہ وہ جلوت وخلوت اور ظاہر وباطن مین یکسان حسنات سے آراستہ اور برائیون سے پاک ہوتا ہے، دنیا مین سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانس، وغیرہ ایک طرف اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ دوسری طرف ہین، اور دونون کے سوانح اور سیرتین اور کارنامے بالکل نمایان اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہین کہ اُن مین ذرا التباس نہین،

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج ولشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہین، تاکہ فتنہ وفساد رک جائے، فلاسفر اپنے دعوون کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہین، تاکہ انکی بات لوگ تسلیم کرین، لیکن پیغمبر اپنے پیروون کے قلب کو اس طرح بدل دینا چاہتے ہین کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرلین، وہ اگر کبھی قانون وحد وسزا کو اختیار کرتے ہین، یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہین، تو انکا یہ ضمنی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اولین نہین، اُن کی اولین غرض یہ ہوتی ہے، کہ اُن کے پیروون کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر وناظر ہونے کا اتنا محکم اور پختہ یقین ہوجائے، کہ وہ اس کے حکمون اور نصیحتون کو جو اُن کے ذریعہ آتی ہین، بے چون وچرا تسلیم کرلین،

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشورکشا اپنے زور بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے الٹ دیتے ہین، انھون نے کبھی کبھی چاردانگ عالم پر حکمرانی کی، قومون کی جان ومال پر اپنا قبضۂ اقتدار جمایا، اُن کی تلوارون کی دھاک نے آبادیون اور مجمعون کے مجرمون کو روپوش کردیا، اور بازارون اور راستون مین امن وامان پیدا کردیا، لیکن کیا انھون نے دلون کے طبقے بھی الٹے؟ اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم کو منوا سکے؟

لوگون کو کے دلون کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار مین لا سکے؟ وہ آبادیون اور مجمعون کے روپوش مجرمون کو بھی فنا کر سکے؟ وہ دلون کی بستیون مین بھی امن و امان پیدا کر سکے؟ وہ روحون کی مملکتون کا بھی نظم و نسق قائم کر سکے؟

حکما اور فلاسفر جو اپنی عقلِ رسا کے ذریعہ سے عجائباتِ عالم کی طلسم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدعی ہین، کیا وہ قلب و روح کے عجائبات کو بھی دریافت کر سکے؟ وہ ماوراے مادہ اسرار و رموز کو بھی حل کر سکے؟ وہ انسانون کی اصلاح و ہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق و تفتیش سے فراہم کر سکے؟ اُن کی دقیق نکتہ سنجیون اور خیال آرائیون کے پیچھے، اُن کے ذاتی حسنِ عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ ارسطو نے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد ڈالی، دوسرے حکمار نے اخلاق کے اسباب و علل کے حدود، ظہور، اثر، اور نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی، مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نے نشو و نما پائی؟ ان کے اخلاق و تعلیمات کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ ان کی درسگاہون کی چہار دیواریون سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ کیونکہ وہ اپنے درس کے کمرون سے نکل کر جب انسانی صحبتون مین داخل ہوتے ہین، تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک انچ بھی بلند نہین ہوتی، حکماے یونان مین سقراط سے بڑھکر کوئی نہین، مگر کیا یہ وہی نہین ہے، جو بازار کی فاحشہ عورتون سے ارتباط رکھتا تھا، اور اُن مین ایک پیشہ ور کے فروغ اور کامیابی کے لیے کوشان رہتا تھا، یہی یونان کے دوسرے حکما کا حال تھا، اور توحید و خدا پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے، جس کی ان کو ہوا بھی نہین لگی تھی،

ان سطرون سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ ہر شیرین نوا واعظ، ہر معجز البیان خطیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشور کشا فاتح، اور ہر نکتہ دان حکیم اس لائق نہین، کہ نبوت و رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اُس سے منسوب کیا جائے، اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط، لوازم، اور خصوصیات بھی وابستہ ہین، جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہین،

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے، کہ اُس کا تعلق پر اسرار عالمِ غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازین سنتا ہو، غیب کی چیزین دیکھتا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالمِ ملکوت کی تائید اُس کے ساتھ ہو، روح القدس اُس کا ہمصفیر و ہمنوا ہو،

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو تمام بندون مین سے اس کے لیے چنا ہو، کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو،

۳۔ اُس سے خدا کے حکم سے عجیب و غریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں جن سے اُس کا مقبولِ بارگاہ ہونا ثابت ہو،

۴۔ فضائل و اخلاق کے پھولوں سے اُس کا دامن بھرا ہو، اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک و صاف ہو، کہ گندہ ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے،

۵۔ وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل و اخلاق کی تعلیم دے، اور روزِ الست کا بھولا ہوا عہد اُن کو یاد دلائے،

۶۔ نہ صرف تعلیم بلکہ اُس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریروں کو نیک اور گمراہوں کو راست رو بنا دے، اور جو خدا سے بھاگے ہوں، اُن کو پھیر کر پھر اُس کے آستانہ پر لے آئے،

۷۔ اُس سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و صاف کر کے پیش کرے،

۸۔ اوسکی اس دعوت، جد و جہد اور تعلیم و تلقین سے مقصود کوئی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی، دولتمندی، قیامِ سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خلقِ خدا کی ہدایت،

یہ نبوت و رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں، مذاہبِ عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، خصوصاً قرآن پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے، اور جس نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے، سورۂ انعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں،

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ	اور یہ بھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اوسکی قوم کے مقابلہ میں
نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ	دی، ہم جسکو چاہتے ہیں، کئی درجے بلند کرتے ہیں، بے شبہ
عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا	تیرا پروردگار تدبیر والا خبردار ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق
هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ	اور یعقوب بخشا، اور ہر ایک کو ہدایت دی اور نوح کو اس سے

دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى
وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ
وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمِنْ
اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ
بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ
وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ
اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ

(انعام - ١٠)

پہلے ہدایت دی تھی اور اسکی اولاد مین داؤد اور سلیمان اور ایوب اور
یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور اسی طرح ہم نیکوکارون کو بدلہ
دیتے ہین، اور زکریا، اور یحیی اور عیسیٰ اور الیاس کو ہرایک نیکوکارون
مین سے، اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو، ہرایک کو بزرگی بخشی
دنیاوالون پر، اور اُنکے باپ دادون اور بھائیون مین سے، اور ہمنے
اُنکو چنکر پسند کیا، اور اُنکو سیدھی راہ چلایا، یہ اللہ کی ہدایت ہے اسپر وہ چلاتا
ہے جسکو چاہے، اگر وہ شرک کرتے تو اُن کا سارا کیا برباد ہوجاتا، یہی وہ
لوگ ہین جنکو ہمنے کتاب اور حق و باطل مین فیصلہ کرنا (حکم) اور
نبوت دی، تو اگر کوئی ان باتون کا انکار کرے، تو ہم نے ان
باتون پر ایسے دوسرے لوگون کو مقرر کیا ہے، جو اُن کا انکار نہین
کرتے، یہی وہ لوگ ہین جنکو ہم نے ہدایت دی، اے محمد! تو بھی انہین
کی رہنمائی کی پیروی کر، اور کہہ مین اپنے کام کی تم سے مزدوری نہین
چاہتا، یہ تو دنیاوالون کو یاد دلانا ہے،

ان آیتون مین اکثر پیغمبرون کے نام لیکر، اُن کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہین، اگر ہم ان کو یکجا کردین، تو نبوت و
رسالت کے عام اوصاف خصوصیات اور لوازم واضح ہوجائین،

۱۔ فرمایا "ہم نے ابراہیم کو دلیل دی" اور "ہم نے اُن کو ہدایت بخشی" جس سے معلوم ہوا کہ ان کے علم اور ہدایت کا سرچشمہ
عالمِ ملکوت سے ہوتا ہے،

۲۔ ارشاد ہوا کہ "ہم نے ان کو سیدھی راہ چلایا" اور "یہ سب نیکوکار تھے" اس سے ثابت ہوا، کہ وہ معصوم اور گناہون
سے بے داغ ہوتے ہین،

٣- یہ بھی کہا کہ "ہم نے ان کو چنکر پسند کیا" اور "جس کو چاہین اپنے بندون مین سے یہ ہدایت عطا کرین" جس سے یہ مقصود ہے، کہ یہ منصب سعی و محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے،

٤- فرمایا کہ "ہم نے اُن کو کتاب حق و باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکامِ غیب کی تعلیم (نبوت) دی" اس سے معلوم ہوا، کہ اس منصب والون کو کیا کیا چیزین عطا ہوتی ہین،

٥- حکم ہوا کہ "اُن کی رہنمائی کی پیروی کر" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگون کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہین، اور لوگ اُن کی پیروی سے نیکوکار اور صالح بنتے ہین،

٦- فرمایا کہ "اے پیغمبر! یہ کہدے کہ مین اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا، یہ تو اہل دنیا کے لیے نصیحت اور یاد دلانا ہے" اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیرخواہی کے علاوہ اُن کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمحِ نظر نہیں ہوتا،

دوسرے انبیائے کرام علیہم السّلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلعم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقتون کو قرآن پاک نے کئی دفعہ بتصریح بیان کیا ہے جنہین سے چار باتین سب سے زیادہ نمایان ہین،

١- اشیائے غیب (امورِ خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب) پر اُس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو،

٢- وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل مین کامل اور راستباز ہو،

٣- وہ دوسرون کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو،

٤- اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسب استعداد کامل بناتا ہو،

قرآن پاک مین متعدد موقعون پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا،

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (بقرہ و جمعہ۔١)

وہ رسول اُن پڑھون کو خدا کی باتین سناتا اور ان کو پاک و صاف بناتا اور اُن کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

اس مختصر سی آیت مین ان چارون مذکورہ بالا امور کا یکجا ذکر کیا ہے، جاہلون کو آیات الٰہی پڑھانے اور کتاب

وحکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہو کہ خود اُس کو آیاتِ الٰہی پڑھائی اور کتاب وحکمت سکھائی گئی ہون، اور دوسرون کو پاک وصاف بنانے کے لیے ضروری ہے، کہ وہ خود پاک وصاف ہو، کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم، اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہین بنا سکتا، ایک دوسری آیت مین ہو،

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (اعلیٰ)	ہم تجھے پڑھائین گے تو تو نہین بھولیگا، مگر جو اللہ چاہے، وہ جانتا ہے پکارا اور چھپا، اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائین گے، اور تو سمجھا، اگر تیرا سمجھانا فائدہ دے، جس کو خدا کا کھٹکا ہوگا، وہ سمجھیگا، اور جو بدبخت ہوگا، وہ اس سے پرہیز کریگا،

ایسا پڑھانا جس مین بھول نہ ہو پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے، اور آسانی کی منزل کیطرف اُس کو آہستہ آہستہ لے چلنا، اور اس کے لیے اس کٹھن منزل کو آسان کر دینا اُس کے ذاتی عمل کو کمال کے درجہ تک اسطرح پہنچا دینا ہے، کہ تمام امورِ خیر اُس سے بسہولت از خود صادر ہونے لگین، پھر اُس کو دنیا کے "سمجھانے" پر مامور کرنا، اس رمز کو آشکارا کرنا ہے، کہ دوسرون کی تعلیم و تذکیر کا منصب اُس کا ملا ہے، اس کے بعد یہ فرمانا کہ "متقی اس نصیحت سے فیض پائین گے، اور بدبخت محروم رہین گے" اس کی تشریح یہ ہے، کہ ناقصون کی تکمیل اور ذی استعداد لوگون کو انکی استعداد کے مطابق فیض پہنچانا بھی اوسکا فرض ہے،[1]

نبوت کے لوازم اور خصوصیات نبوت کی شرحِ حقیقت اور اُس کے ضروری لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کیجائے، تاکہ وقت کی بہت سی غلط فہمیون کا سدِ باب ہو، لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو "خصوصیت" کو سمجھنا ہو کہ اس سے مقصود کیا ہے،

دنیا مین ہر نوع، اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف مین کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہین، یہ مخصوص صفات اُس نوع اور صنف کے ہر فرد مین یکسان پائی جاتی ہین، انھی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہین، پھل، پھول، چوپایے

[1] یہ تشریح اور طریقۂ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ مین اختیار کیا ہے،

پرندے، انسان، تمام انواع مین کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہین، جو دوسرون مین نہین پائی جاتین، اور انھین خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسرے سے ممتاز اور ہر صنف دوسرے سے علحدہ ہے، گلاب مین خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، خاص قسم کے پتے ہوتے ہین یہ ناممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو، اور اس مین یہ چیزین نہ پائی جائین، لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفین ہین، اور ان مین سے ہر ایک مین کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہین جنسے گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علانیہ الگ نظر آتی ہے،

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہین، دو ہاتھ، دو پانون، سیدھا قد، بولنے کی طاقت، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام بینی اور مآل اندیشی کی صلاحیت وغیرہ، اس کے خواص ہین، اور جس طرح شہد مین مٹھاس حنظل مین کڑواپن، آگ مین گرمی، اور برف مین ٹھنڈک، نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہوگئی ہین، اسی طرح انسان مین انسانیت کی مذکورۂ بالا خاصیتین فطرۃً ودیعت ہین، لیکن اس وصف انسانیت مین اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہین، جیسے ہندی، چینی، حبشی، رومی، ایشیائی، یورپین، دیکھو کہ ان مین سے ہر ایک صنف مین انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت، چہرہ مہرہ، رنگ و روغن، صورت شکل، اخلاق و عادات، وغیرہ بیسیون چیزون کا نمایان امتیاز ہوتا ہے، اور یہ تمام اصناف انسانی جو مختلف آب و ہوا، مختلف مرز و بوم، مختلف نسل، اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہین، انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہین،

اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہین، خلاقِ فطرت نے ان مین سے ہر ایک کو مختلف قابلیتین عطا کی ہین، شاعری، زباندانی، فلسفہ، ریاضی، صناعی، باغبانی، معماری، پہلوانی، سینکڑون مختلف قسم کی انسانی استعدادین اور قابلیتین ہین، ان مین سے ہر صنف کی اور ہر صنف مین سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتین دوسرون سے الگ ہین، ایک تخیل پسند شاعر، اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان مین عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادبا و انشا کے خیالی بلند پرواز، عموماً ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہین، اور واقعیات سے لبریز

ریاضیات کے جاننے والے، ادب وشاعری سے بیگانہ پہلوانی کے جوہر باغبانی سے الگ ہین، اور ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے،

اسی کے ساتھ صنف شعرا مین خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے نظم کی قوت تخیل کی بلندی، محاکات کی قدرت الفاظ کا زور، معانی کا جوش، یہ تمام شعرا کی مخصوص صفات ہین، اسیطرح تمام فلسفیون کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے خاموشی، غور وفکر، دقت نظر، خارجی عالم سے بے پروائی، تصور مین انہماک، خلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، الغرض مرد بوم اور آب وہوا، کے اختلاف کی بناپر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہین، اور اُن مین جو اختلاف و امتیاز ہوتا ہے، اسی طرح دماغی وذہنی وروحانی اختلاف استعداد کی بناپر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہین، اُن مین بھی یہ اختلاف وامتیاز نظر آتا ہے ہنیبال ونپولین تیمور وچنگیز دم کے دم مین آبادی کو ویرانہ، اور ویرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے، مگر وہ بیٹھکر فلسفۂ اخلاق پر چند صفحے نہین لکھ سکتے تھے، افلاطون تنہائی مین بیٹھکر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کرسکتا تھا، مگر ایتھنز کے تخت پر بیٹھکر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہین دیسکتا تھا، سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سینکڑون خیالی سومنات کے معرکے فتح کیے لیکن پتھر کی ایک چٹان پر بھی کلہاڑی نہ مارسکا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجون کے دل بادل کے ساتھ پہاڑون کو چیرتا، دریاؤن کو پھاڑتا، اور ریگستانون مین پانی بہاتا ہوا، غزنی سے چل کر گجرات کے کنارے تک پہنچ گیا، اور سومنات کے سنگی قلعہ اور مجسمہ کو چکناچور کرڈالا، مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھکر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہین کرسکتا تھا،

ان مثالون سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی مین اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزارون قسمین ہین، اور ان مین سے ہر قسم وصنف کے الگ الگ خصوصیات، صفات، اور لوازم ہین، انہین مختلف اصناف انسانی مین انبیا علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے، اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف خصوصیات، اور لوازم ہین جو ان کو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہین،

اس تمہید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کیطرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں

وہبی استعداد | ان میں سے سب سے پہلی چیز وہبی استعداد ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں، اور ان ہی کیطرف اُن کا طبعی میلان ہوتا ہے، اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں، اُنکی استعداد اور میلان طبع کا جوہر برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جاکر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے، جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا، بلکہ اُسی سے ہوگا، جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے، پھر آم کے درخت کے آثار، خواص، پھل، اُس کا مزہ، اُس کا رنگ و بو غرض جملہ خصوصیات خود اُس درخت میں اُسی وقت موجود ہوتے ہیں جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے، وہی تخم پودا بنتا ہے، پودا بڑھتا ہے، کونپل اور شاخیں پیدا کرتا ہے، اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے، لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنی مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے، جو ایک دن اُس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں، اور اس پھل کی صفت تشبیہ اُس میں بالقوہ موجود تھی،

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کوشش سے نبی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے، اور نبوت کے یہ آثار، خواص، اور کیفیات اس میں بالقوۃ اور استعداد کی صورت میں اُسی وقت سے موجود رہتے ہیں جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے، شاید آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کا کہ "میں اسی وقت نبی تھا جب آدم ہنوز آب و گل میں تھا"[1] اسی قسم کا مطلب ہوگا،

انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب سے عرصۂ وجود میں قدم رکھتے ہیں اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار اُن سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، وہ حسب و نسب اور سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں، شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اُس کی گندگی سے بچائے جاتے ہیں اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں، اُن کی دیانت، امانت، سچائی، راست گفتاری مسلم ہوتی ہے، اور یہ تمہیدیں اس لیے

---

[1] جامع ترمذی مناقب نبوی و مستدرک حاکم مناقب محمدی۔ جلد دوم صفحہ ۶۰۹ حیدر آباد،

ہوتی ہین، تاکہ منصب ملنے کے بعد اُن کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگون کے میلانِ خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم کے حالات و واقعاتِ قبل نبوت پڑھو، تو ہمارے اس دعوی کی سچائی تم کو نظر آئے گی، حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے سے پہلے ہی سے آسمان و زمین کے خالق کی تلاش، سورج چاند، اور ستارون پر متفکرانہ نظر، اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ، کس بات کی شہادت ہے؟ حضرت اسمٰعیلؑ کا بے آب و گیاہ میدان مین پرورش پانا، چاہِ زمزم کا ظہور، آنے جانے والے قافلون کا اوسکی آبادی کی طرف میلان، چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کے لیے تیاری، اور اس کمسنی مین باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری آمادگی، اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحاقؑ کا فرشتون کی بشارت سے پیدا ہونا، اور پیدایش سے پہلے ہی غُلٰمٍ عَلِیمٍ (حجر-۴) کا خطاب پانا، پھر مقدس باپ کی جانشینی اور اورشلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لیے انتخاب کس مقصود کا دیباچہ ہے؟

حضرت یوسفؑ کا بچپن مین رویاے صادقہ اور صبر و شکر، اور پاک دامنی کس بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰؑ کی عین خطرہ مین پیدایش، حفاظت، پرورش، اور نبوت سے پہلے ہی فرعونیون سے تن تنہا مجاہدانہ آویزش، کس مبتدا کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغاز عمر مین علم و فہم، فصلِ مقدمات کی قوت، کس نتیجہ کے آثار ہین؟ حضرت یحییٰؑ کی دعائیہ پیدایش، بچپن ہی مین اُن کی نیکی، سعادتمندی، نرم خوئی، پاکی کس مقصد کی تمہید ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی پیدایش اور بچپن ہی مین نیکی، سلامت روی، توراة کی حقیقت رسی، کس روزِ روشن کی صبح ہے؟ اور خود محمد رسول اللہ صلعم کے لیے دعائے خلیل، نویدِ مسیحا، رویاے آمنہ، اور احوالِ ولادت و تربیت، مراسم شرک سے اجتناب، اخلاقِ حسنہ، دیانت، امانت، آثارِ خیر و برکت، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی، خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش، اور غور و فکر، کس خورشید جہانتاب کا مطلعِ انوار ہے؟

حضرت اسماعیلؑ کا یہ حال ہے،

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ
يٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرٰی ، قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ، (صٰفّٰت ۳)

تو ہم نے ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، تو جب وہ
اُسکے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اُس نے کہا کہ اے میرے بیٹے میں
خواب میں دیکھتا ہون، کہ تجھکو مین ذبح کر رہا ہون، تُسنے جو ابد یا کہ اے
میرے باپ کر ڈال جو تجھ کو کہا گیا، تو مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرنیوالون مین پائیگا،

حضرت موسیٰؑ کو یہ خطاب ہے،

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤی اِذْ اَوْحَيْنَاۤ
اِلٰۤی اُمِّكَ مَا يُوْحٰۤی (طٰہٰ ۲)

اور ہمنے تجھپر دوسری دفعہ احسان کیا جب تیری حفاظت اور
پرورش کے متعلق تیری مان کے دل میں وہ بات ڈالدی جو ڈالی گئی،

حضرت یحییٰؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے،

يٰيَحْيٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ، وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا
وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ، وَكَانَ تَقِيًّا ،
وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ، وَ
سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ ، (مریم ۱)

اے یحییٰ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ، اور ہم نے اس کو فیصلہ
کرنے کی قوت بچپن ہی مین دی اور اپنے پاس سے رحم دل اور ستھرائی
اور تھا پرہیزگار اور اپنے مان باپ کا فرمان بردار نہ تھا زبردستی
کرنے والا نافرمان سلامتی ہو اس پر جس دن پیدا ہوا،

نیز حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے،

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِيًّا ، قَالَ اِنِّیْ
عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِیْ
مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ (مریم ۲)

ہم کیسے اُس سے بات کرین جو ہنوز گہوارہ مین بچہ ہے، عیسیٰ نے
کہا مین خدا کا بندہ ہون اس نے مجھے کتاب الٰہی دی
اور مجھے نبی ٹھہرایا، اور مبارک بنایا مین جہان ہون،

اور مکہ کا "امین" نبوت کے پہلے کی اپنی پوری زندگی موقع شہادت مین بے خطر پیش کر دیتا ہے،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ، اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ، (یونس ۲)

تو اس (پیغمبری کے دعوی) سے پہلے مین تم مین ایک
عمر گذار چکا ہون، کیا تم نہین سمجھتے،

انبیا علیہم السّلام کے احوال مبارکہ کے یہ جزئیات، باہم ملکر اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہین،

غیبی علم | نبوّت کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اُس کا غیبی علم ہے، یعنی وہ علم جو عام انسانون کیطرح وجدان، احساس، یا عقل و قیاس سے نہین، بلکہ براہ راست صدائے غیب، یا رویائے صادقہ، یا فرشتون کے ذریعہ سے خدائے پاک سے حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوّت کی استعداد بالقوّۃ کا عملی ظہور شروع ہوجاتا ہے، اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے،

علم انسانی کے ماخذ | علم انسانی کی دو قسمین ہین، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے، اور دوسرے وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمین ہین،

۱۔ **وِجدان**، انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے، اور اس کے اندر بھوک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ اندرونی تغیرات کا علم اُس کو بلا واسطہ ازخود ہوجاتا ہے،

۲۔ **فطرت**، اس مین کوئی شک وشبہہ نہین ہے، کہ ہر نوعِ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتین عطا ہوتی ہین، جو دوسری نوعون مین نہین پائی جاتین، اور انھین سے باہم نوعون کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتون کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے ازخود ہوتا ہے، اور اسی کو بعض علما کی اصطلاح مین فطری یا نوعی الہام اور اہل فلسفہ کی اصطلاح مین "جبلّت" کہتے ہین، حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتون کا علم ازخود فطرۃً ہوتا ہے، پرندون کے بچّون کو دانہ چگنا، اور اڑنا، کون سکھاتا ہے، آبی جانورون کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا ہے، شیر کے بچّہ کو درندگی کا سبق کس معلّم نے پڑھایا، انسان کے بچّہ کو پیدا ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا کون سکھا دیتا ہے،

۳۔ **بداہتِ اوّلیہ**، انسان کو کچھ ہوش وتمیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتین ازخود یا بادنیٰ تامل اس طرح معلوم ہوجاتی ہین، کہ اُن مین پھر کسی قسم کا شک وشبہہ راہ نہین پاتا، دو اور دو چار ہوتے ہین،

برابر کا برابر برابر ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز سیاہ وسپید دونوں نہیں ہوسکتی، ہر بنی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جن پر انسان کے استدلال کا تمام تر مدار ہے، اُس کو بداہتہً معلوم ہوجاتی ہیں،

یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں تھیں، اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جنکا علم اُس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے، انسان کے پاس اس قسم کے دو واسطے ہیں، ایک **اِحساس** اور دوسرا **عقل**، پہلے سے وہ گرد وپیش کی مادی چیزوں کا اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے موجود نہیں، یا سرے سے خارج میں موجود نہیں، بلکہ عالم غیب میں ہیں یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے،

۴- انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ[۱]، سامعہ[۲]، شامہ[۳]، ذائقہ[۴]، لامسہ[۵] باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی، شامہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی، اور لامسہ چھوتی ہے، انھیں کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اُن مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے جو اُس کے ان آلات سے آکر ٹکراتی ہیں، اسی کا نام **اِحساس** ہے، ہم چکھ کر مزہ پاتے، سنکر آواز پہچانتے، دیکھکر صورت جانتے، چھوکر سختی ونرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں، ان حواس کے ذریعہ سے بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر یقینی اور شاذ ونادر غلط بھی ہوتا ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہیں، اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں، اور دلائل سے اُن کا یہ دھوکا اور اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے، اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے، تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتے ہوئے جہاز میں جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خط اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے، آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں،

۵- علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل وقیاس، غور وفکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل

کرتے ہین، ان کی بنیاد درحقیقت انھین معلومات پر ہوتی ہے جنکا علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری (یا جبلت) بداہت اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے، اور انھین معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقرار کے ذریعہ سے قیاس کر کے اُن معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن متشابہ و مماثل امور پر لگا کر نتیجہ حاصل کرتے ہین، وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہین اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ چندان غیر مشکوک نہین ہوتا، سوا اس کے کہ جزئیات کا استقرا پورا نہ کیا گیا ہو، یا تمثیل تام نہ ہو، یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور اصولی غلطی ہو گئی ہو، طبعیات، اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گیے ہین لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے، تو مادی امور پر اُس غیر مادی کو قیاس کر کے اسکی نسبت جو کچھ کہا جائے گا اُس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہین بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تمام تر نظریات و بدیہیات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو، مابعد الطبیعہ اور فلسفہ الہیات کے مسائل اسی طریقۂ استدلال سے حاصل ہوتے ہین، اور اسی لیے اُن مین اختلافات کی بڑی گنجایش نکلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلین ہین اور ان مین سے ہر منزل خطرون سے لبریز ہے، مشابہت و مماثلت مین دھوکا ہو سکتا ہے، عقلی اور وجدانی اور حسی اشیا کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے، غور و فکر، بحث و نظر، تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن اور فاعل ہین، وہ اپنے کام مین دھوکا کھا سکتے ہین، اسی لیے یہ علوم شکوک و شبہات سے لبریز ہین

ذرائع علم کے حصول کے زمانے اور اُن کے مراتب

سطور بالا سے ہویدا ہے، کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے **وجدانیات** اور **فطریات** ہین، جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہین، کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس کا احساس، اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکین گے، ہم کو جو بھوک یا پیاس لگتی ہے، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم مین ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، اور کیا کسی کے شک دلانے سے کہ ممکن ہے کہ تم کو بھوک نہ ہو، ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو، کبھی بھوکے یا پیاسے کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے، اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے، یہانتک کہ آج کا

پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے، ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے،

وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا، یہ ہمارے پانچ حواس ہین جو ہمارے مادی علم کے آلات ہین، اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہین آسکتا، یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہین کمال پا جاتے، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہین، اور پیدائش کے چند ماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہین، کیونکہ وجود کی بقا، اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے،

محسوسات کے بعد **بدیہیات اوّلیہ** کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم مین بھی وہی اذعان و قطعیت ہوتی ہے، دو دو چار ہوتے ہین، دس پانچ کا دونا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت مین دو جگہ نہین ہوسکتی، ایک چیز ایک ہی وقت مین سیاہ و سپید نہین ہوسکتی، ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم انسان کو بچپن مین نہین ہوتا، بلکہ تمیز و رشد کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اُسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر یہ علوم اس سن مین اوسکو عطا نہ ہون، تو وہ دُنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ ہو، اور نہ دوسرے علوم کی دریافت کی اس مین استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بیوقوف اُنھین کو کہتے ہین، جن مین ان بدیہیات کا علم کم یا بالکل نہین ہوتا،

سب سے اخیر مین اُس علم کا درجہ آتا ہے، جو وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جنکو معقولات کہتے ہین، اسی علم، اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے، کہ انسانی عقلین درجہ اور مرتبہ مین متفاوت ہوتی ہین، ایک طرف تو (کمی کی سمت مین) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہے، اور دوسری طرف (سمت کمال مین) عاقل، عاقلتر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہو جاتی ہے، یہانتک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے، کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جہان کوئی اُس کا دوسرا حریف اور ہمسر نہین ہوتا، ایک جاہل حبشی سے لیکر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب اسی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہین، بااینہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس علم کا طریقہ نہایت پر خطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے،

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہین لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تمامتر ماوراے مادّہ سے ہے، غور کیجیے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے، دوسرا یعنی فطریات کا علم خالقِ فطرت خود آپ کے اندر ودیعت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے اُن ظاہری حواس کا نتیجہ ہے، جو گو باہر ہین، مگر آپ کے جسم کے اندر ہین، آپ کا تیسرا ذریعۂ علم یعنی بدیہیاتِ اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک فیصلہ ہین، چوتھا ذریعۂ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قویٰ کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہوگا، کہ آپ کا علم وجدان سے لے کر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کر کے ماوراے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، وجدان تمامتر ہماری اندرونی جسمانی مادیت ہے جسمین کوئی شک نہین، محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادّی آلاتِ علم کے نتائج ہین، بدیہیات، ہمارے حواس سے جو مادّی ہین، اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادّی ہے، مشترک تعلق رکھتے ہین یعنی بدیہیات مادّی اور غیر مادّی ذرائع علم کے بین بین ہین، اور معقولات، تمامتر ذہنی اور غیر مادّی ہین، تاہم اس غیر مادّی قوت کا مرکز ہمارا مادّی جسم ہی ہے، اور اس حد تک اس غیر مادّی قوت کا مادہ سے تعلق بہرحال ہوتا ہے،

غیر مادّی علم اب اس کے بعد اُس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہین ہوتا جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تمامتر مادّہ اور مادّیات سے پاک ہوتا ہے، اُس کو مادّہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے، کہ وہ علم مادّی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے،

اس غیر مادّی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہین جنکو فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی کہتے ہین اور جس طرح انسانی علم کے مذکورۂ بالا چارون ذریعے انسان کے جسمانی قویٰ سے متعلق تھے، اسی طرح یہ غیر مادّی ذرائع انسان کے روحانی قویٰ سے وابستگی رکھتے ہین، اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے، کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعۂ علم خالص مادّی، کامل مادّی، کم مادّی اور براے نام مادّی تک، ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی بھی براے نام مادّی و روحانی سے لیکر پھر روحانی، کامل

روحانی، اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتا چلا گیا ہے،

فراست کے لفظی معنی "تاڑ جانے" کے ہیں، تاڑ لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے، اُس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اس جلدی سے انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کا علم تمامتر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے، جنکو ہر شخص دیکھ سکتا تھا مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، جس کو جس چیز یا فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اُس کی فراست اُس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، اخیار اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسیطرح حاصل ہوتی ہے، اور اُسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے،

اتّقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ — مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے، (ترمذی)

۲۔ فراست کے بعد **حدس** کا درجہ ہے، فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں، لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں، اور انھیں ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر، تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور و نظر، فکر و تلاش، اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اُس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر

کامل العقل اور صائب الرائے انسانون کو فطرۃً عطا ہوتی ہے، اور دنیا کے مشہور عقلا، اور دانایانِ روزگار کے واقعات مین اس کی کثرت سے مثالین ملتی ہین،

۳- **کشف**، کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہین، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم مین مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے، وہ کبھی اصلی صورت مین اور کبھی اپنی مثالی صورت مین نظر آتی ہے، عام لوگون کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے، اور کشف عالمِ بیداری کی جس طرح عام لوگون کو خواب مین جب ظاہری حواس بیکار ہوجاتے ہین، ایسی چیزین معلوم ہوتی ہین، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہین، اسی طرح خاص لوگون پر بیداری ہی مین ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سامان پیش آتا ہے ہر شخص کے تجربہ مین ایسے متعدد حیرت انگیز واقعات گذرتے رہتے ہین،

۴- **الہام** کے لفظی معنی "دل مین ڈالنے" کے ہین، اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور اور ترتیبِ مقدمات کے بغیر دل مین آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اوس کی صحت بعد کو حسی تجربون اور عقلی دلیلون سے بھی ثابت ہوجائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن مین کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہین آتا، بلکہ خود بخود دل مین آجاتا ہے، کیون آتا ہے؟ اور کہان سے آتا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہین، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالین وہ خیالات ہین، جو محققین، علما، شعرا، اور موجدین کے ذہن مین پردۂ عدم سے پہلے پہل آتے ہین، اور وہ اُن کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت مین پیش کرتے ہین،

۵- **وحی** کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبون کو جنبش دیئے بغیر اخفا اور راہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہین، اور اصطلاحًا اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندون کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہین، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعون کی آخری سرحد ہے،

جس طرح علم کی تین جسمانی قسمین یعنی وجدانیات، حسیات اور بدیہیات عام انسانون کے لیے یقینی ہین اوسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف، الہام اور وحی انبیا علیہم السلام کے لیے یقینی ہین، اور جس طرح علم کے مادی ذریعون مین سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے، یعنی وجدان، پھر حس ظاہر، اور پھر بدیہیات، اسی طرح علم کے روحانی واسطون مین سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تمامتر روحانی ہے، یعنی **وحی**، پھر **الہام**، پھر **کشف**،

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمین کی ہین یعنی وحی، الہام اور کشف، یہ قرآن پاک کی اصطلاحین نہین ہین، اوسکی اصطلاح مین روحانی ذریعہ علم کا نام **مکالمۂ الٰہی** (خدا سے بات کرنا) ہے، اور اوس کی حسب ذیل تین قسمین بیان کی ہین،

۱- **وحی** (اشارہ) سے بات کرنا، یعنی دل مین کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت بیداری مین ہے، تو کشف ہے، اور اگر خواب مین ہے تو **رویا** ہے،

۲- خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، یعنی متکلم نظر نہین آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہین، اس کو الہام کہہ لو،

۳- فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے، اور اس کے منہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہین، جنکو نبی سنکر محفوظ کر لیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہین، کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہین ہین، کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمین نہین ہین، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورۂ شوری مین ہی،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ	اور کسی آدمی کی یہ تاب نہین کہ اللہ اُس سے بات کرے،
مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ	لیکن وحی (اشارہ) سے، یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے
بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (شوریٰ - ۵)	تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اوسکو وہ وحی کر دیتا ہی، بیشک اللہ بلند

مکالمۂ الٰہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہین، اور پھر ان تینون کا اجمالاً مشترک نام بھی **وحی** ہے، یعنی یہ مقسم بھی ہے، اور اپنی تین قسمون مین سے بھی ایک پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت مین دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا، اور تینون مذکورۂ بالا طریقون مین جس طریقہ سے بھی آنحضرت صلعم کو غیبی تعلیم و اطلاع دیگئی ہے، اُس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہ عام مکالمۂ الٰہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے،

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ‌ ‌ نبی خواہش نفس سے کلام نہین کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہو جو اس کو کیجاتی ہو، ‌ ‌ (نجم - ۱)

الغرض اسی امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات مین ان تینون طریقون کے لیے کشف، الہام، اور وحی کے تین علحدہ علحدہ الفاظ وضع کردیئے گئے ہین، تاکہ بول چال مین ہر روحانی طریقۂ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہوجائے، بیداری مین اشارہ سے بات کرنا **کشف** ہو، اور خواب کے عالم مین **رویا** ہے، پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا **الہام** ہے، اور فرشتہ کی درمیانگی سے بات کرنا **وحی** ہو،[۱]

نکتہ، اوپر کی آیت مین جہان اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہین، کہ خدا اُس سے بات کرے، لیکن ان تین طریقون سے اُسکے آخر مین فرمایا ہے، کہ وہ سب سے بلند اور حکیم ہو، یعنی اوسکی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے، کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اوسکی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص کو عام بندون کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان تین غیر معمولی طریقون مین سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمالے،

بہرحال غیبی ذریعۂ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح مین وحی کہتے ہین، اس کا تجربہ عام لوگون کو نہین، لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے، اور ہر انسان کی زندگی مین

---

[۱] ان اصطلاحات کی بحث کیلئے اصول فقہ کی اہم کتابون کی طرف توجہ کرنی چاہیے، کم از کم اس موقع پر تحریر ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ کی شرح التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج المتوفی ۸۷۹ھ جلد سوم ص ۲۹۵ مطبوعہ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۷ھ دیکھنی چاہیے،

جو بعض پُر اسرار اور ناقابلِ فہم واقعات پیش آتے ہین، اُن پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعۂ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن مین آسکتا ہی، جس سے غیر جسمانی اور غیر حسّی مادّی ذرائعِ علم کے سمجھنے اور باور کرنے مین جو استبعاد معلوم ہوتا ہے وہ دور ہو سکتا ہی، خصوصًا اس عہد مین جب سائیکالوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتون کا پتہ چل رہا ہی اور اسپرچولزم کے ذریعہ ارواح سے خطاب و کلام کی سلسلہ جنبانی ہو رہی ہی، اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہی،

انبیا علیہم السّلام کو اپنے کشف، الہام، اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے، جس قدر عام انسانون کو اپنے وجدانیات، محسوسات، فطریات، اور بدیہیات پر، انبیا کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے جیسا عام انسانون مین وجدانیات، فطریات، اور بدیہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے، جس طرح کسی شخص کو اس علم مین دھوکا نہین ہو سکتا، کہ اُس کو بھوک یا پیاس معلوم ہو رہی ہے، یا اُس کو غم یا خوشی ہے، اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات مین دھوکا نہین ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے فطریات مین یہ مغالطہ نہین ہوتا، کہ دو اور دو چار نہین ہوتے، اسی طرح اُس کو بھی پیغمبرانہ فطریات مین مغالطہ واقع نہین ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات مین اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سن رہے ہو شبہہ نہین ہوا کرتا، اوسکو بھی اپنے روحانی محسوسات مین شبہہ نہین ہوا کرتا، غرض وہ اپنے اُن حجلۂ غیبی اور روحانی ذرائعِ علم مین ہر لغزش، فریب، خطا اور غلطی سے اسیطرح پاک ہوتا ہی جسطرح تم اپنے وجدانیات، فطریات، محسوسات اور بدیہیات مین غلطی اور خطا سے پاک ہوتے ہو،

علمِ غیب | اسلام کے عقیدہ مین غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہین، قرآن مین بار بار آنحضرت صلعم کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے،

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (یونس-۲) — تو کہدے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لیے ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ (نمل-۵) — کہدے کہ آسمانون مین اور زمین مین خدا کے سوا کوئی نہین جسکو غیب کا علم ہو،

رسول کہتے ہین،

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام ۔ ۵) اور مین غیب نہین جانتا،

لیکن اسی کیساتھ دو موقعون پر یہ بھی کہا گیا ہے، کہ با این ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبرون کو غیب کی اطلاع دیتا ہے،

سورۂ جن مین ہے،

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن) تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہین کرتا لیکن اُس پیغمبر پر جسکو پسند کرے،

دوسری جگہ سورۂ آل عمران مین ہے،

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ، اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتون پر تمکو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبرون مین سے جس کو چاہے چن لیتا ہے،

اِن دو آیتون سے واضح ہوتا ہے، کہ اللہ تعالی اپنے برگزیدہ پیغمبرون کو غیب کی باتون کی اطلاع دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتون مین غیب دانی کی کلیتہً اور قطعاً نفی کیگئی ہے، اُن سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے، یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہین البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبرون کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی آیت الکرسی مین فرما دیا گیا،

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (بقرہ ۳۴) اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہین کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا وہ چاہے،

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے، اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ اُن کو بذریعہ وحی اُن سے واقف کرتا رہتا ہے، با اینہمہ بعض باتون کی نسبت جیسا کہ سورۂ ہود اور لقمان مین ہو، اللہ تعالی نے قطعی طور سے فیصلہ کر دیا ہے، کہ ان کا علم کسی کو نہین، مثلاً قیامت، بارش، موت، شکم مادر مین لڑکا ہے یا لڑکی، کل کیا ہوگا، ان باتون کو خدائے تعالی کے سوا کوئی نہین جانتا، اسی طرح بعض آیتون مین آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ آپ

کا انکو علم نہ تھا، جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ اصحاب کے متعلق سورۂ توبہ میں ہی، کہ انھون نے جھوٹی قسمین کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا،

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (توبہ ۷)

خدا نے تجھ سے درگذر کیا، کیون تو نے انکو اجازت دی، تا آنکہ تجھکو معلوم ہو جاتے جو سچ بولے، اور جھوٹون کو جان لیتا،

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (توبہ ۷)

اُنھون نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا، اور تیرے سامنے واقعات اُلٹ دیئے، یہانتک کہ حق بات آگئی، اور خدا کی بات کھل گئی اور وہ ایسا نہین چاہتے تھے،

آگے چل کر ہے،

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ ۱۳)

یہ نفاق پر اڑے ہین تو ان کو نہین جانتا ہم جانتے ہین،

ان آیتون سے یہ واضح ہے، کہ پیغمبرون کو غیب کا کلی علم نہین ملتا، بلکہ اُن کو غیب کی اطلاع دیئے جانے کے موقع کی دونون آیتون میں "رسول" ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ جن اُمورِ غیب کی اطلاع پیغمبرون کو دیجاتی ہے، اُن کا تعلق فریضۂ رسالت اور اس کی مصلحتون اور اور شریعتون سے ہے،

غیب کی حقیقت علمِ غیب کے اس نادیدہ راستہ مین اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے، کہ قرآن مجید کی اصطلاح مین غیب کس کو کہتے ہین؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے اجمالی اور تفصیلی دونون معنی واضح ہوتے ہین، اجمالاً اس کا اطلاق اُن امور پر ہوتا ہے، جنکا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی و فطری ذریعون سے حاصل نہین کر سکتا، گذر چکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس، اور عقل واستدلال وغیرہ ہین، ان طبعی ذریعون سے جو ہر انسان کو ملے ہین، جو علم حاصل نہین ہوتا، اُس کو "علمِ غیب" کہتے ہین، یعنی اُس شے یا اُن اشیا کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہون کے سامنے سے غائب ہین، اور اس کا مقابل لفظ "شہادت" ہے، جس کے معنی حاضر ہونے کے ہین، یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے

حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہین اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کہا ہی (انعام، رعد، حشر، تغابن) یعنی انسانون کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے، اور جو غائب ہی اُن سب کا عالم اور واقف کل وہی ہے، الغرض اجمالاً علم غیب اُس غیبی طریقۂ علم کا نام ہے، جو عام انسانون کو نہین ملا ہے،

تفصیلی حیثیت سے قرآن پاک مین **غیب** کا اطلاق چار چیزون پر ہوا ہے،

۱۔ زمانۂ ماضی کے واقعات جنکا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہوسکتا ہے، کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے، اور نہ عقل و فکر کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اگر ہوسکتا ہی تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لیے تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اُس کے لیے ان کا علم اگر ہوسکتا ہی، تو غیبی ہی ذریعہ سے ہوسکتا ہی،

حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہی،

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ہود۔۴)

یہ غیب کی بعض خبرین ہین ہم اُن کو وحی کرتے ہین تیری طرف تو تو اُن کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا، اور نہ تیری قوم جانتی تھی،

حضرت مریمؑ کے قصہ مین ارشاد ہوتا ہے،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (آل عمران۔۵)

یہ غیب کی خبرون مین سے ہے اُس کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہین، اور نہ تو اُن کے پاس موجود تھا جب وہ اپنے قلم (قرعہ کے طور پر) ڈال رہے تھے، کہ کون مریم کو پالے اور نہ تو اُن کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اُس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا، اُس کی آنحضرت صلعم سے نفی کیگئی، کہ آپ وہان یقیناً اُس وقت موجود نہ تھے، اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا اُسکی بھی نفی پہلے ہی سے ہی، کہ تیری قوم مین سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسرون سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی

طریقہ سے رسول کو دیا گیا وہ **وحی** کا ذریعہ ہے،

اسی طرح حضرت یوسف ع کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ (یوسف-۱۱)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہی ہم اس کو تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو اُس وقت اُن کے پاس نہ تھا، جب وہ اپنا کام طے کرنے لگے اور چال چل رہے تھے،

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کر کے، علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہرحال ان آیتوں سے واضح ہے، کہ ماضی کے واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے،

۲- اسی طرح آیندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں، اُن کو بھی غیب کہا گیا ہی، اُن کا علم دلائل و قیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو، تو اُس کو بھی علم غیب کہیں گے، قرآن پاک میں ایک موقع پر اُن کفار کے جواب میں جو نشانیوں کے طالب تھے، یہ کہا گیا،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (یونس-۲)

تو کہدے کہ غیب کا علم خدا ہی کے لیے ہے، انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں "غیب" کہا گیا ہی، اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہکر غیر خدا سے اس کے علم کی نفی کیگئی ہی،

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان-۴)

خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہی،

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ (اعراف-۲۳)

وہ قیامت کو پوچھتے ہیں، کہدے کہ اُس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہی،

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کیگئی ہی،

وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَ

کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کریگا، اور نہ کوئی یہ جانتا ہے

مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (لقمان ۴) کہ وہ کس سرزمین مین مریگا،

۳۔ اُن چیزون پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہی جو گو ماضی اور مستقبل نہین بلکہ زمانہ حال مین موجود ہین، تاہم انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے اُن کا علم نہین ہو سکتا، ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دیگئی ہے، مگر اُس کے لیے کسی نہ کسی مسافت، عدم حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگا دی گئی ہی جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بیکار ہے، ہم دلّی مین بیٹھکر بمبئی کے پیش نظر مناظر کو نہین دیکھ سکتے، اور نہ بغیر آلات کے ہم یہان سے وہان کی آواز آج بھی سن سکتے ہین، اس لیے زمانۂ حال کے علم کے لیے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہین، اُن کے بغیر جو علم حاصل ہوگا وہ **غیب** ہوگا،

حاملہ عورت سامنے موجود ہے، مگر اُس کے بطن کے پے در پے حجابات کے اندر جنکو آنکھین چاک نہین کر سکتین کیا ہے؟ کس کو معلوم ہی،

وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ (لقمان ۴) اور اللہ جانتا ہے، رحمون کے اندر جو ہے،

آسمان و زمین مین اسوقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانۂ حال مین سب کے سامنے موجود ہے، تاہم اُس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اُس وقت تک باہر ہے جبتک ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لیے خدا نے جو طبعی شرائط بنا دیے ہین، وہ پورے نہ ہون،

وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ہود) اور خدا ہی کیلئے ہی آسمانون اور زمین کا غیب،

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (حجرات) بیشک خدا جانتا ہی آسمانون اور زمین کا غیب،

۴۔ عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہین، جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرۂ علم سے قطعاً باہر ہین، ہم فرشتون کو نہین دیکھتے، خدا کی رویت کی صلاحیت نہین رکھتے، جنت دوزخ ہمکو یہان نظر نہین آسکتی، یہ تمام امور بھی **غیب** ہین،

اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ (انبیاء ۴) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہین غیب مین،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (بقرہ ۲-۱) وہ لوگ جو ایمان لاتے ہین غیب مین

اَلَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ (مریم ۷) وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان خدا نے اپنے بندون سے کیا ہے غیب مین

"غیب مین" کے معنی ہین ، بے جانے ، بن دیکھے ، حواس سے علم حاصل کیے بغیر ، اور باوجود اسکے کہ وہ چیزین اس عالم مین دیکھی نہین جاسکتی ہین ،

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتون سے آگاہ کرتا ہے ، وہ ان چارون قسم کے امورِ غیب ہوتے ہین ؛ بعض گذشتہ قومون اور پیغمبرون کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر وحی کے واسطہ سے اُن کو مطلع کرتا ہے ، جیسا کہ قرآن مجید کے حوالون سے اوپر گذر چکا ، آیندہ مستقبل مین دنیا کے فتنون ، امتِ محمدیہ کے انقلابات ، قیامت کے مناظر ، اور اُس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا ، جیسا کہ اون دنیاوی پیشینگوئیون اور قیامت و محشر کے اُن مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ مین تصریح مذکور ہین ، اسی طرح حال کے اُن احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے ، جو باوجود سامنے موجود ہونے کے احساس و تعقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب عام انسانون کو نظر نہین آتے ، قبرون کا انکشاف ، پس پردہ رویت ، دوسرون کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ ، اس علم غیب مین سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے ، اور سب سے آخر مین وہ مغیبات ہین ، جنکا احساس و تصوّر ہمارے مادّی ذرائع علم سے قطعًا خارج ہے ، تاہم وہ بھی اُس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہین ، خود خدا کا دیدار ، فرشتون کی رویت ، جنّت و دوزخ کا مشاہدہ ، وغیرہ ، ان تمام امور غیب مین سے اللہ تعالیٰ جس رسول کیلئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے ، اُس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ سے اُس کو عطا فرماتا ہے ،

وحی اور ملکۂ نبوت حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت "ملکۂ نبوت" کے لفظ سے ظاہر کی ہے ، اس کی تشریح یہ ہے ، کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ، کہ کائنات مین علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے ، جمادات بے حس ہین ، اس کے اوپر نباتات ہین جنمین صرف محدود احساس ہوتا ہے ، اور دماغی

قویٰ، حافظہ، تذکر، اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہین، اُن سے اونچے حیوانات ہین، جنمین یہ تمام قویٰ ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہین، اور آخر مین اُن سے بالاتر ہستی یعنی انسان ہین جاکر یہ قویٰ پورے کمال مین ظاہر ہوتے ہین، ان قویٰ کی ترقی یہین تک محدود نہین ہے، بلکہ جس طرح نباتات مین قوتِ احساس ہے، جس سے جمادات محروم ہین، اور حیوانات مین حافظہ، تصور، تعقل وغیرہ کی وہ قوتین ہین، جو نباتات مین نہین، انسان مین وہ دماغی و ذہنی قویٰ ہین جو حیوانات مین نہین، اسی طرح انبیاء مین علم و تعقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے، جو عام انسانون مین نہین ہوتی، اور اسی کا نام **ملکۂ نبوت** ہے،

حواس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہین، دماغی قویٰ مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو ادراک، ملکۂ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبیات کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعۂ علم مین غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیبِ مقدمات کی ضرورت نہین پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہین جس طرح وجدانیات، فطریات، بدیہیات، اور محسوسات سامنے آتے ہین، اور انھین کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہین، اور چونکہ اس ذریعہ مین علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرت نوعی، بداہت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل نہین کیے جاتے، بلکہ خود علام الغیوب، وہ علم ان انسانی وسائط کے بغیر اُن کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان مین اُسی کو وحی و الہام کہتے ہین، علم کلام کی اصطلاح مین ملکۂ نبوت اور عام محاورہ مین اُس کو قلبی علم کہہ لیجئے،

لیکن اہلِ نقل کی اصطلاح مین وحی کی یہ صورت نہین، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبرون کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادون سے براہِ راست فرشتون کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے،

امعانِ نظر سے معلوم ہوگا کہ اہلِ عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہبی علم و فہم کا نتیجہ ہوتا ہے، یا خود براہِ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا، دوسرے لفظون مین یہ کہو کہ جس طرح عام انسانون مین علم و فہم کی قوت آغازِ پیدائش ہی مین فطرۃً ودیعت کر دی جاتی ہے، اسی طرح انبیا مین منشائے الٰہی

جاننے کی قوت بھی شروع ہی مین فطرۃً ودیعت کردیجاتی ہے، یا یہ کہ وہ فطرۃً تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم و فہم رکھتے ہین، مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشاے الٰہی سے اُنکو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے،

لیکن واقعہ یہ ہے، کہ حقیقت عقل کی نقل سے، اور نقل کی عقل سے علیحدگی مین نہین، بلکہ اتحاد مین ہے، وہ لوگ جو عقل و نقل دونون کے جامع ہین، وہ ان دونون کو مجتمع کرتے ہین،

یارِ ما این دارد و آن نیز ہم

انبیاء علیہم السلام مین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدو فطرت اور آغاز پیدایش سے اُن امور کے متعلق جنکا اُن کی رسالت و نبوت سے تعلق ہے، اور جن کو **دین** کہتے ہین، وہ کلی استعداد اور عمومی فہم ہوتا ہے جس سے غیر انبیا محروم ہین، اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ نبوت کے منصب پر عملاً سرفراز ہوتے ہین، اسی کا نام "ملکۂ نبوت" ہے، اور اہم امورِ دین کے متعلق اُن کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اوس کا نام " وحی" ہے،

آج کل **قرآن فہمی** اور عقل کے مدعیون اور نقل کے لفظی پابندون مین جو اختلاف ہے، وہ دراصل انھین دو قوتون کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے، نقل کے لفظی پابند یہ سمجھتے ہین کہ ہر لفظ جو نبی کے منھ سے نکلتا ہے، وہ اُسی معنی مین وحی ہے، جس معنی مین قرآن ہے، کہ وہ براہِ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے، اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہین، کہ قرآن بیشک خدا کی براہِ راست وحی ہے، مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے، وہ اس کے پیغمبرانہ نہین، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، لیکن حقیقت ان دونون کے ماورا ہے، جیسے وحیِ قرآنی وحی براہ راست ہے، اوسی طرح نبی کے دوسرے احکام اُس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہین، بلکہ اوسکی پیغمبرانہ وہبی قوتِ علم و فہم کا نتیجہ ہین، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لیے کہی جاسکتی ہے، کہ اُس کا منشا "ملکۂ نبوت" کے ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے، اس لیے پیغمبر کی وحی اور ملکۂ نبوت دونون کے احکام واجب الاتباع ہین،

کتاب اور سنت | اس تقریر کا منشا یہ ہے، کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اُس کی دو قسمین ہین، ایک **وحیِ حقیقی** یعنی

وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ مین پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے، اور جس کے مجموعہ کو کتاب الٰہی، صحیفۂ ربانی، توراۃ، انجیل، زبور، اور قرآن کا نام دیا گیا ہے، دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے ملکۂ نبوت یا نورِ نبوت، یا فہمِ نبوت کا نتیجہ ہوتا ہی، پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہی، یا یون کہو کہ پہلا اصولی، اور دوسرا فروعی ہی، یعنی علمِ اوّل پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور مہمات کو واضح کرتا ہے، اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت اُس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اُس کے جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے، اور غیر اہم اور متبدل اُمور کے متعلق ہنگامی اوقات مین مصلحتی احکام بتاتا ہی، اور اسی دوسری قسم کا علم ہے، جو روایات اور احادیث کی صورت مین ہی، اور جس کو اہل اصول اصطلاحاً **سنّت** کہتے ہین، **کتاب** اصولی احکام ہین، اور **سنّت** ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہی، کتاب براہِ راست وحی الٰہی کا نتیجہ ہے، اور سنّت ملکۂ نبوت اور فہم نبوی کا، کتاب بلفظہٖ وحی ہے، اور سنّت بالمعنی

وحیِ متلو اور وحیِ غیر متلو بعض علماے اصول نے کتاب اور سنّت دونون کو وحی مانا ہی اور ان دونون کے درمیان تفریق یہ کی ہے، کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تلاوت کیجاتی ہے، اور سنّت اُس وحی کو کہتے ہین جس کی تلاوت نہین کیجاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقۃً تلاوت و عدم تلاوت کا فرق نہین ہی، بلکہ یہ ہے، کہ کتاب مین معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کیے گئے ہین، اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہین، اُن کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کی پیشینگوئی مین داخل ہی، اور اس لیے اس مین الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہی، اور سنّت مین الفاظ کی نہین صرف معانی کی حفاظت ہی، اسی لیے کتاب کی وحی مدوّن، مکتوب، اور محفوظ کیگئی اور نماز مین اوسکی قراءت کا حکم ہے، اور یون بھی عام طور سے اوسکی تلاوت مسنون ہے، اور سنّت کی وحی بالفاظہا مقصود نہین، اس لیے اوسکی لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہین دیگئی، اور نہ نماز مین اس کے الفاظ قراءت کیے جاسکتے ہین، اور نہ اونکی تلاوت کیجاتی ہے، اور نہ ان کو کتاب الٰہی کہا جاسکتا ہے، مگر معنیً اصولی حیثیت سے اُن کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کرلی ہے، اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ مین نہین، مگر عمل مین خود رسول اور اس کے پیروؤن اور پھر اُن کے پیروؤن کے مسلسل تعامل سے یہان تک کہ آج بھی تمام مسلمانون کے عمل درآمد سے عملی تواتر کی صورت مین محفوظ ہے، اور

بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتبِ حدیث کے اوراق مین بھی اُن کو محفوظ کر دیا ہے،

سنّت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہی کہ اُس کے جزئیات اصولاً وحیِ حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہین، اور اس کی کلیت مین سنت کے تمام احکام مندرج ہین بنا برین چونکہ سنّت، وحی کے کلّی منشا کے اندر داخل ہی، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جا سکتی ہی، لیکن چونکہ اُس مین الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہین، اسلیے وہ غیر متلو ہی،

اس فرق کا راز یہ ہے، کہ **کتاب** کی اصلی حیثیت کلّی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لیے نہ صرف اُس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہی، بلکہ اُس کے لیے ایک ایک نقطہ، شوشہ، وقف، وصل، فصل، عطف، قطع، تقدم، تاخر، یعنی آجکل کی اصطلاح مین ایک ایک ڈیش، اور کومے کی بعینہٖ حفاظت کی ضرورت ہی، ورنہ ذرا سے تغیر مین قانون کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جا سکتا ہی، اور سنت کی یہ کلّی قانونی حیثیت نہین ہی، بلکہ وہ اُس کلّی قانون کی تشریحات، تفصیلات، اور جزئیات ہین، جو در حقیقت اس کلّی قانون کے اندر مندرج تھے، مگر چونکہ عام لوگون کی فہم مین نہین آتے تھے، یا عام لوگ اُس کو نہین سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کے دریافت پر، یا خود حضور صلعم نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر اُس کو کھول کر بیان فرما دیا، کہ پھر اشتباہ نہ رہجائے،

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے، کہ کتابِ الٰہی مین جو حکم جن الفاظ مین ادا ہوا ہے، وہ اگر بعض کم فہم لوگون کی سمجھ مین نہین آیا، اور انھون نے آنحضرت صلعم سے اوسکی تشریح چاہی، یا اونہین نہین معلوم ہوا، کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ و مستنبط ہوگا، اور اس لیے انھون نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا، تو اُس کے جواب مین اگر آنحضرت صلعم قرآن پاک کے بعینہٖ انھین الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا، کہ انھین الفاظ کے نہ سمجھ سکنے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آئی، اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت صلعم الفاظ کو بدل کر اور طریقۂ تعبیر کو تغیر دے کر، ان الفاظ کی تشریح فرمائین، اور یہی احادیث ہین،

در حقیقت احادیث مین قانونِ الٰہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ صلعم نے سمجھنے والون

کی سہولت، گمراہون کی تکمیلِ ہدایت، اور اصل منشائے الٰہی کی پوری توضیح اور کہین پوری تاکید کی خاطر مختلف لفظون، مختلف عبارتون اور مختلف تعبیرون سے ادا فرمایا ہے، اس لیے اصل مفہوم ومنشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضمناً وحی ہین لیکن الفاظ، عبارت، اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہین ہین، بلکہ فہم نبوی، اجتہاد نبوی اور ملکہ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہین، اسی لیے اُن کو اصطلاح مین "وحی غیر متلو" کہتے ہین،

ہم اس فرق کی ایک مثال دیکر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کردینا چاہتے ہین، قرآن پاک مین والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضامندی گناہون کی مغفرت کا سبب[1] ہے، یہ وحی الٰہی کا حقیقی منشا ہے، آنحضرت صلعم نے اس منشائے الٰہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیرون سے ادا فرمایا "ماں کے پاؤن کے نیچے جنت ہے" کبھی ارشاد ہوا "رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی مین ہے" ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے، فرمایا "تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں" ایک دفعہ آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے، صحابہ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے، کہ زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، "وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا" حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! "کون" ارشاد ہوا "وہ جس نے اپنی ماں یا باپ کی ضعیفی پائی، اور پھر اُن کی خدمتگذاری کرکے جنت نہ حاصل کرلی" ایک اور مجلس مین صحابہ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ صلعم نیکی کے کامون مین خدا کو سب سے زیادہ کون کام پسند ہے" فرمایا "وقت پر نماز ادا کرنا" دریافت کیا اس کے بعد، فرمایا "ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا"

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کردیگی، کہ یہ کل حدیثین ذیل کی آیتون کی تشریح بیان ہین،

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ-۹-نساء-۶) ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو،

وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ (اسرائیل-۳) وہ بوڑھے ہوجائین تو ان کو اُف نہ کہو،

---

[1] سورۂ احقاف-۲،

وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ (احقاف - ٢) یہ (ماں باپ کے خدمتگذار) وہ ہین جنکی بدیون سے ہم درگذر کرتے ہین

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیانات و تشریحات کا ہے،

احادیث قرآن کا بیان ہین | قرآنِ پاک اور احادیث دونون پر جنکی عمیق و وسیع نظر ہے اُن کو یہ برملا معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کُلّی احکام کے تحت ہین مندرج ہین انحضرت صلعم نے اپنے الفاظ مین صرف اُن کی تشریح فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثون کی عموماً تین شکلین ہین، ایک وہ جنمین انحضرت صلعم نے اپنے الفاظ مین حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اوس کے ساتھ پڑھی دی، اس قسم کی حدیثون کے **بیان** ہونے مین کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے آیت نہین پڑھی مگر خود اُس حکم مین ایک دو لفظ ایسے فرما دیئے ہین، جو کسی آیت کا جزء ہین، جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے، کہ یہ حکم فلان آیت کی تشریح ہے، اس صورت مین بھی اصل و فرع کی تمیز اہل علم کے لیے آسان ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرما دیا، اس قسم کی حدیثون کے ماخذ کی تلاش دقتِ نظر کا کام ہے، انکا پتہ زبانِ نبوت اور فہم رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راسخین فی العلم ہی پاسکتے ہین،

الہام و اجتہاد و حکمت | امام شافعی نے کتاب الرسالہ مین احادیث و سنن کی تین قسمین بیان کی ہین، ایک[١] وہ جو بعینہٖ قرآن پاک مین مذکور ہین، دوسری[٢] وہ جو قرآن پاک کے مجمل حکم کی تشریح ہین، تیسری[٣] وہ جنکا ذکر (بظاہر) قرآن پاک مین نہ تفصیلاً ہے، نہ اجمالاً، یہی تیسری قسم قابلِ بحث ہے، امام صاحب نے اس کے متعلق ائمہ سلف کے چار نظریے نقل کیے ہین[٢]،

١- اللہ تعالیٰ نے رسول کی کلّی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم مین پہلے ہی سے یہ ہے، کہ رسول

---

[١] مجھے پہلے شبہ تھا کہ مین اس رائے مین منفرد ہون، مگر بحمد اللہ کہ تلاش و تفحص سے ثابت ہوا کہ دیگر متعدد علماء سے اصول کا یہی مسلک ہے، چنانچہ یہ خیال اجمالاً سب سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسالہ (ص ۲۰ و ۲۹ و ۶۲) مطبوعہ علمیہ مصر ۱۳۱۲ھ مین، اور یہ نظریہ سب سے زیادہ مفصل امام شاطبی اندلسی المتوفی ۷۹۰ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام (جلد اوّل ص ۱۷۵ - ۲۲۱) مطابعہ سلفیہ مصر ۱۳۴۱ھ مین موجود ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ مین بھی اسکا ایک باب ہے، [٢] کتاب الرسالہ امام شافعی صفحہ ۲۸،

جو کچھ کہے اور کریگا، اس میں رضائے الٰہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی (حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیق ربانی عنایت کی گئی ہے، کہ وہ رضائے الٰہی کو دریافت کرلے)

۲۔ رسول نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے، جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے احکام بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہیں، گو بظاہر کم بینوں کو ایسا نظر نہ آئے)

۳۔ تمام احادیث نبوی "القا فی الروع" ہیں (یعنی رسول کے دل میں خدا نے ڈال دیئے ہیں) اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہیں جو آپ کے دل میں ڈالی گئی،

۴۔ اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں، کتاب الٰہی سے جداگانہ مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہیں،

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تینوں رائیں میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے، کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہے، اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیق ازلی بھی عنایت ہوتی ہے، جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الٰہی کو دریافت کرکے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ میں اسی "توفیق علم" کو الہام، القا فی الروع، اور دل میں ڈال دینے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں، اُن کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے، اور رسول اُسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا، ورنہ اُس کا غلطی سے پاک ہونا مشتبہ رہے گا، بلکہ وہ "پیغمبرانہ قوت فہم" کا نتیجہ ہوگا، اور جب ایسا ہے تو اس "پیغمبرانہ قوت فہم" کی تعبیر خواہ الہام سے کرو، القا سے کرو، یا اُس کو حکمت نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیق الٰہی کہو بات ایک ہی ہوئی،

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح زبانی احکام بھی عموماً اس کے صحیفۂ ربانی سے ماخوذ و مستنبط ہیں، اور اُن کے جزئیات کتاب الٰہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں، اور رسول کا یہ اخذ، استنباط، اور فہم اُس کی اُس پیغمبرانہ قوت علم کا نتیجہ ہیں، جنکو حکم، ملکۂ نبوت، اور اہل شرع حکمت، الہام، اور شرح صدر وغیرہ

الفاظ سے تعبیر کرتے ہین، اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہو،

اجتہادِ نبوت | اس موقع پر علماے اصول کی ایک اور اصطلاح "اجتہادِ نبوی" کی تشریح ضروری ہے، علماے اصول لکھتے ہین، کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلعم کے سامنے پیش آتا، اور وحی نازل نہ ہوتی، تو آنحضرت صلعم اجتہاد فرماتے یعنی گذشتہ وحی شدہ احکام کے تطابق سے آپ حکم دیدیتے تھے، (یہ فقہا، کا طریقۂ تعبیر ہے، ورنہ یون کہنا چاہیے کہ رسول اپنی اُس حکمتِ ربّانی کے فیض سے مدد لیکر جو خدا نے اُس کے سینہ مین ودیعت رکھی ہے گذشتہ وحی کے کلّیات کی روشنی مین اُس کا فیصلہ فرماتے تھے) بہرحال خواہ فقہا، کے طریق پر اجتہادِ نبوی کو نصوص قرآنی سے مستنبط سمجھئے یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علمِ سینہ، اور وحی شدہ اصول کلّی کے جزئیات تسلیم کیجیے، ہر حال مین وہ نتیجۃً امت کے لیے واجب العمل، اور خطا سے پاک ہو، کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہو، کہ انبیا، گناہون سے معصوم، ضلالت و گمراہی سے پاک اور ہواے نفسانی سے مبرّا ہوتے ہین، اس لیے امورِ رسالت اور امورِ دین مین اُن کی کوئی رائے غلط نہین ہوسکتی، کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہوجانا مسلّم ہے، حالانکہ اُن کی بعثت کی غرض ہدایت ہے ضلالت نہین، ان وجوہ سے اُن کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جاے، جو مصلحتِ الٰہی کے مطابق نہین ہوتا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اُس پر تنبیہ فرماکر اُن کو اپنی مرضی سے مطلع فرمادیتا ہے، (اس کی مثالین آیندہ آئینگی) الغرض بعض امور مین خیر کے کسی خاص پہلو کو پیش نظر رکھکر اس سے بہتر پہلو سے تغافل ہونے، یا غیب اور مستقبل سے عدمِ واقفیت کے سبب سے نبی کا اجتہادی خطا کرنا ممکن ہے، مگر اُس خطا پر نبی کا قائم رکھاجانا ناممکن ہو، ایسی صورت مین نبی کا ہر ایسا اجتہادی حکم جس پر وحیِ الٰہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہین کی، یہ معنی رکھتا ہے، کہ وہ حکم علمِ الٰہی کے منشا کے مطابق اور خطا، و غلطی سے مبرّا ہے، اور اس کے دوسرے معنی وحیِ خفی یا باطنی وحی کے ہین[1]،

---

[1] سطورِ بالا مین ہمنے جو کچھ لکھا ہو اس کے حوالہ کے لیے دیکھو شرح تحریر ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ مسمی بہ التقریر والتحبیر للعلامہ ابن امیر الحاج المتوفی سنہ ۸۷۹ ج ۳ ص ۲۹۴-۲۹۹ مطبعہ امیریہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ اور التلویح فی کشف حقائق التنقیح والتوضیح فی حل غوامض التنقیح ج ۲ ص ۵۲-۵۴ مطبع مکتب صنائع قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۰ھ بحث الرکن الثانی فی السنۃ،

میری راے مین یہ اصطلاح بھی معنیً گذشتہ اصطلاحون کے قریب قریب ہے، اس لیے اس اجتہاد نبوی کے معنی الہام حکمت، ملکۂ نبوت، فہم نبوی، وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہین کہ اوسکی حیثیت بھی وحی ثانوی کی قرار پاجاتی ہی،

اس مبحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین جو خیال ظاہر فرمایا ہے اُس کا ترجمہ ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

"ساتوان مبحث احادیث نبوی سے شریعت کے اخذ کرنے مین"

"علوم نبوی صلعم کے اقسام"

رسول اللہ صلعم کی جو روایتین حدیث کی کتابون مین جمع کیگئی ہین، اونکی دو قسمین ہین،

۱۔ ایک تو وہ جنکا تعلق تبلیغ رسالت سے ہی اور یہ آیت،

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج (حشر-۱) — پیغمبر تم کو جو کچھ دے اوس کو لے لو، اور جس چیز سے منع کرے اُس سے باز آو،

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے،

علوم معاد یعنی قیامت اور آخرت کے احوال جزا و سزا اور عجائب الملکوت (یعنی دوسرے عالم کے احوال وکیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہین اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے، اور اُن اصول کے مطابق جن کا ذکر اوپر گذر چکا، قوانین شریعت، اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم مین داخل ہی لیکن ان مین سے بعض چیزون کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، لیکن رسول اللہ صلعم کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو غلط راے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے، اور یہ ضروری

نہین ہی کہ آپ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص و آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہی، بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے، کہ خداوند تعالی نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد انسانون کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جنکا ماخذ وحی تھا، آپ اسی کلّی و اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، اون کی تشریح فرمادیا کرتے تھے حکمت کی متفرق باتین اور عام مصلحتین جنکے لئے آپنے نہ کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے، مثلاً اخلاقِ صالحہ اور اخلاقِ غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اُن مین اکثر کا دار و مدار اجتہاد پر ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کُلّی قانون تعلیم کر دیا تھا، اور آپ نے حکمت کی باتین اسی کلّی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا مستنبط کین، اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا، فضائلِ اعمال اور ان پر عمل کرنے والون کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہین، اور میرے خیال مین ان مین بعض کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، ان قوانین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہین“

۲- دوسری وہ روایتین ہین جو تبلیغِ رسالت سے تعلق نہین رکھتین، رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ ”مین صرف ایک آدمی ہون، جب مین تمھارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دون تو اس پر عمل کرو، اور جب مین تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دون تو یہ سمجھو کہ مین صرف ایک آدمی ہون“ اور چھوہارون کے جوڑ لگانے کے واقعہ مین آپ کا یہ فرمانا کہ ”مین نے ایک خیال قائم کیا تھا میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کرون تو اس پر عمل کرو، کیونکہ مین خدا پر جھوٹ نہین باندھتا“ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طب کے متعلق حدیثین اور آپکا یہ ارشاد کہ ”تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی مین تھوڑی سی سفیدی ہو“ اسی قسم مین داخل ہے، اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے،

آپنے جو کچھ عادۃً کیا، عبادۃً نہین، اتفاقاً کیا، قصداً نہین، وہ بھی اسی قسم مین داخل ہے، آپنے جو واقعات ایسے بیان کیے، جنکا تمام قوم مین چرچا تھا، مثلاً ام زرع اور خرافہ کے قصے وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہین،

اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابت نے جب اُن سے چند لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کرنے کی درخواست کی، اس طرح بیان کیا ہے، کہ "مین آپ کا پڑوسی تھا، اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ مجھکو بلا بھیجتے تھے، اور مین آپکے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا، لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، تو کیا مین ان تمام چیزون کو بطور حدیث بیان کرون؟"

اسی مین وہ چیزین بھی داخل ہین، جنکو آپنے اپنے زمانہ کی جزئی وعارضی مصلحت کے طور پر کیا ہے، اور وہ تمام امت کے لیے ضروری نہین ہین، مثلاً فوجون کی آراستگی، اور جنگی علامت کی تعیین کے وہ احکام جنکو خلیفہ دیتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ "اب ہم کو حج مین اکڑکر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمایش کرتے تھے، لیکن اب خدا نے اس کو ہلاک کر دیا" بھی یہی معنی ہین کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی وعارضی مصلحت سمجھتے تھے، لیکن چونکہ اپنے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لیے اُن کو یہ خوف ہوا، کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو، اس لیے اس مین دست اندازی نہین کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول کئے گئے ہین، مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ "جو شخص جسکو قتل کرے اُس کا ہتھیار اسی کا حق ہے" نیز آپکے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم مین داخل ہین، کہ آپ مقدمات کے ان فیصلون مین گواہون اور قسمون کے مطابق فیصلے کرتے تھے، آپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ "واقعہ مین حاضر جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہین دیکھتا" اس کے معنی بھی یہی ہین، (انتہی کلامہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کے ارشادات کی دو قسمین ہین، ایک وہ جس کا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت، اور مہمات امور دین سے ہے، یہ تمام باتین براہ راست وحی وتعلیم الٰہی سے ماخوذ ہین، دوسری وہ جو عام انسانی باتین ہین، اس کی متعدد صورتین ہین،

۱۔ کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم جیسے حج مین آپنے مسلمانون کو حکم دیا کہ وہ قریش کے سامنے اکڑکر سعی کریں، تاکہ قریش یہ نہ سمجھین کہ مدینہ کی آب و ہوانے اُن کو کمزور کر دیا ہے،

۲۔ وہ امور جنکو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہین بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہین، مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام، حکومت کے صیغون کی ترتیب وغیرہ،

۳۔ وہ امور جنکو آپ اپنی شخصی، قومی، یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے جن کو دین و رسالت سے کوئی واسطہ نہین، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، کمل اوڑھنا، دسترخوان اور چمچون کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا، تہبند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ،

۴۔ وہ امور جو عرب مین بطور قصہ کے مشہور تھے، اور آپ نے بھی اُن کو اُسی طرح تفنن طبع کے لیے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً ام زرع اور اسکی نو سہیلیون کی کہانی، خرافہ کی داستان، بنی اسرائیل کی بعض حکایتین،

۵۔ عربون کے بعض تجربی مسلمات، اور علاج و معالجہ کی بعض باتین،

۶۔ زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائین، مثلاً مدینہ مین قاعدہ تھا کہ فصل کے موقع پر نر چھوہارون کے پھول مادہ چھوہارون کے درختون مین ڈالے جاتے تھے، آپ نے یہ طریقہ دیکھا تو اُس کو محض رسمی بات سمجھکر فرمایا کہ "اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو" مدینہ والون نے آپ کے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال پیداوار کم ہو گئی، لوگون نے آکر عرض کی، فرمایا مین نے ایسا خیال کیا تھا، "انتم اعلم بامور دنیاکم" تم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو" یہ امور تغیر، اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہین،

الغرض یہ وہ امور ہین جنہین رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتون کی ہے، لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جنکا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہے، مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق اور اخبار معاد اور معاملات کے بعض ضروری حصے، یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہین، جو دائمی اور نا قابل تغیر ہین،

ان ناقابل تغیر امور کی تعلیم و اطلاع کی دو صورتین ہین، براہ راست **وحی الٰہی** جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاع کے لیے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی، اور دوسری **اجتہادِ نبوی**، یہان بحث اسی دوسری چیز سے ہے، شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتین فرماتے ہین،

۱- ایک یہ کہ اجتہادِ نبوی کی صورت درحقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہین ہو۔ مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبرون کے اجتہاد کی صورت یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اجمالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم منصبِ نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرمادیا ہے، اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح، احکام منصوصہ کی تفصیل، کسی کلی کے جزئیاتِ مسائل کی تشریح، اپنے الفاظ مین فرمادیا کرتے تھے،

۲- پیغمبرون کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہو، کیونکہ اُن کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے، اسی لیے "**اون کا پیغمبرانہ اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہو**"

"پیغمبرانہ اجتہاد" کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، اس کو پیش نظر رکھکر یہ فیصلہ نہایت آسان ہو، کہ دوسرے لوگ، ملکۂ نبوت، الہام، القاء، حکمتِ ربانی، فہم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہین، اُس مین اور "اجتہادِ نبوی" مین عملاً کوئی فرق نہین ہے، کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوتِ عقلیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے، کہ جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینہ مین ودیعت رکھتا ہے، اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہو، معنی کی نہین، مزید بحث آگے آیگی،

ایک نکتہ کی طرف یہان اور اشارہ کردینا ہے، آنحضرت صلعم کے سوا اور جتنے صاحبِ کتاب انبیاء آئے، اُن کی وحی کتاب اور نتائج حکمت نبوی مین فرق و امتیاز باقی نہین رہا، چنانچہ توراۃ و انجیل و زبور مین یہ سب باتین ملی جلی ہین، جیسا کہ اُن کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلعم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لیکر آئے تھے، اسلیے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کیگئی، اور ہر تخلیط اور آمیزش سے محفوظ

رکھی گئی، بلکہ اسی لیے آغازِ اسلام مین آپنے نتائجِ حکمتِ نبوی کی تحریر سے لوگون کو باز رکھا، تاکہ کتاب کے ساتھ اون کی آمیزش نہ ہو، بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہین رہا، تو اکثرون کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے اُنکی تحریر کی اجازت دیدی اور بعض متشدد صحابہ اور علما کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگون کے لیے تھی، عام نہین، لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت مین ہے، اونکی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ مین نہین، اسلئے اس خدمت کو تمام صحابہ نے تابعین تبع تابعین اور تمام علمائے صالحین نے ہمیشہ ادا کیا،

عصمت اور بیگناہی | نبی کی تیسری اہم خصوصیت، اوسکی معصومی اور بےگناہی ہے، یہود مین چونکہ پیشینگو ہونے کے علاوہ نبی کا کوئی صحیح تخیل نہین، اس لیے اُن کی کتابون مین انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسی باتین منسوب کیگئی ہین، جو اُن کی شانِ نبوت کے سراسر منافی ہین، عیسائیون مین صرف ایک مسیحؑ کی ذات معصوم مانی جاتی ہے، لیکن اسلام مین یہ عقیدہ ہر نبی اور رسول کی نسبت عام ہے، اُس کے نزدیک تمام انبیا اور رسول گناہون سے پاک اور معصوم تھے، اُن سے بتقاضائے بشریت بھول چوک ہوسکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے اونکی ان غلطیون کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے، نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول مان نہ لیا جائے، نبی اور عام حکیم و مصلح مین فرق نمایان نہین ہوسکتا، اور نہ نبیون اور رسولون کی کامل صداقت اور صحت پر اعتبار کیا جاسکتا، اسی لیے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے، ایک ایک کرکے تمام پیغمبرون کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے، اور ان واقعات کی تردید کی ہے، جو شانِ عصمت کے خلاف ہین، اور جن کو لوگون نے اُن کے سوانح مین شامل کردیا ہے،

عرب کے مشرکون کا یہ عقیدہ تھا، کہ کاہن جو غیب کا حال بتاتے ہین، اور شاعر جو پرجوش اور پرتاثیر کلام نظم کرتے ہین، یہ شیطانون سے سیکھکر بتاتے اور کرتے ہین، اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ صلعم کی نسبت بھی (نعوذ باللہ) کہتے تھے، قرآن نے ان کے جواب مین کہا، درخت اپنے پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے،

اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ، اِنَّمَا سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ، وَالَّذِیْنَ هُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ (نحل)

شیطان کا زور ایمان والون پر نہین چلتا، اور نہ اُن پر جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہین، اُس کا زور اُنھین پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہین، اور اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہین

اِس کے بعد آخر تک اس خیال کی تردید کی ہے، اور پھر خاتمہ اس پر ہے،

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ، (نحل-۱۶)

اور صبر کر۔ اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے، اور نہ تو اُن پر غمگین ہو، اور نہ اُن کے فریب سے تنگدل ہو، بیشک خدا اُن کے ساتھ ہے، جو پرہیزگار ہین، اور جو نیکوکار ہین،

اس آیت سے ظاہر ہوا، کہ انبیاے کرام شیطانون کے فریب سے آزاد، متقی، پرہیزگار اور نیکوکار ہوتے ہین

سورۂ شعراء مین اِسی شبہ کا جواب تمام پیغمبرون کے حالات کو سنا کر آخر مین یہ کہکر دیا ہے،

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ، یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ، (شعراء-۱۱)

کیا مین تمھین بتاؤن، کہ شیطان کس پر اترتے ہین، اون پر اترتے ہین، جو جھوٹ گھڑتے ہین، گنہگار ہوتے ہین (لوگون کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ وہ غیب کی باتین سُن آتے ہین)

سورۂ جاثیہ مین مخالفین کے جواب مین کہا گیا،

وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ، (جاثیہ-۱)

پھٹکار ہو اُس پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنہگار ہے، خدا کی آیتون کو جو اُس کو پڑھکر سنائی جاتی ہین، وہ سنتا ہے اور پھر اپنے غرور پر اڑا رہتا ہے گویا کہ اُس نے سنا نہین، تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت دیدے

اس کے معنی یہ ہوئے کہ انبیا علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنہگار نہین ہوتے، کہ اگر ایسے ہون تو فرشتون کے بجائے وہ شیطانون کے قرین ورفیق ثابت ہون، اور اُن کی سچائی اور صداقت مشتبہ ہوجائے، اور نیز یہ

نبوت کی حقیقت کذب وگنہگاری کے صریح منافی ہے،

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ	اُس آدمی کے جس کو اللہ کتاب اور فیصلہ اور نبوت دے
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا	یہ شایان نہین کہ وہ لوگون سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے
عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، (آل عمران-۸)	بندے ہو جاؤ،

یعنی پیغمبرون کی دعوت کا منشا خدا کی بندگی کا اعلان ہے، نہ کہ لوگون کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا، اور یہ گناہ اُن سے سرزد نہین ہوتا،

اور ایک آیت مین فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ	کسی پیغمبر کا یہ کام نہین، کہ وہ کچھ چوری سے چھپالے۔ اور جو کوئی
بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا	چھپالیگا قیامت کے دن لیکر اُس کو حاضر ہوگا، پھر اُسوقت
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ، اَفَمَنِ اتَّبَعَ	ہر شخص کو اُس کے کام کا پورا بدلہ ملیگا، اور اُن پر ظلم نہ ہوگا،
رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ	کیا جو خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے، وہ اوسکے جیسا
جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ	ہو سکتا ہے، جو خدا کا غضب کمائے، اور اُسکا ٹھکانا جہنم ہے،
عِنْدَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ،	اور وہ برا ٹھکانا ہے، انسانون کے خدا کے نزدیک کئی درجے ہین،
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ	اور خدا اُن کے کام سے خبردار ہے، بے شبہہ اللہ نے ایمان والون
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ	پر احسان کیا، کہ اُن مین ایک ایسے رسول کو بھیجا، جو اُن کو
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	اُسکی آیتین پڑھکر سناتا ہے، اور اُن کو پاک صاف بناتا، اور
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ،	کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ بے شبہہ اس سے
(آل عمران-۱۷)	پہلے کھلی گمراہی مین تھے،

اِن آیتوں مین گو ہر نبی سے غلول (مال چھپانے) کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہین وہ اُنکے مانند نہین ہوسکتے جو خدا کی خفگی کماتے ہین اگرخصوصیت کیساتھ آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہین کہ اُس سے ایسا جرم سرزد ہوسکے کہ اللہ کی رضامندی کا طالب اُسکی ناخوشی کے کام کا مرتکب نہین ہوسکتا، اور جو دوسرون کو احکام الٰہی سنائے، خود اُس سے اُن احکام کی خلاف ورزی ممکن نہین اور جو دوسرون کو پاک وصاف کرنے پر مامور ہے، وہ خود گنہگار و ناپاک نہین ہوسکتا،

انبیا علیہم السلام کے لیے بار بار قرآن نے "چنکر پسند کرنا" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو سرتا سر اون کی عصمت اور گناہون سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبرون کے متعلق یہ آیت ہے،

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج - ۱۰)	خدا فرشتون مین سے اپنے پیغمبر کو چنکر پسند کرتا ہے، اور آدمیون سے،

چند مخصوص پیغمبرون کی شان مین ہے،

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ، (آل عمران - ۴)	اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام اہل دنیا پر چنکر پسند کیا،

خاص حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوا،

وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا (بقرہ - ۱۶)	ہم نے اُس کو دُنیا مین چنکر پسند کیا،

حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا،

اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ (اعراف - ۱۷)	مین نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغامون کے لیے لوگون پر چنکر پسند کیا،

ایک آیت مین پیغمبرون کے لیے اصطفا کے ساتھ خیر (بہتر اور نیکوکار) کی صفت ظاہر کیگئی ہے،

وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ	ہمارے خاص بندون ابراہیم، اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو

اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ	یاد کرو جو ہاتھون والے (قوت عمل) اور آنکھون والے
بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ	(قوت علم) تھے، ہم نے اونکو آخرت کی خالص نصیحت کیلئے خالص
الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (ص - ۴)	کیا، اور وہ ہماری بارگاہ مین چنے ہوے نکوکارون مین تھے

سورۂ انبیاء مین اکثر پیغمبرون کے تذکرہ کے بعد فرمایا،

وَکُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ، وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً	اُن مین سے ہرایک کو ہم نے صالح بنایا، اور ہمنے اونکو وہ پیشوا
یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ	بنایا جو ہمارے حکم سے لوگون کو راہ دکھاتے تھے، اور ہمنے انکو
الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ	نیک کامون کے کرنے کی اور نماز کھڑی کرنے اور زکوۃ دینے
وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ، (انبیاء - ۵)	کی وحی کی، اور وہ ہمارے پرستار تھے،

کیا اس سے زیادہ اونکی عصمت اور بیگناہی کی شہادت ہوسکتی ہے، کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے پرستار بنائے گئے،

سورۂ انعام مین بہت سے پیغمبرون کے نام گنا کر سب کو صالح فرمایا گیا،

کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ، (انعام - ۱۰)	یہ سب صالحون مین تھے،

پھر آگے چل کر فرمایا، کُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (انعام - ۱۰) "ہرایک کو دنیا والون پر فضیلت دی" پھر اُن کا ذکر کرکے فرمایا، وَاجْتَبَیْنٰھُمْ وَھَدَیْنٰھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ "اور ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا اور اُن کو سیدھی راہ چلایا" یہ صالح ہونا، برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا بسراسر عصمت اور بے گناہی ہے،

شقی وسعید اور گنہگار ونیکوکار، دونون کی سیرتون اور زندگیون کا فرق اتنا نمایان ہے، کہ اُن مین التباس اور اشتباہ ممکن نہین، تاریخ وسیر کی خاموش اور خلق کی گویا زبانین چیخ چیخکر اس فرق وامتیاز کی منادی کرتی رہتی ہین، اس اصول کو قرآن پاک نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ	کیا وہ جو گناہون کے مرتکب ہین، یہ گمان کرتے ہین، کہ

نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً	ہم اونکو اونکی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بنائینگے،
مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (جاثیہ۔۲)	اُن دونون کی زندگی اور موت یکسان ہو یہ انکا فیصلہ کتنا بُرا ہے

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونون کی زندگی، اور موت دونون ممتاز ہوتی ہین،

انبیاء کے وصف مین فرمایا،

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ	جو اللہ کے پیغامون کو پہنچاتے ہین، اور اُس سے ڈرتے ہین
وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (احزاب۔۵)	اور اللہ کے سوا کسی سے نہین ڈرتے،

آنحضرت صلعم کے اہل بیت اور بیویون کو جو عزت اور شرف حاصل ہے، وہ نبوت ورسالت ہی کی نسبت سے ہے، ازواج مطہرات کی شان مین ہے،

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ	اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتون مین سے کوئی ایک
اِنِ اتَّقَيْتُنَّ، (احزاب۔۴)	نہین ہو، اگر تم متقی ہو،

پھر اہل بیت نبوی کو خطاب کرکے فرمایا، کہ ارادۂ ربانی یہ ہے، کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف اور ستھرا بنائے،

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ	اللہ یہی چاہتا ہے، کہ تم سے ناپاکی کو دور کردے، اے نبی
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (احزاب۔۴)	کے گھر والو! اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنادے،

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج واولاد کی شرافت کے لیے گناہ اور بدی کی نجاست مخل ہے، تو خود انبیاء علیہم السلام کا کیا ذکر ہے، ایک دوسری آیت مین حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کرکے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ	گندیان، گندون کے واسطے، اور گندے، گندیون کے
وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ	لیے، اور ستھریان ستھرون کے واسطے، اور ستھرے ستھریون

اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ (نور-۳) کے واسطے، یہ اُن کی تہمت سے پاک ہین،

یہان طیّب، پاک، اور ستھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ ہے، اور اسی ستھراپن، پاکی، اور طہارت سے ازواجِ مطہرات کے اخلاقی ستھراپن، پاکی، اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے،

انبیا درحقیقت مقتدیٰ اور پیشوا، اور نمونہ بنکر اس دنیا مین بھیجے جاتے ہین، اسی لیے فرمایا،

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (احزاب) تمھارے لیے خدا کے رسول مین اچھی پیروی ہے،

نیز اُن کی اطاعت واجب ہے،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (نسا-۹) ہم نے کوئی نبی نہین بھیجا، لیکن اس لیے کہ خدا کے حکم اُس کی اطاعت کیجائے،

اور خاص آنحضرت صلعم کی نسبت تصریح ہے، کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے کا مستحق ٹھہراتی ہے

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران-۴) اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم کو چاہیگا،

کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی، اور گنہگارون کی دعوت سے کبھی نیکوکاری پھیلی ہے؟ برائیون اور گنہگاریون کا اصلی سرچشمہ اور منبع شیطان، یا انسان کی خود قوتِ شر ہے، لیکن خدا کے خاص بندے اُس کے دامِ فریب سے آزاد ہین،

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ، وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا (اسرائیل-۷) یقیناً میرے بندون پر تیرا (اے شیطان) کوئی زور نہین، تیرا پروردگار (اپنے بندون کیطرف سے) کفیل کردینے کو بس ہے،

کیا انبیائے کرام علیہم السّلام سے بڑھکر کوئی بندۂ رب ہو سکتا ہے،

انسانون کی گمراہی اور عصیان کاری، وسوسۂ شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے، خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر (خناس) چھپا ہو، یا انسان اور جن کی صورت مین ہو، ہر ایک کے فتنہ سے اُن کی ذات، پاک اور بلند ہے

آنحضرت صلعم کو بعض خود غرض لوگون نے بعض مشورون مین پھسلانا چاہا، مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا، اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دستگیر ہے، اور گمراہی سے تیری نگہبان ہے اور کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاسبان ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ، وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ، (نساء - ۱۷)

اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی، تو ایک گروہ نے تیرے
گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور وہ گمراہ نہین کرینگے لیکن خود اپنے
آپ کو، اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکین گے اور خدا نے تجھ پر
کتاب اور حکمت اُتاری ہے، اور اُس نے وہ سکھایا جو تو نہین
جانتا تھا، اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے،

اور یقیناً موقع و محل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہان مراد عصمت ہے،

خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی تمناؤن، خود غرضانہ آرزوون اور خوشنما خیالون سے لوگون کو دھوکا دیتا ہے، لیکن انبیا علیہم السلام اس فریبِ تمنا سے بھی پاک ہین، بشریت کے اقتضا سے یہ تو ممکن نہین کہ خود اپنے مشن، اور جس دعوتِ حق کو لیکر وہ آئے ہین، اوسکی جلد از جلد کامیابی، اور لوگون کے بسرعت قبولِ ایمان کے متعلق اُن کے دل مین تمنائین اور آرزوئین نہ پیدا ہوتی ہون، لیکن وہ مصلحتِ الٰہی کے مطابق نہین ہوتین اسلیے اللہ تعالیٰ اُن خیالات اور تمناؤن کو اُن کے دلون سے نکال دیتا ہے، اور اپنے فیصلہ کو برجا رکھتا ہے، فرمایا،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ
اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ
اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ، (حج - ۷)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہین بھیجا لیکن یہ کہ
جب وہ خیال باندھتا ہے، تو شیطان اوسکے خیال مین کچھ
ملا دیتا ہے، تو خدا شیطانون کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے، اور اپنے
حکمون کو مضبوط کر دیتا ہے، اور خدا غالب اور حکمت والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہین،

آنحضرت صلعم کے متعلق فرمایا گیا،

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى، (نجم - ۱) (اے مسلمانو!) تمہارا صاحب نہ گمراہ ہوا، نہ بھٹکا،

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہین ہے، بلکہ اس آیت مین آنحضرت صلعم کے ہر عہد سابق اور زمانۂ ماضی سے ضلالت اور غوایت کی پوری نفی کیگئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کانٹون سے پاک رہا،

بعض شبہات کا ازالہ | قرآن پاک مین بعض ایسے الفاظ ہین جن سے ایک ظاہر بین کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے، کہ بعض پیغمبرون کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی داغ ہین، مگر علمائے محققین نے ان مین سے ہر ایک شبہہ کا تشفی بخش جواب دیدیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلسی نے الفصل فی الملل والنحل (جلد چہارم) مین اور قاضی عیاض مالکی نے شفا (قسم ثالث، باب اول) مین خفاجی نے شرح شفا (جلد چہارم) مین اور متاخرین مین مُلا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الاخلار فی عصمۃ الانبیار مین ایک ایک شبہہ کو پوری طرح رد کیا ہے جس سے ظاہر بینی کا پردہ آنکھون کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے، اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، ان مین سے ہر شبہہ کا ذکر کرنا اور اُن کا رد کرنا ایک طول عمل ہے، مختصراً اصولی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس مسئلہ مین جو غلط فہمیان کسی کو پیش آتی ہین، اُن کے دو اسباب ہین، اور اُن اسباب کی تشریح کر دینا ہی اون غلط فہمیون کو دور کر دینا ہے،

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے، کہ انبیاء علیہم السّلام کا پایہ بندون مین بلکہ تمام مخلوقات مین خواہ کسی قدر بلند ہو، اور اُن کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی پاک ہو، تاہم اوس ذوالجلال والاکرام کے سامنے اُن کی حیثیت ایک عبد، ایک بندہ، اور ایک عاجز مخلوق ہی کی ہے، ایک عبد یا غلام خواہ کسی قدر طاعت کیش، کتنا ہی وفاشعار، اور مطیع و فرمانبردار ہو، تاہم اپنے آقا کے سامنے اوسکو اپنے قصور کا معترف، اپنی تقصیر کا مُقر، اپنی کوتاہیون پر خجل، اور اپنی فروگذاشتون پر نادم ہی ہونا چاہئے، اسی لئے حضرت ابراہیمؑ جنکی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے، وہ خدا کی عظمت و جلال اور اُس کی رحمت و شفقت کے ذکر

مین فرماتے ہین،

وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ؕ (شعراء - ۵) — اور وہ خدا جس سے جزا کے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی پوری اُمید رکھتا ہون،

نبیؑ کا یہ اعتراف واقرار اور خجالت وندامت، اُس کا نقص نہین، بلکہ اُس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے، اور آقا کو حق پہنچتا ہے، کہ اُس کے غلام، اطاعت وفرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہین، وہ اُن سے اطاعت کیشی، اور وفاشعاری کے اُس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے، کہ اُس کے دربار مین اُن کے عروج ترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض آیتون مین اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت کیگئی ہے تو اُس کا سبب گناہ کا وجود نہین، بلکہ ہر قدم پر گذشتہ رتبۂ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے، تاکہ وہ اُس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلعم کو خطاب ہوتا ہے،

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۔ (نصر) — جب اللہ کی مدد آچکی اور (مکہ) فتح ہو چکا اور لوگون کو اللہ کے دین مین گروہ درگروہ جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اُس سے معافی چاہ کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے،

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، مکہ فتح ہونا، بُت پرستی کی بیخکنی، اور لوگون کا مسلمان ہو جانا کوئی جرم ہے جس سے کوئی معافی چاہے، اسی طرح سورۂ فتح مین فرمایا،

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ۔ (فتح - ۱) — ہمنے تجھکو کھلی فتح دی تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کرے اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے، اور تجھ کو سیدھی راہ چلائے، اور تجھ کو مضبوط مدد دے،

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کامل نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے، کہ اللہ تعالیٰ

اپنے بندہ کے حسن خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے،

اس استغفار سے مقصود نعوذ باللہ پیغمبر کی گنہگاری کا ثبوت نہین، بلکہ اُس کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے،

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی، اور فرشتے جن کی خدا کی بیٹیان ہونے کے اہل عرب قائل تھے، اور اُن کو خدا کا درجہ دیتے تھے اُن کے متعلق قرآن نے کہا،

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا	مسیح کو ہرگز اس سے عار نہ آئیگا، کہ وہ خدا کا بندہ ہو، اور نہ
الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ	مقرب فرشتون کو اور جو اُس کی بندگی سے عار کریگا، اور
عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (نساء)	بڑائی چاہیگا، تو خدا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کریگا،

اس سے مقصود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین نہین، بلکہ اُنکی عبدیت اور بندگی کا اعلان ہی،

الغرض انبیاؑ کا خدا کے حضور مین اپنی کوتاہی کا اعتراف، اُن کی گنہگاری کا ثبوت نہین، بلکہ اُن کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ مین نے تجھے معاف کیا، اوس کی گنہگاری کا اعلان نہین، بلکہ اپنی پسندیدگی، رضا، اور قبول تام کی بشارت ہے، سورۂ فتح کی جو آیتین اوپر گذرین، اُن کو پڑھو، تو ظاہر ہوگا کہ چونکہ بت پرستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر، اور کل جزیرۂ عرب مین حق و باطل کی تمیز، مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف تھی، جب وہ پیغمبر علیہ السّلام اور مسلمانون کی مسلسل کوششون اور جانفروشیون سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی، اور تجھ پر میرے سلسلۂ احسانات کی تکمیل ہوئی، پھر خدا آپ سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے، حالانکہ ان مین سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہوچکی تھی، کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراط مستقیم یعنی اسلام پر نہ تھے، یا آپ کو زبردست مدد نہین مل چکی تھی، یہ سب مرتبے حاصل تھے، مگر ان باتون کے یہان ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہی، کہ وہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار فرمائے، اور رسول کی اگلی پچھلی تمام فروگذاشتون پر (اگر ہون) خط عفو پھیرنے کا اعلان کرکے ان کو نیا خلعت فاخرہ عطا، اور نئے مراتب جلیلہ عنایت کرے،

عبدیت کاملہ کا یہی راز و نیاز ہے، جو حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ میں نمایاں ہے، ایک سردار اُن کو "اے نیک استاد" کہکر خطاب کرتا ہے، اُس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں،

"تو کیون مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸-۱۹)

حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا، اسی طرح حضرت عیسیٰ کا اپنی مشہور دعا میں یہ کہنا، کہ

"اور جس طرح ہم اپنے قرضدارون کو بخشتے ہیں، تو اپنے قرض ہم کو بخشدے" (متی ۶-۱۲)

اُن کی گنہگاری کی دلیل نہیں، بلکہ عبدیتِ کاملہ کے اظہار کا ثبوت ہے،

نکتہ۔ عربی زبان میں گناہ کے لیے مختلف الفاظ ہیں، مثلاً ذَنب، اِثم، حِنث، جُرم، وغیرہ، ان میں سے ذَنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اُس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے، جو بالقصد اور جان بوجھکر کیا جائے، لیکن ذَنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جان بوجھکر کیا جائے، یا بن جانے، غلط فہمی سے ہو، یا سوچ سمجھکر، بھول چوک سے ہو، یا قصدًا، اور اُن کامون پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو درحقیقت عام امت کے لیے گناہ نہیں، لیکن انبیا کے حق میں اونیٰ غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے، اسی معنی میں کہا گیا ہے، کہ حَسَنَاتُ الأبرار سَیِّاٰتُ المقربین، (نیکون کی نیکیان، مقربین کی برائیان ہیں) ع

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

انبیاء علیہم السّلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ ذنب کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا حنث کا نہیں، ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لیکر عصیان تک کو شامل ہے[1]، اس لیے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف

---

[1] اس فرق کو عام لغت نویسون نے ملحوظ نہیں رکھا ہے، مگر جن علماے لغت نے الفاظ کے فروق پر کتابیں لکھی ہیں انھون نے اسکی تصریح کی ہے، ہم یہان پر بیروت کے مشہور عیسائی لغت نویس و ادیب الاب ہنریکوس لامنس کی کتاب فرائد اللغۃ فی الفروق کی عبارت نقل کرتے ہیں، "الاثم الذنب الذی یستحق العقاب علیہ ولا یوصف بہ الا المجرم، وبین الاثم والذنب فرق من حیث ان الذنب یطلق الجرم عمدًا کان او سہوًا بخلاف الاثم فانہ ما یستحق فاعلہ العقاب، فیختص بما یکون عمدًا، والحنث ابلغ من الذنب، لان الذنب یطلق علی الصغیرۃ والحنث علی الکبیرۃ، والجرم لا یطلق الا علی الذنب الغلیظ، (صفحہ ۹۶ و ۹۷) مطبعہ کاتولیکیہ ۱۸۸۹ء،

سے استغفار ذنب کی ہدایت کیگئی تو اُس کے معنی صریح عصیان وگناہ کے نہین، بلکہ یہی انسانی بھول چوک، اور فروگذاشت ہی، جس کی اصلاح وتنبیہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم وکرم اور لطف وعنایت سے فرماتا رہتا ہے، اور اسی کیلئے استغفار کا حکم اُن کو ہوتا رہتا ہے،

اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کہ بھول چوک، اور بلا ارادہ غفلت، گو امت کے حق مین قابل مواخذہ نہین، مگر انبیا علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزین بھی گرفت مین آتی ہین، کیونکہ ان کا قول وفعل شریعت بنجاتا ہے، اس لیے شریعت کی حفاظت کے لیے اُن کے ہر قول وفعل کی حفاظت بھی ضروری ہی، اس بنا پر اگر اُن سے احیانًا کوئی ایسی بات ہوجاتی ہے، تو فورًا اس پر تنبیہ کیجاتی ہے، اور ان کو ہشیار کردیا جاتا ہے، اور اسی کیساتھ اُن کی یہ چیز معاف کرکے اُن کو بشارت سنادی جاتی ہے، اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے، دانستہ اور نادانستہ تمام گناہون سے اُن کا دامن پاک وصاف رکھا جاتا ہی،

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (بقرہ-۴) — تو آدم نے اپنے رب سے چند باتین سیکھ لین تو وہ اوسکی طرف رجوع ہوا

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ (طہ-۷) — پھر خدا نے آدم کو برگزیدہ کیا، پھر اوسکی طرف رجوع ہوا،

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (توبہ-۱۴) — یقینًا اللہ نبی کی طرف رجوع ہوا،

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ (انبیا-۶) — پھر ہم نے یونس کی دعا قبول کی، اور اُسکو غم سے رہائی دی،

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح-۱) — تاکہ ہم تیری اگلی پچھلی سب فروگذاشت معاف کردین،

کامل اور عام عفو ومغفرت کا یہ مرتبۂ بلند خود بندہ کی زندگی مین، انبیاؑ کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہین،

۲- انبیا کی معصومیت کے مسئلہ مین غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے، کہ انبیاؑ کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیون مین، قوت اور فعل کا جو فرق ہے، اُس کو ملحوظ نہین رکھا جاتا، علم اور جہل ضلالت اور ہدایت، اضافی الفاظ مین سے ہین، علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جہل اور ہدایت کے بلند سے بلند رتبہ کو اُس سے

بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے ضلالت کہہ سکتے ہین،

انبیا علیہم السلام کی قبل از نبوّت اور بعد از نبوّت زندگیون مین قوت اور فعلیت کا فرق ہے، جس طرح تخم مین تمام برگ و بار پوشیدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اس وقت درخت نہین ہوتا، اور نہ اُس مین تنہ، شاخین، پتے، پھول اور پھل ہوتے ہین، اور نہ اُس کا عالم پناہ سایہ ہوتا ہے، لیکن ایک وقت آتا ہے، جب وہی تخم بڑھ کر ایک نیا درخت بنجاتا ہے، اُس کے پتے آنکھون مین ہریالی پیدا کرتے ہین، اُس کے پھول مشام جان کو معطّر کرتے ہین، اُس کے پھل کام و دہن مین شہد ٹپکاتے ہین، اُس کے سایہ مین تھکے ماندے مسافر آرام پاتے ہین، اسی طرح نبوّت کی سابقہ اور لاحقہ زندگیون مین عظیم الشان فرق ہے، اور اسی فرق کی بنا پر اُس کی قبل از نبوّت زندگی، ظہور نبوّت کے بغیر تاریکی، اور ضلالت، اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے، جس طرح عام افراد کی زندگی اسلام و ایمان کے بغیر، ضلالت اور اسلام و ایمان کے بعد ہدایت بنجاتی ہی، اسی طرح انبیاؑ کی زندگی اون کی نظر مین نبوّت کے بغیر ضلالت اور نبوّت کے بعد ہدایت ہوتی ہے، غرض یہ ہے کہ ظہور نبوّت سے پہلے کا زمانہ اُن کی ضلالت کا، اور بعد کا زمانہ اُن کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے، لیکن ضلالت اور ہدایت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل مختلف ہے، جو غیر انبیاؑ کے حق مین مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ جہان آنحضرت صلعم پر اپنے احسانات گناتا ہے فرماتا ہے،

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی، وَوَجَدَكَ ضَآلًّا	کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہ پایا، پھر پناہ دی، اور اُس نے تجھ کو بھولا
فَھَدٰی، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (ضحی-۱)	پایا، تو رہنمائی کی، اور تجھکو محتاج پایا، تو بے نیاز کیا،

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ یہان ہدایت سے نبوّت، اور ضلالت سے قبل نبوّت کی زندگی مراد ہے، جو نبوّت کے بعد کی زندگی کے مقابلہ مین نسبتہً ضلالت ہی ہے،

"ضلالت" کے معنی عربی مین صرف صریح گمراہی ہی کے نہین، بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹکنے، اور غفلت کرنے کے بھی ہین، عورتون کی شہادت کے موقع پر ہے،

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىھُمَا الْاُخْرٰی (بقرہ)	کہ بھول جاوے ایک عورت تو یاد دلا دے اوسکو دوسری،

ایک اور آیت مین علم الٰہی کی تعریف مین ہے،

لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی (طٰہٰ-۲) نہ چوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے،

ان آیتون مین لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ "ضَالّ" کے معنی عربی زبان اور محاورۂ قرآن مین صرف گمراہ کے نہین بلکہ بھول چوک کے بھی ہین، اسی طرح اُس حالت کے بھی ہین جسمین گمراہی کو گمراہی معلوم ہوتی ہے لیکن ہنوز ہدایتِ الٰہی کا نور اُس کے سامنے نہین چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اوس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہین آئی ہے، جہل کی برائی تو معلوم ہوگئی ہے، مگر ہنوز علم کا دروازہ نہین کھلا ہے، اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک ستمگار قبطی کو گھونسہ مارا تھا، جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پاکر جب وہ لوٹے تو فرعون نے اُن کو طعنہ دیا، کہ تم تو میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا،

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ (شعراء-۲) مین نے اس حالت مین کیا تھا، کہ مین چوکنے والون مین تھا،

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے، کہ اُس وقت مین نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہین کی تھی نہ بُت کو پوجا تھا، نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا، کسی کے طمانچہ سے اتفاقیہ کسی کمزور کا مرجانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہین، جس کو ضلالت کہین، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا اپنے کو اس وقت ضالّ کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے، اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے جیسے یہان "ضلالت" کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو "غفلت" (بیخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ مین آپ کو خطاب ہے،

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ، (یوسف-۱)

ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہین، کیونکہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن اُتارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے تو بے خبرون مین تھا،

اس "بے خبری" کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے، جس میں پیغمبر کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے،

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ
مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ
وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ، (شوریٰ - ۵)

اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راز سے ایک
رُوح تیری طرف وحی کی، تو نہیں جانتا تھا، کہ کتاب
کیا ہے، اور نہ ایمان، لیکن ہم نے اُس کو نور بنا دیا،
جس سے جس کی چاہتے ہیں، اپنے بندوں میں سے رہنمائی
کرتے ہیں، اور تو سیدھی راہ دکھاتا ہے،

"کتاب و ایمان" کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے، جس کو کہیں ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا، اس سے مقصود حقیقی گنہگاری، عصیان کاری، اور باطنی گمراہی نہیں ہے، بلکہ طلبِ حق، تلاشِ معرفت، اور انتظارِ حقیقت ہے، کہ وہی اُن کے حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا ہے، آخر وہ وقت آتا ہے، جب روشنی چمکتی ہے، روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہے، اور منزل رسی کے بعد دوسروں کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے، یہ ہدایت کا دور ہے، چنانچہ ایک موقع پر انبیاءؑ کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے،

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ
وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ (انعام - ۱۰)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا، اور اُن میں
ہر ایک کو ہدایت دی، اور اُن سے پہلے نوح کو ہدایت دی،

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ عدم نبوت کا عہد "ضلالت" ہی کہلائیگا، مگر اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوگی جس میں اُن کو ہنوز نبوت نہیں ملی تھی، اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا، اس تشریح سے یہ واضح ہوگیا کہ انبیاءؑ کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگاری، عصیان کاری اور گمراہی نہیں، بلکہ عدم نبوت کا دور، اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہے، جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابلہ

مین نسبتہً ضلالت ہی،

نبی کی بشریت نبیؑ کی معصومیت اور اُس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے، وہ خدا، خدا کا اوتار، دیوتا یا فرشتہ نہین ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اُن مسائل مین سے ہے، جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلعم سے پہلے افراط و تفریط کی تاریکی مین گم تھی، اور آپ کے فیض تعلیم سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیون کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے، جو پیغمبرون کو ایک پیشینگوئی کی صفت کے علاوہ ہر حیثیت سے معمولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے، وہ بداخلاقیون کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے تھے، تاہم وہ پیغمبر سمجھے جا سکتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے، جو اپنے "نجات دہندہ" کو انسانیت سے پاک، خود خدا، یا خدا کا جزء، یا "ناسوت و لاہوت" کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے، اور ہندو بھی تھے، جو اپنے رہنماؤن کو دیوتا، اور اوتار، یعنی مجسم خدا، یا انسان کے بھیس مین خدا سمجھتے تھے، اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتین حاصل تھین،

اسلام نے اپنی تعلیم ان دونون کے وسط مین پیش کی، وہ ایک طرف رسولون کو مخلوق محض، صرف انسان اور پورا بندہ، اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درماندہ تسلیم کرتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ اُن کو خدا کا برگزیدہ، معصوم، نیک، اور خدا کی قدرت سے فیض پا کر برکتون، سعادتون، اور ہدایتون کا مرکز، اور اوسکی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا، بتاتا ہے، اور بے اعتدالی کے اُن دونون خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہین، علانیہ تردید کرتا ہے، اہل عرب بھی ہندوون، یونانیون، اور عیسائیون کی طرح یہ سمجھتے تھے، کہ انسان کی رہنمائی کے لیے خود انسان نہین بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیے، اور وہ ہستی صرف فرشتون کی ہے، قرآن نے اُن کے اس خیال کی بار بار تکذیب کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر زمین مین فرشتے آباد ہوتے، تو فرشتہ کو اُن کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا، اور انسانون مین فرشتہ بھی آتا تو انسانیت ہی کے پیکر مین آتا، تو ایسی حالت مین تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے،

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرون کے دو رُخ ہوتے ہین، ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ مین ہوتے ہین اور انسانون ہی کیطرح کھاتے، پیتے، چلتے، پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہین دوسری

طرف وہ اپنی روحانیت، بے گناہی، پاکدامنی، اور اختصاصِ نبوت مین انسانون سے بلند تر ہین، یہودیون کی طرح جن کی نظر اُن کے انسانی رُخ پر پڑتی ہے، وہ اُن کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہین، اور عیسائیون کی طرح جنکی نظر اُن کے مافوق انسانی خصائص پر پڑتی ہے، وہ اُن مین الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہین، حالانکہ حق اِن دونون کے بیچ مین ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہہ انسان ہوتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنی مافوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہین، یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبرون کے متعلق کُفّار کو ہوتا تھا، پیغمبر اُن کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ اون کی بشری خصوصیتون کو دیکھکر کہتے تھے، کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو، چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبرون کو کہا،

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا (اسرائیل-۱۰) کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بناکر بھیجا،

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اسلیے رسول اللہ صلعم نے اس کے جواب مین فرمایا،

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا (اسرائیل-۱۰) مین تو نہین ہون مگر انسان رسول،

اون کو شبہہ تھا، کہ کیا گمراہ انسانون کو، انسان ہی رہنمائی کر سکتا ہو،

أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا (تغابن-۱) کیا انسان ہماری رہنمائی کرین گے،

یہ وہی شبہہ تھا، جس مین پھنسکر عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی انسانیت سے منکر ہوئے، کہ موروثی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دیسکتا ہے، اور یہ نہین سمجھے کہ انسان موروثی گنہگار نہین، بلکہ وہ گنہگار بھی ہوسکتا ہے اور بے گناہ بھی، بے گناہی اور معصومیت کے لیے انسانیت سے پاک ہونا ضرور نہین، یہی بات اور کفار کی سمجھ مین بھی نہین آتی تھی، اور انبیا کو ظاہری اور جسمانی طور سے اپنی ہی طرح انسان سمجھکر، اُن کو نبوت کا مستحق نہین سمجھتے تھے، اور کہتے تھے،

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا (ابراہیم-۱۰) تم تو نہین ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر،

دوسرون کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انبیا-۱) نہین ہے یہ لیکن تمھاری ہی طرح بشر،

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنین-۲) نہین ہے یہ لیکن تمھاری ہی طرح بشر،

انبیا کے سامنے وہ یہی دلیل پیش کرتے تھے،

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (شعراء-۸) تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو،

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰسین) تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو،

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو ہدایت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے،

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہود-۳) ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہین،

انبیا علیہم السلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا، کہ ہان تمہاری ہی طرح ہم بشر ہین، لیکن خدا کے فضل و کرم سے سرافراز ہین، اور یہی تم مین اور ہم مین فرق ہے، فرمایا،

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (ابراہیم-۲) اونکے رسولون نے جوابدیا کہ ہم تمھاری ہی طرح بشر ہین لیکن خدا اپنے بندون مین سے جسپر چاہتا ہے احسان کرتا ہے،

ان کفار کی نظر صرف اُن کے ایک رُخ یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاؑ نے جواب مین اس پہلو کے ساتھ اپنے دوسرے رُخ کو بھی اُن کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ہان ہم انسان ہین لیکن ایسے انسان جنپر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش ہے، یعنی نبوت سے سرافراز اور اسکی خصوصیتون سے ممتاز ہین،

دوسرے نبیون کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلعم نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا، بلکہ وحی الٰہی نے آپ کی زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ "کہدو کہ مین تو تمھاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہون" اس اعلان نے جو درحقیقت اُس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لیے تھا، جو انبیاؑ کی شانِ الوہیت کے متعلق عیسائیون کے اثر سے لوگون مین پھیل گیا تھا، اور افسوس ہے کہ اس قسم کا غلط خیال اُس نبی کی امت کے ایک گروہ مین بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا مین خدا کی

توحید کامل کا مبلغ بنکر آیا تھا، دوسری طرف اس اعلان سے ایک تفریط پسند گروہ نے یہ نتیجہ نکالا، کہ پیغمبر اور عام انسانون مین کوئی فرق اور امتیاز نہین، اور نہ پیغمبرون کو عام انسانون پر کوئی بلندی وبرتری حاصل ہے، الّا یہ کہ پیغمبرون پر وحی آتی رہتی ہے، اور عام انسان اس سے محروم ہین، گویا اس کا منشا یہ ہے، کہ پیغمبر صرف اُس لمحہ اور آن مین منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے، جب اُس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے، اور اُس کے پہلے اور اُس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھکر اسی لیے ایک اور مختصر سے فرقہ نے یہ دعوی کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے، جو وحی قرآنی کی صورت مین آیا، اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہین، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہین، جنکی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے، نہ اسلام کا جزء ہے، یہ خیالات حقیقت مین دوسرے مفرطانہ فرقہ کے مقابلہ مین تفریطانہ ہین، اور دونون اعتدال کی حد سے باہر، اور حقیقت اُن کے بیچ مین ہے،

قرآن پاک مین تین جگہ وہ آیتین ہین جنمین خاص آنحضرت صلعم کی بشریت کا اعلان ہے، مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان، اور خدا کے مقابلہ مین رسولون کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدۂ باطل کی تردید مین ہے، کہ رسولون کے ہاتھون مین یہ قوت ہونی چاہیے، کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالین، اور سعی وسفارش کرکے قصور معاف کرادین، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اُن کو جو کچھ حاصل ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا سے ہے،

سورۂ کہف مین اُن مشرکون کا ذکر ہے، جو خدا کے بندون کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہین،

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ	کیا وہ جنھون نے کفر کیا، یہ سمجھے ہین، کہ وہ میرے بندون (رسل
دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ	اور فرشتون کو) میرے سوا اپنا حامی بنائین گے ہم نے ان
نُزُلًا ، (کہف - ۱۲)	کافرون کے لیے جہنم تیار کی ہے،

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اوصاف وکمالات کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے،

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ	کہدے کہ مین تو تمھاری ہی طرح ایک بشر ہون، مجھپر وحی

اِلٰہٌ وَّاحِدٌ، (کہف ۱۲۰) کیجاتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہی،

دوسری جگہ یہی تعلیم بعینہٖ سورۂ حم السجدہ (فصّلت) مین ہے،

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ (حم السجدہ ۱-۲)

کہدے کہ مین تو تمہاری طرح بشر ہون، مجھپر وحی کیجاتی ہی، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہی، اُسکی طرف سیدھے ہو، اور اُس سے گناہون کی معافی چاہو، خرابی ہے شرک کرنے والون کیلیے،

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے، کہ خداتعالیٰ کے مقابلہ مین رسول اُسی طرح ایک بندہ ہے، جس طرح خدا کے دوسرے بندے، دعائین خدا ہی سے مانگنی چاہئین، اور اوسی سے اپنے گناہون کی معافی کی درخواست کرنی چاہیئے، یہ اختیارات خاص خدا کے ہین، بندون کے نہین، اس تعلیم سے مقصود حقیقت مین عیسائیون کے مسئلہ کفارہ اور اُن کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہون کا معاف کرنا حضرت عیسٰیؑ کے اختیار مین ہوگا، اور مسلمانون کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدتمندیون سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک مین جہان آنحضرت صلعم سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے، کہ تم خدا کے پیغمبر ہو، تو میرے لیے سونے کی چھت بنادو، جہان نہرین نہین وہان نہرین جاری کردو، ہمارے سنسان جنگلون کو باغ و بہار بنادو، اپنے ساتھ جلو مین فرشتون کے پرے لیکر چلو، ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ، اور وہان سے ہاتھ مین کتاب لیکر سامنے اترو،

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ، اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ، اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ قَبِيْلًا ، اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ

اور انھون نے کہا کہ ہم تم پر ایمان اوس وقت تک نہین لائینگے، جبتک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہادو، یا تمہارے لیے کھجورون اور انگورون کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا جیسا تم کہتے ہو آسمان کو ٹکڑے کرکے ہم پر نہ گراؤ، یا خدا کو اور فرشتون کو ضامن بناکر نہ لے آؤ، یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر نہ ہوجائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ، اور ہان تمہارے آسمان پر

لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ، (بنی اسرائیل - ۱۰)

چڑھنے کا ہم کو اُس وقت تک یقین نہ آئے گا جبتک تم وہان سے ایک نوشتہ نہ ہم پر اُتار لاؤ، جس کو ہم پڑھ لین،

یہ امور مشکل و محال نہ تھے، لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازیگرانہ تماشون سے تعلق نہ تھا، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس غلط عقیدہ کا ابطال کرنا تھا، کہ پیغمبر مین براہ راست کچھ خدائی اختیارات ہوتے ہین، اسلئے آپکو یہ جواب سکھایا گیا، کہ آپ فرمائین،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا، وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا، قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (اسرا - ۱۱)

کہدے اے پیغمبر! سبحان اللہ، مین تو ایک بشر ہون رسول، اور لوگون کو جب اُنکے پاس ہدایت آئی، ایمان لانے سے باز نہین رکھا، مگر اس خیال نے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کہدے کہ اگر زمین مین فرشتے ہوتے تو ہم اُن پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر اُن پر اُتارتے،

آنحضرت صلعم سے بحکم خدا معجزات بھی صادر ہوئے، اور اُن کی حیرت انگیزی کو انھون نے تسلیم بھی کیا، پھر بھی یہ خیال کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے، قائم رہا،

کفار نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا،

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (انبیاء - ۱)

یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے، کیا تم دیکھ بھال کر بھی جادو کے پاس آتے ہو،

معجزات کی حیرت انگیزی کو جادو کہکر تسلیم کیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت، رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی، اونھین کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ اُن کو معلوم ہین جنکو تم سے پہلے آسمانی کتابین عطا ہوئین یعنی یہود، اُن سے پوچھ لو، کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہین،

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے نہین بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن انسانون

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (انبیا-۱) | ہی کو جنکو ہم وحی کرتے تھے، جاننے والون سے پوچھو، اگر تم نہین جانتے

یہی جواب سورۂ یوسف مین دیا گیا،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف-۱۲) | اور ہم نے تمسے پہلے جو رسول بھیجے وہ بشر ہی تھے، آبادیون کے رہنے والے ہم اُن پر وحی کرتے تھے،

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ نحل مین ہے،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ، وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (نحل-۶) | اور ہم نے نہین بھیجے تم سے پہلے لیکن انسانون کو جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے، تو پوچھ لو کتاب والون سے اگر تم نہین جانتے کھلی نشانیان اور کتابین بھیجکر، اور ہم نے تمپر کتاب (ذکر) اُتاری تاکہ تم کھول کر بیان کرو، جو اُن کی طرف اُتاری گئی، اور تاکہ وہ سوچین،

ہر شخص جو مثلیت اور بشریت کی ان آیتون پر ایک نگاہ ڈالے گا، وہ یہی سمجھے گا، کہ ان آیتون مین جس قسم کی مثلیت و بشریت کا ذکر ہے، اُس کا تعلق ظاہری جسمانیت اور جسمانی قویٰ اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی، علمی اور عملی حیثیت سے وہ انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانون سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی مین صرف وحی کے امر فارق ہونے کے یہ معنی نہین ہین، کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف و کمالات یا عیوب و نقائص مین عام انسانون کے برابر ہوتا ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے اگر کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل مین صرف علم کا فرق ہے، ورنہ دونون برابر کے انسان ہین، تو اس کے معنی یہ نہین، کہ علم و جہل کے علاوہ علم و جہل کے علانیہ ممتاز و متضاد اوصاف مین بھی وہ دونون برابر ہین، اور ان مین عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، رائے اور حکمت و دانائی کا کوئی فرق نہین، حالانکہ ان مین علم و جہل کا فرق کہکر، درحقیقت ان دونون کے درمیان علم اور جہل کے سینکڑون اوصاف، لوازم، اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرتا ہے،

اسی طرح نبی اور غیر نبی مین وحی کا فرق مانکر وحی والے اور بے وحی والے انسانون مین خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑون لوازم، خصائص، اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثالاً لو تو بھی یہی ماننا پڑے گا. انسان کے لیے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہین اُن سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہی، اور جو وہان تک پہنچ جاتے ہین، وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود، اپنے دوسرے قُویٰ مین عام انسانون سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہین، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا، علم و عقل کا یونانی مجسمہ ارسطو، انسانیت سے پاک تھا. اور موجودہ دُنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادون کا مخترع اڈیسن بشر نہین، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود، اپنے اپنے دائرہ مین، وہ عام انسانون سے بلند تر اور ممتاز تر ہین، اور باانہمہ وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے بھالنے، صورت شکل، ہاتھ پانون، ہر ایک چیز مین وہ ویسے ہی انسان ہین، اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہین، جیسے دوسرے کمزور، جاہل، اور بلید الذہن انسان، یہی مثال ایک معنی مین انبیاے کرام علیہم السلام کی بھی ہے، کہ وہ غیر نبی انسانون کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف مین شریک ہونے کے باوجود، وحی، اور اس کے خصائص اور لوازم مین ان سے صریحًا الگ، بلند، اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص مین بھی اُن سے ممتاز ہین، آنحضرت صلعم کو صوم وصال رکھتے دیکھکر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی مین کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہین، تو آپ اُن کو منع کرتے ہین، اور اپنی نسبت فرماتے ہین، اَیُّکُمْ مِثْلِی ابیت یطعمنی ربّی ویسقینی[۱] "تم مین کون میری مثل ہے، مین رات گذارتا ہون، تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" کیا عام انسانون کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے، اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتون سے بھی مثلیت کی اس مین نفی نہین ہے، ؟

اسی طرح نیند کی حالت مین بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثون سے ثابت ہے،

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الصوم،

آپ نے فرمایا "میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا" "وَکَذٰلِکَ الْاَنْبِیَاءُ تَنَامُ اَعْیُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ" "اور اسی طرح انبیا کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اُن کے دل نہیں سوتے" کیا یہی کیفیت عام انسانون کی نیند کی بھی ہی؟ آنحضرت صلعم لوگون کو نماز مین صفون کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہین، تو فرماتے ہین کہ "مین تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہون جیسے سامنے سے" کیا عام انسانون کی قوت بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے، قرآن پاک مین ہے اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی "کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے تم اُس مین اُس سے جھگڑتے ہو" وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ "اور اُس نے فرشتہ کو آسمان کے کنارون مین دیکھا" کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم کے انتساب سے اُمہات المومنین کو جو شرف حاصل ہوا، اُس کا اقتضا یہ ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے اُمہات المومنین کو خطاب کرکے فرمایا، یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ (احزاب - ۴) "اے پیغمبر کی بیویو! تم ایسی نہین ہو، جیسی ہر عورت اگر خدا کا ڈر رکھو" تو اگر پیغمبر کی بیویان تقویٰ کے بعد عام عورتون کی مثل نہین ہین، تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ کَاَحَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ، نہ ہو، اور اپنے خصائص مین عام انسانون سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو،

الغرض نبی اور غیر نبی مین صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہی، اس کے یہی معنی ہین کہ ان دونون مین وحی و رسالت کے تمام لوازم، خصوصیات اور ضروری اوصاف مین فرق اور امتیاز ہے، اسلیے کسی انسان کو صاحب وحی ماننے کے ساتھ ہی اُس کو ان تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضروری ماننا پڑے گا،

اجتہادِ نبوی مین خطا | شبہہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید مین بعض جگہ آنحضرت صلعم کو آپکی چند فروگذاشتون پر متنبہ کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحیِ الٰہی کے علاوہ آپ اپنی عقل و مصلحت سے جو حکم دیتے تھے، وہ غلطیون سے پاک نہین ہوتا تھا، اس سلسلہ مین یہ بات تمام مسلمانون کو تسلیم ہے کہ جن بعض امور مین آپ پر وحیِ قرآن نازل نہین ہوتی تھی، ان مین آپ اپنے پیغمبرانہ علم و حکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے، لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر آپ کو آپکے اُس فیصلہ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی، تو یہ کہا جا سکتا تھا، کہ آپ کے

له صحیح بخاری باب الاسراء،

تمام فیصلے صحیح اور منشائے الٰہی کے مطابق ہوتے تھے، مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا، کہ اجتہادِ نبوی کے فیصلون کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہین لی تھی، اس لیے تنبیہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونون کے خلاف ہے، صورت یہ ہے، کہ بعض فیصلون پر تنبیہ کیگئی ہے، اور بعض پر نہین، اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے، کہ اجتہادِ نبوی مین غلطی ہوجانا ممکن ہے، مگر اس غلطی پر چند لمحون کا قرار بھی ممکن نہین، ادھر لغزش ہوئی، اور ادھر علّام الغیوب کی بے خطا وحی نے اوسکی تنبیہ اور اصلاح کی، اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے، کہ وہ تمام امور و احکام جنکو آپ نے اپنے پیغمبرانہ اجتہاد و علم و حکمت سے ارشاد فرمایا، یا اُن پر عمل کیا، اور وحیِ الٰہی نے اُن پر خاموشی برتی، تو منشائے الٰہی نے گویا اُن کی صحت و صداقت پر اپنی خاموشی سے مہر کردی، اور اُن کی حیثیت بمنزلہ وحی کے ہوگئی،

آنحضرت صلعم کی نبوّت کی عمر ۲۳ سال ہے، ان پورے تئیس سالون مین ہزارون واقعات اور امور پیش آئے جنپر آپ نے اپنے اجتہاد اور شرحِ صدر سے فیصلے صادر کئے، مگر ان مین سے کل پانچ باتین ایسی ہین، جنپر وحی الٰہی نے تنبیہ کی، اور عجیب تر یہ ہے، کہ اُن مین سے کوئی بات بھی ایسی نہین ہے، جس کا تعلق حکمِ دینی، شریعت ابدی، اعتقاد، عبادات، یا شرعی معاملات سے ہو، بلکہ وہ کل کے کل ایسے امور ہین، جنکی حیثیت تمامتر شخصی یا جنگی ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، کہ دین و شریعت مین آپ کے پیغمبرانہ اجتہادی فیصلے خطا و غلطی سے تمامتر پاک تھے،

اس خطا کے معنی عام انسانون کے اجتہادات مین جن اسباب سے غلطیان واقع ہوتی ہین، وہ یہ ہین کہ جن مقدمات پر اُن کا اجتہاد مبنی ہوتا ہے، وہ غلط ہوتے ہین، یا اُن کا علم، اُن کو قطعی طور سے نہین ہوتا، یا استقرار تام نہین ہوتا، یا تمثیل پوری نہین ہوتی، علت مشترکہ صحیح نہین معلوم ہوتی، مگر یہ تمام صورتین اجتہادِ نبوی مین منفی ہین، کیونکہ اجتہادِ نبوی ان طریقون پر مبنی ہوتا، نہ وہ غور و فکر، نظر و استدلال، اور استقرار و تمثیل کے منطقی و اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے، بلکہ وہ نورِ رسالت، فہم نبوت، حکمتِ ربانی اور شرحِ صدر پر مبنی و قائم ہوتا ہے، جنمین یہ بیچ کی منزلین سرے سے نہین ہوتی ہین، اسی لیے لفظ "اجتہاد" جو عام طور پر پہلے معنی مین مستعمل اور مشہور ہے، اُس سے اس مقام پر التباس سے بچنے کی خاطر احتراز کرنا بہتر ہے، ایک اور نکتہ بھی پیشِ نظر رہے، آنحضرت صلعم کے پیغمبرانہ اجتہاد مین اگر غلطی ہوئی ہے، تو اس غلطی کا مفہوم

یہ نہین ہے، کہ آپنے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ، یا بدی، یا بداخلاقی کا پہلو تھا، بلکہ یہ ہے کہ دو بہتر راستون مین سے آپنے بہترین راستے کو چھوڑکر، بہتر راستے کو اختیار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اور بہتر کی جگہ بہترین کی تلقین کی،

اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہین، اُن پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑکر جس بہتر کو آپنے اختیار فرمایا، اُس کا منشا ہمیشہ امت پر رحم وکرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا عارضی رحم وکرم وشفقت کی جگہ اُن احکام کی تلقین فرمائی جنہین گو بظاہر سختی معلوم ہوتی ہے، مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا، کہ وہی سخت پہلو اختیار کیا جائے،

ذیل مین ہم اُن اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہین، جنپر وحی الٰہی نے تنبیہ کی ہے،

چار اجتہادی امور پر تنبیہ الٰہی | جن اجتہادی امور پر وحی الٰہی نے تنبیہ کی ہے اُن مین،

۱- پہلا واقعہ یہ ہے، کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ مین جب آنحضرت صلعم اپنی دعوت کی تبلیغ فرمارہے تھے، تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے رؤسا آپ کی مجلس مین آکر بیٹھے، آپ اُنکو سمجھا بجھا رہے تھے، بت پرستی کی برائیان اور توحید کی خوبیان، اُن پر ظاہر فرمارہے تھے، اور دل سے چاہتے تھے، کہ وہ اس دعوت کو قبول کرلین، کہ اتنے مین ایک مخلص لیکن غریب اور نابینا مسلمان عبداللہ بن ام مکتوم بھی آکر بیٹھ گیے، اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ رؤسا بیحد مغرور اور خودپسند تھے، وہ آپکے جلسون مین صرف اس لیے آنا پسند نہین کرتے تھے، کہ آپکی مجلس مین بدحال، بے حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ آیا کرتے ہین، اس لیے اس موقع پر جب آنحضرت صلعم کو، اُن رئیسون کی اثرپذیری کے کچھ امکانات نظر آرہے تھے، عبداللہ بن ام مکتوم کا آجانا اور پوچھنا ناگوار ہوا، کہ اُن کے آنے سے ان رئیسون کی خودپسندی اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے،

عبداللہ بن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی یعنی اسلیے تھی کہ آپ جانتے تھے، کہ عبداللہ بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہین اسوقت ان کی بات کے جواب نہ دینے مین چندان ہرج نہین لیکن ان رئیسون کی ناگواری پورے باشندگانِ مکہ پر اثرانداز ہوگی، اگر یہ مسلمان ہوگئے، تو مکہ مین اسلام کی اشاعت

ئی راہ مین پھر کوئی روک باقی نہین رہیگی، یہ سمجھکر آنحضرت صلعم عبداللہ بن ام مکتوم کی طرف سے بے التفات ہوکر، ان رئیسون کی تبلیغ و موعظت کی طرف سرتاپا متوجہ رہے، اسپر وحی الٰہی نے حسب ذیل الفاظ مین تنبیہ کی،

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ
یَزَّكّٰی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی، اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی، وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی، وَاَمَّا
مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی، وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی،
كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ، (عبس-۱)

تیوری چڑھائی، اور منہ پھیرا کہ وہ اندھا آیا، اور تجھے کیا خبر کہ شاید
وہ سنورتا یا سوچتا تو (تمھارا) سمجھانا کام آتا، وہ جو پروا نہین کرتا
سو تو اُس کی فکر مین ہے، اور اس کے نہ سنورنے کا تجھپر کوئی الزام
نہین، اور جو تیرے پاس دوڑا آیا، اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے
تو اُس سے تغافل کرتا ہے، یون نہین، یہ تو نصیحت ہے، جو

اِن آیتون مین آنحضرت صلعم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے رئیسون کا سمجھانا زیادہ بہتر ہے تنبیہ کیگئی، اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا، کہ اسلام کی اصولی بنیادون مین سے ایک یہ ہے، کہ اُس کے نزدیک امیر و غریب، آقا اور غلام اونچے اور نیچے، کی کوئی تمیز نہین، اُسکی نگاہ مین بینا اور نابینا دونون برابر ہین، یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلہ مین آپکے پیشِ نظر رہا، کہ ایک مسلمان اندھے کی دلجوئی سے اِن رئیسون کی جائز دلجوئی کرکے اُن کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظرانداز ہوگیا، کہ اس طرزِ عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑیگا، اسلیے وحی الٰہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لیے صلاے عام ہے جو چاہے قبول کرے، اس مین کوئی تمیز و تخصیص نہین، علاوہ ازین اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رؤساے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرما رہے ہین، وہ ایمان سے محروم ہی رہینگے، اس لیے ان کی طرف مزید توجہ بے سود ہے، اور ظاہر ہے، کہ آپ اُن کے حق مین دانائے غیب کے اس فیصلہ سے پہلے آگاہ نہ تھے، اس لیے آپ اپنے موجودہ علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے،

دوسرا واقعہ | سب سے پہلی لڑائی مین مسلمانون کے مالِ غنیمت حاصل کرنے، اور بدر کے قیدیون سے زرِ فدیہ قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت اور فدیہ کا قانون نازل نہین ہوا تھا، کہ ابھی اس کا موقع ہی نہین آیا تھا،

مسلمانون کو مدینہ منورہ آکر سب سے پہلے سریہ نخلہ مین مال غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ مین پھر مال غنیمت ملا، اور ساتھ ہی قریش کے ستر قیدی بھی ہاتھ آئے، جنمین اکثر مکہ کے دولتمند اور شرفا تھے ان قیدیون کی نسبت مسلمانون کی مختلف رائین تھین، بعضے ان کو آگ مین زندہ جلا دینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دینا چاہتے تھے، جس سے ان کو چالیس ہزار درم ملنے والے تھے، نفسیات کے ماہر جانتے ہین، کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے، وہ بیکسی، مظلومیت، مغلوبیت، اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولتمند ہوتی ہے، اور اس کو ملکی و مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے، تو وہ لمحہ اُس کی زندگی مین اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے، غلبہ، قوت، اور دولت پاکر بھی اس کے نشہ مین وہ سرشار نہ ہو، اور اپنے دل دماغ پر قابو رکھے یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا، وہ غالب ہو جائے، اور جو ظالم تھا، وہ مغلوب ہو جائے، اور اس وقت ردِ عمل اپنا کام کرکے مظلوم غالب کو اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہین، سیاسی و مذہبی تاریخون مین اسکی متعدد مثالین موجود ہین، کہ ایسا نہ ہو سکا، خود عیسائی قوم کو دیکھئے جس نے یہودیون اور بت پرست رومیون کے ہاتھون سے تین صدیون تک برابر سخت سی سخت تکلیفین اُٹھائین لیکن قسطنطین کے زمانہ مین جب دفعتہً جو مظلوم تھے، وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مغلوب ہو گئے، تو عیسوی قوم کا پچھلا جوہر ایک ایک کرکے رخصت ہو گیا، اور اُن لوگون نے جو پہلے مظلوم تھے، اس نشہ مین چور ہو کر یہودیون اور رومی بت پرستون کیساتھ وہ کچھ کیا، جس سے اخلاق انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے،

غزوۂ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بیکس مسلمانون کے لیے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا، غریب و تنگدست مسلمانون کو جو سالہا سال سے کسب معاش سے محروم، اور غیر معمولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، اُن کو غنیمت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی، اور وہی قریش جن کے ظلم و ستم سے اُن کے بدن زخمی اور ان کے سینے داغدار تھے، وہ دفعتہً مغلوب ہو گئے، اُن کے بڑے بڑے سردار، اُن کے ہاتھون سے لڑائی مین مارے گئے، اور اُن کے ہاتھون مین قید ہو کر ستر سردار صرف اُن کے رحم و کرم پر زندہ تھے،

اب تک مسلمان نہایت یکدل تھے، اور خلوص سے اپنی راہ طے کر رہے تھے، اور یہ اخلاقی جوہر مظلومون کی برادری مین اکثر پیدا ہو جاتے ہین، لیکن دولت اگر اُن کے بجاے ان مین اختلاف، تفرق، اور حرص و طمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے، اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابۂ کرام کے لیے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا، اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوتِ رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مالِ غنیمت، زرِ فدیہ اور قیدیون کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب و فاتح مسلمانون مین اختلافِ رائے رونما ہو گیا، آنحضرت صلعم کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، آپنے امرِ اول کی طرف توجہ فرمائی، کہ مظلوم فاتح قوت پاکر اپنا جوہر نہ کھو بیٹھین، چنانچہ حضرت عمر فاروق رض نے ان قیدیون کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی، آپنے رد فرما دی، اور حضرت ابوبکر صدیق رض کی تجویز کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے، قبول فرمائی، اور ان سے فرمایا کہ "اے ابوبکر تمھاری مثال ابراہیم اور عیسیٰ کی ہے، اور اے عمر تمھاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے"[1] آپ نے حضرت ابراہیم ع کی نیک دلی اور حضرت عیسیٰ ع کی رحم دلی کی مثال کی پیروی کی، اور بدر کے ان قیدیون کی جان بخشی فرمائی، اور قتل کے بجاے زرِ فدیہ ادا کر دینے پر رہائی کا حکم دیدیا، اور جو اُن مین نادار تھے، اُن کو چند مسلمان بچون کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے پر آزادی کا فرمان جاری کر دیا، اور صحابہ کو تاکید کی، کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرین، چنانچہ بعضون کا یہ حال تھا، کہ وہ خود کھجور پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے قیدیون کو روٹی کھلاتے تھے،[2]

لیکن وحی الٰہی کی نگاہ مین اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبون کا دفعۃً مال و دولت کی حرص و طمع مین مبتلا ہو جانا تھا، چنانچہ یہی صورت پیش آئی، مالِ غنیمت کے فراہم کرنے والون نے دعویٰ کیا، کہ اس پر ہم نے لڑائی مین قبضہ کیا ہے، اس لیے ہمارا ہے، لڑنے والے نوجوانون نے دعویٰ کیا، کہ ہماری تلوارون سے فتح حاصل ہوئی ہے، اس لئے اسکے اصلی حقدار ہم ہین، جو لوگ رسول اللہ صلعم کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ سب سے نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اس لیے ہم کو ملنا چاہئیے، یہی اختلاف زرِ فدیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورۂ انفال

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۱ کتاب المغازی، حیدرآباد دکن [2] سیرت ابن ہشام، ذکر الفیئ ببدر و الاساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی، مصر

کی ابتدائی آیتون سے ظاہر ہوتا ہے،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، (انفال - ۱)

(اے پیغمبر!) تجھ سے (تیرے ساتھی) غنیمت کا حکم پوچھتے ہین تو کہدے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے، اور رسول کا ہے، تو اللہ سے ڈرو، اور آپس مین صلح کرو، اور اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو،

حضرت عبادہ بن صامت رض سے پوچھا گیا، کہ سورۂ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہے، تو کہا،

فينا اصحاب بدر نزلت حين اختلفنا في النفل وساءت فيه اخلاقنا فنزعه الله من ايدينا فجعله الى رسول الله صلعم فقسمه رسول الله صلعم بين المسلمين عن سواء

یہ سورہ ہم بدر والون کے متعلق نازل ہوئی جب مالِ غنیمت مین ہمنے باہم اختلاف کیا، اور اس مین ہمارے اخلاق برے ہو گئے تو خدا نے اُس کو ہمارے ہاتھون سے چھین لیا، اور رسول اللہ صلعم کے اختیار مین دیدیا، تو آپ نے تمام مسلمانون کے مابین برابر بانٹا[1]

یہی وہ تنبیہ ہے جو وحیِ الٰہی نے آنحضرت صلعم کے اس فیصلہ پر کی اور آیت اتری،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ، فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، (انفال - ۹)

کسی پیغمبر کو زیبا نہین کہ اُس کے پاس قیدی ہون تاکہ زمین مین فساد کرے، تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو، اور اللہ آخرت چاہتا ہے، اور اللہ غالب اور دانا ہے، اگر خدا کی طرف سے یون ہونا مقدر نہ ہو چکا ہوتا، تو تمہارے اس لینے پر تم کو بڑی سزا ملتی، تو اب جو تم نے لوٹ مین پایا حلال و پاک کرکے کھاؤ اور اللہ کا ادب کرو، اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے،

اسی قدر نہین بلکہ اُن قیدیون کو جن سے زرِ فدیہ وصول ہوا یا وصول کیا جا رہا تھا، اس کے بعد ہی یہ تسلی دیگئی

[1] سیرت ابن ہشام، ذکر الفیئ ببدر و الاساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی، مصر،
[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۱،

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی	اے پیغمبر! تمھارے ہاتھون مین جو قیدی ہین اُن سے کہدو
اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ	کہ اگر اللہ تمھارے دلون مین نیکی جانیگا، تو تم کو اُس سے بہتر
اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	چیز دیگا جو تم سے لیگئی، اور تم کو معاف کریگا، اور اللہ معاف
(انفال-۱۰)	کرنے والا اور رحم والا ہے،

بعضون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ تنبیہ قیدیون کے زرِ فدیہ لیکر رہا کرنے اور قتل نہ کیے جانے پر ہوئی، حالانکہ ظاہر ہے، کہ جن قیدیون سے زرِ فدیہ لیے جانے پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ہمدردی فرمائی اور اگر وہ حسن نیت سے ظاہر کرین، تو اُن کی مغفرت کا وعدہ، اور اس دنیاوی خزف ریزہ سے، جو اُن سے بطور فدیہ لیا گیا، اُن کو بہتر دولت دیئے جانے کی امید دلائی، کیا اُن کا قتل زرِ فدیہ لینے سے کم سزا ہوتی ؟ اور جن سے فدیہ لیا گیا، اُن کے قتل کیے جانے پر ان کے قاتلون پر اس سے زیادہ سرزنش، اور ان مقتولون سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کیجاتی،

بہرحال وہی مالِ غنیمت اور زرِ فدیہ جس کو اس وقت آنحضرت صلعم نے صاف وصریح وحی آنے سے پیشتر قبول فرمالیا تھا، اور جسپر تنبیہ ہوئی۔ وہ آخرکار "اجتہادِ نبوی" کے مطابق مناسب موقع پر جائز اور حلال و طیب ہی ٹھہرایا گیا، اور غلطی غلطی باقی نہین رہی، مالِ غنیمت لینے کے متعلق کُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ کا حکم اسی وقت آگیا، اور فدیہ لینے کی اجازت اِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً کے الفاظ مین بعد کو مناسب زمانہ مین آگئی، اور اس مال و دولت کی حرص وطمع سے اس وقت جو بداخلاقی پیدا ہونے والی تھی اُس کا ازالہ ہمیشہ کے لیے اس طرح کردیا، کہ اوسکی تقسیم کا ابدی قانون بنا دیا گیا، اور اُس مین تمام ضروری مستحقین کے حصے لگا دیئے گئے،

تیسرا واقعہ | تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوۂ تبوک کیلیے جارہے تھے، جس مین بکثرت مسلمانون کی شرکت کی ضرورت تھی، کہ مقابلہ رومیون کے دل بادل فوج سے تھا، اور کسی منظم سلطنت سے ٹکر کھانے کا یہ پہلا موقع مسلمانون کو پیش آیا تھا، اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا۔ تیس ہزار مسلمانون کی جمعیت روانہ ہوگئی، مگر کچھ مخلص مسلمان مجبوراً چھوٹ

لہ مزید تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول مین غزوۂ بدر کا بیان،

گئے، اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اسکی شرکت سے جی چرایا، آپ واپس آئے، تو عدم شرکت کے قصور وار منافقین آآکر جھوٹی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے، آپ نے اُن کا اعتبار کر کے، رحم فرما کر، اُن کے قصور سے درگذر کیا، اس پر تنبیہ ہوئی،

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ	وہ خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے
أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ؞ عَفَا اللّٰهُ	ساتھ نکلتے، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، اللہ تجھکو بخشے تو نے
عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ	اُن کو رخصت کیوں دی جبتک تجھ پر یہ کھل جاتا جو اُن میں
صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ؞ (توبہ-۶-۷)	سچ بولے اور تو جان لیتا جھوٹ بولنے والوں کو،

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے آگاہ نہ تھے اور اُن کے واقعی حالات سے بیخبر تھے، اس لیے بظاہر اُن کے قول پر اعتبار ہی کرنا تھا، اور وہی آپ نے کیا، مگر علام الغیوب نے حقیقت حال سے باخبر فرما کر، اُن کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا، بہرحال یہاں بھی منشائے خدا، اگر خطا سمجھی جائے، تو وہی ترحم کی شان تھی،

چوتھا واقعہ منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع دیدی گئی تھی، کہ اُن کے حق میں آپکی دعائے مغفرت قبول نہ ہوگی، اور فرما دیا گیا تھا، کہ

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً	تو اُن کی مغفرت کی دعا مانگے، یا نہ مانگے، اگر ستر دفعہ بھی اُنکی
فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ	مغفرت کی دعا مانگے تو ہرگز ان کو خدا نہ بخشیگا، یہ اس لیے کہ
وَرَسُولِهِ (توبہ-۱۰)	انھوں نے خدا کا اور اس کے رسول کا انکار کیا،

اس حکم کے آنے کے بعد عبد اللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا، یہ منافقوں کا سردار تھا، اُس کا لڑکا مخلص مسلمان تھا، اُس نے آکر آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی جس کو آپ فرط کرم سے رد نہ فرما سکے، حضرت عمرؓ نے عرض بھی کی کہ یا رسول اللہ! اُس کے عدم مغفرت کے متعلق تو حکم ہوچکا ہے، فرمایا میں ستر دفعہ سے بھی زیادہ اس کی مغفرت کی دعا مانگوں گا، بہرحال آیت بالا میں گو آپ کے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونوں کو یکساں قرار دیا

بتایا گیا تھا، مگر اُن کے حق میں سرے سے دعاے مغفرت نہ مانگنے کی کوئی ممانعت نہ تھی، اس لیے آنحضرت صلعم نے نہایت شفقت سے اس بیکار فرض کو انجام دیا، تاکہ اُس کے مخلص مسلمان فرزند کی دلشکنی نہ ہو، اور اس پہلو سے تغافل فرمایا، گو ایک مسلمان کی دلجوئی تو ہوگی، مگر بیسیون منافقین کو اپنے چھپانے مین کامیابی ہو جائیگی، اور وہ مسلمانون کے اندر رہ کر فتنون کے باعث بنین گے، اس لیے حکم ہوا،

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ	اور نہ کبھی اُن مین سے کسی کے جنازہ کی نماز پڑھ، اور نہ اوسکی
لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	قبر پر کھڑا ہو، بیشک انھون نے خدا اور اس کے رسول کا
وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ، (توبہ-۱۱)	انکار کیا، اور اسی گنہگاری کی حالت مین مرے،

پانچوان واقعہ | اس کی تفصیل یہ ہے، کہ آنحضرت صلعم نے اپنی بعض بیویون کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے کسی مباح چیز کو، جو آپ کو بہت مرغوب تھی، اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، یعنی اُس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرمالیا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہین، اوسکو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کیلئے اُس کے نہ کھانے کا عہد کرلے۔ اس لیے اگر آنحضرت صلعم نے بعض بیویون کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی، اوسکو اپنے اوپر حرام کرلیا، تو ظاہر ہے، کہ آپ کا اپنی بعض بیویون کی خاطر داری کے لیے ایسا کرنا الزام کے قابل نہین، کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے اُن کی اتنی دلجوئی کو بھی عورتون کے ساتھ عدل و انصاف کے مناسب سمجھا، مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے، ایک حلال و جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی اقتدا مین امت کے عام افراد بھی اُس کو ناجائز نہین تو ناپسند ضرور ہی کرتے اور یہ ایک طرح سے شریعت الٰہی مین تبدیل و تحریف کا مرادف ہوجاتا، اس لیے حکم آیا، کہ ان امور مین پیغمبر کو کسی کی دلجوئی اور خاطر داری کی پروا نہ چاہیے، فرمایا،

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ	اے پیغمبر! جسکو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہو، اُس کو حرام کیون کرتا
مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (تحریم-۱)	ہو، اپنی بیویون کی مرضی چاہتا ہے، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے،

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپکو نبی کہکر خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپکو یہ اختیار نہین،

الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہین جنہین آپکی اجتہادی خطا ثابت کیگئی ہو، مگر تفصیلات سے معلوم ہوگیا ہوگا، ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے، کہ پیغمبر کی بلندی اور معصومی کو پیش نظر رکھکر اوسکو اس مجازی خطا کی بھی اجازت نہین، اور اسی لیے وحی الٰہی نے اُن مین سے ہر موقع پر تنبیہ کی، اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کسی کا شبہہ یہ بھی ہو کہ جس طرح آنحضرت صلعم کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے، جنکی تنبیہ و اصلاح ہر وقت وحی الٰہی نے کی، ایسے ہی ممکن ہے، کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہون، جنکی تنبیہ و تصحیح کی حکمت الٰہی نے پروا نہ کی، اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہہ ہے تو وہ درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الٰہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرق رشد و ہدایت کی معرفت سے کوسون دور ہے، رسولون کی بعثت اسلیے ہے کہ وہ غلط کار انسانون کو، اون کی غلطی سے نکال کر حق و صواب کی تعلیم دین، نہ اس لیے کہ اُن کے ذریعہ اُلٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ، اس لیئے ناممکن ہے کہ رسولون کے ہاتھون اور زبانون سے کوئی ایسا کام یا حکم صادر ہو جو حکمت الٰہی کے مطابق نہ ہو، اور پھر وہ اُسکی تصحیح اور رہنمائی سے تغافل برتے، اور انسانون کو خود اپنے رسولون کے ذریعہ گمراہ ہونے دے،

پیغمبرانہ اجتہاد ورائے علم کا وہ کوثر ہے، جس کی دھارین دماغ سے نہین، بلکہ دل کے سرچشمہ سے بہتی ہین، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہین، بلکہ الہام الٰہی، القائے ربانی، حکمت یزدانی، فہم رسالت، ملکہ نبوت سے ماخوذ ہین، اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروقؓ برسر منبر یہ فرماتے ہین،

یاایھا الناس ان الرای انما کان من	اے لوگو! آنحضرت صلعم کی رائے غلطی سے پاک تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ
رسول اللہ صلعم مصیبا لان اللہ کان یریہ	آپکو وہ رائے دکھاتا تھا، اور ہماری رائے ہمارا گمان اور
وانما ھو منا الظن والتکلف (ابوداؤد۔ کتاب الاقضیہ)	از خود کہنا ہے،

وہ رائے نبوی، جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ بمنزلہ وحی کے ہے، اور اُس کا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں بلکہ نبوی اجتہاد، اور پیغمبرانہ رائے ہی، جو عملاً وحی الٰہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہی، درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہی، قرآن پاک میں ہی،

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ‎(نساء - ١٦)

ہم نے تجھپر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری، تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ تجھکو سوجھائے فیصلہ کرے، اور تو نہ ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا،

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلعم کو جو دکھایا، سوجھایا، اور رائے پیدا کرائی جاتی تھی، وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی، یہی وہ پیغمبرانہ رائے ہے جسکی نسبت خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا،

انا اقضی بینکم برائی فیما لم ینزل علیّ (ابو داؤد - اقضیہ)

میں تم لوگوں کے درمیان اُس مسئلہ میں جسکی نسبت مجھپر وحی نہیں ہوئی، اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں،

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الٰہی دست گیری کرتی، اور صحیح راستہ پر لے آتی جیسا کہ گذشتہ پانچوں واقعات سے ظاہر ہے،

ایک غلط استدلال اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ مقدمات کے فیصلوں میں آپ کو "ارادت الٰہی" ہوتی تھی، یعنی خدا کی طرف سے آپ کو رائے سوجھائی جاتی تھی، اور ظاہر ہے، کہ ارادت الٰہی (خدا کی طرف سے سجھایا جانا) تاکہ آپ کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں غلط نہیں ہوسکتی، لیکن ابوداؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اہل مقدمہ سے فرمایا،

"میں ایک بشر ہوں، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو، اور شاید تم میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کرسکتے ہوں، تو میں جیسا سنتا ہوں، ویسا فیصلہ کردیتا ہوں، تو میں اگر کسی کو وہ حق دلادوں جو اُس کا نہیں، بلکہ اُس کے بھائی کا ہی، تو وہ نہ لے کہ میں اُس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں" (کتاب الاقضیہ)

اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہی، کہ آنحضرت صلعم کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہین ہوتے تھے،
اس لیے امت آپ کے قضایا اور فیصلون کی پیروی پر مجبور نہین لیکن ایسا خیال کرنا سراسر مغالطہ ہے، اصل یہ ہے
کہ مقدمات مین دو چیزین ہوتی ہین، ایک واقعہ کی اصلی روداد، جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعوی کے مطابق
بنا کر اپنے اپنے رنگ مین بیان کرتا ہے، اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ روداد کے مطابق صحیح اور عادلانہ
حکم اور فیصلہ ہے، جو تمامتر مقدمہ کی اُس روداد پر مبنی ہوتا ہے، جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتون کے
ساتھ پیش ہوتی ہے، یہ بات کہ واقعہ کی اصلی روداد کیا ہے، اور ان مین سے کون صحیح کہہ رہا ہے، علم غیب سے تعلق
رکھتا ہے، جس کا دعوی کسی نبی کو نہین، اور اگر ہو بھی تو یہ دعوی بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم دو انسانون کے
درمیان فیصلہ کا مبنی نہین قرار پاسکتا، اس کے لیے فریقین کے بیانات شہادتین اور دلائل ہی بکار آمد ہین، آنحضرت
صلعم کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ امر اول کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہین ہوا، لیکن دوسری چیز،
یعنی جس روداد کو آنحضرت صلعم نے صحیح باور کیا، اُس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی کبھی صحیح و صواب اور عادلانہ نہین
ہوتا تھا، یہ کہنا رسول و نبی کی شان کی توہین و تحقیر ہے، اور اُس "اراءتِ الٰہی" کے خلاف ہے، جس کا شرف مقدمات
کے فیصلہ مین آپ کو بخشا جاتا تھا اس لیے جو غلطی فیصلون مین آپ سے ہو سکتی تھی، وہ فریقین مین سے کسی ایک کی دلیل و
شہادت کو سنکر اُس کے صحیح یا غلط، مطابقِ واقعہ یا مخالفِ واقعہ سمجھنے مین، لیکن جسکو آپنے صحیح باور فرما لیا اُس کے
مطابق مناسب و صحیح حکم و فیصلہ کرنے مین آپ سے کبھی غلطی نہ ہوئی، اور نہ ہو سکتی تھی، اور امت آپ کی پیروی آپ
کے ان قضایا اور فیصلون مین کرتی ہو نہ کہ نزاعِ مذکور کے گذشتہ واقعات اور گذشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور
کرنے مین فشتان بینہما،

آنحضرت صلعم کے اس اعلان مین نکتہ یہ ہے، کہ شاید فریقین مین سے کوئی غلط بیان یا جھوٹا یا برسرِ باطل
جو اپنے مقدمہ کی روداد زیادہ خوبی سے بنا کر آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کرے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت
مین میرا حق نہ تھا، لیکن جب عدالتِ نبوی نے میرے حق مین فیصلہ کر دیا، تو میری ملکیت ثابت ہو گئی، اور غصب

حق کے گناہ سے برات ہو گئی، تو اُس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا، گو قانوناً حکم نافذ ہو جائیگا، مگر عند اللہ جو بر سرِ حق تھا، وہ حق ہی رہیگا، اور جو بر سرِ باطل تھا، وہ باطل ہی رہیگا، اور جو اصل مالک تھا، وہی مالک رہیگا، اور جو غاصب ہے وہ غاصب ہی ٹھہریگا، اسی اعلان کا اثر تھا، کہ جب آنحضرت صلعم نے ایک مقدمہ مین فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو دونون رو پڑے، اور دونون ایک دوسرے کے حق مین دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے[1]

آنحضرت صلعم، رودادِ مقدمہ کو سامنے رکھکر جو فیصلے فرماتے تھے وہ تمام تر حق، منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے، اور ان کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا، اسی لیے ارشاد ہوا کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، (نساء-۹)

سو قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہونگے، جب تک وہ تجھکو حکم نہ مانین، پھر اپنے دلون مین تیرے فیصلہ سے تنگی نہ پاوین اور مان کر قبول کرین،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب-۵)

کسی ایماندار مرد، یا عورت کا یہ کام نہین کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے، تو بھی اُس کو اپنے کام کا اختیار رہے، اور جو خدا اور اُس کے رسول کے بے حکم چلا، وہ صریح گمراہ ہوا،

کیا امت کو رسول کی اطاعت اور اُس کے فیصلہ کے بیچون و چرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف سے تاکیدی حکم بر سرِ باطل پہلو پر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ دوسری آیت مین اُسکی تصریح کر دیگئی ہے، کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ اور غلط نہین ہو سکتا،

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ

اور جب ان کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلائے تاکہ رسول، اُن کے درمیان فیصلہ کر دے، تو اُن مین کا ایک

[1] ابو داؤد، کتاب الاقضیہ،

الحق یاتوا الیہ مذعنین، افی قلوبھم مرض ام ارتابوا ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم ورسولہ بل اولئک ھم الظلمون ۔ (نور-۶)

گروہ منہ پھیر لیتے ہین، اور اگر اون کو کوئی حق پہنچتا ہو، تو قبول کرکے چلے آئین، کیا ان کے دلون مین روگ ہی، یا وہ ڈرتے ہین کہ خدا اور اس کا رسول اُسکے ساتھ بے انصافی کریگا، بلکہ وہی

عقل بشری | اسمین بھی شک نہین، کہ وحی اور ملکۂ نبوت کے علاوہ نبی مین نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزون مین اوسکی عقل رہنما ہوتی ہے، جو عام انسانون کی ہوتی ہے، اور جس مین اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے، جسمین نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہی، کہ اُسکا مدار وحی والہام اور ملکۂ نبوت پر نہین، بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے، اور یہی وہ قسم ہے، جس کا اتباع پیرؤون پر واجب نہین، اور اوسکی بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے،

صحیح مسلم مین ہے کہ آنحضرت صلعم مدینہ منورہ کے بعض باغون مین گذرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجورون کے درختون پر چڑھکر کچھ کر رہے ہین، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہین، ایک ہمراہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجورون مین نر کھجورون کے پھول ڈالتے ہین، کہ پھل زیادہ آئین، فرمایا "مین تو نہین سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا" ایک روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا" اُس نے جا کر باغ والون سے آپکا یہ فقرہ بیان کردیا صحابہؓ نے جو سراپا اطاعت تھے، اُس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھل اُس سال کم آئے، یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گذر ہوا، تو اُن لوگون نے صورت حال عرض کی، آپ نے فرمایا مین نے تو یونہی ایک بات سمجھ سے کہدی تھی، اگر اُن کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کرین، پھر فرمایا،

انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیء من رائی فانما انا بشر،

مین تو ایک آدمی ہی ہون، جب تمھارے دین کا کوئی حکم دون تو اس کو قبول کرو، اور جب اپنی رائے سے کچھ کہون تو مین ایک آدمی ہون،

ایک روایت مین یہ الفاظ ہین،

أَنتُمْ أَعلم بأمر دنياكم — تم اپنے دنیا کے کام کو زیادہ جانتے ہو،

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہین[1]:-

انّما ظننت ظنا فلا تاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن الله شیئا فخذوا به فانی لن اکذب علی الله، — مین نے ایک گمان سا کیا تھا، گمان پر مجھکو نہ پکڑو، ہان جب خدا کی طرف سے کوئی بات کہون تو اوسکو لو، کہ مین خدا پر جھوٹ نہ کہون گا،

ان تینون روایتون مین آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظنّ (گمان) رائے، اور امر دنیا سے تعبیر فرمایا ہے، اس سے یہ کنایہ سمجھ مین آتا ہے، کہ امور دین و شریعت مین آپ کا ہر حکم واجب اور من جانب اللہ ہے لیکن کھیتی باڑی، علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیادی امور مین اگر آپ نے کچھ کہا ہے، تو اوس کی حیثیت فقط مشورہ اور رائے کی ہے، یہی سبب ہے، کہ صحابہ کرام جن باتون مین اپنا مشورہ آپکو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے کہ یا رسول اللہ صلعم یہ وحی سے ہے یا رائے سے ہے، آپ جب فرما دیتے تھے کہ رائے سے ہے، تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے، اور آنحضرت صلعم فرماتے تو قبول فرماتے، غزوۂ بدر مین آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، ایک صحابی نے آکر عرض کی یا رسول اللہ صلعم اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہے؟ فرمایا محض رائے سے ہے، تو عرض کی کہ جنگی نقطۂ نظر سے یہ مقام بہتر نہین، فلان مقام بہتر ہے، آپ نے انکی رائے پسند کی اور اسپر عمل فرمایا، اسی طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات مین بھی صحابہ سے مشورہ لیا، اور عمل فرمایا، اور اسی مین خود حضور صلعم کو وشاورھم فی الامر (توبہ) یعنی امور حکومت مین صحابہ سے مشورہ لیا کا حکم خدا کی طرف سے ہی، چنانچہ غزوۂ احزاب مین خندق کھودنے مین سلمان فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امور جنگ و سیاست مین بھی جس بات کا حکم عقل بشری سے نہین، بلکہ وحی الٰہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا، اوسمین آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، اور نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا، صلح حدیبیہ کی شرائط اور دفعات جو سراسر مصلحت الٰہی اور حکمت ربانی پر مبنی تھے، اونکے بدلنے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کیا کیا زور نہین لگایا، مگر آنحضرت صلعم نے کچھ التفات نہ فرمایا، اور آخر مستقبل

[1] یہ تینون روایتین صحیح مسلم باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ما ذکره صلعم من معایش الدنیا علی سبیل الرای ج ۲ ص ۲۰۵ مصر مین ہین،

نے بتا دیا کہ فہم نبوت سراسر صحیح تھی، اسی طرح غزوۂ احد جیسے نازک موقع پر عبداللہ بن ابی کا تین سو آدمیوں کے ساتھ پھر جانا گوارا کیا، مگر مدینہ سے باہر جا کر صف آرا ہونے سے باز نہ آئے، اور پھر مستقبل نے مصلحت الٰہی کے راز کو فاش کیا،

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دیگا، کہ دُنیا مین ہر صاحب فن کی ایک نہین دو عقلین ہوتی ہین، ایک اُس فن کے متعلق، جسکی استعداد اُس کے اندر رکھی جاتی ہے، اور پھر تعلیم و تربیت مشق اور کثرت عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے، کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل وقائق کو ایک نظر مین معلوم کر لیتی ہے، اور اُس کے لاینحل عقدون کو اشارون مین حل کر دیتی ہے، لیکن اوس دائرہ کے باہر اوسکی دوسری عقل عام انسانون ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فن تعمیر کی مہارت اور ہندسہ اور انجینیرنگ، کی صناعی مین غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے، کہ کھجور کی کاشت مین اوسکی عقل معمولی انسانون سے بھی کم درجہ ہو، ایک فلسفی جو اپنے زور فکر سے افلاطون وارسطو کی غلطیان نکالتا ہو، وہ تعمیر کے فن مین ایک معمولی مزدور سے بھی زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالین ہین، اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روحانیات کے اسرار، معرفت ربانی کے حقائق، تزکیۂ نفس کے رموز، اخلاق و معاشرت کے آداب، اور حقوق و شریعت کے مسائل مین دقیقہ رس فہم، اور نکتہ دان عقل رکھتا ہو، اوسکو تعمیر و کاشتکاری کے مسائل مین محض معمولی درک ہو، بلکہ بالکل نہ ہو،

اسی طرح انبیا علیہم السّلام امور دین و شریعت مین وحی اور ملکۂ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہین، وہ عین مصلحت عین حکمت، خطا اور غلطی سے سرتاپا مبرا اور پاک ہوتا ہے لیکن دوسرے امور مثلاً پہنے اوڑھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، موکب و سواری، صنعت و حرفت، طب و علاج، وغیرہ دُنیاوی امور کی نسبت کلی مصلحتین بتا کر، جزئیات کی تفصیل سے اُنھون نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانون کو پابند نہین کیا، پہننے اوڑھنے کے متعلق، صرف تین باتین فرمائین، پہلی یہ کہ وہ لباس

اور طرز لباس نہ اختیار کیا جائے، جس سے ستر عورت نہ ہو، دوسری یہ کہ مرد، وہ لباس اختیار نہ کرین، جو عورتون کے لیے زیبا ہے، نہ عورتین وہ لباس اختیار کرین جو مردون کے لیے مناسب ہے تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہین، جس سے غرور و نخوت نمایان ہو، کھانے پینے مین چند حرام چیزون کے سوا کسی کی ممانعت نہین نظم و نسق اور نظامِ حکومت و سلطنت مین چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگون مین مساوات ہو، اور اہم امور مین اہل حل وعقد کا باہمی مشورہ ہو، وعلیٰ ہذا القیاس،

الغرض یہی وہ امور ہین جنمین زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے اس لئے اُن کو ہمیشہ کے لیے محدود کر دینا مصلحت الٰہی کے خلاف تھا،

ملکۂ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت

گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے، کہ نبی مین علم و فہم کے تین ذریعے ہین، **وحی**، ملکۂ نبوت اور عام عقل بشری، ان مین سے اوّل و آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت نہین، کہ اوّل تو یہ مسلمات سے ہین، اور دوسرے اوپر کے تشریحات مین مستقل طور سے اُن پر بحثین ہو چکی ہین، لیکن ابتک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکۂ نبوت کیلئے کوئی شرعی دلیل پیش نہین کی ہے، اس سلسلہ مین سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے، کہ جن علما نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے اُنھون نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے الگ الگ اصطلاحین قائم کی ہین، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہین، سلف صالحین مین سے بعض نے اس کو القاء فی الروع (دل مین ڈالنا) نبی کی حکمتِ قلبیہ، توفیقِ ازلی، اور قوتِ تبیین سے تعبیر کیا ہے[1]، امام غزالی و امام رازی اور دوسرے متکلمین نے اوس کو ملکۂ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اوسکو پیغمبرانہ قوتِ اجتہاد" کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح مین اوسکو **علم لدُنّی** کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریبًا ایک ہی ہین، یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت، جو بشری عقل سے فوق ہے اور جسکے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرارِ شریعت کا بیان، اور دقائقِ حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے،

---

[1] یہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب الرسالہ مین مذکور ہین،

انبیائے کرام کے اُن ربّانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جنکا تذکرہ قرآن نے جابجا کیا ہے، تو وحی کی مخصوص نعمت کے بعد سرفہرست جو چیز نظر آئیگی وہ "علم نبوت" ہے، جس کو کہیں ذکر (یاد داشت) کہیں حکم (حق و باطل میں تمیز کا ملکہ) کہیں حکمت (دانائی) کہیں شرحِ صدر (سینہ کا کھولدینا) کہیں تفہیم (سمجھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (سکھادینا) کہیں ارات (دکھادینا سوجھادینا) کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے، اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے؟ ان سے مراد وحی تو اس لیے نہیں، کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے، اور عقل بشری اس لیے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں، کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے، اس بنا پر اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا،

حکمت انبیا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، اون میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آتا ہے، اور وہ **حکمت** ہے، آلِ ابراہیمؑ پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے اون کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے،

۱- فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا، (نساء-۸)	تو بے شبہہ ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی، اور ان کو بڑی سلطنت بخشی،

حضرت لقمان کی نسبت ہے،

۲- وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (لقمان-۲)	اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی،

حضرت داؤدؑ کی شان میں ہے،

۳- وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ، (ص-۲)	اور ہم نے داؤدؑ کی سلطنت مضبوط کی، اور اوس کو حکمت اور قول فیصل عطا کیا،
۴- وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ، (بقرہ-۳۳)	اور داؤدؑ نے جالوت کو مارا، اور خدا نے داؤدؑ کو سلطنت اور حکمت بخشی، اور جو چاہتا ہے انھیں سے کچھ سکھایا،

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہین:۔

۵۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ (زخرف۔ ۶)

۵۔ مین تمھارے پاس حکمت لیکر آیا ہون تاکہ جن باتون مین تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتین اُن مین سے کھول دون،

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ پر اپنا احسان جتاتا ہے، تو فرماتا ہے،

۶۔ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ (مائدہ ۔ ۱۵)

۶۔ اور یاد کر جب مین نے تجھکو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل کی تعلیم دی،

عام انبیاؑ کے متعلق ہے،

۷۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ (آل عمران۔ ۹)

۷۔ اور جب اللہ نے نبیون سے وعدہ لیا کہ جو مین تم کو کوئی کتاب اور کوئی حکمت دون،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے ظہور کی یہ دعا مانگی تھی،

۸۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ۔ ۱۵)

۸۔ ہمارے پروردگار! اور ان مین ایک رسول بھیج، جو اون کو تیری آیتین سنائے، اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھائے اور انکو سنوارے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اونکی یہ دعا قبول فرمائی۔

۹۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (بقرہ۔ ۱۸)

۹۔ جس طرح اس نے تم مین ایک رسول بھیجا، وہ تمکو ہماری آیتین سناتا اور تمکو سنوارتا ہے، اور تمکو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہین جانتے تھے،

اس دعاے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلعم کے ظہور کا احسان اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران مین ہم پر جتایا ہے،

۱۰- لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، (اٰل عمران - ۱۷)

۱۰- یقیناً اللہ نے ایمان والون پر احسان کیا، کہ اُن مین انھین مین سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اوسکی آیتین پڑھکر سناتا ہے اور اُن کو سنوارتا ہے اور اون کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی مین تھے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان انھین الفاظ مین سورۂ جمعہ مین دہرایا ہے،

۱۱- هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، (جمعہ ۱)

۱۱- وہی اللہ جس نے اَن پڑھ لوگون مین انھین مین سے ایک رسول بھیجا، جو اون کو اللہ کی آیتین سناتا ہے، اور اونکو پاک وصاف کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی مین تھے،

خود آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے اپنا یہ احسان اُن پر ظاہر فرمایا ہے،

۱۲- وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوْكَ ۖ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا، (نساء - ۱۷)

۱۲- اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا، تو اُن مین سے ایک جماعت ارادہ کرچکی تھی، کہ وہ تجھے گمراہ کردے، اور وہ گمراہ نہین کرتے لیکن اپنے آپ کو، اور تجھے کچھ نقصان نہ پہنچا سکتے، خدا نے تجھپر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھکو وہ سکھایا جو تو نہین جانتا تھا، اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا،

آنحضرت صلعم کو خطاب ہے،

۱۳- ذٰلِكَ مِمَّآ أَوْحٰٓى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسرائیل - ۴)

یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتون مین سے تیری طرف وحی کی ہے،

عام مسلمانون سے ارشاد ہے،

۱۴- وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (بقرۃ-۲۹)

۱۴- اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے، اور اُس نے تم پر جو کتاب اور حکمت اُتاری ہے اونکو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے،

خاص طور سے ازواج مطہراتؓ کو خطاب ہے،

۱۵- وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۴)

۱۵- اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو،

یہ نعمت حسب استعداد عام مسلمانوں کو بھی ملا کرتی ہے،

۱۶- يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (بقرہ-۳۷)

۱۶- اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے، اور جس کو حکمت بخشی گئی اوسکو بڑی دولت (بھلائی) دیگئی،

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے،

۱۷- اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل-۱۶)

۱۷- اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف، تو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور اُن سے عمدہ طریقے سے مناظرہ کر،

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے،

۱۸- وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (قمر-۱۰)

۱۸- اور اُن کو اتنے احوال جتنے میں ڈانٹ ہو سکتی ہو پہنچ چکے ہیں، مؤثر حکمت، تو اون کو ڈر سنانے والے فائدہ نہیں پہنچا سکتے

اوپر کی سطروں میں وہ تمام آیتیں لکھدی ہیں، جنمیں حکمت کا لفظ آیا ہے، ان آیتوں میں "حکمت" کا لفظ کہیں تنہا آیا ہے، اور کہیں "کتاب" کے بعد، کتاب کے دو معنی قرآن میں آئے ہیں، ایک صحیفۂ ربانی کے معنی میں، اور یہ اکثر آیا ہے، اور دوسرے نوشتۂ الٰہی اور علم الٰہی کے معنی میں، جیسے لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ (اگر خدا کا نوشتہ، یا علم پہلے نہ ہوتا) ان سابقہ آیتوں میں کتاب سے تو بے شبہہ آسمانی کتاب اور صحیفۂ ربانی، یا یوں کہو کہ وحی کتابی، جیسے توراۃ و قرآن وغیرہ مراد ہے، لیکن "حکمت" کا مفہوم ان آیتوں میں کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی تو "دانائی کی بات اور کلام" کے ہین، مگر یہان اس سے مقصود کیا ہے؟ اس تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت، اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کرکے تبصرہ کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ اپنی کتاب جمہرۃ اللغہ مین "حکمت" کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے،

فکل کلمۃ وعظتک او زجرتک او دعتک الی مکرمۃ او نھتک من قبیح فھی حکمۃ و حُکم، (جلد ۲ ص ۱۸۶ - حیدرآباد)	ہر وہ بات جو تجھکو سمجھائے، یا تجھکو تنبیہ کرے، یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے، وہ حکمت اور حکم ہے،

لغت کا امام جوہری، اپنی صحاح اللغہ مین لکھتا ہے،

الحکمۃ من العلم والحکیم العالم وصاحب الحکمۃ والحکیم المتقن للامور، (جلد ۲ ص ۲۶۷)	حکمت یعنی علم، اور حکیم یعنی عالم اور حکمت والا، اور حکیم کامون کو خوبی سے کرنے والا،

عربی لغت کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب مین ہے،

والحکمۃ عبارۃ عن معرفۃ افضل الاشیاء بافضل العلوم، (ج ۱۵ ص ۳۰ مصر)	اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننے سے عبارت ہے،

لغات قرآن کے مشہور امام راغب اصفہانی مفردات القرآن مین کہتے ہین،

وَالحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل، فالحکمۃ من اللہ تعالیٰ معرفۃ الاشیاء وایجادھا علی غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفۃ الموجودات وفعل الخیرات (ص ۱۲۶ - مصر)	اور حکمت، علم اور عقل سے سچی اور صحیح بات کو جاننا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت، چیزون کا جاننا اور اونکو کمال خوبی سے پیدا کرنا ہے، اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتون کا کرنا ہے،

یہ تو عربی لغت کے امامون کی تصریحات تھین، اب اُن بزرگون کے اقوال پر غور کرنا ہے، جو زباندانی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاورون سے بھی کامل طور سے آگاہ تھے، ابن حیان اندلسی

نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے[1]،

۱۔ قال مالك وابو رزین: الحکمۃ الفقہ فی الدین والفہم الذی ھو سجیۃ ونور من اللہ تعالیٰ،

۱۔ امام مالک اور ابو رزین کا قول: حکمت، دین میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے۔

۲۔ وقال مجاھد: الحکمۃ فہم القرآن،

۲۔ مجاہد کا قول: حکمت یعنی قرآن کا فہم،

۳۔ وقال مقاتل: العلم والعمل بہ لایکون الرجل حکیما حتی یجمعہما،

۳۔ مقاتل کا قول: حکمت، علم اور علم کے مطابق عمل کو کہتے ہیں کیونکہ کسی شخص کو حکیم اسوقت تک نہیں کہا جاتا جبتک وہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہو،

۴۔ وقیل: الحکم والقضاء،

۴۔ بعضوں کا قول: حکمت فیصلہ کرنا،

۵۔ وقیل ما لایعلم الا من جہۃ الرسول.

۵۔ کسی کا قول: حکمت وہ ہے جو رسول کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہو سکے،

۶۔ وقال ابو جعفر محمد بن یعقوب: کل صواب من القول ورث فعلاً صحیحاً فھو حکمۃ،

۶۔ ابو جعفر کا قول: ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پیدا کرے، حکمت ہے،

۷۔ وقیل وضع الاشیاء مواضعہا،

۷۔ کسی کا قول: چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے،

۸۔ وقیل: کل قول وجب فعلہ،

۸۔ ایک اور کا قول: ہر وہ بات جسکا کرنا ضروری ہو،

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

۱۔ قال (مالك): المعرفۃ بالدین والفقہ فی الدین والاتباع لہ۔

۱۔ مالک کا قول: دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور اوسکی پیروی،

۲۔ قال ابن زید: الحکمۃ الدین الذی لا یعرفونہ الا بہ صلعم یعلمہم ایاھا، قال والحکمۃ العقل فی الدین وقرء "ومن یؤت الحکمۃ

۲۔ ابن زید کا قول: حکمت دین کا وہ حصہ ہے، جو صرف رسول سے معلوم ہوتا ہے، وہی اوسکو سکھاتا ہے، نیز انہیں کا قول ہی کہ حکمت، دینی عقل کا نام ہے، اور اسپر یہ آیت پڑھی

[1] زیر آیت وابعث فیھم رسولاً منھم الآیہ ج اص ۳۹۲، مطبوعہ سعادت مصر،

فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا" وقال لعیسیٰ "وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ" وقرءَ ابن زید "وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ الَّذِیْ اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا" قال لم ینتفع بالآیات حین لم تکن معہا الحکمۃ قال والحکمۃ شیٔ یجعلہ اللہ فی قلب ینور لہ بہ

کہ "جس کو حکمت دیگئی اُس کو بڑی دولت دیگئی" اور خدا نے حضرت عیسیٰ کو کہا کہ "خدا اُن کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھاتا ہے" ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی کہ "اُن کو اُسکا حال سناؤ جسکو ہمنے اپنی آیتین دین تو وہ اُن سے الگ ہوگیا" یعنی ان آیتون سے نفع نہین اٹھایا کہ اُن کے پاس حکمت نہ تھی حکمت وہ چیز ہے جسکو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب مین

۳۔ عن قتادۃ: والحکمۃ ای السنۃ

۳۔ قتادہ: حکمت یعنی سنّت نبوی،

آخر مین امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہین،

۴۔ قال ابن جریر الطبری: والصواب من القول عندنا فی الحکمۃ انہا العلم باحکام اللہ التی لا یدرک علمہا الا ببیان الرسول صلعم و المعرفۃ بہا وما دل علیٰ ذلک من نظائرہ وھو عندی ماخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الحق والباطل،

۴۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت اُن احکام الٰہی کے علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہین، اور اون کی اور جو اون کی مثالین اور نظیرین ہین، اُن کی معرفت کو کہتے ہین، اور "حکمت" کا لفظ میرے نزدیک "حکم" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حق و باطل مین تمیز کرنے کے ہین،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرسالہ مین قتادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے، لکھتے ہین

۵۔ وسمعت من ارضی من اھل العلم بالقرآن یقول: الحکمۃ سنۃ رسول اللہ صلعم (ص ۲۲)

۵۔ مین نے قرآن کے اُن اہل علم سے جنکو پسند کرتا ہون، یہ سنا کہ حکمت آنحضرت صلعم کی سنت کا نام ہے،

امام شافعی اسی کتاب مین آگے چلکر بعضون کا قول نقل کرتے ہین،

وسنۃ الحکمۃ التی القی فی روعہ عن اللہ عز وجل (ص ۲۸)

اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے، جو آپ کے دل مین خدا کی طرف سے ڈالی گئی،

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا، کہ یہ کل کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہین، حکمت عقل و فہم کی اُس کاملترین حقیقت کا نام ہے، جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل، اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ، بذریعہ غور و فکر، دلیل و برہان اور تجربہ و استقرا کے نہین، بلکہ منکشفانہ طور سے ہوجاتا ہے، اور اُسی کے مطابق اُس صاحب حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے،

ہر فن کے واقفکار دو قسم کے ہوتے ہین، ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے، اوس کی مشق کرتے اور اس مین مہارت اور کمال بہم پہنچاتے ہین، دوسرے وہ جو اُس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہین اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت، صحیح وجدان، اور سلیم ذوق سے اوس فن کی کسی شئے کو دیکھنے کے ساتھ اس کے متعلق جچی تلی رائے دیتے ہین، اور حرف حرف صحیح دیتے ہین، اسی کا نام آپ صحت وجدان اور سلامت ذوق رکھتے ہین، شاعری، انشاپردازی، اور دوسرے فنون لطیفہ مین اوسکی مثالین بکثرت دیکھی اور سنی جاتی ہین، اسی طرح بعض لوگون مین اشیاء کے حق و باطل، اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح وجدان، اور صحیح ذوق ہوتا ہے، اُس کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و وجدان سے صحیح رائے دیتے ہین، جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہین دے سکتے ہین، وہ معرفت اور نور الٰہی ہے جو جہد و جد و اور سعی و محنت سے نہین، بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے، اور اسی کا نام "حکمت" ہے،

دوسری ربانی استعدادون اور فطری بخششون کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکسان نہین ملتا، بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک عطا ہوتی ہے، اس کے مختلف درجے اور مراتب عام انسانون کو مل سکتے ہین، اور ملتے ہین، لیکن اسکا اعلیٰ ترین اور کاملترین درجہ اور مرتبہ صرف انبیا علیہم السلام کو ملتا ہے،

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے، کہ جس طرح اس ربانی عطیہ، آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت یعنی حکمت کا

اطلاق ہوتا ہے، اُسی طرح اس قوتِ حکمت کے آثار و نتائج اور اُس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس مین حضرت لقمان کو حکمت دیے جانے کا بیان ہو اُس کے بعد اوس حکمتِ لقمانی کی حسب ذیل تعلیمات کا ذکر ہے، اللہ کا شکرادا کرنا، شرک کی ممانعت، والدین کی خدمت، اچھون کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم، صبر، فخر و غرور کی ممانعت، میانہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیرہوین آیت مین حکمتِ محمدی کی حسب ذیل تعلیمات کی تفصیل ہے، شرک کی ممانعت، والدین کے ساتھ احسان، قرابتدارون اور بیکسون سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، میانہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عہد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک رکھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فخر و غرور کی مذمت، ان تمام باتون کو بیان فرما کر اللہ کہتا ہے،

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسرا-۴) یہ بین حکمت کی وہ بعض باتین جو خدا نے تجھپر وحی کی ہین،

حکمت کی ان بعض باتون کی تفصیلون سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس قسم کی باتین ہوتی ہین، یہ عموماً وہی باتین ہوتی ہین جنکی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرتِ انسانی اور حسِ اخلاقی تسلیم کرتی ہو، اور یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت مین حکمت کا اطلاق زبور پر اور پانچوین اور چھٹی آیت مین انجیل پر ہوا ہے، کہ ان مین اسی قسم کی دلآویز نصیحتون اور عالمگیر صداقتون کی تعلیم ہے، اور خود قرآن پاک نے بھی اپنی صفت "حکمت والا قرآن" ظاہر کی ہے، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان و یونس) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰسین) وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (آل عمران) ان آیتون سے یہ بھی واضح ہوتا ہے، کہ "حکمت" کی بعض اہم تعلیمون اور باتون کو وحیِ الٰہی خود اپنے اندر بھی شامل کرکے ان کو آپ مقطر بنا دیتی ہے، یہ چیز انبیا، کو کتاب کی وحیِ الٰہی کیساتھ عام طور سے ملتی ہے، فرمایا،

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (آل عمران-۹) اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبرون سے عہد لیا کہ البتہ جو مین تم کو کتاب اور حکمت دون،

بہرحال یہ حکمت کی قوت انبیا علیہم السلام کو بدرجۂ اتم حاصل تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اون کی ہر بات دانائی

اوران کا ہر کام دانشمندی پر مبنی تھا، اور یہ قوت ان کو حاصل تھی، تو اُس قوت کے آثار اور نتائج بھی، اقوال و اعمال کی صورت مین ظاہر ہوئے، اوران نبوی حکیمانہ آثار و نتائج کا اقرار و اعتراف، اور اون پر عمل بھی نبوت کی تصدیق کے اندر داخل ہوا، پندرہوین آیت مین ہے،

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۴)

(اور اے محمد رسول اللہ کی بیویو!) تمھارے گھرون مین خدا کی جو آیتین اور حکمت کی باتین سنائی جاتی ہین، اونکو یاد رکھو،

محمد رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات کو آیاتِ الٰہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ صلعم کی حکمت و دانائی کی باتون کو یاد رکھنے کا حکم ہے، اب اگر وہ باتین امور دین سے متعلق نہ ہوتین، تو اُن کے لیے اُن کا یاد رکھنا کیون ضروری قرار دیا جاتا، اسی طرح آٹھوین، نوین، دسوین، اور گیارہوین آیت مین آنحضرت صلعم کی صفت مین ہے،

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ، (جمعہ-۱)

وہ مسلمانون کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

محمد رسول اللہ صلعم کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی تعلیم وہ دیتے تھے، وہ خود اُن کے اندر بھی تھی، کہ جو چیز اُن کے پاس نہین، وہ دوسرون کو کیا بخشتے، تو جب یہ قوت آپ کے پاس تھی، تو اوس کے آثار و نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت مین ہون گے، جنکی وہ تعلیم فرماتے تھے، اور اپنے ان امور حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے، کہ مسلمان اُن پر عمل کرین،

پانچوین آیت مین ہے، کہ حضرت عیسٰی فرماتے ہین،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ (زخرف-۶)

مین تمھارے پاس حکمت لیکر آیا ہون، تاکہ جن باتون مین تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتین اُن مین سے کھولدون،

۱؎ لفظ یُتلٰی سے کسی کو یہ شبہہ نہو کہ وہ کتاب کے لیے خاص ہے، کہ آنحضرت صلعم کتاب کا کوئی صفحہ پڑھکر نہین سناتے تھے، بلکہ الفاظ الٰہی کو زبانی ادا فرماتے تھے، ۲؎ قرآن پاک مین حرف علت سے قبل واو آیا کرتا ہے، جیسے وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ حرف عطف نہین،

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فریضہ **تبیین** بھی ہے، یعنی کسی مجمل، ذو معنیین، اور مختلف فیہ مسئلہ کی تشریح و تفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے، اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام کی جنمین یہود مختلف الرائے تھے تفصیل فرمائی، اور اونکی غلطی دور کی،

بارہوین آیت مین ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ	اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو اون مین سے ایک گروہ نے
طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ	چاہا تھا کہ تجھکو گمراہ کرے، اور وہ گمراہ نہین کرتے لیکن اپنے آپکو
اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ	اور تجھے ذرا سا بھی نقصان نہین پہنچائین گے، اللہ نے تجھپر
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ	کتاب و حکمت اتاری اور تجھکو سکھایا جو نہین جانتا تھا اور
تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء - ۱۷)	اللہ کا فضل تجھپر بڑا ہے،

ان آیتون مین بیان ہے، کہ منافقین کا ایک گروہ آپ کو غلط رائے دیکر بہکانا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اون کی یہ چال کارگر نہ ہوئی، اور وہ تجھ کو بہکا نہ سکے اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھپر فضل و کرم ہے، اور وہ فضل و کرم یہ ہے کہ اُس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھے وہ علم بخشا، جو پہلے نہ تھا" اس سے ظاہر ہوا، کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت، خطا سے یہ عصمت، اور علم کی یہ بخشش آپ کو کتاب اور حکمت کے ملنے کے سبب حاصل ہوئی ہے، الغرض اس حفاظت و عصمت کے حصول مین کتاب الٰہی کیساتھ حکمت ربانی کے انعام کو بھی دخل کامل ہے، یہ تو وہ نبوی حکمت ہے جس کا سرچشمہ صرف سینۂ نبوت ہے، لیکن یہ فیض حسب استعداد اُن کے اتباع مین دوسرون کو بھی ملتا ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے، کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے، قبول کر لیتے، اور اس پر عمل کرتے ہین،

تبلیغ اسلام کے تین ذریعون، حکمت، موعظت، اور خوش خلقی کے مناظرہ مین، سب سے اوّل اوسی کو جگہ دیگئی،

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (نحل-۱۶)
تو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کیساتھ دعوت دے اور اُن سے مناظرہ بطریق احسن کر،

سچی صحیح اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی، اور بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہے، فرمایا،

حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ ۔ (قمر-۱) دل تک پہنچ جانیوالی حکمت،

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور بھلائی کی اصل ہے، پھر اس سے بڑھکر دنیا مین اور کیا دولت ہوسکتی ہے، اسی لیے ارشاد ہوا،

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا، (بقرہ-۳۷) جس کو حکمت دی گئی اوس کو بڑی نیکی (دولت) دی گئی،

اس سلسلہ مین دو مشہور و مستند حدیثون کا حوالہ بھی مناسب ہے، جس سے حکمت کی حقیقت واضح ہوگی، اور کم از کم قرنِ اوّل مین اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہوگا، آنحضرت صلعم نے وفد کے ایک خطیب کا بیان سنکر فرمایا،

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا، بعض شعر حکمت ہین، اور بعض تقریرین جادو ہوتی ہین،

اس حدیث مین بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریر و بیان کو جادو کہا گیا ہے، اس تقابل سے ظاہر ہے کہ اس عربی حکمت کا مفہوم اردو حکمت کے مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر و جادو کے مافوق انسانی تصور کی طرح "حکمت" کے عربی مفہوم مین کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے، اِسی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ عربی مین "حکمت" کے معنی عقل و فہم وغیرہ مرادف الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی حقیقت ہے، اردو مین اس حقیقت کو "حکمت" کے ساتھ لفظ "الہامی" بڑھا کر ادا کیا جاسکتا ہے، یعنی "الہامی حکمت"،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا، رشک و حسد اگر جائز ہے تو صرف دو شخصون پر، ایک اُس پر جس کو مال کی دولت ملی، تو وہ اُسکو صحیح مصرف مین لٹاتا ہے"

دوسرے رَجُلٌ آتَاہُ اللہُ الحکمۃَ فَھُوَ یَقضِی بِھَا وَیُعَلِّمُھَا (صحیح بخاری، کتاب العلم) "اُس شخص پر جس کو حکمت ملی ہے، تو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے، اور دوسرون کو سکھاتا ہے، اور اس مین معلّم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے، یہ عام انسانون کا درجہ ہے، تو انبیا علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی، اور وہ یقیناً آنحضرت صلعم کے حصہ مین بھی آئی، اب اس حصول دولت یعنی عطائے حکمت کا نتیجہ بھی آپ سے ظاہر ہونا چاہیے اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے، آپ کے یہ ملہمانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمامتر وحی ربانی کی عملی اور زبانی شرح اور بیان ہیں،

کتاب وحکمت کی تعلیم اوپر کی چار آیتون ۸-۹-۱۰-۱۱ مین خفیف سے تغیر کے ساتھ حسب ذیل آیت ہے،

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، (جمعہ-۱)

(وہ رسول) اُن (اَن پڑھون) کو خدا کی آیتین سناتا اور اُن کو سنوارتا اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،

ان آیتون مین آنحضرت صلعم کے تین کامون کا ذکر ہے،

۱- خدا کی آیتون کو پڑھنا، اور دوسرون کو سنانا،

۲- اُن کو شرک اور بداخلاقی کی نجاستون سے پاک وصاف کرنا اور سنوارنا،

۳- اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا،

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتین ایک ہی معنی رکھتی ہین، یا دو، اگر ایک معنی رکھتی ہین، تو اس بیسود تکرار کا فائدہ کیا؟ یا کیون نہ دوسری جگہ بھی یَتْلُوا یعنی تلاوت ہی کا لفظ رکھدیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہین، جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے، تو ان دونون معنون مین کچھ نہ کچھ فرق ہوگا، اگر رسول کا فرض محض وحی کی زبان سے سنی ہوئی آیتون کو پڑھکر، دوسرون کو سنا دینا ہے، اور اسی پر اوسکی تبلیغ کا فریضہ ختم ہوجاتا، تو اُسکا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھکر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کیونکر قرار دیا جاسکتا، بالکل ظاہر ہے کہ تعلیم کا مفہوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے، خصوصًا جبکہ لفظ "تعلیم" تلاوت کے بعد آتا ہے، وحی کے الفاظ کو سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہوجاتا ہے، مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہ جاتا ہے، کتاب کی تعلیم

کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا اور پڑھا دینا اور دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں، بلکہ الفاظ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا، اُس کے مشکل مطالب کو حل کرنے مجمل معانی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے اونکی شرح و تفصیل کر دینے کا نام "کتاب و حکمت کی تعلیم" ہے، اور یہ آپ کا دوسرا پیغمبرانہ فریضہ تھا، اور یہی وہ تعلیم تھی جسکا ان آیتوں میں بار بار ذکر ہے، اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائضِ نبوت میں داخل تھی، تو اس پیغمبرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی، اور اس کی تعمیل بھی امت کے لیے ضروری ہوگی، آپ کی اسی زبانی و عملی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل سے محفوظ رکھا، اور وہ "احادیث و سنن" کے نام سے موسوم ہے،

اس تفصیل کے بعد "حکمت" کے اون معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے، جو ائمہ لغت اور علماے قرآن نے بیان کیے ہیں، تو آپ کو یقین آجائیگا، کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں، اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں، آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال جنکے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں کتاب الٰہی کی عملی و زبانی تشریحات ہیں، کتابِ الٰہی، وحیِ ربانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث و سنن، سینۂ نبوی کی ملہمانہ حکمت کا اس مقام پر امام شافعی کی یہ تحقیق پیشِ نظر ہے،

وسنته الحکمة التی فی روعه عن اللہ عزوجل (کتاب الرسالہ ص ۲۸ مصر)

اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے قلب میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی،

اور اسی مفہوم کو مجاہد اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ الحکمة فهم القرآن، حکمت فہم قرآن کا نام ہے، دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے، اور اس تشریح کا نام جو رسول کی دست و زبان سے ادا ہوئی سنت ہے، اور اس معنی کو امام مالک اور ابو رزین اور ابن زید وغیرہ دوسری صدی کے علماے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ حکمت، معرفتِ دین، فقہِ دین اور اس دینی علم کو کہتے ہیں جس کو رسول نے بیان کیا، اور حکمت اس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کرکے

اُس کو منور کر دیتا ہے"

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اصل **حکمتِ نبوی** وہ نورِ نبوت اور الہامی معرفت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب و سینہ میں ودیعت رکھا تھا، اور چونکہ آپ کے سنن و اقوال آپکی اسی ودیعت شدہ حکمتِ نبوی کی پیداوار اور آثار اور نتائج ہیں، اسلیے اُن پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے، اس تفصیل کے بعد ظاہر ہوگا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے، اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونوں حق پر ہیں،

علم | علم کے لغوی معنی جاننے کے ہیں، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی، انبیاؑ کے تعلق سے اس کا جب استعمال ہوگا، تو اس سے طبعًا مراد خدا کی توحید، ذات و صفات، دین و شریعت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات ہوگی حضرت ابراہیم توحید پر استدلال کر کے اپنے باپ سے فرماتے ہیں،

يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ (مریم-۳)
اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا،

حضرت خضر کے متعلق ہے،

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (کہف - ۹)
اور ہم نے اپنے پاس سے اوسکو علم سکھایا،

خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے، پھر "اپنے پاس سے علم سکھانے" کا مفہوم کیا ہے، ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش، جد و جہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے، وہ منجانب اللہ کہی جاتی ہے، اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اُس علم کے ہیں، جو انسان کے طبعی ذرائعِ علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو، وہی علم خداداد ہے، اور اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اوس کو **علم لدنّی** (پاس والا علم) کہتے ہیں،

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے،

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (نمل-۲) — اور بے شبہہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا،

حضرت یوسفؑ کے آغازِ نبوت کے موقع پر ہے،

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (یوسف-۱) — اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھکو نوازیگا، اور تجھکو باتوں کی حقیقت سمجھا (تاویل) سکھائیگا، اور تجھپر اپنا انعام پورا کریگا،

ان آیتوں میں اُس علم کا ذکر نہیں ہے جسکا منشا "وحیٔ مؤقت" ہے، کیونکہ ان میں سیاقِ کلام سے علم کے یکبارگی دیئے جانے کا ذکر ہے، جو وحیٔ مؤقت کی شان نہیں، خصوصاً آخری آیت میں تاویلِ احادیث کا علم یک دفعہ دیئے جانے کا تذکرہ ہے، اسی لیے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تعبیر بیان کرکے دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ (یوسف-۵) — یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے،

یہ کہیں بیان نہیں ہے، کہ خواب کی تعبیر کے وقت اُن پر وحی آکر حقیقت سے اُن کو مطلع کرتی تھی، بلکہ خود اُن کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لیے ودیعت کردی گئی تھی، اسی قسم کا وہ علم ہے، جس کی نسبت سے بعض انبیا کو بچپن ہی میں عَلِیْم (جاننے والے) کا خطاب ملا،

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (ذاریات-۲) — اور فرشتوں نے اوسکو ایک بڑے صاحبِ علم فرزند کی خوشخبری دی،

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (حجر-۴) — ہم تجھے ایک بڑے صاحبِ علم فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں،

یہاں لفظ عَلِیْم اختیار کیا گیا ہے، عالم نہیں، جو لفظ عالم سے علم پر زیادہ دلالت کرتا ہے، ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ وحیٔ مؤقت جو گاہ گاہ آتی ہے، اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے،

علم و حکم | بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ حکم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے، حُکم کے معنی لغت میں فیصلہ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں، جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کے نتیجۂ یعنی فیصلہ کے کرسکتے ہیں، امام راغب اصفہانی مفرداتُ القرآن میں لکھتے ہیں،

وَالحکم بالشئ ان تقضی بالشئ بانّہ کذا اَوْلَیسَ کذا سواء الزمت ذٰلِکَ غیرہ اولم تلزمہ (۱۲۶-مصر)

کسی شے پر حکم کرنا یہ فیصلہ کرنا ہے، کہ یہ شی ایسی ہے، یا ایسی نہیں ہے، عام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کر سکو یا نہ کر سکو،

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے،

الحکم العلمُ وَالفقہ وَالقضاءُ بالعدل (ج ۱۵-۳)

حکم کے معنی علم، سمجھ، اور منصفانہ فیصلہ کرنا،

اُن انبیا علیہم السلام کو جنکو کسی کتاب کا ملنا ثابت نہیں اس علم اور حکم کا عطا ہونا ثابت ہے، اس سے یہ معلوم ہوا، کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علم و حکم کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان میں ہے

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا، (یوسف-۳)

اور جب یوسف جوانی کی قوت کو پہنچا، تو ہم نے اس کو حکم اور علم دیا،

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے،

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (انبیا-۵)

اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا،

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے ذکر میں ہے:

فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا (انبیا-۶)

تو ہم نے سلیمان کو وہ فیصلہ سمجھا دیا، اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا تھا،

حضرت یحییٰ کی نسبت ہے،

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَّاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا، (مریم-۱)

اے یحییٰ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ، اور ہم نے اسکو حکم بچپن میں عطا کر دیا،

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتیں ان الفاظ میں شمار کرتا ہے،

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ

اور بالتحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور

وَالنُّبُوَّۃَ (جاثیہ-۲) نبوت دی،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزین ہین، یہان کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ ان آیتون مین حکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے، کہ اس معنی مین یہ لفظ خالص اور قدیم عربی مین نہین آیا، یہ اہل عجم کا محاورہ ہے، قرآن نے ہر جگہ اسکو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی مین استعمال کیا ہے، جیسے

فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ (ص-۲) ہمارے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص-۲) تو لوگون کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ (مائدہ-۷) اور اگر تو اون کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کیساتھ فیصلہ کر،

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہین،

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ، (انبیاء-۶) اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونون کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے،

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ ط (شوریٰ-۲) اور جس کسی چیز مین تم نے اختلاف کیا، تو اوس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے،

سب سے بڑھکر یہ کہ یہی تین باتین سورۂ انعام مین بہت سے پیغمبرون کے نام گنا کر الگ الگ دہرائی گئی ہین،

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ (انعام-۱۰) یہ وہ لوگ تھے جنکو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت بخشی،

جن پیغمبرون کے نام اوپر گنائے گئے ہین، اور جنکی طرف "وہ لوگ" کہکر اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہین، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، نوحؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسمٰعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ، لوطؑ علیہم السلام، ان اٹھارہ نامون مین "حکم" بمعنی حکومت وسلطنت (اگر ہو) تو اس

کے مستحق صرف دو ہین، سلیمانؑ اور داؤدؑ، اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسفؑ اور موسیٰؑ کو بھی شامل کر لیجیے، باقی چودہ تمام اُن پیغمبرون کے ہین، جنکو اس کا کوئی حصہ نہین ملا تھا، اس لیے لامحالہ حکم کا لفظ قرآن مین عربیت کے اصلی اور صحیح و صریح معنی مین مستعمل ہے اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے، وہ کتاب کے ساتھ ساتھ اُن پیغمبرون کو برابر حیثیت مین ملا تھا، غلط فہمی کا پورا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر نظر ڈالیے،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ
الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا
عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا
رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ
بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، (اٰل عمران ۸۰)

کسی بشر کے لیے یہ زیبا نہین کہ اللہ اوس کو کتاب، حکم، اور نبوت دے، پھر وہ لوگون سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو، بلکہ جو تم کتاب (توراۃ) سکھاتے تھے، اور جو تم پڑھتے تھے اُس کے ذریعہ سے تم خدا والے بنو،

ان آیتون مین مخاطب اہل کتاب ہین، اور جس مقدس بشر کا ان مین ذکر ہے، بظاہر اُس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہین، وہ نہ ہون تو خود محمد رسول اللہ صلعم ہین، اور یہ اُس وقت کی بات ہے، جب یہود کی پوری قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز مین موجود تھی، اور اسلام ہنوز اُن کے مقابلہ مین کمزور و ناتوان تھا، ایسی صورت مین جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتون مین ہے، وہ کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی چیز ہو سکتی ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہین ہوا تھا، اور آنحضرت صلعم کو اُس وقت تک جبتک بنی اسرائیل اپنی ممتاز قوت کیساتھ مدینہ اور حجاز مین موجود تھے، یہ رتبہ نہین ملا تھا، آیت اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ مین بھی حکم سے مراد وہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے، حکومت و سلطنت نہین، تسکین کے لیے اس آیت کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو،

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ط
مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ط اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

کہدے (اے پیغمبر!) کہ مین اپنے پروردگار کی کھلی دلیل پر ہون، اور تم اُسکو جھٹلاتے ہو، میرے پاس وہ نہین جسکی تم جلدی

لِلّٰہِ ط یَقُصُّ الْحَقَّ وَھُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ، — کرتے ہو، فیصلہ کسی کا نہین لیکن اللہ کا وہ حق بیان کرتا ہے، اور سب فیصلہ کرنے والون سے وہ بہتر ہے، (انعام۔۷)

ان وجوہ سے اس مین کوئی شک نہین رہتا کہ انبیا علیہم السّلام کو منصبِ نبوّت اور وحیِ کتاب کیساتھ حکم کی سند بھی ملتی ہے، جس کے صاف وصریح معنی کلامِ عرب، اور لغت، اور قرآن کے قرینون سے علم فہم، فیصلہ، اور حق وباطل مین تمیز ہے، اور اس لیے رسول کی اس قوت وطاقت کے نتائج بھی ہمارے لیے واجب العمل ہین،

شرحِ صدر ربّانی علم ومعرفت کا ایک اور مقام "شرحِ صدر" ہے، شرحِ صدر کے معنی "سینہ کھولنے" کے ہین عام خیال یہ ہے، کہ سینہ کی تنگی اور ضیق، جہل ونادانی کی علامت، اور سینہ کی کشادگی اور فراخی، علم کی وسعت اور معرفت کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لیئے "شرحِ صدر" کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کثرت اور آگاہی کی وسعت کے ہین، اور خاص طور سے اُس علم ومعرفت اور اطلاع وآگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعۃً اور یک بیک قلب مین وارد ہوجاتی ہے، اور اس حل سے اوسکی تسلی وتسکین ہوجاتی ہے، اور اس کے شکوک وشبہات دور ہوکر اُس کو یقین کی راحت ومسرت حاصل ہوجاتی ہے،

جمہرۂ ابن درید مین ہے،

والشرح من قولھم شرحتُ لک الامر ..... ای اوضحتہ وکشفتہ، وشرح اللہ صدرہٗ فانشرح اذا اتسع لقبول الخیر (۲-۱۲۴)

شرح، اہلِ عرب کے اس محاورہ سے ہے کہ "مین نے تیرے لیے بات کی شرح کردی" یعنی واضح کردیا، اور کھولدیا، اور اللہ نے اوسکے سینہ کو کھولدیا، تو وہ کھل گیا، یعنی جب نیکی کے قبول کرنے کیلئے

صحاحِ جوہری مین ہے،

الشرح الکشف تقول شرحتُ الغامض اذا فسّرتہ،

شرح یعنی کشف (کھولنا) تم کہتے ہو مین نے اس پوشیدہ مسئلہ کی شرح کردی، یعنی اوس کی تفسیر کردی،

لسان العرب مین ہے،

الشرح الكشف يقال شرح فلان امره اى اوضحه وشرح مسئلةً مُشكِلَةً بَيَّنَها، وشرح الشيء يشرحه شرحاً وشرحه فتحه وبيّنه وكشفه وكلّ ما فتح من الجواهر فقد شرح ايضاً تقول شرحت الغامض اذا فسرته..... ...وشرح الله صدره لقبول الخير يشرحه شرحاً فانشرح وسّعه لقبول الحق فاتّسع قال ابن الاعرابي: الشرح الحفظُ والشرح الفتح والشرح البيان، والشرح الفهم

شرح یعنی کشف، کہا جاتا ہی کہ فلان نے اوسکی بات کی شرح کردی یعنی اوسکو واضح کردیا، اور مشکل مسئلہ کی شرح کردی یعنی اوسکو بیان کردیا، اور کسی چیز کی شرح کرنا یعنی تفصیل کردی، اور کھولدیا، اور جواہر مین سے جو کھولا جائے وہ اسکی شرح کیگئی، پوشیدہ مسئلہ کی شرح کردی یعنی تفسیر کردی .... اور خدا نے اوس کے سینہ کو کھولدیا کسی نیک بات کے قبول کرنے کیلئے تو وہ کھل گیا یعنی اوسکو قبول حق کیلئے ابن اعرابی نے کہا، شرح کے معنی، یاد رکھنا، کھولنا، بیان کرنا، سمجھنا،

قرآن مجید مین ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے نبوت کے منصب ملتے وقت دعا مانگی،

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي، (طٰہٰ-۲)

اے میرے رب! میرے سینہ کو میرے لئے کھولدے، اور میرے کام کو میرے لئے آسان کردے، اور زبان کی گرہ کھولدے کہ لوگ میری بات سمجھیں

دعا کے پہلے جملہ مین حضرت موسیٰ نے اپنے لیے شرح صدر کی استدعا کی ہے، اور آخر مین فصاحت بیان کی، یعنی اول مین صحیح معانی کے القا اور آخر مین اُن کے لیے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا ہے، تاکہ اونکی دعوت و تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکین، لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلعم کو بن مانگے ملی، خدا نے فرمایا،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ، (انشراح-۱)

کیا ہم نے (اے محمدؐ!) تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہین دیا، اور تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار لیا،

شرحِ صدر، اور "سینہ کھولنے" کی جو تشریح احادیث صحیحہ مین مذکور ہے، اس کے لیے عام اصطلاح شق صدر

کی ہے، یعنی عالمِ رویا یا بیداری مین فرشتون نے آکر سینۂ مبارک کو شگاف کیا، اوس کو آبِ زمزم سے دھویا اور سونے کے طشت مین ایمان اور حکمت بھر کر لائے، اور اُن سے سینۂ مبارک کو معمور کر کے شگاف کو برابر کر دیا[1]

اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے، تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے، کہ سینۂ مبارک کو واقعتاً چاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک وصاف کر کے ایمان اور حکمت اُس مین بھرا گیا، اور اگر تمثیل کے رنگ مین لیا جائے، تو بھی یہ حقیقت ماننی پڑیگی، کہ سینۂ صافی ایمان و حکمت سے معمور کیا گیا، بہر حال شرحِ صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہے،

شرحِ صدر کے اس مذکورۂ بالا معنی کو جو شقِ صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے، اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو بحمد اللہ اُسکی تسکین کا سرمایہ بھی قرآنِ پاک مین موجود ہے، سورۂ زمر مین ہے،

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ	بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا، تو وہ
عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر - ۲)	اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشنی مین ہے،

اسلام کے لیے سینہ کے کھولدینے سے مقصود یہ ہے، کہ اسلام کی حقیقت مؤثر طریقہ سے اُس پر اس طرح کھل گئی، کہ اُس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آگیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ اُس کو اپنی منزلِ مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے، یہی "شرحِ صدر" کی حقیقت ہے، اس روشنی کی کمی و بیشی درجون اور منصبون کے مطابق ہوگی،

اس سلسلہ مین حدیث کے دو ایسے موقعون کا ذکر کرنا ہے، جن سے لفظ "شرحِ صدر" کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے، یہان یہ نکتہ پیشِ نظر رہے، کہ ان حدیثون سے معنوی احتجاج یہان مقصود نہین، بلکہ صدرِ اوّل کے کلامِ عرب سے شرحِ صدر کے محاورہ کی تشریح مقصود ہے،

---

[1] صحیح بخاری، و صحیح مسلم، و نسائی، ابواب معراج و اسراء و فرض الصلوٰۃ و مسند احمد بروایت انس بن مالک و سنن ترمذی، تفسیر سورۂ انشراح،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہین، حضرت ابوبکر صدیق رض اُن پر فوجکشی کا ارادہ کرتے ہین، حضرت عمر فاروق رض آکر عرض کرتے ہین، کہ یا خلیفۂ رسول اللہ! اون سے جہاد کیونکر ممکن ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اُس نے جان و مال مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیق رض نے جواب دیا، خدا کی قسم! مین اُس سے لڑونگا، جو زکوٰۃ اور نماز مین فرق کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے، اور زکوٰۃ بندون کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین دیتے تھے، اب نہ دین گے، تو مین اُن سے لڑونگا،

فواللہ ما ھو الا ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر فعرفت انہ الحق (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

تو خدا کی قسم نہ تھا یہ، لیکن یہ کہ کھولدیا تھا اللہ نے ابوبکر کے سینہ کو، تو مین نے جان لیا کہ وہی حق ہے،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگِ یمامہ مین قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے، اُس وقت حضرت عمر رض نے آکر حضرت ابوبکر صدیق رض کو مشورہ دیا، کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب سے کاغذ پر یکجا لکھ لیا جائے، حضرت ابوبکر رض نے جواب دیا، کہ مین وہ کام کیونکر کرون جسکو خود رسول اللہ صلعم نے نہین کیا، لیکن حضرت عمر رض اپنے مشورہ کے بہتر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہانتک کہ حضرت ابوبکر رض کی سمجھ مین بھی بات آگئی، اُس موقع پر حضرت ابوبکر رض کہتے ہین،

فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورأیت فی ذلک الذی رای عمر (صحیح بخاری۔ جمع القرآن)

تو عمر بار بار مجھ سے کہتے رہے، یہان تک کہ خدا نے اس کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا، اور مین نے بھی وہی دیکھا جو عمر دیکھتے تھے،

ان دونون موقعون پر لفظ شرحِ صدر اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے، یہی شرحِ صدر ہے، جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورۂ زمر کے حوالہ سے گذرا، نورِ ربانی یا نورِ بصیرت کہا ہے آنحضرت صلعم کو شرحِ صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی، اُس کے سمجھنے سے پہلے بلاغت کا ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیئے، جب کوئی لفظ متعلقات کے صلہ اور مفعول کے ساتھ مقید ہوکر بولا جاتا ہے تو اُس سے معنی کی

تخصیص و تحدید ہوجاتی ہے، لیکن وہی لفظ جب متعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائیگا، تو وہ عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دیگا، مثلاً علم (جاننا) مفعول کو چاہتا ہے، جس چیز کا علم ہوتا ہے، اوسکو عبارت مین مفعول بناتے ہین، اور اس عبارت مین اس علم سے مقصود اوسی خاص شے کا علم ہوگا جسکو مفعول بنایا ہے، لیکن اگر مفعول حذف کردین تو اُس کا مقصد کسی خاص چیز کے علم کے بجاے مطلق اور عام علم کا ثبوت ہوگا، ایک جگہ قرآن مین ہے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (روم) " وہ حیات دنیا کا ظاہری پہلو جانتے ہین"، ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہے یعنی دنیا کی ظاہری زندگی کے علم سے، عام علم سے نہین، لیکن دوسری جگہ ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ "کیا جو جانتے ہین اور جو نہین جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہین اور جو علم نہین رکھتے) دونون برابر ہوسکتے ہین"، یہان یہ ذکر نہین کہ کس خاص بات کو جانتے ہین، بلکہ مقصود عام علم ہے، تو یہان معنی یہ ہونگے کہ "جو ہر طرح کے علم والے ہین اور جو مطلق بے علم ہین دونون برابر نہین ہوسکتے" بلاغت کی کتابون مین هُوَ يَأْمُرُ وَيَنْهٰى هُوَ يُعْطِي وَيَمْنَعُ، هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكٰى کی مثالون سے اس مفہوم کی توضیح کیگئی ہے،

اس تمہید کے بعد شرحِ صدر کے گذشتہ استعمالون اور مثالون پر نظر ڈالیے، ہر جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا، کہ جس بات کے سمجھنے کے لیے سینہ کھولا جاتا ہے، اُس پر لام آتا ہے، یا قرینہ سے سمجھا جاتا ہے، مثلاً اسلام کیلئے سینہ کھولدیا، جمعِ قرآن کے لیے سینہ کھولدیا، مانعینِ زکوٰۃ کے قتال کے لیے سینہ کھولدیا، مگر حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلعم کے لیے قرآن مین جس شرحِ صدر کا ذکر ہے اُس مین اُس بات کا ذکر نہین ہے، جس کے لیے ان انبیا علیہم السلام کے سینے کھولے گئے، اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاؑ کو امورِ دین مین مطلق اور عمومی شرحِ صدر عنایت ہوئی، اور یہین سے عام امت اور انبیاؑ کے فرقِ مراتب کا اظہار ہوتا ہے، کہ امت کے عام افراد کو تنہا خاص امر کے سمجھنے کے لیے شرحِ صدر ملتی ہے، اور انبیا کو اپنے دائرہ مین کلّی اور عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت ہوتی ہے،

ایک اور لطیف پہلو بھی یہان ذکر کے قابل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر احسان دونون موقعون پر لیْ اور لکَ ہے، حضرت موسیٰؑ کہتے ہین "میرے لیے میرے سینہ کو کھولدے" اور آنحضرت صلعم کے لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کیا مین نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہین دیا" سوال یہ ہے کہ "میرے لیے" اور "تیرے لیے" کے اضافہ کی ضرورت، اور اس "لام" کی حاجت کیا تھی، ؟ مفسرین مین امام زمخشری نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لیے ہے، حالانکہ یہ لامِ تملیک کے بجائے لامِ افادہ ہے، جیساکہ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مین ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ شرح صدر کی دولت تجھکو تیرے لیے ملی ہے یعنی تیرے کشفِ علم کے لیے، یا تائید کے لیے، یا فائدہ کے لیے اور یہ کشفِ علم اور شرحِ صدر خود تیری ذات کے لیے ہے، کہ وہ کامل سے کاملتر ہو کر ظاہر ہو،

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو دین کی جو یہ عمومی شرحِ صدر عنایت ہوئی، اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نمایان ہوگا؟ تو دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہین جو "افعال واقوال" اور "احادیث وسنن" کی صورت مین ہمارے سامنے ہین،

تبیینِ کتاب آنحضرت صلعم دنیا مین جس شریعت کو لے کر آئے، وہ آخری اور ابدی تھی، اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کلّی اور ابدی اصول ومبادی پر دے، چنانچہ اس آخری وحیِ الٰہی نے اپنی کتاب الٰہی کو صرف اصول وکلیات تک محدود رکھا، اور جزئیات کے لیے اپنی آیتون مین ایسے اشارے رکھے، جن کے سہارے سے وہ دل جو علم ومعرفت سے پرنور اور حکم وحکمت سے معمور، اور شرحِ صدر اور تائیدِ ربانی سے فیضیاب ہون وہ علی قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لین، چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبیؐ کو ملا، اور چونکہ وہ خطا سے معصوم ہے، اس لیے اُس کے اس منصب کے نتائج بھی خطا سے محفوظ ہین، پھر رسولؐ کے وسیلہ سے یہ رتبہ خلفائے راشدینؓ، اکابر صحابہؓ، ائمۂ تابعینؒ وتبع تابعینؒ ومجتہدینِؒ عظام اور علمائے اسلام کو ہمیشہ کے لیے ملتا رہا، اس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے، جس کو ہر زمانہ کے

فیضیابِ علومِ نبوّت، اور حاملینِ اسرارِ شریعت، خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق، اوسکی وحی کی روشنی مین ہمیشہ انجام دیتے رہے ہین، اور دیتے رہین گے، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے، فرمایا،

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ، (قیامہ - ۱)

تو قرآن کی وحی کیساتھ اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت نہ دے تاکہ اوسکی تلاوت و اشاعت مین جلدی کرے ہم پر ہی قرآن کو جمع کرنا اور اوسکا پڑھانا، اور جب ہم نے اوسکو پڑھا دیا، تو تو اوس پڑھائی کی پیروی کر، پھر ہمیر ہی اوسکی شرح کرنا،

اس "بیان اور شرح" کی ذمہ داری کبھی بذریعہ وحی ادا ہوئی ہے، جو قرآن مین مذکور ہے، اور کبھی رسول کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی ہے، جو عملی تواتر سے منقول اور احادیث و سنن کے مستند دفتر مین موجود ہے، یہ امر کہ اس بیان و شرح کی طاقت، اور اس شرح و بیان کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا، حسب ذیل آیت سے ثابت ہے،

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ، (نحل - ۶)

اور ہمنے تیری طرف یہ نصیحت (کی کتاب) اتاری تاکہ لوگون کی طرف جو اتارا گیا ہے، تو اوسکو کھولکر بتاوے، شاید وہ سوچین،

"بیان" اور "تبیین" کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہین، اور ان کا استعمال دو معنون مین ہوتا ہے، ایک اعلان، اور اظہار کے معنی مین، یعنی اخفا کے مقابل، دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی مین، قرآن پاک مین یہ لفظ "تبیین" اپنے دونون معنون مین آیا ہے، اب یہ تمیز کہ کس آیت مین کیا معنی مراد ہین، سیاق و سباق اور موقع و محل سے ہو سکتی ہے، مثلاً ایک جگہ قرآن پاک مین ہے،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَ

اے کتاب والو! تمھارے پاس ہمارا رسول آیا، کہ کتاب کی جو باتین تم چھپاتے تھے، وہ اُن کو تمھارے لیے

يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ، (مائدہ-۳) ظاہر کرے اور بہت سی باتون سے درگذرے،

یہان "تبیین" صریح طورسے اخفاکے مقابلہ مین ہے، اس لیے یہان "تبیین" کے معنی یقینی طورپر "اظہار واعلان" کے ہین، لیکن یہی لفظ دوسری جگہ سورۂ نحل مین اس طرح آیا ہے،

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ، (نحل-۸) اور ہمنے تجھپر کتاب نہین اتاری لیکن اس لیے تاکہ تو واضح کردے، اوس کو جسمین انھون نے اختلاف کیا، اور ایمان والون کیلئے رہنمائی اور رحمت بناکر اوسکو اتارا،

اختلاف کے مقابلہ مین اظہار اور اعلان کی نہین، بلکہ توضیح وتشریح کی ضرورت ہے، کہ جس امر مین اختلاف ہو، وہ اس توضیح وتفسیر کے بعد دور ہو جائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے جو اسی سورہ مین ایک اور مقام پر ہے،

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ، (نحل-۶) اور ہم نے (اے پیغمبر!) تیری طرف نصیحت کی کتاب (قرآن) کو اتارا تاکہ لوگون کی طرف جو اتارا گیا تو اوسکو اُن کیلئے کھول کر بتادے، شاید کہ وہ سوچین،

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک مین بیان کرنے کا مفہوم ظاہر کرنے کے ہین یا تشریح وتفصیل کرنے کے ہین، ہمارا دعویٰ ہے، کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہان غور وفکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب سے تشریح وتفصیل کے معنی لینا صحیح ہے، امر مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہوسکتا ہے، مگر سوچنے کے نہین پہنچنے اور غور وفکر کرنے کے لیے یہان تشریح وتفصیل کی ضرورت ہے، نہ کہ اظہار واعلان کی، اب جبکہ آنحضرت صلعم کے لیے تفصیل وتبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہے، تو اُس تفصیل وتبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہو گی، اور آپ کی یہ تبیین وتشریح آپ کے نورِ حکمت کا فیضان ہو گا جس کے اشارے خود کتاب الٰہی کے اندر اوسکو موجود نظر آتے ہین،

ارادت | انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہین کہ اُن کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جا سکے، جو ایک طرف اختلاف فہم سے محفوظ رہے، اور دوسری طرف اُس مین یہ وسعت ہو کہ تمام آیندہ پیش آنیوالے واقعات پر جنکے جزئیات کی کوئی حد نہین پوری طرح حاوی ہو، لیکن فہمِ انسانی کے اختلاف کے جو نقائص قانون مین ہوتے ہین، گو اُن کو تمامتر دور نہین کیا جا سکتا تاہم اُن کو کم کیا جا سکتا ہے، اسلام نے اپنے قانونِ الٰہی سے جو بہرحال انسانی بول چال کے الفاظ مین ہے، اس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لیے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفت زبانی اور عملی طور سے اوسکی تشریح و تبیین کرا دی، گو انسانی ذرائعِ حفظ و روایت کی فطری کمزوریون کے سبب سے اس تشریح و تبیین مین بھی اختلافِ فہم پیدا ہو گیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی خلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی،

روزمرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی، کہ آنحضرت صلعم کی عدالت مین روزانہ اس قسم کے واقعات، اور مقدمات پیش ہوتے رہتے، اور آپ وحیِ کتاب کے اصول و کلیات کے ماتحت اپنے نورِ بصیرت اور فہمِ حکمت سے اُن کے فیصلے فرماتے رہتے، خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد مین ان نوبنو اور تازہ بتازہ واقعات کے فیصلون کے لیے اوّلاً وحیِ کتابی کو، اور اُس کے بعد آنحضرت صلعم کے ان قضایا اور فیصلون کو جو فہمِ نبوّت، نورِ بصیرت، اور ارادتِ الٰہی کے ذریعہ فیصل ہوئے تھے، اپنا ماخذ قرار دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہا اور مجتہدین نے اختیار کیا، اور ہر نئے واقعہ کو وحیِ کتاب، اور فیصلہ نبوی کے معصوم و مسلّم معیار پر جانچ کر اُن مین سے کسی نہ کسی مماثل اور متشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیئے، اور جو چیزین اُن مین نہ ملین، اُن کو معمولی عدل و انصاف، رسم و رواج، عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھکر اُن کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج فقہِ اسلامی کہلاتا ہے،

وحیِ الٰہی قرآنِ پاک مین ہے، اور آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی صحیح روایتون مین محفوظ ہین، وحیِ الٰہی کی صداقت مین تو کلام نہین ہو سکتا، اب رہگئی آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلون

کی پیروی، تو اس کے متعلق بھی وحیِ الٰہی ناطق ہے،

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ، (نساء-۱۶)

ہمنے (اے پیغمبر!) تیری طرف سچائی کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ تو لوگوں کے درمیان جو تجھکو اللہ سوجھائے اُسکے ذریعہ فیصلہ کر۔

اس کتابِ الٰہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے، کہ تو اے پیغمبر! اس کے احکام اور قوانین کو لیکر اُس فہم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ تجھکو سوجھائے، اور دکھائے، تو لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کر، اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر کو یہی سوجھانا اور دکھانا جو کچھ تھا، وہ آپ کے عمل اور قضایا اور فیصلوں کی صورتوں مین محفوظ ہے، اور اسلام کے قانون کا وحیِ الٰہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔

آنحضرت صلعم کے عدل وانصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا، چنانچہ اُن کا قاعدہ تھا، کہ جب اُن کا حق کسی پر ہوتا تو وہ دوڑے ہوئے عدالتِ نبوی مین حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے، کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملیگا، لیکن جب اُن پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقہ سے فیصلہ چاہتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرزنش کی،

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ، اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ومن

اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کیطرف بلائے جائین کہ رسول اُنکے درمیان فیصلہ کردے، تو اُن مین سے کچھ لوگ منھ موڑتے ہین اور اگر اونکو کچھ حق پہنچتا ہو، تو فرمان بردار بنکر رسول کے پاس چلے آئین، کیا اُن کے دل مین بیماری ہے، یا وہ شک مین ہین یا وہ ڈرتے ہین، کہ خدا اور اُس کا رسول اونکے ساتھ بے انصافی کریگا، بلکہ وہی لوگ بے انصاف ہین، ایمان والون کی بات تھی کہ جب اُن کو خدا اور رسول کیطرف بلایا جائے، تاکہ وہ اونکے درمیان فیصلہ کردے، تو وہ کہین کہ ہم نے سنا اور مان لیا،

يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ، (نور-۷)

انھین لوگون کو بھلا ہے، اور جو کوئی اللہ کے اور اُس کے رسول کے حکم پر چلے، اور اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ سے بچکر نکلے، وہی لوگ ہین مراد کو پہنچے،

ان آیات سے معلوم ہوا، کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے، اور رسول کے فیصلون کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے، بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء-۹)

تو قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہونگے جبتک وہ تجھے اپنے جھگڑون کا منصف نہ بنائین، اور پھر جو تو فیصلہ کرے اُس سے اپنے دل مین خفگی نہ پائین، اور پوری طرح تسلیم کرین،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ، (احزاب-۵)

اور مومن مرد، یا مومن عورت کا یہ کام نہین کہ جب اللہ اور اُسکا رسول فیصلہ کردے، تو اونکو اپنے کام کا اختیار رہے، اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

یہ اطاعت، اور مطلقًا سرافگندگی، اور تمام فیصلون کا قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی ربانی ذمہ داری ہر حاکمِ وقت، اور سلطانِ زمانہ کے لیے نہین، یہ انبیاؑء کے لیے خاص ہے، دو شخصون کے باہمی جزئی و شخصی مقدما کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحیِ قرآنی کے ذریعہ نہین کرتا تھا، بلکہ رسول کے فہمِ نبوت، نورِ نبوت، فیضِ حکمت شرحِ صدر، تبیینِ حقیقت اور ارارت (دکھانا اور سوجھانا) کے ذریعہ فرماتا تھا، لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقینًا وحیِ قرآنی کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوجھاتا تھا،

آپ کے ان قضایا اور فیصلون کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے آپکی

زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اوس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہی فیصلے جاری کریں، جو آپ نے اپنی زندگی میں اُن میں کیے، کہ آپ کے فیصلے بحکم خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری، اور بے انصافی سے منزّہ تھے، اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہیں،

رسول کا وجود مستقل ہدایت ہے

اللہ تعالی نے پیغمبرون کو امام وپیشوا اور ہادی ورہنما فرمایا ہے، یعنی نبوّت اور وحی سے سرافراز ہونے کے بعد اون کی ذات مجسّم ہدایت ورہنمائی، اور امامت وپیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے، اُن کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگون کی رہنمائی فرمائین، اور اُن کو ضلالت وگمراہی سے بچائین، جس امت میں مبعوث ہوتے ہین، اُس کے سامنے ہدایت ورہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہین، جن دونون کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے، اللہ تعالی مسلمانون کو جنھین یہود اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنانا چاہتے تھے، خطاب کرکے فرماتا ہے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
كٰفِرِيْنَ، وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ (آل عمران ۱۰۰)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کہا مانوگے، تو وہ ایمان لا چکنے کے بعد تمھین مرتد کرکے کافر بنا دینگے، اور تم کو کیونکر کفر کرنا چاہیے، درآنحالیکہ تمکو اللہ کی آیتین سنائی جاتی ہین، اور تم مین اللہ کا رسول موجود ہے،

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزین مسلمانون کے پاس تھین، ایک تو آیاتِ الٰہی جو اُن کو سنائی جاتی تھین، اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود، جو اپنی تعلیم، تلقین، فیض، صحبت، اور اثر سے اُن کو بہکنے نہ دیگا، اور ضلالت سے مانع آئے گا، اگر صرف کتاب الٰہی اس کتاب کو انجام دیسکتی تو رسول کے ذکر کی حاجت، بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی، اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب صامت (قرآن) اوس کی کتاب ناطق (رسول) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہے،

تزکیہ | انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور آنحضرت صلعم کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تزکیہ ہے، تزکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوت محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جنمیں آپکی یہ توصیف کیگئی ہے "ایک رسول جو لوگون پر خدا کی آیتین تلاوت کرتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور انکو پاک وصاف کرتا ہے"، ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف، دو پہلے اوصاف سے الگ ہے، یہ پاک وصاف کرنا، آیات الٰہی کی تلاوت، اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد، نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے، کہ آپ کی تعلیم وتربیت فیضان صحبت، حسن اخلاق، پند وموعظت، اور تبلیغ ودعوت کی تاثیر سے بُرے، اچھے، بد، نیک اور اشرار اخیار بنجاتے ہین،

انبیاء علیہم کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے، کہ وہ گمراہ اور بدکار قومون میں مبعوث ہوئے ہر طرح کی اذیتین اوٹھائین، تکلیفین سہین، مصیبتین جھیلین، اور آخر تاریکی کو روشنی سے، جہالت کو علم سے، اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے، اور مدت تک اُن کی تاثیر کا فیض جاری رہا، اُن کا یہ وصف تزکیہ وحی و الہام کے علاوہ اُن کے جسم وجان اور زبان ودل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ اونکی زبان اوس وقت وحی الٰہی سے مترنم ہو یا خاموش، ہر آن آفتاب حق کی کرنین مطلع نبوت سے نکل نکل کر دلون کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھین،

نور | اسی لیے نبوت کا سینہ، صدق وصفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا جسم پیکر ظلمتکدۂ عالم کا چراغ، اور علم وہدایت کا مطلع النور ہوتا ہے، جس طرح اس کا صحیفۂ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتا ہے، وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے، جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے، اور حق کے طالب روشنی حاصل کرتے ہین، خود آپ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا،

يَاۤ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا	اے نبی! ہم نے تجھکو بتانے والا، خوشی سنانے والا،
وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا	چوکنا کرنے والا، اور روشن کرنے والا چراغ
مُّنِيْرًا، (احزاب-۶)	بنا کر بھیجا،

یہ آس پاس کی چیزون کو روشن کرنے والا چراغ خود رسولؐ کی ذات ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم وجان، زبان و دل، خُلق وعمل علم وفہم مین روشنی نہین تو آپ کی ذات جو انھین چیزون کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیونکر ثابت ہوگی، اور جب آپکی ذاتِ مبارک کی یہ تمام چیزین انوارِ الٰہی ہین، تو ان انوار مین سے ہر نور کی روشنی مین چلنا ہدایت ہے، اور ان مین سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ مین قدم دھرنا ہے،

آیات وملکوت کی رویت | جس طرح انبیا علیہم السّلام اپنی قوتِ سامعہ سے ندائے غیب کو سنتے اور صدائے وحی کو سماعت کرتے ہین، اوسی طرح اُن کی آنکھین بہت کچھ دیکھتی ہین جو عام انسان نہین دیکھتے، حضرت ابراہیمؑ کے ذکر مین ہے،

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (انعام - ۹)

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانون کی اور زمین کی مملکت دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والون مین ہو،

استعداد نبوت کی تربیت اور نشو و نما کے لیے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت اون کو عطا ہوئی، حضرت موسیٰؑ کو طور پر جو کچھ نظر آیا، وہ جلوہ گری حسن وعشق کی مشہور کہانی ہے، آنحضرت صلعم کے مشاہداتِ روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ مین کیا گیا ہے،

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (اسرائیل - ۱)

تاکہ ہم اُس (رسول بندہ) کو اپنی نشانیان دکھائین،

دوسری جگہ ہے،

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى، (نجم - ۱)

دل جھوٹ نہین بولا جو اُس نے دیکھا، اُس پر اُس سے جھگڑتے ہو، اور دوسری بار اُس کو اترتے دیکھا،

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى، لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى، (نجم - ۱)

نگاہ نہ بہکی، اور نہ سرکش ہوئی، اُس نے اپنے رب کی بڑی نشانیان دیکھین،

(ایک اور مقام پر ہے،

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (تکویر) اور اُس نے یقیناً اوس کو آسمان کے کھُلے کنارون مین دیکھا،

یہ مشاہدہ وحی والہام کے علاوہ، نبوت کے دوسرے حاسۂ بصارت کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے،

سماعِ غیب | جس طرح آیات وملکوت کا مشاہدہ نبوت کے حاسۂ بصارت کا امتیازی وصف ہے، اسی طرح غیب کی آواز اور وحی کی صدا کو سننا بھی اُن کے حاسۂ سماعت کا امتیاز ہے، قرآنِ پاک مین اسکی تصریحات موجود ہین، کہ وہ خدا سے ہم کلام ہوتے تھے، اور وحی کو پاتے تھے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا، (نساء-۲۳) اور خدا نے موسیٰ سے بات کی،

حضور کو حکم ہوا،

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طٰہٰ-۶) اور اس سے پہلے کہ قرآن کی وحی تجھ پر پوری ہو، قرآن کے پڑھنے مین جلدی نہ کر،

خدا نے پیغمبرون کو پکارا، اور انھون نے اوسکی آواز سنی، نَادَيْنَا "ہم نے پکارا" بار بار یہ الفاظ قرآن مین پیغمبرون کے متعلق آئے ہین،

تبلیغ ودعوت | نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے، یعنی جو سچائی اوسکو خدا سے ملی ہے، اوسکو دوسرون تک پہنچا دینا، اور جو علم اوس کو عطا ہوا ہے، اس سے اورون کو بہرہ ور کرنا، خدا کا جو پیغام اُس تک پہنچا ہے، وہ لوگون کو سنا دینا، اوس نے اوس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے، اُس سے اپنے ہمجنسون کو باخبر کرنا، جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی اور اخلاقی طاقتین اوسکو بخشی گئی ہین، اُن کو اس راہ مین صرف کرنا، اور اس سمجھانے بجھانے اور راہِ راست پر لانے مین صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا، اس اعلان اور دعوت مین جو تکلیف بھی پیش آئے، اس کو راحت جاننا، جو مصیبت بھی درپیش ہو، اوسکو آرام سمجھنا، جو کانٹے بھی اس وادی مین اُس کے تلوون مین چبھین، اُن کو رگِ گل سمجھنا، اس حق کی آواز کو دبانے کے لیے جو قوت بھی سر اُٹھائے، اُس کو کچل دینا، اور مال ومنال، اہل وعیال، جو چیز اس سفر مین سنگِ راہ ہو کر سامنے

آنے اس کو ہٹادینا، اور اون کی اس ساری کوشش و کاوش کا مقصد خدا کی رضامندی، مخلوق کی خیرخواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہین ہوتا،

یہ ہے انبیا کی تبلیغ و دعوت کا مفہوم، دنیا مین جسقدر پیغمبر آئے، اُنھون نے اپنے فرض کو اسی ایثار اور قربانی کے ساتھ انجام دیا، اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے مین کوتاہی نہ کی، اور آج دنیا مین جو کچھ خدا کی محبت، بھائیون کا پیار، انسانون کی ہمدردی، بیکسون کی مدد، غریبون کی اعانت، اور دوسری نیکیون کا اس سطح زمین پر وجود ہے، وہ سب بواسطہ یا بلاواسطہ، دانستہ یا نادانستہ انھین کی دعوت و تبلیغ اور جد وجہد کے اثر اور نتیجے ہین،

دُنیا کے بڑے سے بڑے مفکر، بڑے سے بڑے شاعر، بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لینا، یا زیادہ سے زیادہ دوسرون کو سمجھادینا سمجھتے ہین، لیکن انبیا علیہم السلام جب صداقت کو پاتے ہین، اوس کو دوسرون کے سمجھانے، اور ہر ممکن طریق سے اس کے پھیلانے، اور اہل دُنیا کو اس کے باور کرانے مین اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہین، اور ہر مشکل کو جھیل کر نافہمون کو حقیقت سمجھاتے اور اندھون کو راہ راست دکھاتے ہین،

انبیا علیہم السّلام کی تعریف مین خدا فرماتا ہے،

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (احزاب)	جو اللہ کے پیغامون کو پہنچاتے ہین، اور اُسی سے ڈرتے ہین اور اُس کے سوا کسی سے نہین ڈرتے، اور اللہ بس ہے،

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے،

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰہ - ۱)	فرعون کے پاس جا کہ اوس نے سرکشی کی،

آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے، کہ پیغام ربانی کی بے محابا تبلیغ کرو، اور دشمنون سے نہ ڈرو، کہ تمھاری حفاظت کا خود شہنشاہ عالم ذمہ دار ہے،

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ	اے پیغمبر، تیرے رب کے پاس سے جو تیری طرف اترا ہے

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ وَاللّٰہُ
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ‌، (مائدہ ۔ ۱۰)

اوسکو پہنچادے، اور اگر یہ نہ کیا تو، تو نے اوس کے پیغام پہنچانے
کے فرض کو ادا نہین کیا، اللہ تجھکو لوگون سے بچا ئیگا،

ان کی تبلیغ و دعوت مین تبشیر اور انذار دونون ہوتا ہے، **تبشیر** یعنی بشارت دینا، اور خوشخبری سنانا، اور **انذار** یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الٰہی کا خوف دلانا، اور اُن کو اون کے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور اونکی آمد اس شان سے اس لیے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندون پر تمام ہوجائے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ۔ ۲۳)

یہ سب پیغمبر خوشخبری سناتے، اور ہشیار و بیدار کرتے ہوئے آئے
تاکہ پیغمبرون کے آنے کے بعد لوگون کیلئے خدا پر کوئی حجت نہ رہے

ان سب نے پیغام الٰہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا،

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ، (اعراف ۔ ۹)

مین تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہون، اور مین تمھارا
امانت دار خیر خواہ ہون،

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (اعراف ۔ ۱۰)

اے میرے لوگو مینے اپنے رب کا پیام تم کو پہنچا دیا، اور تمھاری
خیر خواہی کر چکا، لیکن تم خیر خواہون کو پیار نہین کرتے،

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ، (اعراف ۔ ۱۱)

اے میرے لوگو! مین نے اپنے رب کے پیام تم کو پہنچا دیئے
اور تمھاری خیر خواہی کر چکا، تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگون
پر مین غم کھاؤن،

یہ بھی فرمایا کہ،

لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ
فَطَرَنِيْ (ھود ۔ ۵)

مین اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہین مانگتا، میری
مزدوری تو خدا پر ہے، جس نے مجھکو پیدا کیا،

لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ

مین اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہان

اِلَّا عَلَی اللہِ (ھود - ۳) نہیں ہوں، میری مزدوری تو خدا پر ہے،

ایک شبہہ کا ازالہ اس سلسلہ میں ہمکو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو بعضوں کو حضور ؐ کی صفتِ تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے، قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسول کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا (البلاغ) ہے" اس سے آج کل کے بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکا ہوا کہ رسول کا فرض صرف "وحی الٰہی کی تبلیغ ہے" یعنی قرآنِ پاک کے الفاظ کو انسانوں تک بعینہٖ پہنچا دینا اُس کا کام ہے، اُس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح کا نہ اُس کو منصب ہے، اور نہ حق ہے، اُن کے نزدیک مبلغِ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے، مگر اُس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح کا اوسکو حق نہیں ہوتا، بلکہ اوس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفافہ میں کیا ہے،

شاید اُن کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ "رسول" سے بھی ہوا ہے، جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے، کہ جہاں اُس کو رسول کہا گیا ہے، "نبی" (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہے، مبشّر (خوشخبری سنانے والا) نذیر (ڈرانے والا) سراجِ منیر (روشن چراغ) صاحبِ حکمت، صاحبِ خُلقِ عظیم، صاحبِ مقامِ محمود، مُجتبیٰ (مقبول) مُصطفیٰ (برگزیدہ) مُبیّن (بیان اور شرح کرنے والا) معلّم (سکھانے والا) مزکّی (پاک وصاف کرنے والا) داعیِ الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مُطاع (واجب الاطاعہ) آمر (حکم دینے والا) اور ناہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف و القاب اوس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے، جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں؟ اُس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی دان کو حق حاصل ہے، اور اوسکی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدّعی کو دعویٰ ہے، اگر خود صاحبِ پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم و معنی کا علم تھا، اور نہ اوسکی تشریح کا اوس کو حق تھا، اِنَّ ھٰذَا لَعُجَاب، ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے

اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے،

اون کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام مین تشریع اور وضعِ قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہی اصلی شارع ہے، اب اگر رسول کو بھی وحیِ کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا، لیکن اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہین، شارح قرار دیتے ہین، کیا عدالت کی کرسی پر بیٹھکر جج جب حکومت کے قانون کی توضیح وتشریح کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے سلطانِ وقت بنکر وضعِ قانون کا منصب حاصل کرتا ہے، یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اوس قاضی کی ہے، جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور مبین کہتے ہین،

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اوسی طریقہ خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہین فرماتا، جس طریقِ خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے، بلکہ وہ اپنی تینون قسمون کے ذریعہ سے اپنے اغراض اُس رسول پر واضح کرتا ہے، اور اُن مین سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت تمام امت پر فرض ہے، خواہ وہ وحی ہو، جو الفاظِ الٰہی کی قید کیساتھ آئی ہو، جس کو قرآن کہتے ہین، یا ربانی مفہوم ومعنی رسول کے الفاظ مین ادا ہون، جس کو حدیث وسنت کہتے ہین، الغرض خواہ وہ کتابِ الٰہی کے ذریعہ سے ہو، یا حکمتِ ربانی کے فیض سے ہو،

قرآن مجید کی وہ آیتین جنکے معنی یہ ہین، کہ "ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے" یہ منشا نہین کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے، خوشخبری سنانے والا نہین، ہشیار و بیدار کرنے والا نہین، پیغامِ الٰہی کے الفاظ سنانے کے بعد اُن کی تعلیم دینے والا نہین، آیاتِ الٰہی کی تبیین وتشریح کرنے والا نہین، رہنما و ہادی نہین، نجاستون سے پاک وصاف کرنے والا نہین، ایسا کہنا قرآن کا انکار، اور عقل وفہم کا ماتم ہے، قرآن مین کئی جگہ ہے،

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ (ص، رعد، نازعات) تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے،

ایک جگہ ہے،

إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ (ص-۵) مین تو صرف ڈر سنانے والا ہون،

کیا ان آیتون کا مفہوم یہی ہے کہ ڈر سنانے کے سوا، رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہین اور وہ صرف مُنذر ہے، مُبشّر نہین، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتون

إِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (مائدہ-۱۲) ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے،

کا مفہوم یہ نہین ہے کہ وہ صرف پیغام رسان اور قاصد ہے، مُبیّن اور شارح نہین، بلکہ یہ ہے کہ اون کا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگون کے دلون مین اس پیغام کا اتار دینا نہین، بزور لوگون کو مسلمان بنا دینا نہین، جبراً منوا لینا نہین، اور نہ پیغام پہنچا دینے کے بعد تمھارے کفر و انکار و عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن مین جہان جہان اس معنی کی آیتین آئی ہین، اُن کا منشا یہی اور صرف یہی ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتون مین یہ بات کہی گئی ہے، اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے،

۱- وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران-۲)

کتاب والون اور ان پڑھون سے کہدے، کیا تم نے اسلام قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت پائی، اور اگر منھ پھیرا تو تجھپر (اے رسول) صرف پیام پہنچانا ہے، اور اللہ بندون کا دیکھنے والا ہے،

مفہوم بالکل ظاہر ہے، کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے مین کوئی زبردستی نہین، اگر لوگ قبول کرین تو انھون نے حق کی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا تھا، وہ اس نے پہنچا دیا، اُس کا فرض ادا ہو چکا، اب خدا جانے، اور اُس کے بندے جانین،

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (رعد-۶)

تو تیرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہمارا فرض اُن سے حساب لینا ہے،

اس کی مزید تفصیل سورۂ غاشیہ مین ہے،

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ
إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ، فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
الْأَكْبَرَ، إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا
حِسَابَهُمْ (غاشیہ-۱)

تو (اے پیغمبر) تو نصیحت کر، تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے
اُن پر داروغہ نہین، لیکن جس نے منہ پھیرا اور انکار کیا، تو خدا
اوس کو بڑی سزا دیگا، بے شک پھر ہماری ہی طرف لوٹکر
آنا ہے، اور ہمین پر اون کا حساب لینا ہے،

یہی مفہوم سورۂ شوریٰ مین ہے، کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان کارفرما، داروغہ اور فرمانروا بناکر نہین بھیجا گیا، کہ لوگون سے بزور اپنی بات منوالے،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا،
إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شوریٰ-۵)

تو اگر وہ انکار کرین تو ہم نے تجھکو اُن پر نگہبان بناکر نہین
بھیجا، تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے،

کافرون نے جب بھی رسولون کو جھٹلایا، اُنھون نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ماننے نہ ماننے کا تمھین اختیار ہے،

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ
مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ، قَالُوا رَبُّنَا
يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ، وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ، (یٰسین-۲)

کافرون نے کہا تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، خدا نے کچھ نہین
اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو، رسولون نے جواب دیا ہمارا پروردگار
خوب جانتا ہے، کہ ہم بھیجے ہوئے ہین، اور ہمارا فرض
صرف کھول کر پہنچا دینا ہے،

خود اللہ تعالےٰ نے بھی رسولون کو تسلی دی ہے، کہ ان منکرون کے انکار سے دل شکستہ نہ ہو، اگلے پیغمبرون کے منکرون نے بھی یہی کیا تھا، تمھارا فرض اُن کو منوانا نہین، اُن تک ہمارا پیام پہنچانا ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا
مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا

اور مشرکون نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور
کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اُس کے

حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ، (نحل-۵)

حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے، (خدا کہتا ہے کہ) ایسا ہی
کیا تھا اون کے پہلون نے، کیا ہمارے پیغمبرون پر
پہنچا دینے کے سوا کچھ ہے؟

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (عنکبوت-۲)

اگر تم جھٹلاؤ، تو کیا ہے، تم سے پہلے بھی قومین جھٹلا چکی ہین
اور رسول پر نہین لیکن کھول کر پہنچا دینا،

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے،

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ، (مائدہ-۱۳)

رسول پر نہین ہے لیکن پہنچا دینا، اور اللہ جانتا ہے جو تم
ظاہر کرتے ہو، اور جو چھپاتے ہو،

بقیہ آیتین حسب ذیل ہین، جو ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہین،

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ (مائدہ-۱۲)

اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور بچو، اور
اگر تم نے منھ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف
کھول کر پہنچا دینا ہے،

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۚ وَاِنْ
تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ، (نور-۷)

کہدے اے پیغمبر! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو،
پھر اگر وہ منھ پھیرین، تو رسول پر وہ ہی جسکا اوسپر بوجھ ہی اور تم پر
وہ ہی جسکا بوجھ تم پر ہے، اگر اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے،
اور رسول پر نہین لیکن کھول کر پہنچا دینا،

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ،
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (نحل-۱۱)

اسیطرح اللہ تیرا اپنا احسان پورا کریگا، تاکہ تم مسلمان ہو جاؤ، اور اگر
انھون نے منھ پھیرا تو تجھپر سوا اسکے کچھ نہین کہ کھول کر پہنچا دے،

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور خدا کا کہا مانو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو، اگر تم نے

فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (تغابن-۲) منہ پھیرا تو ہمارے رسول پر صرف کھولکر پہنچا دینا ہے،

پیغمبر کا قول ہے،

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ تو اگر تم منہ پھیرو تو مین جو پیام دے کر تمھارے پاس بھیجا گیا

(ھود-۵) وہ مین نے تم کو پہنچا دیا، (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا)

ان تمام آیتون کا تعلق نبوت کے منکرون سے ہے، یہان پر یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے، کہ جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہون، ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت، پند و موعظت، اور سمجھانے کا ہے، لیکن جو خوش قسمت اقرارِ نبوت کی سعادت کو حاصل کر لین، تو اُن کا تعلق رسول سے پھر اتباع و پیروی و اطاعت کا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد رسول اوس کو تبلیغ ہی نہین، بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت، دوسرے ملک کے کسی باشندہ کو زبردستی اپنی رعایا نہین بناتی لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بنجائے تو پھر اس کے قانون کی پیروی پر بزور مجبور کیا جائے گا، کہ رعایا بننے کے معنی ہی اوس کے قانون کے قبول کرنے کے ہین،

انبیاؑ کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ دنیا مین جس قدر پیغمبر آئے، وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لیکر آئے، وہی توحید وہی نبوت، وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جزا و سزا، اور عمل کی پرسش، اس لحاظ سے انبیاؑ کی تعلیم مین کوئی اصولی فرق نہین، اس لیے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا الایہ، یعنی خدا نے تمھارے لیے وہی دین شروع کیا، جو نوحؑ وغیرہ دوسرے پیغمبرون کو دیا، اور اسی کا نام اسلام ہے، لیکن انبیاؑ کی تعلیم کا اہم الاصول اور سب سے ضروری جز توحید ہے، اور وہی نبوت کے ساز کا اصلی اور ازلی ترانہ ہے،

ممکن ہے کہ دنیا مین اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گذرے ہون، اور اُن کی دعوت بھی مفید ہو، ان کے اخلاقی وعظ بھی دل پسند ہون، وہ یونان کے حکیم ہون، یا ہندوستان کے اوتار، لیکن اونکی تعلیم مین اگر توحید کی دعوت شامل نہین، تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہین، کہ پیغمبرانہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت

ہے، اگر یہ نہین تو نبوت بھی نہین فرمایا،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ	اور ہمنے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہین بھیجا لیکن اونکو یہ وحی کی
اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیا)	کہ میرے سوا کوئی معبود نہین، میری ہی پرستش کرو،
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا	اور ہر قوم مین ہم نے ایک رسول بھیجا، کہ خدا کی عبادت
اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (نحل - ۵)	کرو اور بتون سے پرہیز کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے، اسلام سے پہلے جس مدعی نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہین اوسکو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہین،

نبوت کی غرض غایت انبیاء علیہم السلام کی آمد کی غرض وغایت کو شاعرانہ زبان، اور خطیبانہ جوش بیان مین بہت کچھ بتایا جا سکتا ہے، لیکن یہان مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنایا جائے، جو محمد رسول اللہ صلعم کی وحی مبارک کی زبان سے ادا ہوئے ہین، اصل دعوی وہی ہے، جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو، نہ کہ گواہ،

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اُس روز الست کے بھولے ہوئے ازلی عہد و پیمان بندگی کی یاد دہانی ہے،

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ	اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھون سے اونکی نسلون سے
ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ	عہد لیا، اور اونکو خود اونکے اوپر آپ گواہ کیا، کہ کیا مین تمھارا پروردگار
بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ	نہین ہون، انھون نے کہا کیون نہین تو ہی، ہم نے گواہی دی
الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (اعراف ۲۲)	کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اوسکو بھول گئے تھے،

اس لیے ضرور ہوا کہ ان کو موقع بموقع اون کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے،

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے، کہ اُن کا وجود بنی آدم پر اتمام حجت ہے، ممکن ہو کہ آدم کے فرزند یہ بیجا عذر کرین، کہ ہم کو کوئی یاد دلانے والا نہین آیا تو فرمایا،

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ	رسول خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے تاکہ رسولون

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ۲۳) کی آمد کے بعد لوگون کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے،

تذکیر کے بعد نبی کا فرضِ اوّلین ہدایت اور رہنمائی ہے، کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہر اور مورد ہین، اسی لیے ایک آیت مین نبی اور رسول کے لیے ہادی کا لفظ آیا ہے، فرمایا،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد-۱) اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا،

سورہ شوریٰ مین فرمایا،

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ ۵) اور تو اے پیغمبر سیدھی راہ دکھاتا ہے،

سورہ انبیا مین بہت سے پیغمبرون کے ذکر کے بعد ہے،

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (انبیاء-۵) اور ہمنے اُن پیغمبرون کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے

اسی طرح اُن آسمانی کتابون کو جو اون کو دیگئی تھین، بار بار ھُدًی (ہدایت) کہا گیا ہے، اور کہین اُن کو ضیاء اور نور (روشنی) کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے،

اس ہدایت اور رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے، کہ وہ بندگانِ الٰہی کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق کی روشنی مین لاتے ہین، انسان جن فاسد خیالات، بیہودہ افکار، بے سود اعمال کی تاریکیون مین پھنسکر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہوجاتا ہے، انبیا ان اندھون کے ہاتھ پکڑ کر اون کو ظلمات سے انوار مین لاتے ہین، اُن کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، اور ظلمت کے بجاے نور عطا کرتے ہین،

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (حدید-۱) وہی اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتین اتارتا ہے، تاکہ وہ تم کو تاریکیون سے نور مین لائے،

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال مین ہے، جب کبھی مزاجِ انسانی کیطرح اوس کے اون عناصر مین جنسے اوسکی ترکیب ہوئی ہے، افراط و تفریط پیدا ہوگی، روے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتون اور قومون مین بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی، کبھی دونون پلے برابر نہ ہون گے، آسمان

سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو مین تلا ہوا ہے، کیمسٹری اور علم الفلک کا واقفکار اس ترازو کو اپنی آنکھون سے دیکھتا ہے، اور حیرت کرتا ہے کہ کہین ایک ذرہ کی کمی بیشی نہین ہے جس طرح اس مادی دنیا مین یہ حیرت انگیز توازن ہے، ٹھیک اُسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا مین بھی اس توازن کی ضرورت ہے، عقائد ہون کہ عبادات، اخلاق ہون کہ معاملات، اسی توازن کا نام **حق** اور **عدل** ہے، فرمایا،

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ، وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ، (رحمٰن - ۱)

اور آسمان کو اونچا کیا، اور ترازو رکھی، کہ اس ترازو مین کمی بیشی نہ کرو، اور تول کو ٹھیک رکھو، اور ترازو کو گھٹاؤ نہین،

یہ توازن اور برابر تول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ مین اور اوس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام مین خالقِ فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے، یہی توازن اور برابر کا تول رسولون کے ذریعہ آئی ہوئی میزانِ شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانون کی ایک ایک حرکت، اور ایک ایک جنبش مین ہونا چاہئے، بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ فطرت** ہے، اور با ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ شریعت** ہے، بے ارادہ دنیا کا نظام عدل اسی خدائی میزانِ فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان مین ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے، تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طمانیت، اور امن و امان کا نظام اسی میزان کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اوس کا نظام بھی درہم برہم ہونا لازمی ہے، فرمایا،

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید - ۳)

ہم نے بے شبہہ اپنے پیغمبرون کو کھلی دلیلین دے کر بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ عدل کو قائم کرین،

انبیاؑ کی بعثت کی یہ غرض و غایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق **عدل** اور توازن کو قائم رکھنا

اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن و سلامتی کے لیے ہے، آج یورپ کے الحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پُر شور بنا دیا ہے، آج رسولون کی اہمیت اور اونکی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک و شبہات کی ژالہ باری ہو رہی ہے، لیکن وہمی و خیالی مباحث سے قطع نظر کر کے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک اقلیم، اور ایک ایک آبادی کا جائزہ لو، آج جہان کہین بھی سچائی کی کوئی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن چمکتی ہے، وہ اسی مطلعِ خورشید سے چھنکر نکلی ہے، کوئی دیندار ہو یا ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکیم ہو، یا افریقہ کا جاہل، یورپ کا متمدن ہو، یا صحارٗی کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موحد، مجوسی ہو یا ہندو، مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو، یا دیہاتی، ہمالیہ کی چوٹی پر آباد ہو، یا زمین کی گہرائی مین، کہین بھی ہو، کوئی بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے، اور نیکی اور بدی کی تمیز سے آشنا ہے، تو وہ خدائی رسولون اور ربانی پیغمبرون کے علاوہ کس معلم کی کوششون کا ممنون ہے؟ آج جہان بھی عدل و میزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم، یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف و تقریر و خطبہ کا اثر نہین ہے، بلکہ طبقۂ انبیار ہی کی بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ مین کیسے ہی بدترین مبلغ سہی مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی نکوکاری، حسنِ خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوت اونھین کی زبانون سے ہو رہی ہے، جو رسولون کے پیرو، اور پیغمبرون کے تابع ہین، جو عقیدہ کے ملحد ہین، اون کی بھی نکوکاری اونھین پیغمبرون کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور سے پیغمبرون کے منکر ہین، وہ بھی عملی طور سے اُن کی تعلیم کے مُقر، اور معترف ہین، اسی لیے انبیاؑ کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر ظاہر ہوا ہے، اور قرآن نے آسمانی کتابون کو بار بار رحمةً و هدىً، رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجنے کا جو اعلان کیا ہے، وہ تمامتر اسی غرض و غایت کی تشریح ہے، اور اسی لیے خاتمِ نبوت محمد رسول اللہ صلعم کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بنکر آئی، فرمایا

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ،	اور ہم نے تجھ کو (اے محمد!) تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے،
(انبیاء - ۷)	

تائید و نصرت انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں، خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئیں، کتنی ہی رکاوٹیں ہوں کتنی ہی تکلیفوں اور زحمتوں کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے، پیغمبروں کی سیرت، اور اون کی دعوت کی تاریخ، خود اس دعوی پر گواہِ صادق ہے، قرآن نے کہا،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُونَ، (الصّفّٰت - ۵)	اور ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لیے پہلی ہی طے ہو چکی ہے، کہ یقیناً انھیں کی مدد ہوتی ہے، اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوتا ہے،

نہ صرف اس دنیا میں بلکہ حشر کے دن بھی انھیں کو اور اُن کے ذریعہ اہلِ ایمان کو کامیابی ہوگی،

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ، يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ، (مومن - ۶)	اور بےشبہہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد اس دنیا میں کرتے ہیں، اور اُس دن بھی جب گواہ کھڑے ہونگے، جس دن گنہگاروں کو اُن کے بہانے کام نہ دینگے اُن پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کیلئے بُرا گھر ہوگا،

پیغمبروں پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہیں، جب اپنی قوم کے قبول ہدایت کی طرف سے پوری مایوسی ہو جاتی ہے، اور اُمید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی، اور عذاب میں دیر ہونے کے سبب اُنکے منکر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن کو عذاب کی دھمکی جھوٹ دیگئی، تو دفعۃً امید کا دروازہ کھلتا ہے، اور خدا کی تائید و نصرت کے پرچم آتے اس طرح دکھائی دیتے ہیں، کہ صالح لوگوں کے دل قبول کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں، اور معاندوں پر کسی نہ کسی طرح عذاب آکر اُن کا استیصال ہو جاتا ہے، فرمایا،

حَتّٰٓى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا، (یوسف - ۱۲)	یہانتک کہ جب پیغمبروں کو (اپنی قوم کے ایمان سے) مایوسی ہونے لگی اور اونکے منکروں کو یہ خیال ہونے لگا کہ اونسے جھوٹ کہا گیا، تو

اللہ تعالیٰ کی یہی تائید و نصرت اور حفاظت دعوت کا یہ یقین اون کو ہوتا ہے، کہ وہ ہر مشکل کو اس راہ

ہین جھیل لیتے ہین، اوراپنے سرون کو ہتھیلیون پر لیے پھرتے ہین، مخالفون کی فوج ولشکر، تیغ وخنجر اورخوف و خطر کے باوجود اپنی دعوت وتبلیغ کے فریضہ سے باز نہین آتے، اورکسی دام پر بھی مخالفون سے صلح پر آمادہ نہین ہوتے، منکرون کو شروع شروع مین اون کی ظاہری بیچارگی اورتنہائی کو دیکھکر، اُن کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے سوءظن کی تردید کرکے فرماتا ہے،

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ، (ابراهیم-۷) — سو تومت خیال کرکہ اللہ اپنے رسولون سے وعدہ خلافی کرے گا،

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے، کہ سچائی کے ان پکارنے والون ہی کی آخر جیت ہوگی،

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (مجادلہ-۳) — اللہ لکھ چکا کہ مین ہی غالب ہونگا، اور میرے رسول،

خاتمہ — اس تفصیل اورتشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا،

فلسفی را از پیمبر وا شناس — آبگینہ را ز گوہر وا شناس

آبگینہ را نہ پنداری بدست — جز دمیکہ گوہرے آری بدست

چون گہر آمد بدستت شب چراغ — آبگینہ شد سیہ چون پر زاغ

فلسفی اندر بنِ چاہِ نژند — نردبان دارد بخورشیدِ بلند

نردبانش می بردتا چند ارش — پس بچاہ افتد نگون گشتہ سرش

وان پیمبر خود زبام آسمان — رشتۂ افگندہ سوئے خاکیان

رشتۂ جان را بدین رشتہ بتاب — پس برآ، تا بارگاہِ آفتاب

زآسمان پیغمبر آوازت دہد — فلسفی از خاک پروازت دہد

این ز دورت رہنماید سوے جان — وان بخواند خود ترا از کوے جان[1]

---

[1] از دیوان فارسی مولنا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء

شبِ ظلمت

پیغمبرِ اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے، کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خنکی سخت امس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شب تار ہی مین ہوتی ہے، اور فضا جس قدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشان نظر آتی ہے، تو اس مین شبہ نہین کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے مین یہ لحاظ رکھنا چاہیے، کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی مین مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی، جس کے لیے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی، اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرما سکے،

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ	جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہین، وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے
یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (فتح - ۱)	ہین، اور اُن کے ہاتھون کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے،

اسلام یا محمد رسول اللہ صلعم کے پیام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے، کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی و اخلاقی و معاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہمین دیکھنا چاہیے، کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اُس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے، کہ وہ ایک ایسا کرۂ ارضی تھا جس پر آفتاب نہین چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا مین سچے اور صحیح عقیدہ کا کہین وجود نہ تھا، توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا، مصر یونان و روم مین، سورج، چاند، اور مختلف سیارون اور ستارون کی خدائی تھی، انھین کے معبد تھے، اور انھین کے نامون پر بے گناہ انسانون اور جانورون کی قربانیان چڑھائی جاتی تھین، ہر جگہ پتھر کی مورتون اور مٹی

کی صورتون اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتون کی پوجا کیجاتی تھی،

اس وقت کی دنیا مین اخلاق کے تین معلم تھے، رواقی، عیسائی اور بودھ مت کے پیرو، اور یہ
تینون کے تینون تجرد، رہبانیت، اور جوگی پن مین مبتلا ہوکر اس طرح عضو معطل ہو گئے تھے، کہ دنیا کا دست ترقی
شل ہوکر رہگیا تھا، اور ایسی سخت سنگدلانہ ریاضتون کو نیکی اور عبادت کا مرادف سمجھ رکھا تھا، کہ آج انکی تفصیلات
سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہین،

یہ سچ ہے کہ مسیحؑ نے چھ صدی قبل تزکیۂ نفس کے کچھ درس دیئے تھے، لیکن مدت ہوئی، دنیا اس سبق
کو بھلا چکی تھی، یہ بھی سچ ہے، کہ موسیٰؑ نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن فتنون اور
ہنگامون کی آندھی مین یہ چراغِ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا، اور پھر یہ بھی سچ ہے، کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے
روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کی چھینٹون سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے، کہ اس سے
بھی پہلے بودھ نے آریہ ورت کے پہاڑون اور غارون مین روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے
طوفان نے ان پہاڑون کو بے نام و نشان صحرا، اور ان غارون کو درندون کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری
قوم سے برسرِ پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی،
نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذباتِ خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل و راستی اور پاکبازی
و پارسائی کے عطرِ معنبر کی خوشبو انسان کے جامۂ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خداپرستی کا نور دیوتاؤن،
دیبیون، ستارون، شہیدون، ولیون، اور مجسمون کی پرستش کی عالمگیر تاریکی مین چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے
حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے، کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، کوئی نجات
دہندہ، آخری بار وجود مین آئے، اور وہ انسانیت کے شیرازہ مین، جو عرصۂ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا
پھر نظم و انتظام پیدا کر دے، اور روحانیت و خداپرستی کے خزان رسیدہ باغ کو از سر نو پُر بہار بلکہ سدا بہار، اور
دنیا کے ظلمتکدہ کو پھر مطلعِ انوار بنا دے،

یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لیے ہمین مختلف قومون اور اُن کے مذہبون کی تاریخ پر ایک ایک کرکے نظر کرنی چاہیے،

ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟

محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کے وقت مصر، یونان، کالدانیا، اسیریا، اور بابل کی عظمت، افسانۂ پارینہ بن چکی تھی، خود عرب و مضافات عرب مین جو نامور حکومتین کبھی تھین، مثلاً نابتی، حمیری، سبائی وغیرہ، مدت گذری کہ ان کا خاتمہ ہوچکا تھا،

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے، کہ صبحِ سعادت کے طلوع کے وقت مین کون کون قومین دنیا پر حکمران تھین، اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی، اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی حالت کے سنبھالنے کی کہان تک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتین دو ہی تھین، فارس اور روم، فارس کا مذہب مجوسیت تھا، جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا، اور روم کا مذہب عیسوی تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینون براعظمون کو گھیرے تھا، لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور قومین بھی ذکر کے قابل ہین، جنمین سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے، اور وہ یہود اور ہندو ہین،

مجوسِ فارس

عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی، جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ مین اوجِ کمال پر تھا، مگر عہدِ بعثت سے سوڈیڑھ سو برس پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال گھٹتے گھٹتے سایہ سا رہگیا تھا، مسلسل بغاوتون، سفاکانہ خونریزیون اور سیاسی بدامنیون نے اس کو تہ و بالا کردیا تھا، بادشاہون کے ظلم و ستم اور امرا کی عیاشیون اور خودغرضیون نے صداقت، اخلاص، اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جن کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے افنا کردیا تھا،

ایران مین بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اوسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر مین افلاک اور ستارون کی کارفرمائی آج تک نمایان ہے، زردشت نے اس تاریکی مین اپنی آگ روشن کی، اور نور و

ظلمت یا خیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرمن اُسکے دو خدا اور آگ اوسکی مسجود بنی، اسلام سے کچھ صدیان پیشتر مانی
نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک نیا مرقع تیار کیا تھا، جس مین نور و ظلمت کے فلسفہ کا
ایسا گورکھ دھندا بنایا تھا جس سے اخیر اخیر تک اس قوم کو نکلنا نصیب[1] نہ ہوا، اوسکی تعلیم یہ تھی کہ دُنیا سے گوشہ گیری
کر کے اُس کو ویران و برباد، اور ترک ازدواج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے، تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے[2]
اخلاقی حیثیت سے محرمات کا وجود ہمیشہ اُن کے ہان مختلف فیہ رہا، باپ کا بیٹی کو، اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت
مین لینا وہان کوئی غیر معمولی بات نہ تھی[3]، یہ سنکر کسقدر حیرت ہوگی، کہ یزدگرد ثانی جو پانچوین صدی عیسوی کے
وسط مین وہان کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا، اور پھر اوس کو قتل کر ڈالا[4]، عورتون کو اس قوم
اور اس مذہب مین جو حیثیت حاصل تھی، وہ اُن افسانون اور مقولون سے ظاہر ہے، جو ایرانی ادبیات کا
اب بھی جزو ہین، اور جو شاہنامہ کے اوراق مین اب بھی ہر شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتون کی بیوفائی، بداخلاقی
اور اُن پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا،

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے، جن کو سجدے کیے جاتے تھے[5]، اون کی الوہیت
کے گیت گائے جاتے تھے، اون کے دربار مین کوئی بیٹھ نہین سکتا تھا، اون کے خلاف کوئی گستاخی کی
جرأت نہین کر سکتا تھا، اُن کے جرائم پر اُن کو سزا نہین دیجا سکتی تھی، رعایا اُن کے مظالم کے سامنے دم نہین
مار سکتی تھی،

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیون کی دائمی جنگ سے پریشان حال تھا، اور گرجاؤن اور آتشکدون کی
باہمی آویزش کا غیر مختتم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے، تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیسے بنجاتے، اور جب ایرانی

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی، و کتاب البدء والتاریخ مقدسی فرقہ مانویہ [2] تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی، مطبوعہ پیرس
صفحہ ۵۰۲، [3] ایضاً صفحہ ۲۷، ابو داؤد مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین حکم دیا کہ مجوسیون کو اس فعل شنیع سے باز رکھا جائے
(کتاب الخراج والامارۃ والفئ جلد دوم صفحہ ۲۶)
[4] مورخون کی تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴، [5] غرر اخبار الفرس ثعالبی، صفحہ ۵ پیرس،

غالب آتے، تو کلیسے لوٹکر آفتاب دیوتا کے معبد اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے، یہودیون پر جو مظالم توڑے جاتے اُس کا ایک مختصر سا نقشہ توراۃ کے قصۂ ایستر مین نظر آتا ہے، اور بعد کو مفتوح عیسائیون پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے، اوسکی تفصیل گبن کے اوراق مین منتشر طور پر ملے گی،

بعثت سے پہلے جہانبانی کا قرعہ قباد اوّل بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملون اور اندرونی بدنظمیون کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قباد کو قید کر دیا[1]، قباد نے قید خانہ سے بھاگ کر تاتاریون کے پاس پناہ لی، اوران کی اعانت سے دوبارہ تاج حاصل کیا لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ مصیبت یہ نازل ہوتی ہے کہ اس کے عہد مین مزدک نام ایک شخص پیدا ہوتا ہے، جو اس امر کی تعلیم دیتا ہے، کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی مِلک نہین، بلکہ اُن کو تمام جماعت مین مشترک ہونا چاہیئے، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی روسے، ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہو سکتی تھی، عیش پرست اور ہوس ران امراء اور عوام دونون نے اُس کو خوشی خوشی[2] قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ مین ترقی حاصل کی، اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت مین نمایان حصہ لیا، قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے، وہ ظاہر ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ مین سرشار ہو گیا،

سنہ ۵۳۱ء مین قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی، ایرانیون مین اس کی عدل پروری اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزون اور افسرون اور ہزارون بے گناہون کے قتل کے بدولت ملا، مزدکی فتنہ کو اُس نے تلوار کے زور سے دبانا اور کیش زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا، مگر خود اُس کا بیٹا نوشزاد تثلیث پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پاداش مین قید ہوا، اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لے کر زردشتیون سے صف آرا ہوا اور مارا گیا،

سنہ ۵۷۹ء مین نوشیروان نے وفات پائی، اور ایران کا تخت، ہرمز چہارم کے حصہ مین آیا، اغیار کی

---

[1] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۲۱ ص ۲۲۳، [2] غرر اخبار الفرس ثعالبی صفحہ ۵۹۹ پیرس،

دست اندازیون کیساتھ، اندرونی بدنظمی اور باہمی خانہ جنگی، بادشاہون کی تغافل شعاری، امرا کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط مین برابر ترقی ہی ہوتی گئی، یہانتک کہ ۶۳۲ء مین مجاہدین اسلام کی فتحمندی کے طوفانی صرصر کے سامنے ملک فارس کی پٹمٹاتی ہوئی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ گئی،

اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا، کہ ایران کی سرزمین نغمۂ توحید سے کبھی گوش آشنا نہین ہوئی، اخلاق کے متعدد ابواب ہین جو اون کے آئین مین کبھی داخل نہین ہوئے، یزدان واہرمن، نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیون نے ان کو ہمیشہ سرگردان رکھا، حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا ہمرتبہ تھا، اسلام و فارس کی جنگ مین مغیرہ بن شعبہ مسلمانون کی طرف سے سفیر بنکر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ مین گئے، اور آزادی کے ساتھ جاکر برابری سے بیٹھ گئے، تو ایرانی امیرون کو اس مین اپنے نائب السلطنۃ کی توہین نظر آئی، اور اُن کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا، اونھون نے جواب مین کہا، "ہم عربون کا یہ دستور نہین کہ ایک خدا بنکر بیٹھے اور دوسرے اُس کے سامنے غلامی اور بندگی کرین[1]"

آنحضرت صلعم کی ولادت سے تقریبًا ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران مین جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہوگیا تھا، وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے، کہ فارس کے روحانی آتشکدہ مین اب زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہین رہ گئی تھی، اسی لیے جب اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس کے شیوع کے لیے کوئی دوسرا پردہ بیچ مین حائل نہ ہوا، سرجان ملکم جنکا مسیحی تعصب، عساکر اسلامی کو ان کی زبان سے "قزاقانِ عرب" کا لقب دلواتا ہے، فتح فارس کے متعلق حسب ذیل راے دیتے ہین:-

> یزدجرد ثالث کا عہد حکومت اس لیے یادگار ہے کہ اسی زمانہ مین فارس کی قدیم شہنشاہی کا تختہ برہنہ تن "سوسمار خوارون" کے ایک دستہ نے الٹ دیا کہ اسی تحقیر آمیز لقب کیساتھ عرب قبل کے یہ مغرور ہمسایہ اُن کا ذکر کرتے تھے، اس انقلاب عظیم کی علت کوئی معمولی سبب نہین ہوسکتا

---

[1] تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۴ھ صفحہ ۲۲۷۴، مطبع بریل،

(مسلمان) فارسی مورخین، کچھ تو اپنے حبِ وطن اور کچھ اپنی وہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک معجزۂ عظیم خیال کرتے ہین، جس کے ذریعہ سے خدا نے محمدؐ کی صداقت کو ظاہر کر دیا لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہین، انھین فورًا نظر آجاتا ہے، کہ فارس کی ایسی سلطنت، جو عیش پرستی کے ہاتھون لاغر و نحیف ہو چکی ہو، جسمین اندرونی منافقات کے باعث بدنظمیان پھیلی ہوئی ہون، جو بیرونی محاربات سے یکسر خستہ و ناتوان ہو، اور جو اپنی کبر سنی اور نقاہت سے قعرِ زوال کی جانب خمیدہ پشت ہو، اس کے لیے پرجوش "قزاقانِ عرب" کی مدافعت کرنا [1] سخت دشوار تھا"

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نژاد ساسانیون کی خستگی و ناتوانی، نقاہت و کمزوری "قزاقانِ عرب" ہی کی ترقی کی کیون تمہید بنی؟ کیا نہتّے عربون کے پاس اس سے زیادہ سامانِ جنگ اور سپاہی تھے، جو عراقِ ایران کے اخیر اخیر معرکون مین بھی ایرانی عربون کے مقابلہ مین لاتے رہے؟ واقعہ یہ ہے، کہ زرتشت کی آگ مین اب گرمی نہین باقی رہی تھی، نور و ظلمت، خیر و شر، نیکی و بدی کے فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی عملی طاقت فنا کر دی تھی، "یزدان" اور "اہرمن" کی دوعملی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی بیسیون چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذہبی فرقے پیدا ہو گئے تھے، جنمین سب سے اہم مانوی فرقہ تھا، جو عیسائیت اور مجوسیت کا معجونِ مرکب تھا، آخر مین مزدکی فرقہ کی بہیمانہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی رُوح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا [2]، نوشیروان نے تلوار کی نوک سے اس فتنہ کو دبایا، اور اس کے صلہ مین "بادشاہِ عادل و دادگر" کا خطاب بھی پایا، تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کی چھینٹون کے بعد بھی اسی طرح تشنہ لب رہی، جس طرح پہلے تھی، اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمۂ ابل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے،

عیسائی روم

آغازِ اسلام کے وقت جس قدر ایران کی جسمانی و روحانی شہنشاہی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے،

---

[1] ملکم صاحب کی "تاریخ ایران" جلد اول صفحہ ۱۴۳، [2] تفصیل کے لیے فہرست ابن ندیم دیکھو صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳، مصر،

روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی، حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جولیس سیزر کا نام ہمیشہ کے لیے قیصر کی صورت میں بادشاہ و شہنشاہ کا مرادف بنگیا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سلطنت میں مبعوث ہوکر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سناکر رخصت ہوئے، اُن کے رفع و صعود کے بعد ہی اُن کے شاگردون مین فرقہ آرائیان شروع ہوئین، اور بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا، اس طرح عیسائیون پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی خاک مین اصلی عیسویت ہمیشہ کے لیے دفن ہوگئی، اور باپ، بیٹے، روح القدس کا مشرکانہ عقیدہ اس مین داخل ہوگیا، اور توراۃ جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰ بھی مٹا نہین سکتے تھے[۱]، وہ اُن کی روحانی شاگردی کے مدعی (پال) کے ہاتھون ہمیشہ کے لیے لعنت[۲] قرار پائی، ۳۲۵ء مین رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہوگئے، مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت مین یہ مذہب پھیل گیا، مگر درحقیقت اُس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب کا جذبہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ، بیٹے، اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت مین ہر نیا ملک جو فتح ہوتا، اس کا دیوتا کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب مین شامل ہوجاتا، تخت سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی خاکسارون مین یہ حوصلہ پیدا کردیا، کہ کلیساؤن نے مذہبی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کردیا، اس کے لیے عقائد کی وہ لڑائیان کھڑی کی گئین، کہ شاہانہ سایہ مین بیٹھکر بھی کونسلون نے خدا کے دین کا خاکہ تیار نہین کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر بیسیون فرقون مین تقسیم ہوگیا،

۳۳۷ء مین قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگیون کے ساتھ ساتھ رومیون کی سیاسی خانہ جنگیون کی زیر خاکستر آگ بھی زور شور سے شعلہ زن ہوئی، اعیان سلطنت مین مختلف گروہ بندیان ہوگئین، اور باہمی

---

[۱] انجیل متی ۔ ۵ ۔ ۱۷ ۔ ۱۸ [۲] یہ مضامین عیسائیون کی انجیل کے حصۂ اعمال اور خطوط مین جابجا بتصریح مذکور ہین،

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین صلعم کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول گبن کے، اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اور (گبن کی زبان مین) اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہوگئی تھی، جس کے سایہ مین ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھین، مگر اس پر ایسی خزان آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخین اور ٹہنیان بھی رخصت ہوگئی تھین، اور اب خالی تنہ خشک ہو رہا تھا، خود پایہ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا، کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے، وہ بازار اور تماشا گاہین جہان دن رات چہل پہل رہتی تھی، اب ویران اور سنسان پڑی تھین، عیش پرستی کا یہ عالم تھا، کہ لوگ ایک عرصہ سے تاہل کے بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکین[۱]،

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے، جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہین تو اس سے بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے، بت پرست رعایا کو چھوڑ کر جو ستارون، دیوتاؤن اور بتون کی پوجا مین بدستور مصروف تھین، اور جنھون نے عیسائیت قبول بھی کر لی تھی، وہ باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدائی کے معتقد تھے، حضرت عیسٰی اور مریم و روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعیین نے بیسیون فرقے پیدا کر دیئے تھے، جنھین زبانی مناظرون سے گذر کر جنگ و جدل کی نوبت آگئی تھی، یہانتک کہ ۱۴ھ مین خود عیسائیون کے دو گروہون کے درمیان ایک عظیم الشان مذہبی جنگ چھڑی جسمین ...۱۵ عیسائیون کو خارج البلد ہونا پڑا[۲]، اس جنگ عظیم کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا، اور بارہا چھوٹی چھوٹی باتون پر کشت و خون کی نوبت آجاتی، پادریون نے اپنے منصب مذہبی کو حصول جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے لیا تھا، اور اس بنا پر محض حب جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششون مین مصروف رہتے تھے، ان پادریون کے ایک اسقف اعظم سینٹ سرل نے جو جو سفاکیان کی ہین، ان کی تفصیل کے لیے ایک

[۱] گبن، جلد ۳ ص ۲۷۲، [۲] ایضاً ” ص ۲۴۴،

پوری کتاب درکار ہے، ایک مرتبہ اُس نے اپنے مریدون کو ہمراہ لیکر غیر مسلح یہودیون پر دھاوا کیا، اوران سب کو جلاوطن کردیا،[1] اُن کا مال اسباب سرل کے مریدون کے ہاتھ لگا، اوران کے معابد زمین کے برابر کردیئے گئے، سرل کا حریف ارسٹس نامی پادری تھا، ایک روز جب ارسٹس راستہ سے گذر رہا تھا، تو ۵۰۰ راہبون کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اوراپنی سنگ باری سے اُس کو خون مین نہلادیا،[2] سرل کی ایک خاتون دوست ہاپیشیا نامی تھی، ایک روز وہ اپنی درسگاہ سے واپس آرہی تھی کہ راہبون کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کردیا، گاڑی سے اتار کر برہنہ کیگئی اوراس حالت مین تمام شہر کی سڑکون پر گھسیٹتے ہوئے اُسے کلیسا مین لائے، جہان پہنچکر پادری پیٹر کے گرز سے اس کا خاتمہ کردیا گیا، قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیون سے جدا کیا گیا، نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے، اور آلایشِ جسم کو آگ مین ڈال دیا گیا،[3] یہ واقعات ایسے ہین جنکے ذکر سے آج قلم لرزتا ہے، مگر یہ عیسائی مذہب کے علمبردارون کا سب سے روشن کارنامہ ہے، یہی حالت اُن تمام ملکون کی تھی جہان رومیون کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا، یعقوبی، نسطوری، اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز صوبون اور ملکون مین اپنی پناہ ڈھونڈھتے تھے، نائیس کی کونسل کے بعد آریوس اوراُس کے حریفون مین جو معرکہ آرائیان ہوئین، انھون نے اس حقیقت کو واضح کردیا کہ "شہزادۂ امن" کا مذہب ان جنگ جوؤن کے ہاتھون تباہ وبرباد ہونے سے بچ نہین سکتا،

مسٹر مارس، جو پیغمبر اسلام کو، نعوذ باللہ، بہت بڑا مکار قرار دیتے ہین، اپنی "تاریخ ہندوستان" مین ضمناً ایک موقع پر تحریر کرتے ہین:-

"اس نازک موقع پر (یعنی ظہورِ اسلام کے وقت) ان بیباکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ کو نجس کررہے تھے، اور اختلافات کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان، جو چرچ مین ایک ہلچل ڈالے ہوئے تھے، اگرچہ مشرق مین اصلی مسیحیت کی شعاع نظر آتی تھی، لیکن بہت ہی مدھم، روم کے

[1] گبن جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ [2] ایضاً ۳۵۲ [3] ایضاً ،، نیز ڈریپر "تاریخ معرکہ آرائی مذہب و سائنس" صفحہ ۵۵،

قیصرون کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعون اور کچھ بیرونی حملون کے باعث اپنی بنیاد سے اکھڑ کر فنا کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھی، یہود بے صبری کے ساتھ گلیلی کے اس حقیر شخص کے مذہب پر نظر کر رہے تھے، جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد، پوری شان و شوکت اور شاہی عظمت حاصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لیے تیار تھے، جو ایسے قابل نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے ...... اہل فارس نہایت غیظ و غضب کے ساتھ ان پر جوش و نا روادار فتحمند عیسائیون کو دیکھ رہے تھے، جنھون نے ان کے معبود "آتش شمسی" کی بے حرمتی کی تھی، اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ معبودون اور ڈھیے ہوئے معبدون پر ماتم کر رہی اور اُن کے انتقام کے لیے آمادہ اور مستعد تھی[1]"

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی مین خواہ کتنا ہی مسیحی رنگ بھرین لیکن نفس واقعات کی صحت انکو شاید ہم سے بھی زیادہ مسلّم ہے،

بہرحال مورخین کا بیان ہے، کہ تیسری صدی سے لیکر ساتوین صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے، وہ اس کے لیے باعث ننگ ہے، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، اصل رومی بت پرستانہ عقیدون نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا، حضرت مسیح کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصرون کی تحلیل، مصر کو قابو مین لانے کے لیے کیگئی، جس سے حضرت مسیح کے "وہی ایک ہے" کی تعلیم ہمیشہ کے لیے اُن کے مذہب سے مٹ گئی، ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی، کہ قبر پرستی عام ہو گئی تھی، اور ہر بڑے پادری سے اوسکی وفات کے بعد دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام مین جو بڑے پادری اور بطریق تھے، اُن کے معتقد اُن کو سجدے کرتے تھے[2]، مسیح و مریم، روح القدس اور حوارین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسّمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے ہونے لگی، کہ اس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی مین بھی نہین ملتی[3]،

---

[1] مارس کی تاریخ ہندوستان، جلد اول صفحہ ۱۶۲، [2] سنن ابن ماجہ باب حق الزوج علی المرأۃ [3] سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن مقدمہ صفحہ ۲۵ و ۲۶

سیل صاحب ترجمۂ قرآن کے دیباچہ مین لکھتے ہین :-

"گرجا کے پادریون (CLERGY) نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے، اور امن، محبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا، اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیون پر جھگڑتے تھے، اسی تاریک زمانہ مین اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لیے باعث ننگ ہین مذہبی صورت مین قائم کیے گیے خصوصًا ولیون اور مجنون کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی،

نیس کی کاونسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات مین مشغول ہوگیا، اور ایرینس سبلینس، نسطورینس، اور یوٹیکینس کے جھگڑون مین ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، انصاف علانیہ فروخت کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی بدعنوانیان ہوتی تھین،

مغربی چرچ مین ڈمیسس اور ارسی سی نس نے بشپ کی جگہ حاصل کرنے کے لیے قتل تک نوبت پہنچا دی اور آخر ڈمیسس کی فتح ہوئی، اس موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ سسی نینس (SICININUS) کے گرجا مین ایک روز مین ۱۳۷ آدمی قتل کیے ہوئے پائے گئے، اور کوئی حیرت نہین کہ یہ لوگ ان جگہون کے اس قدر خواہان ہوتے تھے، اس لیے اس ذریعہ سے اُن کو گران بہا تحفے ملتے تھے، اپنی گاڑیون پر نہایت تزک و احتشام سے نکلتے تھے، اور اُن کے دسترخوان پر بادشاہون سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی،

ان مناقشات کا سبب زیادہ تر شہنشاہ ہوا کرتے تھے، جسٹینین کے وقت مین حالت اور زیادہ خراب ہوگئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفون کو مار ڈالنا کوئی جرم ہی نہ تھا،

بادشاہون اور پادریون مین عقائد اور اخلاق کی جو خرابیان پھیلی ہوئی تھین اُس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی متنزل ہوگئی، اُن کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی مین اڑاتے تھے،

عقائد کی خرابی کے علاوہ روم اور فارس کی سلطنتیں بھی کمزور ہوگئی تھیں، شہنشاہ قسطنطین کے بعد روم کی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی، عام طور سے اس کے جانشین بزدلی اور مظالم کیلیے مشہور تھے، آنحضرت صلعم کے وقت تک ملک کا مغربی حصہ گاتھ لوگوں (GOTHS) نے روند ڈالا تھا۔ . . . . یونانیوں کی عیش پسندی اور اخلاقی تنزل نے اُن کی قوت کو زائل کر دیا تھا،

رومیوں نے عیسوی مذہب کو جس صورت میں قبول کیا تھا، اوسکی تصویر ڈریپر کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

"دونوں (عیسائیت اور بت پرستی) کی باہمی کشمکش کا نتیجہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر و شکر ہوگئے، اور ایک نیا مذہب پیدا ہوگیا، جسمیں بت پرستی و عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں[1]" . . . . . . جوں جوں زمانہ گذرتا گیا وہ مذہبی عقائد جنکی تفصیل ٹرٹلین نے بیان کی ہے، متغیر ہوکر ایک عام پسند مگر پایۂ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے، ان عقائد میں قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہوگیا . . . . . عقیدۂ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچہ میں ڈھال لیا گیا . . . . مریم عذرا کو "خدا کی ماں" کا لقب دیا گیا[2]"

اسی زمانہ میں ایک گروہ "مریمی" کے نام سے پیدا ہوا، جو حضرت مریم کو بھی شریک الوہیت کرکے بجائے اقانیم ثلثہ کے اقانیم اربعہ کا اعتقاد رکھتا تھا، جس کی تردید قرآن پاک نے سورۂ آل عمران میں فرمائی ہے، اسی کے ساتھ اور بہت سے معتقدات رومی بت پرستوں سے لیکر عیسائیت میں داخل کیے گئے، اور نام بدل بدلکر رومی بت پرستوں کے دیوتاؤں کے رسوم مقدس عیسائی کلیساؤں میں جگہ پانے لگے، اور ان مسائل میں بھی مختلف فرقوں کے اندر اختلافات باہمی نہایت شدومد سے پیدا ہوئے، یہانتک کہ ان مذہبی مناقشات کے

---

[1] معرکۂ مذہب وسائنس ڈریپر، صہ ۶۴ [2] ایضاً صہ ۶۵و۶۶،

تصفیہ کے لیے حکومت کو بارہا دست اندازی کرنا پڑتی تھی، رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہوگیا، اور یہ حالت ہوگئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کرسکتا اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت ملجاتی ہے[1]

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا، مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی، یہان رومن امپائر کی ماتحتی مین مذہبی مناصب کے لیے کشت وخون ایک عام ومعمولی واقعہ تھا، یہانتک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی سخت خونریز جنگ کے مقتولون کے مساوی پہنچ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے دو پادریون کے درمیان مقابلہ ہوا، تو صرف ایک دن مین ۱۳۷ آدمی کام آئے[2]، اس سفاکانہ جد وجہد کا باعث صرف یہ تھا، کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے اکتساب زر، حصول لذائذ، اور کسب جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے، چنانچہ جتنی نفیس غذائین پادریون کے دسترخوان پر رہتی تھین، اتنی بادشاہون کو بھی نصیب نہین ہوتی تھین[3]،

سلاطین اور مذہب کے حاملین کے اخلاق کا پرتو عام رعایا اور پیرودن پر لازمی طور پر پڑتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی، اسراف اور ہوس پرستی مسیحی دنیا کی آب وہوا مین سرایت کرگئی، لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے، اور بکمال بیدردی کے ساتھ اپنے مسرفانہ لہو ولعب اور عیاشی مین اڑا ڈالتے[4]،

پوپون نے اور اون کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ دارون نے اپنی اپنی جگہ پر نہ صرف شاہانہ بلکہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ مین لے لیے تھے، جو وہ زمین پر کھولتے تھے وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا، اور جو یہان بند کرتے تھے وہ وہان بھی بند ہو جاتا تھا، قرآن مجید نے اونکی اسی حالت کا ذکر اس آیت مین کیا ہے کہ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انھون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالمون اور درویشون کو اپنا خدا بنا لیا تھا

[1] سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن، مقدمہ صفحہ ۲۶ - [2] ایضاً صفحہ ۲۶
[3] ایضاً صفحہ ۲۶ ، [4] ایضاً صفحہ ۲۶-۶۸،

دینداری کا سب سے اہم جزو تجرد کی زندگی اور رہبانیت تھی، ہر قسم کے آرام و آسایش سے جسم کو محروم کر کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب مین اپنے کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی، کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، کسی نے اپنے کو دلدل مین ڈالدیا تھا، کوئی اپنے کو بوجھل زنجیرون مین جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ مین بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، کسی نے اپنے کو اندھیری کوٹھری مین بند کر لیا تھا، ماں باپ، عزیز و قریب اہل و عیال، دینداری و تقوی شعاری کی راہ کے کانٹے تھے، ان سے پرہیز بلکہ اُن سے نفرت کمال تقوی سمجھا جاتا تھا، اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا[1]،

ہندوستان | دنیا کے اون متمدن ملکون مین جہان کوئی باثر مذہب قائم تھا ایک ہندوستان بھی ہے ہندوستان کے عہد کے پانچ مختلف دور گذرے ہین، ایک[1] اصلی ہندو ویدک عہد، جو دو ہزار سال، ق م سے لیکر تقریبًا چودہ سو سال[1400] ق م تک رہا، دوسرا[2] دور جنگ، یعنی جس مین کورون اور پانڈون وغیرہ کے مناقشات رہے، اور جو چودہ سو ق م سے لیکر تقریبًا ایک ہزار قبل مسیح تک رہا تیسرا[3] دور عقلیت، جس مین حکما و عقلیین کا دور دورہ تھا، اور جو ۱۰۰۰ قبل مسیح سے لیکر تقریبًا تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا[4] دور، بودھ، جس مذہب کا عروج تقریبًا دو سو پچاس[250] قبل مسیح سے لیکر پانچوین صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا، پانچوان[5] دور، پورانک جسمین بجاے وید یا گوتم بدھ کی تعلیمات کے پرانون کی تلقین پر عمل درآمد تھا، اور یہ عہد، تقریبًا پانچوین صدی عیسوی کے اواخر سے لیکر مسلمانون کے داخلۂ ہند تک قائم رہا،

مورخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ مین سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور آخری دور ہے، جو تقریبًا سنہ ۵۰۰ء سے شروع ہوتا ہے، اس دور کے نمایان خصوصیات حسب ذیل تھے،

(۱) شرک، جو ابتدا ہی سے ہندوستان کی خمیر مین داخل تھا، اب وہ حد اعتدال سے خارج ہوگیا، چنانچہ وید مین جو ۳۳ دیوتاؤن کی تعداد تھی، وہ اب بڑھتے بڑھتے ۳۳ کرور دیوتاؤن تک پہنچ گئی[2]،

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ لیکی کی دوسری جلد مین یہ واقعات مفصل لکھے ہین، [2] آر، سی، دت کی "ہندوستان قدیم" جلد ۲ صفحہ ۲۷۶،

(۲) ویدک عہد مین اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا، لیکن اس زمانہ مین مندرون کے اندر بت پرستی علی العموم رائج ہوگئی،[1]

(۳) مندرون کے محافظین، بداخلاقی کے سرچشمہ تھے، جو لاکھون کرورون ناواقف پرستش کرنے والون کو مذہب کے نام سے خوب لوٹتے،[2]

(۴) ویدک عہد مین ساری ہندو قوم مین یگانگی تھی، لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہوگئی، جو نظامِ معاشرت کی تباہ کن تھی،[3]

(۵) عورتون کو محکومیت وغلامی کا درجہ دیا گیا،[4]

(۶) قوانین اس قدر غیر معقول و نامنصفانہ وضع کئے گیے، جن سے علانیہ بعض ذاتون کی پاسداری وحمایت اور بعض پر جبر وستم مقصود تھا، مثال کے لیے چند قوانین درجِ ذیل ہین،

(الف) برہمن کو کسی حالت مین، خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزائے موت نہین دیجا سکتی،

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہین،

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا کچھ جرمانہ کافی تھی،

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھولے تو اوسکی سزا موت ہے،

(ہ) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے، تو اوس کے اعضا قطع کر ڈالنا چاہیے اگر اوسے گالی دے تو اوسکی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے، اور اگر اوسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اوسکے منھ مین ڈالنا چاہیے،[5]

---

[1] آر، سی، دت کی "ہندوستانِ قدیم" جلد ۳ صفحہ ۲۸۱، [2] ایضاً صفحہ ۲۰۳ [3] ایضاً صفحہ ۳۰۷ [4] ایضاً صفحہ ۳۲۱، [5] ایضاً صفحہ ۳۴۳-۳۴۲-

(۷) راجاؤن کے محل مین بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی، اور رانیان اسی حالت خمار مین جامۂ عصمت اتار ڈالتی تھین[۱]،

(۸) شاہراہون پر آوارہ گرد و جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا[۲]،

(۹) خدا کی تلاش آبادیون اور بازارون مین کرنے کے بجائے جنگلون اور پہاڑون مین کیجاتی تھی[۳]، جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف اون کی بہترین عبادت تھی،

(۱۰) اوہام و خیالات فاسدہ، بھوتون، بلیتون، اور سینکڑون قسم کے ظنون و اوہام اون کا مذہب تھا، اور آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز ان کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سر بسجود ہونا اُن کا دھرم تھا، بتون، دیوتاؤن، دیبیون کا شمار اندازہ و قیاس سے باہر تھا، اور ان کے افسانون کا گیت اُن کا ترانۂ حمد تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہان آتے رہے، انھون نے تپشیا کرنے والے جوگیون کے دردناک حالات لکھے ہین، جنکو پڑھکر اونکی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے[۴]، اور اسی طرح اُن مین سے وہ سیاح جو سندھ اور دکن کے شہرون اور ساحلون سے گذرے ہین، اُن کے معبدون مین پجاری عورتون اور دیوداسیون کی جو اخلاقی کیفیتین لکھی ہین[۵]، وہ حد درجہ شرمناک ہین، اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے، کہ یہ سب خدا کی خوشنودی اور مذہبی عقیدہ کے رو سے انجام دیا جاتا تھا،

عورتین جوئے مین ہاری جاتی تھین[۶]، ایک عورت کے کئی کئی شوہر تھے[۷]، وہ بیوہ ہو کر زندگی کی لذات سے عمر بھر کے لیے قانوناً محروم کردیجاتی تھین، اور اسی لیے شوہر کے مرنے پر بعض عورتین زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھین، لڑائی مین شکست کے خوف کی صورت مین اُن کو خود اُن کے باپ بھائی اپنے ہاتھون سے قتل کر ڈالتے تھے، یہان کے بعض فرقون مین عورتین مرد کو، اور مرد عورتون کو ننگا کرکے اونکی پوجا کرتے تھے[۸]، اور

[۱و۲] آر سی دت، کی ہندوستان قدیم صفحہ ۳۶۹ [۳] دیکھو ابو زید سیرافی کا سفرنامہ صفحہ ۱۰۵ و ۱۱۰ پیرس و آثار البلاد قزوینی صفحہ ۸۱ [۴] سفرنامہ ابوزید صفحہ ۱۳۰ و احسن التقاسیم مقدسی صفحہ ۴۸۳ [۵] مہابھارت کے قصہ کا آغاز پڑھو [۶] ستیارتھ پرکاش سمولاس گیارہ صفحہ ۳۶۸ و ۳۶۹ مطبوعہ سیوک سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۲ء

مذہبی تہوارون مین شراب پی پی کر ایسے بدمست ہوتے تھے، کہ پھر انھین مان، بہن، بیٹی اور اپنی اور پرائی کی تمیز باقی نہین رہتی تھی، اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شودرون کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم ایسی غلامی مین مبتلا تھی کہ تعلیم وتربیت، تہذیب واخلاق اور دین وایمان ہر حیثیت سے محروم رہنا اس کا فرض تھا، وید کی آواز بھی اس کے کان مین پڑجائے تو اُس مین سیسہ پگھلا کر ڈالدینے کا حکم تھا،

راجاؤن کی بیویون کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساواتِ انسانی پر نہین، بلکہ ذاتون پر تھی، عورتین فروخت کیجاتی تھین،

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوا ہوگا، کہ بدءِ اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤن کی یہ جنم بھومی بھی شیطانون کے اُس جال مین گرفتار تھی، جس کے شکار فارس وروم ہو رہے تھے،

یہود | دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اُس قوم سے ہوسکتی ہے، جو سام کی اولاد مین سب سے پہلے وحیِ الٰہی کی امانت دار بنی، اسی لیے قرآن نے اُن سے کہا وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ (بقرہ۔ ۵) اور سب سے پہلے تم ہی پیغامِ الٰہی کے منکر نہ ہو" مگر یہ قوم سخت جانی کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اس نے پتھرون کے سینون کو پھٹتے، اور اُن کی چھاتیون سے میٹھے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پھر بھی اوسکے سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ مین اسکو طعنہ دیا،

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ۔ ۹) اُنکے دل پتھرون کے مانند بلکہ اون سے بھی بڑھکر سخت ہین،

اُس نے مختلف زمانون مین اپنے پیغمبرون کو جھٹلایا، اُن کو تکلیفین دین، بلکہ اُن کو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰؑ اور اُن کے بعد کوئی پیغمبر اُن مین ایسا نہ آیا، جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو، اور اُنکی سرکشی پر اُن کے حق مین بددعا نہ کی ہو، چنانچہ خود قرآن مجید نے کہا،

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل مین سے جنھون نے کفر کیا، اُن پر داؤد اور مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس لیے

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ، كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (مائدہ - ۱۱)

کہ اُنھون نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو اُس برائی سے جو وہ کرتے تھے، منع نہیں کرتے، اُن کا کام کتنا برا ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور مین کئی دفعہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کا ماتم اپنے سوز و گداز کی لَے مین کیا ہے، زبور ۷۸ مین ہے،

"اے میرے گروہ! میری تعلیم پر کان رکھ، میرے منہ کی باتین کان دھر کے سنو۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تاکہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہون سیکھین، اور وہ خدا پر توکل کرین، اور خدا کے کامون کو بھلا نہ دیں، بلکہ اُس کے حکمون کو حفظ کرین، اور اپنے باپ دادون کی طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہ ہون، نہ ایسی نسل کہ جس نے اپنا دل مستعد نہ کیا اور اون کے جی خدا سے لگے نہ رہے۔۔۔۔۔۔۔۔ باوجود اس سب کے پھر انھون نے گناہ کئے اور اُس کے عجائب قدرتون کے سبب اعتقاد نہ کیا۔۔۔۔۔ لیکن اُنھون نے اپنے منہ سے اُس کے (خدا کے) ساتھ ریاکاری کی، اور اپنی زبانوں سے اس سے جھوٹ بولے، اور وہ اس کے عہد مین وفادار نہ رہے، کیونکہ اُن کے دل اُن کے ساتھ قائم نہ رہے،۔۔۔۔۔۔ کتنی بار اُنھون نے بیابان مین اس (خدا) سے بغاوت کی اور ویرانہ میں اُسے بیزار کیا۔۔۔۔ تس پر بھی انھون نے خدا تعالیٰ کو آزمایا اور اوسے بیزار کیا، اُوسکی شہادتون کو حفظ نہ کیا، بلکہ برگشتہ ہوئے، اور اپنے باپ دادون کے مانند بے وفائی کی، وہ ٹیڑھی کمان کے مانند ایک طرف پھر گئے"،

زبور ۸۱ مین ہے،

"اے میرے لوگو! سنو کہ مین تجھ پر گواہی دونگا، اے بنی اسرائیل اگر تو میری سُنیگا تو

تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود ہو تو کسی اجنبی معبود کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا مین ہون جو تجھے مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اوسے بھر دونگا، پر میرے لوگون نے میری آواز پر کان نہ دھرا اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب مین نے اُن کے دلون کی سرکشی کے بس مین چھوڑ دیا۔

بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤدؑ سے باغی ہوکر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤدؑ نے اُن کے متعلق یہ بددعا کی،

"کہ تو وہ خدا نہین جو شرارت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہین سکتا، وہ جو شیخی باز ہین تیری آنکھون کے سامنے کھڑے نہین رہ سکتے، تو سب بدکردارون سے عداوت رکھتا ہے، تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہین، نابود کر دیگا . . . . . . اے خداوند اپنی صداقت مین میرا رہبر ہو، میرے دشمنون کے سبب سے میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر، . . . . . . اُن کے باطن مین سراسر کھوٹا پن ہے . . . . . . اے خدا تو اُنھین ملزم جان، ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتون سے آپ ہی گر جائین، اُن کو اُن کے گناہون کی کثرت کے سبب نکال پھینک، کہ اُنھون نے تجھ سے سرکشی کی ہے"، (زبور ۵)

حضرت عیسیٰؑ نے بھی انجیل مین بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا،

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھیری ہوئی قبرون کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہین، پر بھیتر مُردون کی ہڈیون اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہین، اسی طرح تم بھی ظاہر مین لوگون کو راست باز دکھائی دیتے پر باطن مین ریاکاری اور شرارت سے بھرے ہو،

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کیونکہ نبیون کی قبرین بناتے، اور راست بازون کی گورین سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادون کے دنون مین ہوتے تو نبیون

کے خون مین اُن کے شریک نہ ہوتے، اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیون کے قاتلون کے فرزند ہو، پس اپنے باپ دادون کا پیمانہ بھرو، اے سانپو! اور اے سانپون کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے" (متی ۲۳-۲۷-۳۳)

بعینہ یہی الزام قرآن نے بھی اُن کو دیا ہے،

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ، (بقرہ-۷)	اور وہ ناحق پیغمبرون کو مار ڈالتے ہین اس لیے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں،
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ، (بقرہ-۱۱)	کہہ کہ پھر کیون اللہ کے نبیون کو پہلے تم قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے،

آل عمران مین اس سے بھی بڑھکر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا اُن پر بجا الزام ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (آل عمران-۳)	بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتون کا انکار کرتے اور پیغمبرون کو ناحق قتل کرتے، اور ہر اُس شخص کی زندگی کے دشمن بنجاتے ہین جو اُن کو عدل و نیکی کی بات سمجھاتے تو اونکو دردناک سزا کی خوشخبری سنا دے،

سورۂ بقرہ اور آل عمران مین یہودیون کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دین و ملت کا توام کتنا بگڑ گیا تھا، اونکی مذہبی سنگدلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے ۵۰۰ برس پہلے یمن مین پیش آیا کہ یہودی حمیریون نے نجران کے عیسائیون کو گڑھون مین آگ جلا کر اُن مین جھونک دیا، اور وہ کنارے بیٹھے اس حسرتناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے، چنانچہ قرآن مجید نے اس پُر درد داستان کو ان لفظون مین انھین یاد دلایا،

قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ	گڑھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڑھے،

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ — جب وہ ظالم اُن کے کنارے بیٹھے ایمان والون کیسا
بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ، وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ — جو کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے، ان کا گناہ یہی تھا
اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (بروج - ۱) — کہ وہ غالب اور خوبیون والے خدا پر ایمان رکھتے تھے،

جزئیات کو چھوڑ کر کلّی طریقہ سے ان مین حسب ذیل نقائص تھے،

۱- ان کو اپنے محبوب خدا، اور خاص خدا کے کنبہ ہونے پر بے انتہا غرور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کرین ہم سے قیامت مین مواخذہ نہ ہوگا،

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ - ۳) — ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہین،
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (بقرہ - ۹) — اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہین چھوئے گی لیکن چند روز،

وہ سمجھتے تھے کہ جنّت کی نعمتین صرف انھین کے لیے خاص ہین، قرآن نے کہا،

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ — کہدے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگون کو چھوڑ کر صرف
خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ — تمھارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کیون نہین کرتے
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، (بقرہ - ۱۱) — اگر تم سچے ہو،

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف اُن کے گھر کی چیز ہے، کسی دوسرے کا اس مین حق نہین، قرآن نے اُن کے جواب مین کہا،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، (جمعہ - ۱) — یہ خدا کی مہربانی ہو وہ جس کو چاہے دے،

جو ان مین پڑھے لکھے عالم تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دولتمندون کی خوشنودی کے لیے اپنی باطل تاویلون سے ادلتے بدلتے رہتے تھے، اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الٰہی کا درجہ دیتے تھے

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ، (مائدہ - ۲) — وہ لفظون کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہین،

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ
يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ
ثَمَنًا قَلِيْلًا، فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ، (البقرہ ۸-۹)

توپھٹکار ہو اُن پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہین پھر
کہتے ہین یہ خدا کی طرف سے ہے، تاکہ وہ اس سے دنیا کا معمولی
فائدہ اٹھائین، توپھٹکار ہے اُن پر جو وہ لکھتے ہین، اور
پھٹکار ہو اُن پر جو وہ کماتے ہین،

جو ان مین اَن پڑھ اور جاہل تھے، وہ اپنے سنے سنائے قصون پر ایمان رکھتے تھے،

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ
اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (البقرہ ۸-۹)

اور ان مین بعض اَن پڑھ ہین، جنکو توراۃ کا علم نہین،
لیکن بناوٹی باتین معلوم ہین، وہ صرف اُنکے خیالات ہین،

احکامِ الٰہی مین سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق حکم ہوتا، اوسکو قبول کرتے، اور دوسرے حکمون کو پس پشت ڈالتے،

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ
وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۱۲)
اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ
اسْتَكْبَرْتُمْ، فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ
(البقرہ ۱۱-۱۱)

جنکو خدا کی کتاب دیگئی تھی، ان مین سے ایک فریق اللہ
کی کتاب پس پشت ڈالتا ہے، گویا کہ وہ جانتا ہی نہین،
کیا جب جب کوئی رسول تمھارے پاس وہ لیکر آیا جو تمھاری
نفسانی خواہش کے موافق ہوا تم نے غرور کیا، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ
کو مار ڈالتے ہو،

ایک دفعہ جب آنحضرت صلعم مدینہ تشریف لاچکے تھے، اور یہود نے بھی آپکی ملکی سرداری کو یک گونہ قبول کر لیا تھا، تو ایک زنا کا مقدمہ آپکی عدالت مین لائے، آپ نے پوچھا کہ تمھارے مذہب مین اس جرم کی سزا کیا ہے، بولے ہم مجرم کو کوڑے مارتے ہین اور اوسکی تشہیر کرتے ہین، آپ نے اُن سے توراۃ طلب فرمائی، جب وہ لائے اور اس جرم کے متعلقہ حکم کی آیتون کو پڑھکر سنانے لگے تو بیچ سے سنگساری کا حکم چھپا دیا، مگر ایک نومسلم یہودی عالم نے اس حکم کو پڑھکر سنادیا، آپ نے فرمایا خداوندا مین پہلا شخص ہونگا جو تیرے

مردہ حکم کو زندہ کرونگا، (صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود، و ابو داؤد و باب رجم الیہودیین)

آپس مین قتل و خونریزی کا بازار ان مین گرم تھا، ان مین ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے بے گھر کر دیتا تھا، اور پھر کوئی گرفتار ہوجاتا تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا بھی لیتے تھے، قرآن نے کہا،

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ
بِبَعْضٍ (بقرہ-۱۰)

پھر تم ہی لوگ آپس مین ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک
گروہ کو ان کے گھرون سے نکالتے ہو، اونکے برخلاف گناہ
اور ظلم سے مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمھارے پاس قیدی بنکر آتے
تو تم فدیہ دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا،
کیا تم کتاب کے کچھ حکمون کو مانتے، اور کچھ کا انکار
کرتے ہو،

۲- دوسری چیز مال و دولت کی حرص و طمع تھی، اس کی وجہ سے ان مین ہر قسم کی لالچ اور اخلاقی کمزوری پیدا ہوگئی تھی، کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت و آرام اور جسم و جان کو قربان نہین کر سکتے تھے،

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ڔ وَمِنَ
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ڔ يَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ يُعَمَّرُ
اَلْفَ سَنَةٍ ڔ (بقرہ-۱۱)

ان کو سب لوگون سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤگے، مشرکون
سے بھی زیادہ، ان مین ایک ایک چاہتا ہے کہ اس کو ہزار برس
کی زندگی ملے،

عربون کے ساتھ ان کے لین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہند تھے، اور سمجھتے تھے کہ عربون کیساتھ جس طرح سختی اور بددیانتی کے ساتھ بھی برتاؤ کیا جائے وہ مذہبا منع نہین، قرآن نے اس معاملہ مین عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا،

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ
اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ

کتاب والون مین بعض ایسے ہین کہ اگر ان کو ایک دینار بھی
امانت رکھنے دو، وہ تم کو اس وقت واپس نہ دین، جب تک

قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ، (آل عمران - ۸)

تم اونکے سر پر کھڑے نہ رہو یہ اسلیے کہ وہ کہتے ہین کہ ان جاہل
عربون کا ہمپر حق نہین، اور وہ جان بوجھکر خدا پر جھوٹ بولتے ہین

توراۃ مین "اپنے بھائی" کے علاوہ "اجنبی" سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہود یہود سے نہ لے، اور اہل عرب جو یہود نہ تھے، ان سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جائز سمجھتے تھے، اور تعجب پر تعجب یہ تھا کہ اُن کے علما اونکو اس سے باز نہین رکھتے تھے، اس حرام خوری اور ان کے علما کی اس خاموشی پر انکو قرآن نے بار بار ٹوکا،

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ، وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ
عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ
مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ، (مائدہ - ۹)

اور ان مین سے بہتون کو تو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے مین
ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہین اُن کے کرتوت
کتنے برے ہین اُن کے درویش اور عالم گناہ کی بات بولنے
اور حرام کھانے سے کیون نہین باز رکھتے، ان کے کام
درحقیقت کتنے خراب ہین،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط (مائدہ - ۶)

جھوٹ کو سننے والے، اور حرام کھانے والے ہین،

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء - ۲۲)

اور اُن کے سود لینے کے سبب، حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے
اور لوگون کا مال ناجائز طریقون سے کھا جانے کی وجہ سے،

اسی لیے وہ تورات کی آیتون مین تحریف، اور اُن کے معنون مین تاویل کرکے ایسے فقہی حیلے تراشتے تھے کہ وہ ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنا لیتے تھے، خدا نے فرمایا،

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ
بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ

ہم نے تورات اتاری، جس مین ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے
مطابق نبی جو تابعدار تھے، یہودیون کا فیصلہ کرتے تھے،
اور ان کے درویش و عالم بھی خدا کی کتاب کے جن حصون کو

كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ ۔ ۔ ۔ (مائدہ ۔ ۷) انھون نے بچار کھا تھا، اُن مین سے فیصلہ کرتے،

اس کے بعد اس کے احکام کے اجراء اور خاصکر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا،

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (مائدہ ۔ ۷)

اور جو خدا کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرین وہی کافر ہین،

ان مین مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہو گئے، وہ جبت اور طاغوت کی پرستش مین مبتلا تھے قرآن اُن کو خطاب کر کے کہتا ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ، (نساء ۔ ۷)

اے کتاب والو! ہم نے جو اتارا جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا شرک کو معاف نہین کرتا، اور اس کے سوا جس کو چاہے معاف کر دے،

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (نساء ۔ ۷ ۔ ۸)

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا تو نے اُن کو نہین دیکھا جنکو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتون اور شیطانون پر ایمان رکھتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ کافر مسلمانون سے زیادہ صحیح راستہ پر ہین،

اوہام و خرافات پر ان کا ایمان تھا، تعویذ گنڈا، جادو اور عملیات پر فریفتہ تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان کی تعلیم ہے، (بقرہ ۔ ۱۲) لبید اعصم وغیرہ مدینہ مین بہت سے عامل تھے، جو کنگھیون اور بالون مین منتر پڑھکر پھونکتے تھے[1]،

عرب سے باہر یہودی، یونانیون اور رومیون کی حکومتون مین یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکون

[1] صحیح بخاری، جلد دوم کتاب الطب، باب السحر صفحہ ۸۵۵

اور شہرون مین اس طرح پراگندہ اور منتشر تھے کہ عرب سے باہر دنیا کی قومون مین اُن کا کوئی شمار نہ تھا، عرب کے اندر جو یہود زمانۂ دراز سے آباد تھے، ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا، سودی کاروبار کرتے تھے، غریب عربون کو اپنے گران شرحِ سود اور قرضون کے بار مین اس طرح دبائے تھے کہ اُن کی حالت اُن کے سامنے غلامون کی سی تھی، اس سلسلہ مین صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لیے کافی ہوگا،

محمد بن مسلمہ انصاری اور اُن کے رفقا، جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے، وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، اُنھون نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلعم) نے تو صدقہ وصول کر کر کے ہم کو دق کر ڈالا، اب مین تم سے کچھ قرض لینے آیا ہون، اُس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اُس سے آخر بیزار ہوجاؤ گے، انھون نے کہا، مین نے اوسکی پیروی اختیار کی ہے، لیکن مین اُس کو چھوڑنا نہین چاہتا، انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس رُخ پلٹتی ہے؟ مین تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہون، اس نے کہا، مگر تم کفالت مین کیا چیز رہن رکھو گے، انھون نے کہا، تم بتاؤ تم کیا چاہتے ہو، اُس نے کہا اپنی بیویان گرو رکھو، انھون نے جواب دیا، ہم اپنی بیویان کیسے گرو رکھ سکتے ہین کہ تمام عرب مین تمھارے حسن کا جواب نہین، بولا اچھا تو اپنے لڑکون کو گرو رکھو، کہا ہم اپنے لڑکون کو کیسے گرو رکھین، اُن کی کوئی بے عزتی نہ کرے، یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے، ہان ہم اپنے ہتھیار گرو رکھ سکتے ہین[1]"

اس سوال و جواب سے اندازہ ہوگا کہ یہود کی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہوچکی تھی، کوئی غیر عورت اگر اُن کے بازار کی طرف جانکلتی تو اوسکی عزت بچنی مشکل ہوجاتی[2]، کسی بچہ کو ذرا سے زیور کے لالچ مین موقع پاتے تو بیدردی سے قتل کر کے زیور اتار لیتے[3]، علما اور پیشوایانِ دین کی وہی کیفیت تھی جس کا ماتم اُس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰؑ نے کیا تھا، لفظی موشگافیون اور ظاہری دینداری کے سوا روح و اخلاق کا جوہر اُنسے

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم قتل کعب بن اشرف صفحہ ۵۷۶، [2] دیکھو کتب سیر مین غزوۂ بنی نضیر کے اسباب،
[3] صحیح بخاری جلد دوم باب من اقاد بالحجر، صفحہ ۱۰۱۶،

کھو گیا تھا، اسلام جو ابراہیم حنیف کے ترانۂ توحید، موسیٰؑ کی صدائے طور کی آوازِ بازگشت تھی، وہ اُن کے نزدیک عرب کے بت پرستوں کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ بُرا تھا، وہ کہتے تھے کہ "ان مسلمانوں سے یہ مشرک زیادہ راہِ راست پر ہیں"[۱]، اسلام کی اس مصالحانہ دعوت

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران - ۷)

اے کتاب والو! آؤ اس ایک بات پر ہم سب متحد ہو جائیں جو ہم میں تم میں مشترک ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنائیں اور نہ ہم خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں،

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک دکھائی دیتی تھی، اس لیے مدینہ میں اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو وہ ٹھکراتے رہے، کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلہ میں اس دعوت کے قبول میں اونکو اپنی قومی و مالی و تجارتی عظمت کی بربادی نظر آتی تھی،

عیسائیوں کی نقل میں وہ بھی عزیر (عزرا) کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ، (توبہ - ۵) اپنی دولت و ثروت کے غرور میں وہ کہتے تھے، يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (مائدہ - ۹) "خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں"، قرآن کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ "ہم پر اس دعوت کا اثر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے دل نامختون ہیں"، وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ، (بقرہ - ۱۱) ان فقروں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب دنیا میں نیابتِ الٰہی کے منصب کے قابل نہیں رہے تھے،

عرب کے باہر یہودیوں کی پراگندہ ٹولیاں مختلف سلطنتوں کے سایہ میں پناہ گزین تھیں، اُن کا مذہبی مرکز اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے، ابراہیمؑ و یعقوبؑ کے خدا کے بجائے، ہر جگہ وہ سونے چاندی کے ڈھیر ہی کو خدا بنائے تھے، اُن کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، جنہیں باہمی عداوت

---

[۱] سورہ نساء – ۸

قائم تھی، اور اس وقت سے چھ سو برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبی اعظم کی بعثت کا بیتابانہ انتظار کر رہے تھے، (بقرہ - ۱۱) خود عرب مین یہود اس وقت اُس نبی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسون مین تذکرہ کرتے رہتے تھے جسکی پیشینگوئیون سے تورات کے صحیفے بھرے تھے، اور انھین سے سُن سُنکر یثرب کے اوس وخزرج ایک نبی کی آمد کی پیشینگوئی سے باخبر تھے[۱]،

دنیا کی ان مختلف قومون کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اُس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے جس کے افقِ نبوت سے صبحِ سعادت طلوع ہونے والی تھی،

ظہورِ اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

یمن مین جب وہ مشہور سیلاب آیا، جس کی بلندی سطحِ زمین سے اکیسویں فیٹ اوپر تھی تو پایۂ تخت یعنی مآرب اور اسکے اضلاع دفعۃً برباد ہوگئے، یہ دوسری[۲] صدی عیسوی کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو سَیلُ عَرِم کہا ہے، اس سیلاب کا ایک نتیجہ ہوا کہ آٹھ بڑے بڑے خاندان، جلاوطن ہو کر ادھر اُدھر نکل گئے، جس سے نظامِ سلطنت مین ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی مین یہان کے فرمانروا، ذونواس سے جو مذہباً یہودی تھا، رعایا نے بغاوت کی اور شاہِ حبش سے اعانت چاہی، اس نے ۵۲۹ء مین ایک فوج بھیجی، جس نے ذونواس کو معزول کردیا، اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، ۶۰۳ء مین قبیلۂ حمیر کے ایک باحوصلہ شخص **ذُویزن** نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چندروز کے بعد وہ قتل کردیا گیا، اور یمن شاہنشاہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہگیا،

جو قبیلے یمن سے نکلے ان مین سے ایک نے دوسری صدی عیسوی مین حیرۃ مین، جہان اب کوفہ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ،

[۲] اس بند کے انہدام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے اور اسی لیے اسکی تعیین مین کئی نظریے ہین، کوئی اسکو اگر دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے، تو دوسرا پانچوین صدی عیسوی کا، اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانون مین منہدم ہوتے رہے، اور بنتے رہے، آخری دفعہ پانچوین صدی عیسوی مین بالکل برباد ہوگیا، (سلیمان)

آباد ہے، ایک سلطنت قائم کی، لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات مین مجوس سے متاثر تھی، دوسرا قبیلہ شام مین جاکر آباد ہوا، جو غسانی خاندان کہلاتا ہے[1]، چونکہ یہ خاندان رومیون کے زیر اثر تھا اس لیے رفتہ رفتہ عیسائی ہوگیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا،

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا، یہودی معتقدات اور خیالات کا اثر بھی بہت کچھ تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القرٰی اور خیبر و فدک تمامتر یہودی آبادی تھا، اور خود مدینہ مین یہودی ہی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت تھی، باقی تمام ملک مین مشرکانہ رسوم جاری اور جاہلانہ مذاہب پھیلے تھے، لوگ بتون، پتھرون، درختون، ستارون، فرشتون اور جنون کی پرستش کرتے تھے،

خدا کا اعتقاد | تاہم اسمین شبہ نہین کہ عرب زمانۂ دراز سے ایک خدائے برتر پر اعتقاد رکھتے تھے، آجکل عرب کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوئے ہین، انپر الله کا لفظ، خدا کے معنی مین لکھا ہوا ہے، البتہ اسکا املا الله نہین بلکہ ھلّہ ہے، عرب شمال کے عرب جو نابتی کہلاتے ہین، ان کے نامون کے ساتھ الله کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا[2] مثلاً زید اللّٰہی، عبد اللّٰہی، خود قرآن مجید مین خدا کفار کی نسبت کہتا ہے،

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	اور جو تم انسے پوچھو کہ آسمانون اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط (لقمن - ۳)	تو بول اٹھینگے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے،

یہ اصل مین حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم تھی، لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا، یعنی یہ کہ خدائے اعظم کے سوا، اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہین گو الله ان سب مین بڑا ہے، یہ اعتقاد اسقدر راسخ ہوگیا کہ اور معبودون کے انکار سے ان کو اسیقدر رنج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہوسکتا تھا، بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا کاروبار، اور روزمرہ کی ضرورتین انھی چھوٹے چھوٹے خداؤن سے انجام پاتی تھین، اور کام اکثر انھی خداؤن سے

[1] اکثر علمائے انساب کا بیان یہی ہو کہ یہ قبائل یمن سے آئے تھے لیکن ہم نے ارض القرآن مین بدلائل اس سے اختلاف کیا ہے،
[2] مذاہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا، جلد اوّل، صفحہ ۶۶۴، بحوالۂ پروفیسر نولدکی، (سلیمان)

پڑتا تھا، اس لیے اللہ کا خیال کچھ یون ہی سا رہگیا، انھی خداؤن کی پرستش کرتے تھے، انھی پر قربانی چڑھاتے تھے، انھی سے حاجتین مانگتے تھے، اللہ تو زمین آسمان بناکر بیکار سا ہو چکا تھا، جو کچھ کرتے تھے یہی خدایان اصغر کرتے تھے، یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا خالی نام لیتا تھا تو لوگ بہت کبیدہ ہوتے تھے،

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (سورۂ زمر - ۵) | اور جب خالی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو کہ قیامت کے معتقد نہین ہین، ناک بھون چڑھاتے ہین، لیکن جب خدا کے سوا اورون (معبودون) کا بھی ذکر کیا جاے تو دفعۃً وہ کھل جاتے ہین،

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے معبودون کی نذر و نیاز و قربانی سے خدا خوش ہوگا، اور وہ اُس کے دربار مین سفارش کرین گے، چنانچہ وہ کہتے تھے،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر - ۱) | ہم ان بتون کو اسلیے پوجتے ہین کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کر دین،

ملائکہ کی الوہیت! شرک کے علاوہ، خداے اعظم کی نسبت یہ مانتے تھے کہ اُس کے بال بچے بھی ہین، چنانچہ فرشتون کو خدا کی بیٹیان کہتے تھے،

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى (سورۂ نجم - ۲) | جو لوگ قیامت پر ایمان نہین لاتے وہ فرشتون کو خدا کی بیٹیان کہتے ہین،

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۚ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (سورۂ نجم - ۱) | تمھارے تو لڑکے ہون اور خدا کے لڑکیان! یہ تو کچھ اچھی تقسیم نہین،

اس لیے جس طرح بعض یہود عزیرؑ کو، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا مستحق سمجھتے تھے، وہ فرشتون کو خدا کی اولاد سمجھکر اونکی الوہیت کے بھی قائل تھے،

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (آل عمران - ۸) | اور نہ تو خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتون اور پیغمبرون کو خدا ٹھہراؤ،

آیت	ترجمہ
وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ط اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ، ...... وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ط سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ، وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ط (زخرف-۲)	اور ان مشرکون نے خدا کے بندون مین سے خدا کا ایک حصہ کا بنایا، بیشک انسان، کھلا نافرمان ہے، کیا خدا جو پیدا کرتا ہے وہ اپنے لیے لڑکیان لے اور تمکو لڑکے دیکر عزت دے، ...... اور ان مشرکون نے فرشتون کو جو رحمت والے خدا کے بندے ہین، لڑکیان قرار دیا، کیا وہ انکی پیدائش کے وقت موجود تھے انکی گواہی لکھی اور بازپرس کیجایگی اور کہتے ہین کہ اگر خدا چاہتا تو ہم انکی پرستش نہ کرتے
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ، اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ، اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ، (صفت-۵)	تو ان سے پوچھ کہ کیا تیرے رب کی لڑکیان ہون، اور انکے لڑکے ہون، کیا ہم نے فرشتون کو لڑکیان پیدا کیا ہے، وہ حاضر تھے، ہان یہ ان مشرکون کی بناوٹ ہے، وہ کہتے ہین کہ خدا کے اولاد ہوئی، اور وہ جھوٹے ہین،

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہان اپنے پرستارون کے سفارشی بنین گے، خدا نے اوسکی تردید مین کہا،

آیت	ترجمہ
وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا الآیہ (نجم-۲)	اور آسمانون مین کتنے فرشتے ہین کہ انکی سفارش خدا کی اجازت بغیر کچھ فائدہ نہین پہنچا سکتی،

قیامت مین فرشتون سے پرسش ہوگی کہ یہ مشرک تمہاری پوجا کرتے تھے،

آیت	ترجمہ
ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (سبا-۵)	پھر خدا فرشتون سے کہیگا کہ کیا یہ انسان تمہین کو پوجتے تھے،

جنات کی الوہیت

فرشتون کی طرح وہ جنات کو بھی خدا کے عزیز و قریب سمجھتے تھے اور خدا کے ان سے رشتے لگاتے تھے،

وَجَعَلُوا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا (صفّٰت - ۵) اور مشرکون نے خدا اور جنون کے درمیان رشتہ داری بنائی

اسی لیے وہ جنات کو خدا کی خدائی مین شریک کرتے تھے،

وَجَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَھُمْ وَخَرَقُوا لَہٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ (انعام - ۱۲) اور انھون نے جنون کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی مخلوق ہین، اور بن جانے خدا کیلئے بیٹے اور بیٹیان گڑھ لین،

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے، تو اُن کی عبادت اور پرستش بھی ضروری ہوئی چنانچہ جاہلیت مین اہل عرب ان جنون کی بھی پوجا[1] کرتے تھے، بَلْ کَانُوا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا - ۵) "بلکہ یہ جن کو پوجتے تھے اور ان مین سے اکثر انھین پر ایمان رکھتے تھے"، مسافر جب راستہ مین کہین قیام کرتے تھے، تو پہلے وہان کے جنون کی دہائی پکار لیتے تھے، قرآن مین ہے، وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا (جن - ۱) "اور بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنون کی دہائی مانگا کرتے تھے، اور انھون نے اُن کو اور مغرور بنا دیا"، چنانچہ بعض خوفناک مقامات مین خاص طور سے اُن کے نام کی قربانی کیجاتی تھی اُن مین سے ایک مشہور مقام دراہم تھا، جہان کے رہنے والے جنون (سکّان الدراہم)[2] پر جانور ذبح کرکے چڑھائے جاتے تھے، تاکہ قربانی کرنیوالے اونکی شرارت سے محفوظ رہین، قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو ملیح خاص طور سے جنون کی پوجا کرتی تھی، اور کلبی کا بیان ہے کہ انھین کے متعلق یہ آیت اتری ہے[3]،

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ (اعراف - ۲۴) خدا کو چھوڑ کر تم جنکو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہین،

بت پرستی جن خداؤن کو یہ لوگ مانتے تھے، اُن کے بُت بنا لیے تھے، اور جابجا عظیم الشان بتکدے قائم ہو گئے تھے، یہ رواج اسقدر عام ہو گیا تھا کہ جہان کوئی خوبصورت پتھر ملگیا اٹھا لیا اور اُسکی پرستش شروع کر دی، اس سے

---

[1] صحیح مسلم کتاب التفسیر، [2] لسان العرب لفظ "سکن"،
[3] کتاب الاصنام ہشام الکلبی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۴

زیادہ خوبصورت ملگیا تو اُس کو پھینکدیا اور اسکی پرستش کرنے لگے، جہان کوئی پتھر نہ ہاتھ آیا خاک کا ایک تودہ بنالیا، ایک بکری لاکر، اسکا دودھ اُسپر دُہوایا، پھر اُس کے گرد طواف کیا، اور اب وہ ایک معبود بنجاتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ مین، یہ پوری تفصیل مذکور ہے،

اس بت پرستی کی ابتدا یون ہوئی کہ قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص جسکا نام عمرو بن لُحَی تھا، اور جو قبیلۂ جرہم کو شکست دیکر کعبہ کا متولی بنگیا تھا، ایک دفعہ بلقا گیا، وہان لوگون کو بت پرست دیکھکر بت پرستی کی طرف مائل ہوا، اور وہین سے ایک بت لاکر کعبہ مین نصب کیا، چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا، اس لیے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی، اور گھر گھر بتخانے بنگئے، انمین **ہبل** سب سے بڑا تھا، اس سے اُتر کر منات، لات، اور عزّیٰ تھے،

منات مدینۂ منورہ سے سات میل پر تھا، انصار کے قبیلے یعنی اَوس و خزرج اور اور پاس پاس کے قبائل اُسی کا حج کرتے تھے، کعبہ کا حج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام یہین آکر اتارتے تھے، حلفیہ معاہدے بھی یہین ہوتے تھے، عبد العزیٰ مزنی کہتا[1] ہے،

اِنّی حلفتُ یَمینَ صِدقٍ برّۃٍ	مین نے منات کی سچی قسم کھائی
بمناۃَ عندَ محلِّ آلِ الخزرجِ	اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پاس

لات، قبیلۂ ثقیف کا معبود تھا جو مقام طائف مین نصب تھا، اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر تسلیم کرتے تھے،

عزّیٰ ایک درخت تھا، اُسکے پاس ایک بُت تھا، یہ قبیلۂ غطفان کا بت تھا، لیکن قریش بھی اُسکی نہایت عزت کرتے تھے اور اسکی زیارت کو جاتے تھے، قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پڑھتے[2] تھے،

وَاللّاتَ وَالعُزّیٰ وَمَنَاۃَ الثّالِثَۃَ الاُخریٰ	لات، عزّیٰ، اور تیسرا مناۃ، یہ بڑے برگزیدہ ہین،

---

[1] یہ پوری تفصیل معجم البلدان، لفظ مناۃ مین ہے،
[2] معجم البلدان، لفظ لات و کتاب الاصنام للکلبی مطبوعہ دار الکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۱۹

اِنَّھُنَّ الغَرانیقُ العُلیٰ وَاِنَّ شفاعَتَھُنَّ لَتُرتَجیٰ ، اور انکی سفارش کی خدا کے ہان امید ہے ،

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی برائیان پیدا کردین، جانورون سے گذر کر انسانی قربانیان اُنکے چڑھائی جانے لگین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جدّ امجد عبد المطلب نے جو اپنے صاحبزادہ (عبد اللہ) کی قربانی کرنی چاہی تھی اسی رسم کی تقلید تھی ،

بحیرۃ، سائبۃ، حام کے نام سے بتون کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے، کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے اس کا خون، کعبہ کی دیوارون پر ملتے تھے، بتون کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے، ان مین سے ایک پر "ہان" ایک پر "نان" لکھا رہتا تھا، جو کام کرنا چاہتے پجاری سے کہتے کہ فال نکالے، "ہان" کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے ورنہ باز رہتے ،

جاہلیت مین جن چیزون کی پرستش کیجاتی تھی، وہ مختلف قسمون کی تھین، اصنام و اوثان، انصاب، اور بیوت، اصنام و اوثان جنکا واحد صنم اور وثن ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے، اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو صنم کہلاتے، اور اگر سنگ اور مسالے سے بنتے تو ان کو وثن کہتے ، انصاب اور نصب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے جنکو کھڑا کرکے اُن پر چڑھاوے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے، بیوت جنکا واحد بیت ہے معبد بنا کرتے تھے، جیسے رضا، رئام، قلیس وغیرہ، جنمین بت پرستانہ رسوم ادا کئے جاتے تھے، جن بتون کے اردگرد چکر لگاتے تھے، اُن کو دوار کہتے تھے، اور ان پر جو قربانی کیجاتی تھی، اوسکو عتیرہ کہتے تھے، پتھرون کا ڈھیر لگا کر اس کے چارون طرف چکر لگاتے تھے، اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے ،

کما طاف بالرجمۃ المرتجم جیسے پتھرون کے ڈھیر کا طواف لگانے والا طواف کرتا ہے،

جن بتون کی پرستش کیجاتی تھی انکی کوئی انتہا نہ تھی، ع

"قبیلہ قبیلہ کا ایک بت جدا تھا"

---

[۱] نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ [۲] ان الفاظ کے لیے دیکھو لسان العرب ،

خاص خانہ کعبہ اور اُس کے اطراف مین تین سو ساٹھ ۳۶۰ بُت تھے، ان مین سے قرآن پاک مین جن کے نام بتائے گئے ہین وہ یہ ہین، لاتؔ، عزّیٰ، مناۃ، یغوث، یعوق، نسر، وُدّ، سواع، بعل، لیکن جاہلیات کے پرانے مورّخون اور لغت نویسون نے جاہلیت کے شخصی نامون اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کیے ہین، ہشام کلبی کی کتاب الاصنام مین جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے، اور جو اب مصر مین چھپ بھی گئی ہو تقریباً تیس ۳۰ بتون کے نام ہین، علامہ زکی پاشا جنھون نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء مین تحشیہ و تکملہ کے بعد شائع کیا ہے، اپنے تکملہ مین چھیالیس ۴۶ نام اور بڑھائے ہین، یمن اور حجاز مین آثار قدیمہ کے محققون نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہین، اُن مین المقہ، عثتار، نکرہ، قینان وغیرہ بہت سے اور نامون کا پتہ لگایا ہے، ہم نے ارض القرآن کی دوسری جلد مین جو ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء مین چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے،

ذیل مین ہم اُن بتون کی فہرست درج کرتے ہین، جنکے نام اب تک معلوم ہو چکے ہین،

بتون کے نام	قبیلون کے نام جو اُن کو خاص طور سے پوجتے تھے،
لات -	ثقیف،
عُزّےٰ -	قریش، و بنو شیبان بن جابر،
مناۃ -	اوس و خزرج اور عام عرب،
یَغُوث -	بنو مذحج و اہل جرش،
یَعُوق -	بنو ہمدان و اہل خیوان،
نَسر -	حِمیَر،
وَدّ -	بنو کلب،
سواع	بنو لحیان،
اساف،	بُت، جسپر حج مین قربانی ہوتی تھی،

ل صحیح بخاری باب فتح مکہ،

نائلہ ، بُت ۔ جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی،

اُقیصر ، قضاعہ و لخم و جذام، و عاملہ و غطفان،

باجر ، ازد و طی و قضاعہ،

ذُوالخلصہ ، بنو امامہ، خثعم، بجالہ، ازد السراۃ،

رُضا، یا رُضیٰ ، بنو ربیعہ کا بتخانہ،

رئام ، حمیر کا بت خانہ،

سجہ ،

سعد ، بنی ملکان بن کنانہ،

سُعَیر ، عنزہ

ذُوالشّریٰ ، بنو حارث،

عائم ، ازد السراۃ،

عم انس (یا عمیانس) ، خولان،

فلس ، طی،

ذوالکفین ، بنو دوس،

مناف ، قریش،

نُہم ، مزینہ،

ہُبَل ، قریش،

یَعبل ، قبائل بنی عدنان،

یعبوب ، جدیلہ بن بنی طی،

اشہل، بنو عبدالاشہل،

اوال ، بکر و تغلب،

بس ، غطفان کا بُت خانہ،

بعیم، ایک لکڑی کا بُت،

بلج ، ایک بُت،

جبہ، "

جُرَیش یا جَرِیش ، ایک بُت جس کی طرف عبد جریش کی نسبت ہے،

جَلسد، ایک بت کا نام،

جِہار، ہوازن کا معبود،

دار، بنو عبدالدار،

دوار، ایک بُت کا نام،

ذوالرجل، حجاز کا ایک بُت،

شارق، ایک بت کا نام جس کی طرف عبدالشارق کی نسبت ہے،

شمس، بنو عبد شمس،

صدا ، عاد کا بت،

صمود ا، "

ضمار ، عباس بن مرداس سلمی کا قبیلہ،

ضیزن ، منذر اکبر،

عبعب، قضاعہ،

عوض،	بکر بن وائل،
عوف،	ایک بت کا نام،
غبغب،	اس پر جانور ذبح کئے جاتے تھے،
فراض،	سعد العشیرہ،
کثریٰ،	جدیس وطسم،
نسعہ،	ایک بُت کا نام،
محرّق،	بکر بن وائل،
مدان،	عبد المدان،
مرحب،	حضرموت،
منہب،	ایک بت کا نام،
ہبا،	عاد،
ذات الودع،	ایک بُت کا نام،
یالیل،	عبد یالیل،

ستارہ پرستی، عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے تھے، اُن میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے، اسی لئے قرآن پاک نے خصوصیت کیسا تھ کہا،

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم السجدۃ-۵) نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو،

یمن میں سبا کی قوم سورج ہی کو دیبی مانتی تھی، (نمل-۳) یمن کے بادشاہ شمر یہرعش نے سورج دیبی کا مندر بنوایا تھا[1]، سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شعریٰ کی بڑی قدر و منزلت تھی اسلیئے قرآن پاک

[1] تاریخ ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ۱۱۱، کلکتہ،

نجم نے کہا،

وَاَنَّہٗ ھُوَرَبُّ الشِّعْرٰی (نجم- ۴) اور وہی خدا شعری کا مالک ہے،

صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم مین عرب کے حسب ذیل قبیلون کو مختلف ستارون کا پرستار بتایا ہے،

قبیلۂ **حمیر** سورج کو پوجتا تھا، **کنانہ** چاند کو، **تمیم** دبران کو، **لخم** اور **جذام** مشتری کو، **طی** سہیل کو، **قیس** شعری العبور کو، اور **اسد** عطارد کو،[1]

جن اور شیاطین اور بھوت پلیت | جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب اعتقاد تھے، وہ جن، شیطان، اور بھوت پلیت، سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشتغال کی وجہ سے اُن کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے، جو اجنہ جنگلون اور میدانون مین رہتے تھے، اور مسافرون کو اپنی صورتین یا لباس، بدل بدل کر دھوکا دیتے تھے اُن کا نام **غول** تھا، یہ مذکر بھی ہوتے تھے اور مؤنث بھی،

عبید بن ایوب العنبری،

وغولا قفرة ذكر و انثى	اور بیابان کے دو غول، مرد بھی اور عورت بھی
كان عليهما قطع البجاد	گویا کہ اُن دونون پر کمبل کے ٹکڑے پڑے ہین،

مؤنث کو **سعلاة** کہتے تھے،

ازل وسعلاة وغول بقفرة	مین پھسلتا ہون اور چڑیل اور غول بیابان مین
اذا الليل وارى الجنّ فيه أرنّت	جب رات پردہ پوش ہوتی تھی تو بھوتنیاں آواز دیتی تھیں

عمرو بن یربوع ایک ممتاز شخص تھا اس نے سعلاة سے نکاح بھی کیا تھا اور اس سے اولاد بھی ہوئی تھی، راجز کہتا ہے،

---

[1] طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی، صفحہ ۴۳، بیروت،

یا قاتل اللہ بنی السعلاۃ — خدا سعلاۃ کے فرزندون کو مارے،

بلقیس ملکہ یمن سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی،

یہ اکثر گاتے بجاتے تھے اور اہل عرب اُن کے نغمون سے محظوظ ہوتے تھے،

کم جبتُ دونک من یھماء مظلمۃ — کتنی اندھیری گھپ راتون مین، مین نے

تیہ اذا ما مُغنّی جنّھا سمرا — صحرا کو قطع کیا جب وہان کے جنات کا مغنّی افسانہ گوئی کر رہا تھا،

صحرا نشین بدؤون کی صحبتون مین شریک ہوتے تھے، جاڑون مین جب بدو آگ جلا کر بیٹھتے تھے تو یہ بھی آگ تاپنے کو آجاتے تھے، لیکن جب اِن کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر کرتے تھے کہ ہم آدمیون کی غذا نہین کھا سکتے،

اتوا ناری فقلت منون انتم — وہ لوگ رات کو میرے پاس آئے، تو مین نے کہا تم کون ہو،

فقالوا الجن قلت عموا ظلاما — انھون نے کہا ہم جن ہین، مین نے کہا اس تاریکی مین خوش رہو

دعوت الی الطعام فقال منھم — مین نے اونکو کھانے کیلئے بلایا، تو ان مین سے ایک نے کہا

زعیم نحسد الانس الطعاما — ہم تم انسان کے کھانے پر حسد کرتے ہین،

یہ زیادہ تر جہان آباد تھے ان موضعون کے نام، بدی، بقار، اور عبقر تھے،

ع جنّ البدیّ رواسیا اقدامھا — بدی کے جن، جن کے قدم جمے تھے،

ع تحت السنوّر جنّۃ البقار — زرہون کے نیچے بقار کے بھوت تھے،

ع علیھن فتیان کجنّۃ عبقر — اور ان پر شہسوار جوان عبقر کے بھوت معلوم ہوتے تھے،

ان کے اقسام حسب ذیل تھے،

جو آدمیون کے ساتھ ہل مل کر رہتے تھے اُن کو عامر کہتے تھے،

جو بچون کو ستاتے تھے ان کا نام رُوح تھا،

جو زیادہ شریر تھے اُن کو **شیطان** کہتے تھے،

اس درجہ سے بڑھکے جو شریر ہوتا تھا اسکو **عفریت** کہتے تھے،

یہ اکثر بچون اور جوانون کو اُٹھا لے جاتے تھے، حضرت علیؑ کے ایک بھائی طالب تھے، اُن کو اٹھا لیگئے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا، عمرو بن عدی لخمی جو عرب کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھا لے گئے تھے، لیکن کئی برس کے بعد، جذیمۃ ابرش کو لا کر دے گئے،

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھا لے گئے تھے، مدت کے بعد وہ واپس آیا، تو عجیب عجیب باتین[۱] بیان کرتا تھا،

ان اجنہ یا شیاطین سے جن لوگون کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان مین سے تأبط شرًا، اور ابو البلاد طہوی زیادہ مشہور ہین، طہوی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا اس کے واقعات ایک نظم مین لکھے ہین،

لقیت الغول تسری فی ظلام — مین غول بیابانی سے ملا جو رات کو اندھیرے مین چلتی ہین

. . . .

فصدت وانتحیت لہا بعضب — تو اس نے روکا، اور مین اُن کی بنی ہوئی اصیل تلوار لیکر

حسام غیر مؤتشب یمانی — اُس کی طرف بڑھا،

فقد سراتہا والبرد منہا — تو اُسنے اُسکے سر کو اور اُس کی زرہون کو کاٹ ڈالا

فخرت للیدین وللجران[۲] — اور وہ دونون ہاتھون اور سینہ کے بھل زمین پر گر پڑا

انھین اجنہ اور شیاطین کا زور توڑنے کے لیے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا انداز اختیار کیا، کہ اُن کے دوست انسان وہان بھی اونکی دوستی کا دم بھرتے جائین گے، اس سے اندازہ ہو گا کہ

---

[۱] شمائل ترمذی باب السمر، [۲] یہ تمام تفصیل کتاب الحیوان، جاحظ سے ماخوذ ہے، اس نے کئی ورق مین نہایت تفصیل سے یہ واقعات لکھے ہین، دیکھو کتاب مذکور از صفحہ ۷۴ تا صفحہ ۸۰، جزو ششم، مطبوعہ مطبع سعادت، مصر،

جاہل عربون پران کا کسقدر استیلا تھا،

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (انعام - ۱۵)

اے جنون کے گروہ، تم نے انسانون سے بہت کچھ وصول کیا، اور اُن کے دوستدار انسان بولے، اے ہمارے رب! ہم مین سے ایک نے دوسرے کا کام نکالا،

کہانت! کہانت ایک سخت بلا تھی، جو تمام ملک مین پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے، جو آئندہ واقعات کی پیشین گوئیان کرتے اور آسمانی خبرین بتاتے تھے، اہل عرب کا اعتقاد اور خود کاہنون کا دعوے تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے اور وہی انکو القا کرتا ہے، وہ اپنی شکل و صورت ایسی بناتے تھے کہ پہچان لیے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گذرا، انھون نے قیافہ سے پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے، اوسکو بلا کر پوچھا کہ "تیرے جن نے تجھ سے سب سے عجیب تر بات کیا بیان کی" اُس نے کہا کہ مین ایک روز بازار مین پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرایا ہوا آیا، اور کہا،

الم تر الجن وابلاسها ویاسها من بعد انكاسها ولحوقها بالقلاص واحلاسها

کیا تم جنون کی سراسیمگی و انکی نا اُمیدی اور اُنکے کاروبار کی ابتری نہین دیکھتے،

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے، مین ایک روز زمانۂ جاہلیت مین بتون کے پاس سویا ہوا تھا کہ مین نے خواب مین دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لاکر ذبح کیا اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا،

یا جلیح، امر نجیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله،

اے جلیح، کامیاب امر ایک فصیح شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے،

اس کے چند ہی دنون کے بعد آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی، صحیح بخاری (تفسیر سورۂ والضحےٰ) مین روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کچھ علیل ہو گئے اور دو تین دن رات کو عبادت کے لیے نہین اُٹھے

---

[۱] کتاب البیان والتبیین للجاحظ جلد اوّل ص ۱۱۳ مطبوعہ مطبع علمیہ مصر، [۲] صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۴۴،

اس پر ایک عورت (یہ ابولہب کی زوجہ تھی) نے آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا،

انی ارجوان یکون شیطانک قد ترکک — میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تجھکو چھوڑ دیا،

یہ وہی خیال تھا، چونکہ کفار آپکو کاہن خیال کرتے تھے، اس لیے اُن کو خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی جن یا شیطان رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت میں کی ہے،

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ — کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتا ہے، شیطان

تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ — ہر جھوٹے گنہگار پر اترتا ہے، جو سُنی سنائی بات القا کرتے

وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝ (شعراء-۱۱) — ہیں، اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں،

یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس بنا پر تمام ملک پر اُن کا اثر چھایا ہوا تھا ان میں سے حازی، شق، سطیح، عزی، بہت مشہور تھے، جاحظ نے اُن کے کاہنانہ فقرے، کتاب البیان میں نقل کئے ہیں،

والارض والسماء، والعقاب والصقعاء — قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اور آفتاب کی

واقعة ببقعاء، لقد نفر المجد بنی — میدان میں واقع ہوا کہ بزرگی بنو عشراء پر غالب آگئی

العشراء للمجد والسناء، — بوجہ بڑائی اور بلندی کے،

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا تلقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفّی اور مسجّع فقرے ہوتے، اس لیے جب ایک دفعہ آنحضرت صلعم کے سامنے ایک ساقط الحمل بچہ کا مقدمہ پیش ہوا، اور آپ نے اُسکی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے عرب کے دستور کے مطابق اعتراضاً کہا،

ارأیت من لا شرب ولا اکل ولا صاح — غور فرمایئے کہ جس بچہ نے نہ کھایا نہ پیا نہ چیخا نہ رویا کیا اسکا

فاستهل الیس دمه یطل — خون معاف نہ ہوگا،

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے، (صحیح مسلم دیۃ الجنین وصحیح بخاری باب الکہانۃ)

یہ کاہن بتخانون مین رہتے تھے، اور کسی خاص بُت کے پجاری ہوتے تھے، جب لوگ اُن سے غیب کی بات پوچھتے، یا وہ خود آیندہ کے متعلق پیشینگوئی کرنے لگتے، تو ایک خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے مرد بھی کاہن ہوتے تھے، اور بعض عورتین بھی ہوتی تھین، جو کاہنہ کہلاتی تھین، یہ مصیبتون اور بلاؤن کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر بتاتے تھے، یہ اپنی کہانت کی اجرت مین بڑی بڑی رقم اور نذرانے وصول کرتے تھے، اسلام کے بعد ان مین جو مسلمان ہو گئے تھے، وہ علانیہ اپنے خدع و فریب کا اعتراف کرتے تھے[1]، اُن کو نذر و نیاز اور اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا، اُسکا نام حُلوان الکاہن تھا، یعنی کاہن کے منھ میٹھا کرنے کے لیے تحفہ، اسلام نے آکر اس کو روک دیا[2]،

غرض ان کاہنون نے عوام فریبی کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا، اور یہ انھی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سیکڑون قسم کی وہم پرستیون مین مبتلا ہو گیا تھا،

شعراء کی نسبت بھی عرب کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اُسکو اشعار القا کرتا ہے، چنانچہ مخبل شاعر کی شیطان، عمرو کی بیٹی تھی، اور اعشیٰ جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اس کے شیطان کا نام مسحل تھا، اعشیٰ خود کہتا ہے،

دعوت خلیلی مسحلا و دعوا لہ	مین نے اپنے دوست مسحل کو پکارا اور انھون نے
جھنام بعدًا للھجین المذمم	اُسکے لیے جہنام کو پکارا، اور یہ کمینہ بداطوار کیلئے بلایا جاتا ہے
حبانی اخی الجنی نفسی فداءہ	مجھکو میرے جن دوست نے میری جان اُسپر فدا ہو،
بافیح جیاش العشیات مرجم[3]	شامون کیوقت سب سے بڑے جوش مارنیوالے اور سخت پتھر اگر نیوالے

جو اعلیٰ درجے کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن مذکر ہوتا تھا، ابو النجم کہتا ہے،

---

[1] بخاری جلد اول ص۵۴۲ کتاب الطب باب الکہانۃ[2] صحیح بخاری ایضًا ص۵۴۳[3] اعشیٰ کے دیوان مطبوعہ ویانا صفحہ ۱۵۶ مین صرف پہلا شعر ہے، اور اس کا بھی دوسرا مصرع اس طرح ہے، جھنام جدعًا للھجین المذمم،

انّی وکل شاعر من البشر — ہر شاعر کا شیطان تو مونث ہے
شیطانہ انثی وشیطانی ذکر — مگر میرا شیطان مذکر ہے

شنقنان اور شیصبان، رؤسائے شیاطین تھے جو شاعری سکھلاتے تھے، ایک شاعر کو اس پر فخر تھا کہ اس کا معلم اسی شیصبان کی اولاد سے ہے،

ولی صاحب من بنی الشیصبان — میرا ساتھی شیصبان کی اولاد ہے
فطورًا اقول وطورًا ھو ہ — تو کبھی میں شعر کہتا ہوں کبھی وہ،

اوہام پرستی سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اسکا جوڑا آکر بدلہ لیتا ہے[1]، یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرند بنکر اڑتی رہتی ہے، اسکو ہامہ کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے، جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے، مثلاً اسوقت کوئی پرند داہنی جانب سے اڑا تو مبارک سمجھتے تھے اور بائیں جانب سے اڑا تو اسوقت اس کام سے باز رہتے تھے، بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر نر ہوتا تو بت پر چڑھا دیتے، اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اسکو چھوڑ دیتے وہ سانڈ کیطرح چھوٹی پھرتی،

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے کہ نظر نہ لگجائے، جب کبھی قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھانس پھونس باندھکر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس سے پانی برسیگا، سفر میں جاتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھکر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھلگئی ہے تو سمجھتے کہ انکی بیوی نے بدکاری کی، سفر میں راستہ بھولجاتے تو کپڑے الٹکر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جاتا ہے[2]، یہ خیال تھا کہ جو شخص لات وعزیٰ کو گالی دیتا ہے اس کو برص یا جذام ہوجاتا ہے[3]، ہاتھوں میں پیتل کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے[4]،

---

[1] ابوداؤد مطبوعہ مجتبائی جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ [2] یہ باتیں بلوغ الارب اور اطوار العرب وغیرہ کتابوں میں مذکور ہیں [3] مسند دارمی صفحہ ۸۹ [4] ابن ماجہ جلد صفحہ ۱۰۸،

اس قسم کے سیکڑون اوہام پھیلے ہوئے تھے، جنکا شمار نہین ہوسکتا،

یہ تو اُن کے مذہبی حالات وخیالات تھے، انکی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی پست تھی، اُن کے اخلاقی معائب مین سب سے نمایان چیز انکی جنگجوئی تھی جس نے اُن کو حد درجہ خونخوار، سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا،

جنگجوئی

ذرا ذراسی بات پر لڑ مرنا، اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے، اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرپیکار رہتا، ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزون کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ مین پرورش پاتا تھا، اور جوان ہوکر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا، اور اس طرح ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسون تک قائم رہتا تھا، انھین لڑائیون کو مورخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہین، جنکی تعداد سینکڑون سے متجاوز ہے، میدانی نیشاپوری المتوفی ۵۱۸ھ نے کتاب الامثال مین ان مین سے ۱۳۲ لڑائیون کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے،

هذا الفن لا يستقصى الاحصاء فاقتصرت على ما ذكرت (جلد ۲ ص۳۷۰ خیریہ مصر)

یہ فن شمار کا استقصار نہین کر سکتا، اسلئے جو کچھ مین نے بیان کیا ہے، اسی پر مین نے قناعت کی،

یہ تمام لڑائیان وہ ہین جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئین، اُن مین سب سے مشہور لڑائی عبس وذبیان کی ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دو قبیلون کے دو گھوڑے داحس اور غبرا کا باہمی مقابلہ تھا، ان مین سے ایک فریق نے گھوڑدوڑ کے قواعد کی خلاف ورزی کی، اور لڑائی ہو پڑی، یہ لڑائی ان دونون قبیلون مین پورے چالیس برس تک قائم رہی، دوسری مشہور لڑائی حرب بسوس ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ بسوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی، کلیب بن وائل کے چراگاہ مین جا پڑی، کلیب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ مین آگ لگا دی، کلیب جان سے مارا گیا، اور بکر و تغلب مین خونریز جنگ ہوئی، عکاظ کے میلہ مین سلیم اور غطفان کے سردارون مین کچھ مناقشہ ہوا، چند روز کے بعد موقع پاکر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام کے لیے خون کی ندیان بہین، بکر و تمیم مین ایک چراگاہ کے معاملہ

مین خونریز لڑائی ہوئی، اوس وخزرج مدینہ کے دو قبیلون مین جو ہولناک لڑائیان ہوتی رہین، اُن مین سب سے مشہور **یوم بُعاث** ہے، جسمین دونون قبیلون کے اکثر سردار کام آئے، اس لڑائی کا خاتمہ انصار مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیون کا نام **ایام فجار** ہے، ایک اور مشہور لڑائی کا نام **ذی قار** ہے،

الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی، قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور لڑائیون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا[1]، ان مین لڑنا، اور مرنا اور مارنا جاہلیت کا شرف، اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی، اور اس خون آشامی کا ذوق ان کی فطرت ثانیہ بنگئی تھی، ان لڑائیون مین سفاکی، بیرحمی، اور قتل و غارت کی بدترین مثالین پیش آتی رہتی تھین،

شراب خواری شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور مظالم اور بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربون مین اسکا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکدہ بنگیا تھا، اس کا نہ پینا اس قدر نامانوس بات تھی کہ جن چند آدمیون نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا، اُن کے نام یاد رکھے گئے ہین، دوست واحباب کسی گھر مین جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، ساتھ ہی جوے کھیلتے، اُن مین اونٹون کی ہارجیت ہوتی، جو جیتتا وہ جیتے ہوے اونٹون کو اوسی وقت ذبح کرکے لوگون کو کھلا دیتا، کبھی نشہ مین سرشار ہو کر خود صاحب خانہ اُٹھ کھڑا ہوتا، اور اپنے اونٹون کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا، لوگ گوشت بھونتے، کباب لگاتے، اور کھاتے اور کھلاتے، اور اپنی اس بیجا فیاضی پر فخر کرتے، سامنے فاحشہ مغنیہ عورتین گاتین بجاتین، اور اوسی مخموری کے عالم مین بیشرمی کی باتین کرتے، جاہلیت کا مشہور شاعر طرفہ کہتا ہے،

وان تبغنی فی حلقة القوم تلقنی	وان تقتنصنی فی الحوانیت تصطد
اگر تو مجھے لوگون کے حلقہ مین ڈھونڈے تو پائیگا	اور اگر شرابخانون مین مجھو شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے،
متی تاتنی اصبحك كاسا رويّة	وان كنت عنها غانيًا فاغن وازدد

[1] ان لڑائیون کے مفصل حالات کے لیے دیکھو عقد الفرید ابن عبدربہ جلد ۳ اور امثال میدانی لفظ "یوم"

جب بھی تو میرے پاس آئے میں تجھے شراب کا لبریز پیالہ پلاؤں گا، اور اگر تو اس سے بے نیاز ہو کر نہ آئے، جا اور بے نیازی کر

ندامای بیض کالنجوم وقینۃٌ ‏ ‏ ‏ تروح الینا بین برد ومجسد

میری محفلِ شراب کے ہمنشین ستاروں کی طرح گورے چٹے ہیں ایک مغنیہ ہے جو شام کو ہمارے پاس لمبی چادر اور زعفرانی کپڑوں میں آتی ہے

رحیب قطاب الجیب منها رفیقۃ ‏ ‏ ‏ بجس الندامی بضۃ المتجرّد

اُس کے گریبان کا شگاف بڑا ہے شرابی رفیقوں کی دست درازی سے مانوس اور اُسکے بدن کے برہنہ حصے لطیف ہیں،

اذا نحن قلنا اسمعینا انبرت لنا ‏ ‏ ‏ علی رسلها مطروفۃ لم تشدّد

جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ، تو آہستہ آہستہ ۔ ۔ ۔ نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے،

وما زال تشرابی الخمور ولذّتی ‏ ‏ ‏ وبیعی وانفاقی طریفی ومتلدی

میری شراب نوشی، اور لذت اندوزی، اور اپنی حاصل کردہ اور موروثی دولت کو خرچ کرنا میرا شعار رہا۔

فلولا ثلاث هنّ من لذۃ الفتی ‏ ‏ ‏ وجدّک لم احفل متی قام عوّدی

اگر تین باتیں نہ ہوتیں، جو ایک شریف کا لطفِ ذوق ہیں، تو میں اپنی موت کی پروا نہ کرتا،

فمنهن سبق العاذلات بشربۃ ‏ ‏ ‏ کمیت متی ما تعل بالماء تزبد

اُن میں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بات کا خیال کیے بغیر سرخ وسیاہ رنگ شراب کا پیالہ پی لینا کہ جس میں پانی ملانے سے جوش آئے

وتقصیر یوم الدجن والدجن معجب ‏ ‏ ‏ ببهکنۃ تحت الخباء المعمّد

اور دوسری بادل گھنگھور گھٹا کے دن کو اور وہ کیسا پر لطف دن ہوتا ہے کسی بلند خیمہ کے نیچے حسین معشوقہ سے لطف اندوزی میں چھوٹا کرنا،

کریم یروّی نفسه فی حیاته ‏ ‏ ‏ ستعلم ان متنا غدا ایّنا الصدی

میں وہ فیاض ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کر سیراب کرتا ہے، موت کے بعد معلوم ہوگا کہ ہم میں پیاسا کون ہے

وبرک هجود قد اثارت مخافتی ‏ ‏ ‏ بوادیها امشی بعضب مجرد

کتنے سوئے بیٹھے اونٹ تھے، کہ میرے خوف نے ان کے اگلوں کو ڈرا دیا جب میں ننگی تلوار لیکر چلا۔

فمرت کہاۃ ذات خیف جلالۃ　　عقیلۃ شیخ کالوبیل یلندد

تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڈھے کی جو لٹھ کی طرح جھگڑالو تھا، قیمتی چیز تھی سامنے آگئی

وقال الا ماذا ترون بشارب　　شدید علینا بغیہ متعمد

(تلوار سے کونچ کاٹ کر اوسکو گرا دیا) تو اُس بڈھے نے کہا کہ اس بدمست کو دیکھو جو جان بوجھکر ظلم کر رہا ہے

فظل الاماء یمتللن حوارھا　　ویسعیٰ علینا بالسدیف المسرھد

تو لونڈیاں اوسکے بچہ کو بھوننے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لیکر دوڑنے لگیں،

لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر، اور سبعہ معلقہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے،

بل انت لاتدرین کم من لیلۃ　　طلق لذید لھوھا وندامھا

بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں، جن کی دلچسپی اور مستی پر لطف تھی

قد بتُّ سامرھا وغایۃ تاجر　　وافیتُ اذ رُفعت وعزّ مدامھا

میں اُن کا قصہ گو تھا، اور شراب فروش کی منزل میں آتا جاتا رہا جب شراب کی قیمت زیادہ، اور شراب گران ہوگئی تھی

اُغلی السباء بکلّ ادکن عاتقٍ　　اوجونۃ قدحت وفضّ ختامھا

میں اوسکی قیمت کو اور گران کر رہا تھا اپنی خاکی رنگ کی مشک یا خم کو خرید کر جو پیالوں میں بھری جاتی، اور اوسکی مہر توڑی جاتی،

وصبوح صافیۃ وجذب کرینۃ　　بموتّر تأتالہ ابھامھا

اور کتنی صبح کی صاف شراب، اور مغنیہ کا عود کو کھینچکر، اپنے انگوٹھے سے دبانا

بادرت حاجتھا الدجاج بسحرۃ　　لاعلّ منھا حین ھبّ نیامھا

میں نے شراب کی ضرورت مرغ سحر سے پہلے پوری کی، تاکہ میں اُسکے سونے والوں کے جاگنے سے پہلے دہراؤں،

تغلب اُن قبیلوں میں تھا جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن اس مذہب نے بھی عربوں

کو اس بری عادت سے باز نہیں رکھا تھا، بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انھیں عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی

تغلب کا سب سے بڑا شاعر اپنے فخریہ مین کہتا ہے:

الاھبی بصحنك فاصبحینا ولا تبقی خمور الاندرینا

ہان اپنا پیالہ لیکر اُٹھ جا اور مجھے صبح کی شراب پلا، اور اندر کے (شامی) گاؤون کی کوئی شراب چھٹنے نہ پائے

مشعشعۃ کأنّ الحص فیھا اذا ما الماء خالطھا سخینا

پانی مین ملی ہوئی گویا اُنہین کوسم کے پھول پڑے ہین، جب گرم پانی اُس مین ملاؤ،

تجور بذی اللبانۃ عن ھواہ اذا ما ذاقھا حتّٰی تلینا

غرضمند عشق بھلادے، اگر اوس کو چکھ لے، یہانتک کہ اوس کو نرم کردے

تری اللحز الشحیح اذا اُمرّت علیہ لمالہ فیھا مُھینا

تنگ دل بخیل پر بھی اگر اُس کا ایک دور گذار دیا جائے تو وہ اپنی دولت کو لٹادے

صبنتِ الکاس عنا امّ عمرٍ وکان الکاس مجراھا الیمینا

اے عمر کی مان! تونے ہم سے پیالہ ہٹالیا، حالانکہ پیالہ کا دور داہنی طرف تھا

وما شرّ الثلثۃ امّ عمرٍ بصاحبك الّذی لا تصبحینا

حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہین پلاتی، تین مین سب سے بدتر نہین،

وکاس قد شربت ببعلبك واخری فی دمشق وقاصرینا

اور ایک وہ پیالہ جسکو بعلبک مین پیا، اور دوسرا وہ جو دمشق اور قاصرین مین پیا،

ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ جاہلیت مین شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب فروشون کی دوکانین کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھین، اور نشان کے لیے وہان جھنڈا اوڑا کرتا تھا، جسکو غایۃ کہتے تھے (دیکھو لبید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا لفظ "شراب فروشی" کا مرادف بنگیا تھا، ایک جاہلی شاعر عمرو بن قمیئہ کہتا ہے،

اذا سحب الريط والمروط الی ادنی تجاری وانفض اللمما

یاد ہو وہ دن جب مین اپنی چادر گھسیٹتا ہوا قریب ترین شرابخانہ مین جاتا تھا اور اپنے گیسوون کو جھاڑتا تھا' (حماسہ)

بدر مین قریش کے جو دولتمند رؤسا مارے گئے تھے، ان کے مرثیہ مین قریش کا ایک شاعر خاص طور سے ان کی بزم شراب، اور مجلس رقص وسرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے،

وماذا بالقليب قليب بدر من القينات والشرب الكرام[1]

بدر کے گڈھے مین (جسمین مقتولین کی لاشین ڈالی گئی تھین) ناچنے والیون اور فیاض شرابیون کا ماتم ہے

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان مین شراب کے ڈھائی سو نام ہین، اور علامہ مجد الدین فیروزآبادی نے خاص ان نامون پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، تمام گھرون مین شراب کی مجلسین قائم ہوتین، گھر کی عورتین اور چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے، یہ شعر اوپر گذر چکا ہے، جس مین شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے،

صبنتِ الكاس عنّا امّ عمرٍو اے امّ عمر! تو نے شراب کا پیالہ ہم سے ہٹا لیا

وكان الكاس مجراها اليمينا حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہین کہ اسلام لانے سے پہلے مین اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کمسنی مین یہ سنا کرتا تھا، اسقنا كاساً دهاقاً "شراب کا ایک لبریز پیالہ ہم کو پلا"[2]

صحیح بخاری کتاب الاشربہ مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی ہے تو اسوقت ایک مجلس قائم تھی جسمین حضرت ابو دجانہؓ، ابوطلحہ، سہیل بن بیضا شریک تھے، اور مین جو کہ سب سے کمسن تھا ساقی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا، شراب کس بے تکلفی سے پی جاتی تھی، کس درجہ کے لوگ پیتے تھے، کس قسم کے افعال اس حالت مین سرزد ہوتے تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت[3] سے ہوگا جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے،

[1] صحیح بخاری، باب الہجرہ، جلد اول ص ۵۵۵، [2] صحیح بخاری باب ایام الجاہلیۃ جلد اول ص ۵۴۱ [3] ایضاً کتاب المغازی، غزوہ بدر ص ۵۷۱

غزوۂ بدر میں حضرت علیؓ کو مال غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی خمس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عطا فرمائی، حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا، اور وہ دعوت ولیمہ کی طیاری کر رہے تھے، ارادہ تھا کہ جنگل میں جا کر اذخر (ایک گھانس کا نام ہے) لائیں اور زرگرون کے ہاتھ فروخت کریں اس ارادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ اُن کی اونٹنیون کے کوہان کسی نے کاٹ لیئے ہین اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے، لوگون سے پوچھا کہ یہ کسکا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر مین حضرت حمزہؓ چند انصار کیساتھ شراب پی رہے تھے، ایک مغنیہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا،

الا یا حمز للشرف النواء — اے حمزہ! موٹی اونٹنیون کے لیئے،

حضرت حمزہؓ تلوار لیکر اُٹھے اور اونٹنیون کے پیٹ چاک کر کے، اُن کے کلیجے نکال لیئے، حضرت علیؓ نے جا کر، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ و زیدؓ کو لیکر، حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، حضرت حمزہؓ مخمور تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا، اور کہا "تم سب میرے غلام ہو" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ حالت دیکھکر چلے آئے،

حضرت حمزہؓ نے ۳ھ مین شہادت پائی ہے، اسوقت تک شراب حرام نہین ہوئی تھی،

شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی ہی، اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح اسمین مبتلا تھا کس طرح وہ مقبول عام ہو چکی تھی کہ اسکی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہین ہوتا تھا، اور کنایہ اور اشارہ سے گذر کر جبتک صاف صاف ممانعت نہین کر دی گئی لوگ سمجھ نہین سکے،

ابو داؤد، کتاب الاشربہ مین روایت ہی کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا، "اے خدا! شراب کے بارہ مین ہم کو صاف صاف بتا دے" ان کے اصلی الفاظ یہ ہین،

اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شفاء۔ — اے خدا! شراب کے بارے مین ہمارے لیے شافی بیان کر دے

اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت اتری،

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	لوگ تم سے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے
قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ	ہین، تو کہدو کہ ان دونون مین بڑا گناہ ہے، اور
لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا،	لوگون کے لیے فائدے بھی ہین، لیکن فائدہ سے
(بقرہ ۸-۲۷)	گناہ بڑھ کر ہے،

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہانتک کہ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا، ایک صاحب[1] نے امامت کی، مگر نشہ کے خمار مین قل یا ایہا الکافرون کے سورہ کو کچھ کا کچھ پڑھ گئے، اس پر یہ آیت اتری،

[1] شراب کی حرمت کی یہ تدریجی صورت حضرت عمرؓ (ترمذی تفسیر مائدہ وابو داؤد کتاب الاشربہ) حضرت ابو ہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۳۵۱) اور حضرت علیؓ (ابو داؤد کتاب الاشربہ) سے مروی ہے، یہ بات کہ وہ کون صحابی تھے جنھون نے نشہ کی حالت مین غلط سلط سورۃ پڑھ دی تھی، روایات سے صاف طور سے ظاہر نہین ہوتی، ایک روایت مین حضرت علیؓ کا نام ہے، دوسری مین عبدالرحمان بن عوفؓ کا نام اور تیسری مین کوئی مہاجر مذکور ہے، حضرت الاستاذ نے سیرۃ جلد دوم (تاریخ احکام ذکر حرمت شراب) مین ابو داؤد کتاب الاشربہ کے حوالے سے حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا، مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطار بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی ہے، ابوعبدالرحمن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اس سے یہ روایت مختلف طریقون سے آتی ہے، اور ہر ایک مین شراب پینے والون، اور حالت نشہ مین نماز پڑھانے والے کے نام کا اختلاف ہے، چنانچہ ہر روایت کے اصل الفاظ یہ ہین:-

وہ روایتین جنمین حضرت علیؓ کا نام ہے،

۱-عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب	ابوجعفر رازی نے عطار بن سائب سے، عطار نے ابوعبدالرحمان
عن ابی عبدالرحمان السلمی عن علی بن ابی	سلمی سے، ابوعبدالرحمان سلمی نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت
طالب قال صنع لنا عبدالرحمن بن عوف	کی ہو کہ انھون نے فرمایا کہ عبدالرحمان بن عوف نے ہمارے لیے
طعامًا فدعانا وسقانا من الخمر فاخذت	کھانا تیار کرایا اور ہمکو مدعو کیا اور شراب پلائی، جب ہم شراب کے نشہ
الخمر منا وحضرت الصلوٰة فقدمونی	مین چور ہو گئے، اور نماز کا وقت آیا تو لوگون نے مجھکو امام بنایا، اور
فقرأت قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون و	مین نے "قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء ـ ۷)

نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو، یہان تک کہ تم جو کہو اسکو سمجھ بھی سکو،

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز مین شامل نہ ہونے پائے"

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۵) ونحن نعبد ما تعبدون، فانزل اللہ یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ، (ترمذی تفسیر نساء)

ونحن نعبد ما نعبد ون" پڑھی، اسپر خدا نے یہ آیت اتاری "یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ" یعنی مسلمانو! نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو،

۲۔ عن سفیان حدثنا عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان السلمی عن علی علیہ السلام ان رجلاً من الانصار دعاہ وعبد الرحمٰن بن عوف فسقاھما قبل ان تحرم الخمر فامّھم علی فی المغرب فقرء قل یا ایھا الکافرون فخلط فیہا فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون (ابوداؤد کتاب الاشربہ)

۲۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے، عطاء نے ابو عبد الرحمان سلمی سے، ابو عبد الرحمان سلمی نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو اور عبد الرحمان بن عوف کو مدعو کیا اور تحریم شراب سے پہلے ان دونون کو شراب پلائی، پھر علی نے نماز مغرب کی امامت کی اور قل یا ایھا الکافرون" پڑھا، لیکن اسمین گڈمڈ کر دیا، اسپر یہ آیت اتری، "لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون" نشے کی حالت مین نماز کے پاس جاتے نہ جاؤ یہانتک کہ جو کچھ کہتے ہو اُسکو جان لو،

وہ روایتین جنمین عبد الرحمٰن بن عوف کا نام ہے،

۳۔ عن سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعانا رجل من الانصار قبل ان تحرم الخمر فتقدم عبد الرحمان بن عوف و صلّی بھم المغرب فقرء قل یا ایھا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ، الاٰیۃ (مستدرک حاکم کتاب الاشربہ)

۳۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے، عطاء نے ابو عبد الرحمان سلمی سے، ابو عبد الرحمان سلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تحریم شراب سے پہلے انصار کے ایک شخص نے ہمکو مدعو کیا تو عبد الرحمان بن عوف نے امامت کی اور اُنکو مغرب کی نماز پڑھائی اور "قل یا ایھا الکافرون" پڑھا لیکن اسمین خلط ہو گیا اُسپر یہ آیت اتری "لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ الاٰیۃ" نشے کی حالت مین نماز نہ پڑھو،

۴۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن بن (؟) عبد الرحمان عن علی رضی اللہ عنہ انہ کان ھو وعبد الرحمان ورجل اٰخر یشربان

۴۔ سفیان نے عطاء بن السائب سے، عطاء نے ابن عبد الرحمان سے، ابن عبد الرحمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اور عبد الرحمان بن عوف اور ایک دوسرا آدمی شراب

لیکن چونکہ اب بھی ممانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے علاوہ اور اوقات مین لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی، اتفاق سے اوسی زمانہ مین بعض انصار نے حضرت سعد وقاصؓ کی دعوت کی، اُس مین شراب کا دور بھی چلا، یہ پی کر بدمستی مین کہنے لگے کہ مہاجر انصار سے بہتر ہین، اسپر بات بڑھی، اور مارپیٹ تک نوبت پہنچی، اس پر یہ حکم آیا، (صحیح مسلم فضائل سعد بن وقاص)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) الخمر فصلی بھم عبد الرحمان بن عوف فقرء قل یا ایھا الکافرون فخلط فیھا فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ الایہ (مستدرک حاکم کتاب الاشربہ)

پی رہے تھے اور اُنکو عبد الرحمان بن عوف نے نماز پڑھائی، اور "قل یا ایھا الکافرون" پڑھا جس مین خلط ملط کر دیا، اُس پر یہ آیت اتری، "لا تقربوا الصلوٰۃ" الایہ،

۵- خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان ان عبد الرحمان صنع طعاما فدعا ناسا من اصحاب النبی صلعم فیھم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فقرء قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدتم فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ الایہ (مستدرک حاکم کتاب الاشربہ)

۵- خالد بن عبد اللہ عطاء بن سائب سے، عطاء ابی عبد الرحمان سے روایت کرتے ہین کہ عبد الرحمان نے کھانا تیار کرایا اور صحابہ مین سے چند لوگون کو جنمین علی بن ابی طالب بھی تھے بلایا، انھون نے، "قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدتم" پڑھی، اس پر یہ آیت اتری "لا تقربوا الصلوٰۃ" الایہ،

وہ روایت جسمین نام کی تعیین نہین،

۶- سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان عن علی رضی اللہ عنہ قال دعانا رجل من الانصار قبل تحریم الخمر فحضرت صلوٰۃ المغرب فتقدم رجل فقرء قل یا ایھا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ، الایہ (مستدرک حاکم تفسیر نساء)

۶- سفیان عطاء بن سائب سے، عطاء ابو عبد الرحمان سے وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہین کہ انھون نے فرمایا کہ تحریم شراب سے پہلے ہمکو انصار کے ایک شخص نے مدعو کیا، نماز مغرب کا وقت آیا تو ایک آدمی نے امامت کی، اور "قل یا ایھا الکافرون" پڑھا، لیکن اسمین خلط ملط کر دیا، اسپر یہ آیت اتری، "لا تقربوا الصلوٰۃ" الایہ،

ان چھ روایتون مین مختلف قسم کے اختلافات ہین،

پہلی اور پانچوین روایت مین ہے کہ داعی عبد الرحمانؓ بن عوف تھے، دوسری، تیسری اور چھٹی مین ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی مین دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ	اے ایمان والو! بیشک شراب، جوا، بت اور پانسے
وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ	ناپاک اور شیطان کے کام ہین، تو ان سے بچو،
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، (مائدہ۔۱۲)	تاکہ فلاح پاؤ،

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی، حرمتِ شراب کی یہ آخری آیت جس وقت اتری ہے، حضرت ابو عبیدہؓ امین، اور ابی بن کعبؓ جو سیّد القرار تھے، ابو طلحہؓ کے گھر مین مہمان تھے، اور شراب کا دور چل رہا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱) ۲۔ پہلی اور دوسری مین ہے کہ امام حضرت علیؓ تھے، جنھون نے نشہ مین کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری چوتھی اور پانچوین مین ہے کہ وہ امام عبدالرحمان بن عوفؓ تھے، اور چھٹی مین حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا،

۳۔ اور روایتون مین ہے کہ اس دعوت کی مجلس مین شراب تھی چھٹی مین شراب کا مطلق ذکر نہین ہے، بلکہ وہ شخص جو امام بنا تھا، وہی شاید کہین سے پی کر آیا ہو، گوکہ حرمتِ شراب سے پہلے پینا کوئی شرعی جرم نہین، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پینا جو بچپن سے آنحضرت صلعم کی صحبت و تربیت مین پل کر جوان ہوے، قیاس کے خلاف ہے، خصوصاً اس آیت کے بعد، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ (کہدے کہ شراب اور جوے مین بڑا گناہ ہے) حضرت علیؓ کا پینا، اور بھی زیادہ واقعہ کی صحت مین شک پیدا کرتا ہے، پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس روایت مین مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہین جو ناقابلِ تطبیق ہین،

ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے، جب اُن کے راویون پر نظر ڈالی جاتی ہے، سب سے پہلا راوی ابو عبدالرحمان سُلمی جسکا نام عبداللہ بن حبیب ہے، وہ پہلے حضرت علیؓ کا طرفدار و حامی (شیعہ) تھا، بعد کو عثمانی (بنی امیہ کا طرفدار) اور حضرت علیؓ کا مخالف ہوگیا، پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اُس نے حضرت علیؓ سے سنا ہے، محدّثین مین مسلّم نہین، بخاری نے اس کو مانا ہے، لیکن ابن ابی حاتم نے اس سے انکار کیا ہے، روایت کے دوسرے راوی عطار بن السائب کا حافظہ خراب ہوگیا تھا، اس لیے لوگون نے اُسکو چھوڑ دیا تھا، گو سفیان کی اس سے روایتین حافظہ کی خرابی سے پہلے کی سمجھی جاتی تھین، مگر اوپر کی روایتون مین دیکھو کہ خود سفیان کی روایتون مین بھی وہی ناقابلِ تطبیق اختلاف موجود ہے، ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فیہ جزئیات غیر مسلّم ہین، اور واقعہ کی اصلی صورت وہی ہے جو چھٹی روایت مین ہے، کہ وہ مجلس محض دعوت کی تھی، جسمین حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ موجود تھے، کہ نماز کا وقت آگیا، اور ایک صاحب جو مخمور تھے، نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے، اور آیتین غلط سلط پڑھ دین، چونکہ اس واقعہ کے راوی حضرت علیؓ تھے، اور وہ دعوت مین بھی شریک تھے، اسلئے یا تو ابو عبدالرحمان سُلمی عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ مین یا عطار نے ذرا سے بھول مین، واقعہ کی نسبت اودھر سے اودھر کر دی،

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے، جس کی سند اس پورے سلسلہ سے الگ اور مستقل ہے،

۷۔ عن ابی ھریرۃ قال حرمت الخمر ثلاث مرات قدم رسول اللہ صلعم المدینۃ وھم یشربون الخمر و یاکلون المیسر فسألوا رسول اللہ صلعم عنھما فانزل اللہ علی نبیہ صلعم یسئلونک	حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھون نے کہا کہ شراب تین بار مین حرام کیگئی، رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے، اور جوے کا مال

ساقی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الاشربہ مین، خود حضرت انسؓ کی زبانی روایت ہے،

كنت اسقي اباعبيدة وابا طلحة و أبي بن كعب .. فجاءهم آتٍ فقال انّ الخمر حُرّمت۔

مین، ابوعبیدہ اور ابی بن کعب اور ابوطلحہ کو شراب پلارہا تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ شراب حرام ہوگئی،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح مین صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابون کے حوالہ سے لکھا ہے

(بقیہ حاشیہ ۲۱۸) عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما الاية فقال الناس ما حرّم علينا انما قال فيهما اثم كبير وكانوا يشربون الخمر حتى اذا كان يوم من الايام صلّى رجل من المهاجرين امّ اصحابه في المغرب خلط في قراءته فانزل الله فيها اية اغلظ منها يا ايها الذين آمنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون، وكان الناس يشربون حتى ياتي احدهم الصلوٰة وهو مفيق، ثم انزلت آية اغلظ من ذلك يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون فقالوا انتهينا ربّنا (مسند احمد جلد ۲ ص۳۵۱)

کھاتے تھے، لوگون نے آپؐ سے ان دونون کے متعلق سوال کیا تو خدا نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی "یسألونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما، الایہ" لیکن لوگون نے کہا خدا نے ہم پر حرام نہین کی صرف یہ کہا کہ "ان دونون مین بہت بڑا گناہ ہے" اب بھی لوگ شراب پیتے رہے، یہانتک کہ ایکدن ایک مہاجر نے نماز مغرب پڑھائی اور اپنی قرأت مین خلط کردیا، اسلیے خدا نے شراب کے متعلق اس سے زیادہ سخت آیت اتاری "یا ایها الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون" اب بھی لوگ شراب پیتے رہے، البتہ جب کوئی نماز پڑھنے جاتا تھا تو ہوش کی حالت مین جاتا تھا پھر اس سے زیادہ سخت آیت نازل ہوئی "یا ایها الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" اب لوگون نے کہا کہ خداوندا ہم باز آئے،

اس مین حضرت علیؓ کا کہین ذکر بھی نہین، حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے اشارہ سے وہ شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے، قبول کے قابل نہین، محدثین مین حاکم نے مستدرک مین چھٹی روایت کو لکھکر بیان کیا ہے کہ اس واقعہ مین حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خوارج کی کارستانی ہے جس کی تردید اس روایت سے ہوجاتی ہے جس کو خود حضرت علیؓ

کہ اس جلسہ مین گیارہ بزرگ شریک تھے جنمین حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے، اس موقع پر لحاظ کے قابل یہ بات ہے، کہ اگرچہ یہ مدتون کی عادت تھی، اور اسوقت بھی سب خمار مین جھوم رہے تھے، تاہم جون ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی ممانعت کر دی، کسی نے پوچھا گچھا تک نہین اور دفعتہً جام و سبو توڑ ڈالے، یہ صرف ابو طلحہؓ کے گھر کا حال نہ تھا، بلکہ تمام مدینہ کے گلی کوچون مین شراب کی ندیان بہ گئین، بخاری، باب المظالم مین ہے،

فجرت فی سکک المدینۃ — مدینہ کی گلیون مین شراب بہتی پھرتی تھی،

ان ندیون کی روانی سے اندازہ ہوگا کہ عرب مین شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا،

قماربازی شرابخواری کے ساتھ ساتھ اُن مین قماربازی کا بھی عام رواج ہوگیا تھا، عرب کے مال و دولت کا تمامتر سرمایہ اونٹون کے چند گلّون تک محدود تھا، اس لیے جوّا بھی انھین کے ذریعہ سے کھیلا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہل شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے،

أعيّرتنا ألبانها ولحومها — وذلك عار یا ابن ریطة ظاهر

کیا تو ہمپر عیب لگاتا ہے کہ ہم اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہین، اے ابن ریطہ ہمپر یہ عیب نہین لگ سکتا

نحابي بها أكفاءنا ونهينها — ونشرب في أثمانها ونقامر

ہم انکو اپنے ہمسرون کو بطور عطیہ کے دیتے ہین اور انکو نھانی مین صرف کرتے ہین انکی قیمت سے شراب پیتے اور جوا کھیلتے ہین

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۱۹) روایت فرماتے ہین، حاکم کہتے ہین،

وفی هذا الحدیث فائدة کثیرة وهی ان الخوارج تنسب هذا السکر وهذه القراءة الی امیر المومنین علی بن ابی طالب دون غیره وقد برأه الله منها، فانه راوی هذا الحدیث (مستدرک، تفسیر نساء ج ۲ ص ۳۰۷)

اور اس حدیث مین بہت بڑا نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خوارج نے اس نشہ اور اس غلط قرأت کو امیر المومنین علی بن ابی طالب ہی کیطرف منسوب کیا تھا، تو خدا نے اُن کو اس الزام سے بری کر دیا کہ وہی اس حدیث کے راوی ہین،

درحقیقت وہ واقعہ کے صرف راوی تھے، لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علیؓ کو صاحب واقعہ بنا دیا، ملاحظہ فتح الباری جلد (۱۰) مطبوعہ مصر طبع اول صفحہ ۱۳۰ بحوالہ روایت ابی داؤد،

اس غرض سے اونٹون کو ذبح کرکے ان کے گوشت کو دس ٹکڑون مین تقسیم کردیتے تھے اور ان ہی ٹکڑون پر پانسے ڈالتے تھے، ان پانسون کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کرلیے تھے، جن کے نام یہ ہین، فذ، توام، رقیب، حلس، مسبل، معلی، منافس، منیح، سفیح، وغد، ان مین ہر تیر کے مختلف حصے معین کرلیے تھے، اور جب جوا کھیلتے تھے تو اون کو ایک تھیلے مین ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ مین دیدیتے تھے، وہ اون کو گڈمڈ کرکے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر نکالتا جاتا تھا، جس کے نام پر وہ تیر نکلتے تھے جن کے حصے مقرر تھے وہ کامیاب ہوتے تھے، اور جن تین تیرون کا کوئی حصہ نہ تھا، وہ جس کے نام پر نکلتے اُن کو ناکامیابی ہوتی تھی، اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہوجاتے تھے، ان کو فقیرون اور محتاجون اور دوستون پر تقسیم کردیتے تھے، چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لیے قماربازی کی مجلسون مین شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا، اور اس قسم کے لوگون کو نہایت بخیل خیال کرتے تھے، اور ان کو "برم" کا خطاب دے رکھا تھا[۱] جو لوگ یہ خطاب حاصل کرلیتے تھے اُن سے شادی بیاہ کرنا ننگ و عار خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنی بی بی کو وصیت کرتا ہے ؎

واذا هلكت فلا تريدي عاجزًا غسًّا ولا برمًا ولا معزالا

اور اگر مین ہلاک ہوجاؤن تو عاجز، کمزور، اور جوے مین نہ شریک ہونے والے اور سفر مین قوم سے علحدہ رہنے والے سے نکاح نہ کرنا،

جوے کی ایک صورت جس کو "رہان" کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے اور جب وہ شرط پوری نہین ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی اوسکو لے لیتے تھے، چنانچہ جب رومیون اور ایرانیون مین جنگ ہوئی اور باوجود رومیون کی شکست کے قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ اُن کو چند سال مین ایرانیون پر غلبہ حاصل ہوجائے گا، تو کفار نے حضرت ابوبکرؓ سے اسی قسم کی شرط لگائی، اور اس فتح کے لیے چھ برس کی مدت مقرر کی، چنانچہ جب یہ مدت گذر چکی اور رومیون کو فتح و ظفر نصیب نہین ہوئی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

۱؎ یہ پوری تفصیل تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۳۱ مین ہے،

کو بازی ہار جانا پڑی[۱]، رفتہ رفتہ اس قماربازی کا مذاق ان مین اس قدر عام ہوگیا تھا، کہ لوگ مال و دولت کھو چکنے کے بعد بی بی اور بال بچون پہ بازی لگا دیتے تھے[۲]، یہ قماربازی اور وہ بھی شراب کی بدمستی کے عالم مین اکثر مارپیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی، عبس و ذبیان کی چہل سالہ جنگ گھوڑ دوڑ ہی کی قماربازی کا نتیجہ تھی حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہوجاتے تھے،

سود خواری عرب مین سود خواری کا عام رواج تھا، تمام دولتمند سود پر لین دین کرتے تھے، حضرت عباس رض بن عبدالمطلب نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت صلعم کے چچا تھے، تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانے پر پھیلا رکھا تھا، اور اس تعلق سے سود خواری مین نہایت شہرت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع مین سود کی حرمت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے اُن ہی کے سود کو باطل قرار دیا، حضرت عثمان رض اور خالد بن ولید رض سود پر قرض دیتے تھے، مسعود ثقفی طائف کا مشہور رئیس تھا، اور اس کے بھائی عبد یالیل حبیب بن ربیعہ نہایت دولتمند تھے، بنو مغیرہ ان ہی لوگون مین سود پر داد و ستد کرتے تھے، چنانچہ جب طائف فتح ہوا، اور یہ چارون بھائی اسلام لائے، تو انھون نے مغیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی[۵]،

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِینَ (بقرہ-۳۸)	مسلمانو! خدا سے ڈرو اور بقیہ سود کو، اگر تم مسلمان ہو تو چھوڑ دو،

ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دولتمند شہر تھا، اس لیے وہان کے لوگ عموماً سود پر بیوپار کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جن شرائط پر مصالحت کی اُن مین ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کرینگے[۷]، اسی طرح یمن کے نجرانی سوداگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے، اُن سے بھی یہی شرط کیگئی[۸]،

---

[۱] ترمذی ص ۱۲۰ جوے کی اس صورت کو رہان کہتے تھے، اور اب تک وہ حرام نہین ہوئی تھی، [۲] تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۳۳، [۵] ایضاً ص ۵۲۰، [۷] فتوح البلدان بلاذری فتح طائف، [۸] ابو داؤد کتاب الامارۃ،

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے اور راس المال کے ادا کرنے کے لیے میعاد مقرر کر دیتے تھے، جب میعاد گذر جاتی تھی تو اس کا تقاضا کرتے تھے، اگر مدیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا، تو میعاد میں اور اضافہ کر دیتے تھے، اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھا لیتے تھے، لیکن اس نے ترقی کر کے ایک نہایت ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی، جو سود در سود سے بھی زیادہ خطرناک تھی، یعنی ایک میعاد متعینہ کے لیے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے لیکن مدت گذر چکتی اور تقاضا کرنے پر مدیون اس رقم کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے، لیکن اس کے معاوضہ میں راس المال میں بھی اضافہ کروا لیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دوگنی چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا، اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے مدیون کی کل جائداد مستغرق ہو جاتی تھی، یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشتکاروں کے ساتھ پیش آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کاشتکاروں کا تمام طبقہ چند دولتمندوں، اور خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں گرو تھا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی طریقۂ سود کو مٹانے کے لیے نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران)	مسلمانو! دو نا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ،

سود کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز سختیاں پیدا ہو گئی تھیں، مثلاً اگر راہن میعاد متعینہ پر مال مرہونہ کو چھڑا نہ سکتا تھا، تو مرتہن اس کا مالک ہو جاتا تھا، مال و دولت سے گذر کر عورتوں اور بال بچوں تک کو رہن رکھواتے تھے،

لوٹ مار عرب میں روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو غارت گر اور راہزن بنا دیا تھا تاہم بعض قبائل میں اس قسم کے خاص خاص جتھے قائم ہو گئے تھے، جنھوں نے راہزنی کو اپنا بالکل ذریعۂ معاش اور عام مشغلہ بنا لیا تھا، اس قسم کے لوگوں کو "لصوص" کہتے تھے۔ اور قبیلہ طے کو عرب میں عام طور پر جو شہرت حاصل

---

[1] موطا امام مالک صفحہ ۳۰۰ [2] بخاری، قتل کعب بن اشرف،

تھی، وہ اسی گروہ کی بدولت تھی،

یہ گروہ شہر سے باہر میدانون مین جنگلون مین، پہاڑ کے کھوون مین رہتا تھا، اور ادھر سے جو مسافر یا قافلے گذرتے تھے ان کو لوٹ لیتا تھا، ان کا استیصال صرف ایک پرزور نظام حکومت ہی سے ہو سکتا تھا جو عرب مین مفقود تھا، چنانچہ قبیلہ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپ سے ملنے آئے اور آپ نے ان سے یہ پیشین گوئی کی کہ "وہ دن آئیگا جب حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت بے خوف و خطر حضرموت کا سفر کریگی" تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور ان کو اس قبیلہ کے ڈاکوؤن کا حال معلوم تھا، اس لیے ان کو تعجب ہوا کہ پھر طے کے لصوص کیا ہو جائینگے؟

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، بلکہ اہل و عیال تک پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار رہتا تھا، تاجرون اور سوداگرون کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے بسلامت گذر نہین سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتون اور بچون کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا، اور مویشیون کو ہانک کر لے جاتا تھا، صبح کا وقت جبکہ رات بھر چلنے کے بعد مسافر آرام کرتے تھے اس کام کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، چنانچہ "صبح" کا لفظ عربی مین لوٹنے کے معنی مین جاہلیت مین عام طور سے بولا جاتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارنامون کو نظم کرتے تھے، اور فخریہ پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر حارث نامی ڈاکو کے سلامت نکل جانے پر کہتا ہے،

یا لهف زيابة للحارث الصابح فالغانم فالآئب

اے زیابہ کا افسوس حارث کے لیے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا، پھر لوٹنے والا پھر بسلامت واپس جانیوالا ہے؛

حج کے تین مہینون مین البتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ صبر نہین کرتے تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا، اس لیے وہ اس کو عیب نہین بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے، اور اس طرح ملک مین مسلسل قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ

جاری تھا،

چوری | ڈاکہ کے علاوہ اقتصادی حالات کی مجبوری سے بدوئن مین چوری کا رواج بھی تھا، مختلف قبیلون کے ایسے بہادر جو قبیلہ مین کوئی نمایان حیثیت نہین رکھتے تھے، وہ خصوصیت کیساتھ اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے، وہ تنہا بڑے بڑے خطرناک موقعون پر جاکر اس کام کو انجام دیتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، ان مین سے سلیک بن السلکہ اور تابط شرًا شہرت عام رکھتے تھے، تابط شرًا کا ایک قطعہ حماسہ مین ہے جسمین اپنی چوری اور حیلہ گری کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے،

قریش مین تجارت کے سبب سے دولت بھی تھی، اور خود خانہ کعبہ مین تحفون اور نذرانون کا خزانہ جمع رہتا تھا، اس لیے ان مین چوری کے مواقع بھی زیادہ تھے، چنانچہ کلبی نے متعدد ممتاز قریشیون کے نام بتائے، ہین جنھون نے اس خزانہ سے سونے کا ہرن چرالیا[1] تھا، بلکہ اس کے لیے خاص طور سے ابولہب کا نام لیا جاتا ہے[2]،

عام بدوعربون مین یہ برائی جبلی عام ہوگئی تھی اوسکا اندازہ اس سے ہوگا کہ آنحضرت صلعم ان مردون اور عورتون سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے، دوسری باتون کے ساتھ اُن سے یہ معاہدہ بھی لیتے تھے کہ "وہ آئندہ چوری نہ کرینگے"[3]، بلکہ خود قرآن پاک نے آپ کو اس کے معاہدہ لینے کا حکم دیا[4] تھا،

چوری کرنے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کرلیئے تھے، ایک شخص نے اپنی چھڑی کے کنارے ایک ٹیڑھا لوہا (محجن) لگا رکھا تھا، حج کے زمانہ مین آتا، اور جب حاجیون کو غافل پاتا تو اس لوہے کے سہارے سے ان کے اسباب کو کھینچ لیتا[5]،

جس طرح عرب مین طے کے ڈاکو لوٹ مار مین مشہور تھے اسی طرح بعض قبائل چوری مین شہرت عام رکھتے تھے، چنانچہ اسلم، غفار، مزینہ، اور جہینہ کے قبیلے تمام عرب مین اس بنا پر بدنام تھے کہ وہ خاص طور پر حاجیون کے مال و اسباب کی چوری کیا کرتے تھے[6]،

[1] فتح الباری، جلد ۱۲ صفحہ ۶۶، [2] کتاب المعارف لابن قتیبہ، [3] صحیح بخاری کتاب الحدود وصفحہ ۱۰۰۳ وصفحہ ۱۰۰۶، [4] سورۂ ممتحنہ رکوع ۲، [5] مسلم باب صلوٰۃ الکسوف،
[6] مسلم و بخاری، کتاب المناقب، باب اسلم و غفار،

چونکہ یہ چوری عربون کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی اسلیے اس کیلئے غیر و بیگانہ کی تخصیص نہ تھی، بلکہ اسکا اثر عزیز و اقارب، ہمسایہ، دوست واشنا، خاندان، غرض سب پر پڑتا تھا چنانچہ مدینہ مین، بشر، بشیر، مبشر تین آدمی تھے جنکو بنو ابیرق کہا جاتا تھا، ان مین بشیر منافق تھا اور آنحضرت صلعم کی ہجو مین شعر کہکر دوسرون کی طرف منسوب کردیتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگدست اور فاقہ مست تھے، انھون نے رفاعہ نامی ایک شخص کے بالاخانہ سے جسمین ہتھیار، تلوار، اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی، نقب لگاکر چوری کی، آپنے رفاعہ کے ہتھیار واپس دلائے لیکن رفاعہ نے اُن کو خدا کی راہ مین وقف کردیا اور بشیر بھاگ کر مشرکین سے جاملا[1]،

مردون کے علاوہ عورتین بھی اس مرض مین گرفتار تھین، اسی لیے قرآن پاک نے عورتون سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لینے کی بھی تاکید کی کہ اَنْ لَّا یَسْرِقْنَ (ممتحنہ ۲) یعنی وہ چوری نہ کرینگی، شرفا اگر اس الزام مین پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیئے جاتے تھے، اس لیے یہ برائی رکنے نہین پاتی تھی، چنانچہ اسلام کے بعد بھی جب قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا اور لوگون نے کہا، اس کے متعلق آنحضرت صلعم کی خدمت مین کون سفارش کریگا؟ لوگون نے اسامہ بن زید کو منتخب کیا، جنکو آپ بہت پیار کرتے تھے، انھون نے سفارش کی تو آپنے فرمایا "تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو"؟ پھر کھڑے ہوکر خطبہ دیا، اور اس مین فرمایا کہ "گذشتہ قومین، صرف اس لیے ہلاک ہوگئین کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور ضعیف چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو مین اس کا ہاتھ کاٹ لیتا[2]"،

خود شہر کے اندر اس قسم کے واردات کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن اُمیّہ ایک روز ایک بیش قیمت چادر اوڑھکر سو رہے تھے، ایک شخص نے موقع پاکر اس کو اڑالیا، وہ گرفتار کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت مین لایا گیا، تو آپنے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، صفوان کو اُسپر رحم آیا، اور آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک چادر کے لیے

---

[1] ترمذی صفحہ ۴۹۴ کتاب التفسیر سورۃ ن، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۳ کتاب الحدود،

ایک عرب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، آپ نے فرمایا، میرے پاس لانے سے پہلے ہی اسکا خیال رکھنا تھا، حاکم تک معاملہ پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہیں[1]،

سفاکی و بیرحمی و وحشت | رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے درندون کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے

زندہ اونٹ اور دنبہ کے کوہان اور چکتیان کاٹکر کباب لگاتے اور یہ انکی بڑی مرغوب غذا تھی،

زندہ جانورون کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور اُن پر تیراندازی کی مشق کرتے لڑائیون مین حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کر ڈالتے، مقتولون کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتین ان کے ہار بنا کر پہنتین، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کرینگے تو اسکی کھوپری مین شراب پینگے،

سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درختون کی ٹہنیان جھکا کر اُسکے اعضا اُن مین باندھ دیتے اور پھر ٹہنیون کو چھوڑ دیتے، مجرم کا بدن چر کر ٹہنیون کے ساتھ رہجاتا،

کبھی کبھی عورتون کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ ڈالدیتے، اس کے بدن کے ٹکڑے اڑجاتے، اس قسم کی سزائین اکثر عرب کے سلاطین اور رؤسا دیا کرتے تھے،

کبھی آدمی کو کسی کوٹھری مین قید کر کے اُس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے، یہان تک کہ وہ اسی طرح بھوکھ اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجاتا تھا، اس طریقۂ سزا کا نام اُن کے ہان "صبر" تھا، مُردون کی قبر پر اونٹ باندھ دیتے تھے، اور اوسکو کھانے کو نہین دیتے تھے، وہ چند روز مین مرجاتا تھا، سمجھتے تھے کہ یہ مُردے کی سواری بنیگا، اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے،

زنا اور فواحش | زنا اور فسق و فجور عام تھا، اور یہ واقعات، فخریہ اشعار مین بیان کیے جاتے تھے، امرأ القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کے ساتھ شاہزادہ اور والیِ ملک تھا، اس نے اپنی پھوپی زاد بہن عُنیزہ اور اور عورتون کے ساتھ جو افعالِ شنیعہ اور بیحیائیان کین، قصیدۂ لامیہ مین فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہین، باوجود اس کے

[1] دار قطنی صفحہ ۳۴۷ کتاب الحدود،

اس قصیدہ کے اشعار عرب مین بچہ بچہ کی زبان پر تھے،

ابن عباس سے روایت ہو کہ اہل جاہلیت گو بالاعلان زنا کو جائز نہین سمجھتے تھے لیکن چھپے چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو کمینہ پن ہو، لیکن چھپکر کرنے مین مضائقہ نہین[1]، فاحشہ عورتین گھرون کے سامنے جھنڈیان لگا کر بیٹھتی تھین[2] اور صاحب الرایات کہلاتی تھین، انکی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر ہی سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتین خود مکہ معظمہ مین تھین، ان مین سے ایک کا نام عناق تھا، مرثد غنوی نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگی کہ مین عناق سے نکاح کرون؟ اسپر یہ آیت[3] اتری،

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ (نور-۱) اور زانیہ عورت سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرتے ہین،

بڑے بڑے رؤسا گھر کی لونڈیون کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعہ سے جا کر کچھ کما لائین، اور انکی نذر کرین، عبداللہ بن ابی، مدینہ کا رئیس تھا، اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تاج بنوالیا تھا کہ اسکو بادشاہ بنا کر پہنائین گے، چنانچہ صحیح بخاری مین یہ واقعہ منقول ہے، عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیان تھین، ایک کا نام مسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا، وہ ان دونون کو زناکاری کرلنے پہ مجبور کرتا تھا، اسپر قرآن مجید کی یہ آیت اتری[4]،

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (سورۂ نور-۴) اپنی لونڈیون کو زنا پر مجبور نہ کرو،

موجودہ طریقہ کے علاوہ، نکاح کی اور چند قسمین جاری تھین، جو حقیقت مین بدکاری ہی کی قسمین تھین، ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر شخص ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پاس بھیجدیتے کہ اس سے بہتر ہو، بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ اسمین بھی وہی اوصاف آجائینگے جسکا یہ نطفہ ہے،

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جنکی تعداد ایک وقت دس سے زیادہ نہین ہوتی تھی، کسی عورت کے

۱؎ تفسیر طبری آیت محصنٰت غیر مسافحات ج ۵ ص ۱۳ مصر، ۲؎ صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ ص ۷۶۹،

۳؎ ابوداؤد، کتاب النکاح، ۴؎ صحیح مسلم، باب التفسیر،

پاس جاتے اور سب اس سے ہمصحبت ہوتے جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو سب کو بلوا بھیجتی اور کسی ایک سے کہتی تھی کہ یہ بچہ تمھارا ہے، اسکو قبول کرنا پڑتا، اور پھر وہ اسکا بیٹا سمجھا جاتا،

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ فاحشہ عورتین جو سرِ بازار جھنڈیان لگا کر بیٹھتی تھین، اُن کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلوا بھیجتین، وہ صورت شکل دیکھکر بتاتا کہ فلان شخص کا نطفہ ہے، عورت اسکو بلا کر کہتی کہ یہ تمھارا بچہ ہے، صحیح بخاری کتاب النکاح مین یہ تینون طریقے تفصیل سے مذکور ہین،

ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی، اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدتِ متعینہ کے لیے نکاح کر لیتے تھے، اُس مدت کے گذرنے کے بعد اُسکی اجرت دیکر اوسکو الگ کر دیتے تھے، اوسکو مُتعہ کہتے تھے، اسلام نے شروع مین اسکو ضرورۃً چندے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا،

بیشرمی وبیحیائی | شرم وحیا کا وجود نہ تھا، حجِ کعبہ مین ہزارون لاکھون آدمی جمع ہوتے لیکن (قریش کے سوا) باقی سب مادر زاد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتین جب ننگی ہو کر طواف کرتین تو لوگون سے کہتین کہ کوئی ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ سترِ عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتین،

اليوم يبدو بعضه او كله — آج بدن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا

فما بدا منه فلا أحله — اور جو کھلا ہو اُس سے لطف اٹھانے کی مین اجازت نہین دیتی،

صحیح مسلم باب التفسیر مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے،

نہاتے وقت اوٹ نہین کرتے تھے، کھلے میدان مین بے ستر ہو کر نہاتے تھے[1]

پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہین کرتے تھے[2] جلسون مین بیٹھتے تو بیویون سے ہم صحبتی کے تمام واقعات بیان کرتے[3]

سوتیلی ماؤن پر وراثۃً قبضہ کرکے بیوی بناتے،

---

[1] نسائی باب الاستتار عند الغسل [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ [3] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ

عورتون پر ظلم عورتون کی حالت نہایت خراب تھی، مورث کے متروکہ مین سے ان کو کچھ نہین ملتا تھا، عرب کا قول تھا کہ میراث اسکا حق ہے جو تلوار پکڑ سکتا ہو، اسی بنا پر چھوٹے بچّے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے،

لڑائیون مین مفتوحہ قبیلہ کی عورتین، عین میدان جنگ مین، فاتحین کے تصرّف مین آجاتین، اگر صلح ہو جاتی اور عورتین واپس دیدیجاتین، تو باوجود اس کے کہ سب کے ناموس برباد ہو چکے ہوتے، بدستور گھرون مین لے لیجاتین، اور یہ کوئی عیب نہین خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرّف پر فخر کرتے اور اشعار مین ادا کرتے، بنو ضبّہ نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو اُن کی عورتون کو عین میدانِ جنگ مین رُسوا کیا فرزدق نے اس شعر مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

فظلّت وظلّت یرکبون ھبیرھا	تو لوگ عورتون پر متصرف ہو گئے،
ولیس لھم الّا عوالیھا ستر	اور اگر کوئی پردہ بیچ مین تھا تو صرف نیزے تھے،

قبیلۂ قیس اور بنو دارم مین جو معرکہ ہوا جو رحرحان کے نام سے مشہور ہے اسکی نسبت جریر کہتا ہے،

فنکحت نساء ھم بغیر مھور	اُن کی عورتون سے بغیر مہر کے نکاح کیا،

عمرو معدیکرب، عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے، ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمرو نے کہا،

امن ریحانۃ الداعی السمیع	کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا سننے والا ہے
یؤرّقنی واصحابی ھجوع	جس نے گو مجھے بے خواب کیا ہے لیکن میرے احباب سوتے ہین
اذا لم تستطع امرا فدعہ	اگر تم کسی کام کو نہ کر سکو تو اُس کو چھوڑ کر،
وجاوزہ الی ما تستطیع	وہ کرو جو کر سکتے ہو،

طلاق کے لیے کوئی مدّت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے، عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی،

نکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو انکی دس بیویان تھین، وہب اسدی نے اسلام قبول کیا تو آٹھ بیویان اُن کے عقد نکاح مین تھین[1]،

دو حقیقی بہنون سے ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مرجاتا تو اسکی کل بیویان (بجز حقیقی مان کے) بیٹے کے تصرف مین آتین اور اسکی جائز بیویان سمجھی جاتین،

ایام کے زمانہ مین، عورتون کو الگ کر دیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے،

عورت جب بیوہ ہوجاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑے پہننے کو دیئے جاتے، خوشبو وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نکرسکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدھا لاتے، اس سے وہ اپنے جسم یا . . . کو مس کرتی، پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اسکے ہات مین مینگنی دیجاتی، وہ مینگنی کو پھینکدیتی اسوقت سوگ سے نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی[2]، عورت کا جو مہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہوتا،

غرض مجموعی حیثیت سے، عورت، بدترین مخلوق، اور ہر قسم کی جبر و تعدی کا تختہ گاہ مشق تھی، رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جس کے گھر مین لڑکی پیدا ہوتی اسکو سخت رنج ہوتا، اور شرم کے مارے لوگون سے چھپتا پھرتا،

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ	اور جب اُن مین سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی
وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ؕ يَتَوَارٰى	جاتی ہے، تو اسکا مونھ کالا پڑجاتا ہے، اور غصہ کے
مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ	گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، اس خوشخبری کے رنج کو
اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ	لوگون سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہی) کہ ذلت کیسا تھ
فِى التُّرَابِ ؕ (سورۂ نحل - ۷)	اسکو قبول کرلے یا زندہ زمین مین دفن کردے،

ابو حمزہ ایک رئیس تھا، اُس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر مین رہنا چھوڑ دیا، اس پر اسکی بیوی یہ اشعار

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح، [2] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب احداد المتوفی عنہا زوجہا،

پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریان دیتی تھی،

ما لابی حمزۃ لا یاتینا	ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس نہین آتا
یبیتُ فی بیت الّتی تلینا	اور ہمسایہ کے گھر مین رات بسر کرتا ہے،
غضبانَ الّا نلد البنینا	اسپر ناراض ہو کہ ہم بیٹے نہین جنتے
تاللہ ما ذاک بایدینا	خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہین،
ونحن کالزّرع لِزارعینا	ہم بطور کھیت کے ہین،
ننبت ما قد زرعوہ فینا	ہم مین جو بویا جائیگا وہی اُگیگا،

رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اسکو میدان مین لیجا کر زمین کھودتے اور زندہ گاڑ دیتے،

اس کو عربی مین وأد کہتے ہین،

ایک صاحب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آکر ظاہر کیا تھا کہ انھون نے اپنے ہات سے آٹھ لڑکیان زندہ دفن کین[1]،

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہین ملتا تھا، اُن کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اُسی کو ہے جو تلوار چلائے[2]،

عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثون کی ملک سمجھی جاتی تھی، وہ اگر اُس بیوہ پر چادر ڈالدیتا تو وہ اسکی جائز منکوحہ بنجاتی[3]،

وحشت وجہالت | حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور جو کھا سکتے تھے کھاتے تھے، حشرات الارض عام غذا تھی، چھپکلی تک کھا جاتے تھے، خون کو جما لیتے اور قاشین تراش تراش کر کھاتے، مردہ جانور کھانا عام بات تھی[4]، چمڑے کو آگ مین بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھا لیتے تھے، گردن مروڑ کر ڈنڈے سے مار کر،

---

[1] تفسیر ابن جریر و ابن کثیر تفسیر سورۃ واذا الشمس کورت، [2] تفسیر یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین [3] تفسیر ولا تعضلوھن، [4] اسباب النزول سیوطی آیت وحرمت علیکم المیتۃ،

درندون کا مارا ہوا سب کھاتے تھے[۱]، گدہے کا گوشت بھی کھاتے تھے[۲]،

عرب کا مشہور جاہلی شاعر اعشیٰ میمون جس نے آغازِ اسلام کا زمانہ پایا ہے، اور اہلِ ادب نے آنحضرت صلعم کی مدح میں اُسکا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، اُسمین وہ اسلام کی تائید مین اہلِ عرب کو جن باتون کی طرف متوجہ کرتا ہے، وہ یہ ہین،

وایّاك والمیتات لا تاکلنها ولا تاخذن سهماً حدیداً لتفصدا

مرداروں سے پرہیز کرا اور اُن کو نہ کھا اور نہ تیز تیر سے جانور کو فصد دیکر مار کر کھا،

وذا النصب المنصوب لا تنسکنه ولا تعبد الاوثان واللہ فاعبدا

اور کھڑے کئے ہوئے بتوں پر قربانی کر اور نہ بتوں کی پوجا کر اور اللہ کی عبادت کر،

ولا السائل المحروم لا تترکنه لعاقبة ولا الاسیر المقیدا

اور محروم بھیک مانگنے والے کو کسی انجام کی وجہ سے نہ چھوڑ اور نہ زنجیر مین بندھے ہوئے قیدی کو،

ولا تسخرن من بائس ذی ضرارة ولا تحسبنّ المرء یوماً مخلّدا

اور کبھی مصیبت زدہ مفلس سے ٹھٹھا کر اور نہ کبھی یہ سمجھ کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا ہے،

ولا تقربنّ جارة ان سرّها علیك حرام فانکحن او تابّدا[۳]

اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر وہ تجھ پر حرام ہو تو یا نکاح کر لے اور یا کنوارا رہجا،

---

[۱] تفسیر طبری سورہ مائدہ بیان ماکولات [۲] صحیح نسائی کتاب الصید والذبائح [۳] دیوان اعشیٰ مطبوعہ ویانا ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۰۱

عربون کے خصوصیات

خیر الامم بننے کی اہلیت،

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیون کے باوجود اہلِ عرب مین کچھ ایسی خصوصیتین بھی تھین، جو دنیا کی تمام قومون مین انھین کے ساتھ مخصوص تھین، اور انکی انھین فطری اور طبعی خصوصیات وامتیازات کا اثر تھا، کہ خلاقِ فطرت نے ان کو اپنی نبوت ورسالت اور تعلیم وتشریعت کا اہل سمجھا، اور ان کو اپنے اس خلعتِ خاص سے سرفراز کیا،

صحتِ نسب ان خصوصیات مین سب سے پہلی چیز انکی صحیح النسبی ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور انکی نسل سے تھے، اور یہ بات ایسی مشہور ومتواتر روایتون سے ثابت تھی کہ کسی نے اسکی تردید کی ہمت نہین کی توراۃ نے حضرت ابراہیمؑ کی جن اولادون کے نام بتائے ہین اُن مین سے ایک ایک نام کا سراغ عرب کی پرانی آبادیون مین ملتا ہے، چنانچہ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء مین عرب کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اسمین پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتون کے ساتھ ان آبادیون کا پتہ لگایا ہے، اور انکی جگہین متعین کی ہین، قدیم یہودی مورخ یوسیفس نے بھی یہی لکھا ہے[1]، اور آجکل ایک یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون نے تاریخ الیہود فی بلاد العرب ایک کتاب لکھی ہے، اسمین بھی اُس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اور اسکی صحت پر دلیلین پیش کی ہین[2]، اور بعض حال کے مناظر عیسائیون کے علاوہ اس واقعہ کے تواتر مین کسی نے شک نہین کیا ہے، اور غالبًا اسی لیے سینٹ پال نے اپنے خطوط مین "عرب کی ہاجرہ" کی تمثیل استعمال کی ہے[3]، اور قرآن پاک نے اہلِ عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے،

---

[1] ترجمۂ انگریزی ۱۸۲۲ء جلد اوّل صفحہ ۲۵، [2] تاریخ الیہود فی بلاد العرب لاسرائیل ولفنسون مطبوعۂ مطبعۃ الاعتماد مصر ۱۹۲۷ء
[3] سینٹ پال گلتیون کے نام باب ۴-۲۵،

مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ (ج) تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب،

حضرت ابراہیمؑ تک نام بنام سلسلۂ نسب کے پہنچنے مین پشتون کی کمی بیشی، یا نامون کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے، اگر مجموعی حیثیت سے یہ دعوی کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے کسی حیثیت سے مشکوک نہین ہے، خصوصًا جب اس کے ساتھ خارجی قرائن پر بھی نظر کرلیجائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو توراۃ مین حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے اہل و عیال کی نظر آتی ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربون مین قائم و باقی ہے، وہی خیمے ہین، وہی صحرا ہین، وہی مویشی ہین، وہی بدویانہ زندگی ہے، وہی رسوم و رواج ہین جنکو اسلام نے آکر اور زیادہ نکھار دیا، وہی بیت اللہ، حج اور قربانی کی عبادتین ہین، اور یہ ایسا کھلا قرینہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققون کی نگاہون کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق نولڈیک کہتا ہے،

"اور نیز عربون مین قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ مین باقی سمجھا جاتا ہے، اور اونکی زبان اصل زبان کے بہت قریب ہے[1]"،

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب کی حفاظت کا جو خیال و لحاظ تھا اوس کے ذکر سے عرب کی تاریخین معمور ہین، چنانچہ نسب پر فخر کرنا اونکی شاعری کا اور نسبی مفاخرت اونکی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ دادون کے مسلسل نامون کو یاد رکھنا اُن کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا، یہانتک کہ انسانون سے ہٹکر جانورون (گھوڑون) تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے، قبائل کے نسبی تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص ہر قبیلہ مین موجود رہتے تھے اور یہی سبب ہے کہ آج بھی اُن کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلۂ نسب آپکو معلوم ہو سکتا ہے، اور اس پر بہت سی اہم کتابین لکھی گئی ہین، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا مین صرف اہل عرب کیساتھ مخصوص ہے، یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیمؑ ہی کی نسل سے تھے، مگر وہ بھی اس خصوصیت مین انکی برابری نہین کرسکتے، کہ دوسری قومون کے اختلاط اور میل جول اور کسی خاص وطن نہ ہونے کے سبب سے انکی اکثر خاندانی خصوصیتین مٹ گئین،

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون "السنۂ سامیہ" مین نے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۷۰ تا ۸۰ اسپر مدلل بحث کی ہے اور علماء یورپ کے حوالے یکجا کردیے ہین،

نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہین، اسی لیے محمد رسول اللہ صلعم نے عمل کے مقابلہ مین نسبی فخر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی، اور اون کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی اُون مین ایک نبی کی بعثت کی جو دعا مانگی تھی، اور خدا نے اونکی نسل مین دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا جو عہد کیا تھا، اُن سب کے پورا ہونے اور اُن کے حقیقی مصداق بننے کے لیے نسل ابراہیم کی صحیح النسبی کی ضرورت تھی، اور اسی لیے اللہ تعالی نے ان کو اس شرف کے ساتھ مخصوص کیا،

کسی پہلے مذہب مین داخل نہ تھے

اسی طرح اُن کو اُن تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قومون کے عادات واخلاق اور استعدادات کو بدل دیتے ہین، مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چہار طرف سے مختلف بڑے بڑے مذہبون سے ٹکرا رہے تھے، مگر کوئی مذہب اُن کو مسخ نہین کرسکا تھا، مجوسیت خلیج فارس سے لیکر یمن تک حکمران تھی، یہودیت یمن اور حجاز کے تجارتگاہون پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج ولشکر، اور راہبون اور قسیسون کے دل بادل کے ساتھ یمن سے لیکر شام کے حدود تک پھیلی تھی، اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برائے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خالص حالت پر باقی تھا، عرب مین جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے، وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجائے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے، اور اسی لیے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا تاکہ خاتم الانبیاء صلعم کے ذریعہ دین ابراہیمی کی دعوت وتجدید کا راستہ کھلا رہے،

محکوم نہ تھے

عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک، ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا، شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہین کی، بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیروزبر کردیا، مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا، یونانیون اور رومیون نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد تک صدیون تک حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے اور اُس کے بعد کے رومی سپہ سالارون نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ اُن کو شکست دی، عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم الشان حکومتون یعنی ایران اور روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونون اپنے حرص وآز کا ہاتھ اوسکی طرف بڑھانے سے قاصر رہین، گستاخ عیسائی حبشیون نے یمن فتح کرنے

کے بعد ہاتھیوں کے جمرسٹ کیساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، مگر قدرت الٰہی نے اُن کو تباہ کر دیا، یہ تمام اہتمام و انتظام اسلیے تھا کہ کوئی دوسری جابرانہ قوت اُن کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کرسکے، اونکی آزادی کی روح برقرار، اور انکی فاتحانہ طاقت بدستور قائم رہے، تاکہ یہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقا میں کارآمد ہو،

کتابی فاسد تعلیم سے ناآشنا تھے جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے، اسی طرح صحیفۂ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتابی علم سے وہ ناآشنا تھے، یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی جاہلانہ اور کج بحثانہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ اُمّی تھے، تاکہ ایک اُمّی معلّم کی ربانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح تیار رہیں،

وہ زمین کے وسط میں آباد تھے عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اُس سے قریب ہے، پھر بحری جائے وقوع نے اوسکو جزائر اور دور دراز ملکوں سے قریب کر دیا تھا، اس لیے عرب نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو کر، ایران، ترکستان، خراسان، سیستان، کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے، اور دوسری طرف شام ہو کر مصر، افریقہ، الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور اسپین تک جا پہنچے، اور بحری راستوں سے ایک طرف سے تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھر ادھر جزائر ہند، جاوہ، سماٹرا، اور چین تک اور اُس طرف سائپرس، کریٹ اور سسلی تک، یہ تمام مواقع اس لیے میسر آئے کہ عرب کی جائے وقوع اس دعوت کے لیے مناسب مرکز تھا، فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتی تو اسپین اور سسلی تک پہنچنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اسوقت تک دنیا جن دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے کیلیے عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ نہ تھی، جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا، اور دنیا کو اُن کے خونی آشام پنجوں سے نجات دینا آسانی ممکن ہوا،

بعض اخلاقی خوبیاں ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر الامم بننے اور عالم کے لیے شاہد، نمونہ اور مصلح بننے کے لیے کچھ اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی، اور وہ اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی

عظیم الشان تحریک کے علم بردار نہین ہو سکتے تھے، اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دیسکتے تھے،

شجاع وبہادر تھے | وہ حد سے زیادہ شجاع وبہادر تھے، وہ خطرات سے بیخوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ وقعت نہین دیتے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قومون اور سلطنتون کے مقابلہ مین تنہا کھڑے ہوئے اور کسریٰ اور قیصر کو انھون نے ایک ساتھ چیلنج دیا، اور اس تحریک کے پھیلانے مین تھوڑی غیر مسلح جمعیتون سے ہزارون اور لاکھون کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا، اور کامیاب ہوئے،

پرجوش تھے | ساتھ ہی وہ پرجوش بھی تھے اسلیے جس دعوت اور تحریک کو لیکر اُٹھے اُسکو پوری کوشش، عزم، اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ مین پھیلایا، اُن کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ سمندر، ہر جگہ وہ توحید کا علم لیے بحر و بر، دشت وجبل مین پھیل گئے، اور اپنے عزم راسخ سے ارکانِ عالم کو متزلزل کر دیا،

حقگو تھے، | اُن کی جسمانی شجاعت وبہادری نے اُن کو دل کا شجاع اور بہادر بھی بنا دیا تھا، جو بات اُن کے دل مین ہوتی تھی، وہی اُنکی زبان پر تھی، اہلِ مدینہ مین جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا، وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا، ورنہ قریش اور عام اہلِ عرب مین یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے، یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے اُس کے ظاہر کرنے مین اُن کو کسی کا باک نہین ہوتا تھا،

عقل ودانش والے تھے | باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری نوشت وخواند سے عاری تھے، مگر فطرت کے عطیۂ عقل و دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، خالدؓ، ابو عبیدہؓ بن جراح، وغیرہ سینکڑون ہزارون صحابہؓ نے علم، مذہب، اخلاق اور سیاست مین جو نکتہ سنجیان کین، وہ خود انکی عقل و دانش کی گواہ ہین، روم وایران کی متمدن قومون سے جس طرح انھون نے معاملہ، مراسلہ اور نامہ وپیام کیا، اور علم وسیاست کے الجھے سے الجھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے، اُن کے شعراء کے کلام، اُن کے مقررون کی تقریرین، انکے فصحاء کے مقولے سنئے تو اُن کی اس فطری صلاحیت کا اندازہ ہوگا، کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کیونکر یہ لعل وگہر وہ اپنے منہ سے اگل سکے،

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اُس کے بعض قویٰ بیکار ہین، تو اُنکی قوت دوسرے زیر عمل قویٰ کو وہ منتقل کر دیتی ہے، اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اوسکی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند سے محروم ہونے کے سبب سے جہان اُن کے بعض قویٰ بیکار ہو رہے تھے، وہان اُنکو اپنی یادداشت کے لیے تحریری اوراق اور سفینون پر بھروسہ کرنے کے بجاے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا، یہی سبب ہے کہ اُن کے شعرا، اپنے بڑے بڑے قصیدون کو زبانی پڑھتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اس کو برزبان یاد رکھتے تھے، اور اُن کی اسی قوت کا یہ فیض تھا کہ اُن مین کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتون کو یاد رکھتا تھا، اور بہتیرے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے، اور یہ انھین کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ مین ایسے ہزارون مسلمان پائے جاتے ہین جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہین، اور اہلِ عرب کی اسی خصوصیت کا مظہر یہ بھی تھا کہ احادیث وسیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کیساتھ منتقل ہوتا رہا، اور سینکڑون اصحاب ایسے تھے جو ہزارون لاکھون احادیث کو حرف حرف اور لفظ لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے، اہلِ عرب کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا،

فیاض تھے اہلِ عرب کی ایک خاص امتیازی صفت انکی فیاضی تھی، مہمان نوازی اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایون اور پناہ گزینون کی امداد مین وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے، اپنی شہرت اور ناموری کیلئے اونٹون کو ذبح کر کے کھلا دینا، یا جوے مین جیتی ہوئی دولت کو احباب کے جلسۂ دعوت مین اڑا دینا، اور اس پر فخر کرنا، انکی قومی رسم تھی، اور یہی اوصاف اُن کی شاعرانہ مدح مین سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہین، اسلام نے اُن کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ مین خیرات وصدقات وزکوٰۃ سے بدل دیا، اور اسلام کی مشکل کشائی مین اُس نے سب سے زیادہ مدد دی،

مساوات پسند تھے

چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں ہوئے تھے، اور نہ وہ کسی ایک مطلق العنان شخصی بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے، اس لیے اونکی خودداری کا جذبہ بیدار رہتا، وہ غلام بننا نہیں جانتے تھے، وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ بلکہ بانا باتیں کرتے تھے،

عرب میں بیسیون لڑائیاں صرف اسی خودداری کی حفاظت مین پیش آئی تھین، جسکا ایک منظر سبعہ معلقہ کے آخری قصیدہ مین نظر آتا ہے، اہلِ عرب کے اس جذبہ نے حقگوئی، مساوات، اور جمہوریت پسندی، وغیرہ اسلامی تعلیمات کے پھیلانے مین بڑی مدد دی،

عملی تھے،

اہلِ عرب کے فطری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعًا عملی اور عملیت پسند تھے، وہ اہلِ ایران اور اہلِ ہند کی طرح محض تخیل پسند، خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے، وہ مجسم عمل تھے، اور عملیت کو پسند کرتے تھے، وہ چون و چرا اور کیسے اور کیونکر کے فلسفیانہ الجھنون سے پاک تھے، وہ دنیا کے کاروباری آدمیون اور سپاہیون کی طرح چند اچھی باتون کو قبول کرکے اُن پر فورًا عامل بنجاتے تھے، یہی سبب ہے کہ عجمیانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکال کر اوس کی الجھنون کے سلجھانے مین وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے اُن کے سامنے ایک عملی مذہب کو پیش کرکے اُن کو سرتاپا عملی بنا دیا، اور جو کچھ وہ تعلیم لائے تھے، اس کا مجسم پیکر بنکر چند سال مین دنیا کے سامنے پیش کر دیا، دور دور سے بدوی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آتے تھے، اور شک و بحث اور مناظرہ و قیل و قال کے فرائض و اخلاق کی عملی تعلیم حاصل کرکے اپنے قبیلہ مین واپس چلے جاتے تھے، اور بالآخر اپنی عملی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے، وہ اگر مگر، اور ممکن و ناممکن کی بحث مین نہیں پڑتے تھے، وہ تعلیم کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے، وہ اچھی معلوم ہوتی تو اُس کو قبول کرتے، اور اُس پر عمل کرکے دینی اور دنیاوی فوائد اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے، اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے بھروسہ پر وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کر گذرتے تھے، اہلِ عرب کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار، اور عجمی فلسفیت و نظریت سے پاک و مبرا رکھا، اور ساتھ ہی چند ہی سال کے اندر اندر عرب

مشرق، شمال وجنوب مین اسلام کا پھریرا آسمان پر اڑنے لگا،

ان اوصاف کی مصلحت اہلِ عرب کے ان تمام فطری وطبعی اوصاف واخلاق کو دیکھکر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا، وہ ازل سے اس کے لیے منتخب ہو چکی تھی، باوجود اونکی ہر قسم کی گمراہیون کے یہ چند اچھے اوصاف اس لیے اُن مین ودیعت کئے گئے تھے، تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو اونکی فطری استعداد کا یہ سرمایہ، اوسکی امداد واعانت کے لیے خزانۂ غیب کا کام دے، یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہند وعجم مین تھا، نہ روم وفرنگ مین تھا، اور نہ ترک وزنگ مین تھا وہ عرب اور صرف عرب مین تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لیے اسی قوم کو برگزیدہ کرکے یہ امانت اُس کے ہاتھ مین سپرد کی، آنحضرت صلعم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد مین اسماعیل کو پسند کیا، اور اسماعیل کی اولاد مین بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ مین سے قریش کو، اور قریش مین سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم مین سے مجھکو" ایک اور روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مین عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہون اللہ نے تمام لوگون کو پیدا کیا تو مجھے اس نے اُن سب مین سب سے بہتر نسل مین رکھا، انکو دو حصون مین (عرب وعجم مین) تقسیم کیا، تو مجھے اس حصے مین (یعنی عرب مین) بنایا، جو سب سے بہتر تھا، اس حصے کو بھی قبیلون مین تقسیم کیا تو مجھے اُس قبیلہ مین پیدا کیا، جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانون مین تقسیم کیا، تو مجھے سب سے بہتر گھرانے مین پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا"[1]

---

[1] یہ دونون حدیثین ترمذی باب المناقب مین ہین،

صبحِ سعادت

دنیا اور عرب کی سرزمین اس ظلمت مین تھی کہ صبحِ سعادت نمودار ہوئی اور خورشیدِ نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا، ظلمت شب کافور ہوئی، اور تھوڑی دیر مین ذرہ ذرہ سورج کی کرنون سے پرنور ہوگیا، یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج گو دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا، لیکن وہ نکلا عرب ہی کے اُفق سے تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نور سے پہلے اسی ملک کی سرزمین روشن ہو،

ایک قوم کا انتخاب سرورِ کائنات کو گو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا اور اس بنا پر ایک ایسی شریعت کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لیے ابد تک کافی ہے، لیکن کوئی شریعت کوئی قانون کوئی دستور العمل اس وقت تک مفید اور کارآمد نہین ہوسکتا جب تک اوسکے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو اور جسکی ہر بات، ہر ادا، ہر جنبش، عملی خطیب بنکر گرد وپیش کو اپنا ہم زبان اور ہم عمل بنا لے،

اس بنا پر خاتم انبیاؐ کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دیکر اصلاحِ عالم کے لیے تیار کرنا تھا[1]، دنیا کی اور قومین باری باری اس منصب پر ممتاز ہوچکی تھین، ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین کہ جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوتا ہے وہ علاوہ ان اصول کے جو اور مذاہب مین ہین چند اور نئے اصول اختیار کرتا ہے جنمین سے ایک یہ ہے،

یدعو قوما الی السنۃ الراشدۃ ویزکیھم ویصلح شانھم ثم یتخذھم بمنزلۃ جوارحہ فیجاھد بھم اھل الارض ویفرقھم فی البلاد وھو قولہ تعالیٰ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ ہند)

وہ ایک قوم کو سنتِ راشدہ کی طرف دعوت دیتا ہے، انکو پاک اور درست کرتا ہے، پھر ان کو اپنا دست و بازو بناتا ہے اور اُن کو دنیا مین پھیلا دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے مجاہدہ کرتا ہے، جیسا کہ خدا نے کہا "تم بہترین اُمت ہو جو دنیا کے لیے پیدا کیے گئے ہو"،

مین خوار اور ذلیل ہے، اِنّی فضّلتکم علی العالمین (ہم نے تم کو تمام دنیا کی قومون پر فضیلت دی) کا تاج پہن چکی تھی، لیکن اوپر یہ تفصیل گذر چکا کہ اب تمام قومون مین صلاحیت کا مادّہ مفقود ہو چکا تھا، **ایران** تین ہزار برس تک ناز و نعمت مین پل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا، رومیون کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤن کا دل و دماغ صرف وہم پرستی کا کام دینے کے قابل رہ گیا تھا، صرف ایک **عرب** تھا جو بن جتی زمین کی طرح مادہ ہائے نشو ونما سے لبریز تھا اور ایک لوحِ سادہ کیطرح ہر قسم کی نقش آرائیون کے قابل تھا، مشیّت ایزدی نے اسی کو تاکا اور چند روز مین وہی عرب جو سرتاپا جہل، سرتاپا وحشت، اور سرتاپا درندہ پن تھا، کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ[1] کا مظہر بن گیا،

ان لوگون کا حلیہ و جمال اور خط و خال یہ تھا،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا	وہ لوگ کہ ہم جب اُن کو دنیا مین اقتدار دینگے تو وہ
الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ	نماز قائم کرینگے، زکوٰۃ دینگے، اچھی باتون کا حکم دینگے اور
وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (حج - ۶)	بری باتون سے روکین گے،

اصلاح وہدایت کی مشکلات

ہر قوم کی اصلاح و ہدایت مین اوّل سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہین، لیکن اون کی نوعیت ایک دوسے زیادہ نہین ہوتی، لیکن عرب کی اصلاح مین ہر نوع، ہر حیثیت، ہر جہت کی گوناگون اور لاعلاج مشکلات تھین، اور ایسی تھین جنمین سے ایک کا حل کرنا بھی قدرتِ انسانی سے بالاتر تھا، بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر مین، قبطیون کی غلامی کر رہے تھے، اور قبطیون کے جور و ظلم کا طوفان ان کے سر سے گذر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان پر یہ احسانِ عظیم کیا کہ فرعون کے پنجۂ ستم سے اُن کو چھڑا کر مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی مین رہتے رہتے ان کی طبیعت مین اسقدر ذلّت پسندی آگئی تھی کہ جب اُن سے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے، اُس کو لڑ کر لو، اور اسی پر تختِ سلطنت بچھاؤ تو انھون نے حضرت

---

[1] تم بہترین قوم ہو جو انسانون کے لیے دیپردہ عدم سے باہر لائی گئی، جو نیکیون کا حکم دیتی اور برائیون سے روکتی ہے،

موسیٰ سے صاف کہدیا کہ تم اور تمھارا خدا، دونون جاکر لڑو، ہم تو یہان سے آگے قدم نہین بڑھاتے، یہ ایک امتداد معاشرت کا اثر تھا، جو مرتے مرتے ان لوگون کی طبیعت سے نہین گیا، اور جب تک یہ نسل پوری اپنی موت سے مرکر منقرض نہین ہوگئی، بنو اسرائیل کو کنعان کی زمین مین قدم رکھنا نصیب نہین ہوا،

یہ صرف ایک مشکل کی مثال تھی، اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو،

جہالت | عرب کی قوم اُمی محض تھی، الوہیت، رسالت، کتاب، معاد، عبادت ان مین سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے اُن کے کان آشنا ہون، اسلام کا ہر لفظ جو اُن کے کان مین پڑتا تھا اُن کو ایک تعجب انگیز اور بالکل بیگانہ آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے ان کے اس جاہلانہ حیرت و استعجاب کو متعدد آیتون مین ذکر کیا ہے،

یٰسٓ، وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ	قرآن حکیم کی قسم، تو بیشبہ پیغمبرون مین سے ہے، راہ راست
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ	ہے، یہ قرآن رحمت والے غالب خدا کے پاس سے اترا ہے،
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ	تاکہ تو اُس قوم کو آگاہ کرے، جنکے اسلاف کو آگاہ نہین کیا گیا
غٰفِلُوْنَ ۝ (یٰسین-۱)	اور اس لیے وہ غفلت مین پڑے ہین،

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی،

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ	اور انھون نے تعجب کیا کہ اُن مین ایک پیغمبر ہوکر اُن کے پاس
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ	آیا، کافرون نے کہا یہ دروغگو جادوگر ہے اُس نے اتنے خداؤن
اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ	کو ایک خدا بنا دیا، یہ عجیب بات ہو، اُن کے پنچ اٹھ کھڑے ہوے
الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ	کہ چلو اور اپنے معبودون پر جمے رہو، اس مین اس کی (پیغمبر) کی
اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ	کوئی غرض ہو، ہم نے تو سابق مذہب مین یہ نہین سنا، یہ
الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص-۱)	گھڑی ہوئی بات ہے،
بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ	بلکہ اُن کو تعجب ہوا کہ انھین مین سے ایک اُن کے پاس

الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ (ق-۱)

پیغمبر بنکر آیا، کافرون نے کہا یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے،

صفاتِ الٰہی، آثارِ نبوت، احوالِ معاد، ان مین سے ہر بات کو سنکر وہ اسی طرح سرتاپا حیرت بنجاتے تھے، نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہین اس منصب پر تو فرشتون کو ممتاز ہونا چاہئے تھا،

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ (فرقان ۳)

جو ایک دن ہمارے سامنے آنے کے منکر ہین وہ کہتے ہین کہ فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیون نہ اتارے گئے،

اِذْ جَآءَتْھُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ط قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ (فصلت-۲)

پیغمبر جب اُن کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہین کہ ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے ہین کہ خدا اگر کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو فرشتون کو اتارتا، ہم تو تمھاری باتون کا انکار ہی کرینگے،

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا، قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا، (بنی اسرائیل-۱۱)

ہدایت آنے کے بعد صرف اس شبہہ نے لوگون کو ایمان لانے سے باز رکھا ہے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جواب مین کہدو کہ اگر زمین مین فرشتے چلتے پھرتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے،

نبوت کا تخیل اگر اُن کے ذہن مین کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماورا صورت مین یعنی یہ کہ وہ انسانی ضروریات سے منزہ ہو اس کے پیچھے خدا کا اور فرشتون کا پرا ہو، آسمان اور زمین کے خزانے اس کے دست قدرت مین ہون،

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا، اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا

انھون نے کہا اے پیغمبر ہم تجھپر اسوقت تک ایمان نہ لائینگے جب تک زمین سے ہمارے لیے تو چشمہ نہ بہا دے، یا تیری ملکیت مین کھجورون اور انگورون کا کوئی باغ نہ ہو جنمین

تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا	نہرین جاری کردی ہون، یا جیسا کہ تو نے کہا ہے ہم پر بادل کا
اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ	کوئی ٹکڑا گرادے، یا خدا اور فرشتون کو پرا بنا کر لے آئے، یا
بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ط (بنی اسرائیل-١٠)	تیرے پاس کوئی سونے کا گھر ہو یا تو آسمان پر نہ چڑھ جائے،
وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ	انھون نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے، یہ تو کھاتا پیتا ہے، بازارون
فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ	مین چلتا پھرتا ہے، اس پر کوئی فرشتہ کیون نہ اترا جو اس کے ساتھ
مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ	ملکر لوگون کو ڈراتا، یا اسکے پاس کوئی خزانہ کیون نہین ڈالدیا گیا، یا
جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ، (فرقان-١)	اس کیلئے خاص کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا،

پیغمبری کے لیے اُن کے خیال مین یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولتمند ہو، اُس کے قبضہ مین کوئی بڑی جائداد ہو، میوون کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اُس کے پاس ہون، چنانچہ گذشتہ آیت مین کفار کے اس خیال کی طرف بھی اشارہ ہے، مکہ اور طائف کے جو رؤسا دولتمند تھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ	وہ کہتے ہین کہ یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر
الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف-٣)	کیون نہین اترا،

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی اُن کے خیال مین یہ تھے کہ آسمان سے کاغذون مین ایک لکھی لکھائی ترشی ترشائی، جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع مین اتر آئے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ	کافرون نے کہا اس پر قرآن یکبارگی کیون نہین
جُمْلَةً وَّاحِدَةً (فرقان-٣)	اُترا،
وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا	اور کافرون نے کہا ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی اس وقت تک قائل
كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ط (بنی اسرائیل-١٠)	نہین ہونگے جبتک ہمپر کوئی ایسی کتاب اتار لائے جسکو ہم لیکر پڑھنے لگین

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ٥ (انعام - ۱)

اور اگر کاغذون مین لکھا ہوا کوئی قرآن آسمان سے ہم اتارتے جسکو تم اپنے ہاتھ سے ٹٹول بھی سکتے تو کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے،

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، الوہیت اور صفاتِ الٰہی کے اسرار، نبوت کے خصائص، نزولِ کتاب کی حقیقت، ہر چیز ان کے لیے حیرت اور استعجاب کا سرمایہ تھی،

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَاْتِ اٰبَاءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (مومنون - ۴)

کیا انھون نے بات پر غور نہین کیا، یا اُن کے پاس وہ تعلیم آئی ہے جو اُن کے اسلاف کے پاس نہین آئی، یا انھون نے اپنے رسول کو نہین پہچانا، تو اُس کے منکر ہین،

اس بنا پر عرب کے مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور اس مین کئی برس صرف ہوگئے، لیکن وہ لوگ جو اس صدا سے نامانوس نہ تھے ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ وہ سرتاپا لبیک تھے، حصۂ اول مین گذر چکا ہے کہ سابقینِ اسلام عموماً وہی لوگ تھے جو اہلِ کتاب یا حنفاء کے آغوش پرورده تھے، اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا، مشرکین کلامِ الٰہی کا جواب خندۂ تحقیر سے دیتے تھے اور رموزِ نبوت کے دانا چشمِ پرنم اور دلِ پرکیف سے،

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ٥ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ٥ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ٥ (بنی اسرائیل - ۱۱)

جنکو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے (یہود و نصاریٰ) جب انکو قرآن کی آیتین سنائی جاتی ہین تو منہ کے بل وہ سجدے مین گر پڑتے ہین اور کہتے ہین کہ پاک ہے ہمارا پروردگار، ہم سے (ایک پیغمبر آخر الزمان کے بھیجنے کا) جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوا اور کہ وہ منہ کے بل گرتے ہین اور یہ اُن کے خشوع کو اور بڑھاتا ہے،

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

ان مین سب سے زیادہ مسلمانون کے ساتھ محبت رکھنے والے

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ	وہ ہین جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہین، سبب یہ ہے کہ اُن مین
قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	قسیس اور راہب ہین اور وہ تکبر نہین کرتے، اور جب وہ
وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى	کلام سنتے ہین جو پیغمبر پر اترا ہے، تو اُنکی آنکھون کو تو دیکھیگا
اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا	کہ حق کو پہچانکر آنسو بہاتی ہین اور کہتے ہین کہ خدایا ہم ایمان
مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا	لائے ہمکو بھی حق کی شہادت دینے والون مین لکھ
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (مائدہ-۱۱)	لے،

مدینہ کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ مین زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، تاہم چشم دل کو بینش حق سے باز نہین رکھ سکتے تھے،

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا	جنکو ہم کتاب دے چکے ہین وہ اس پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ	ہین، جسطرح وہ اپنے بیٹون کو پہچانتے ہین، ان مین سے
لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ-۱۷)	کچھ لوگ جانکر حق پوشی کرتے ہین،
وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لیکر آیا جو خود اونکی
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ	آسمانی کتابون کو سچ کررہی ہے، تو باوجود اس کے کہ وہ
يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا	کافرون کو اس سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے،
جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (بقرہ-۱۱)	اب حق پہچانکر اس کا انکار کرتے ہین،

قرآن مجید کی شہادتون سے قطع نظر کرکے، اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی، مجرد دعوتِ حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا، اُن کے حالات پیش نظر کرلینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل اور ذوقِ آشنا نگاہ کا جویان تھا، حضرت سعد بن زید، عثمان بن مظعونؓ، صہیب رُومی، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ وغیرہ جو سابقین اسلام

ہین، اسی قسم کے لوگ تھے، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ، قریش کے مشرکین خدا کا کلام تیرہ برس تک متصل سنتے رہے، لیکن اُن کے دل کی سنگینی مین کوئی فرق نہ آیا، ورقہ مکہ کا قریشی عیسائی صرف ایک بار قرآن سنتا ہے اور ناموسِ اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، مکہ کے مشرک ترپن برس تک آپکے چہرہ کو دیکھتے رہے لیکن نورِ الٰہی کو نہ پہچان سکے، اور عبداللہ بن سلام یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جمالِ پُرانوار کو دیکھا اور پکار اٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے، روسائے قریش ہر روز اپنی آنکھون سے نزولِ وحی کا تماشا دیکھتے ہین اور جنبش نہین کرتے اور نجاشی حکومت کی مسند پر اور ہرقل شہنشاہی کے تخت پر بیٹھکر غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتین سنتے ہین اور تڑپ جاتے ہین، قریش کے گھر یہ دولت خود اترتی ہے، اور وہ اُس کو ٹھکرا دیتے ہین، لیکن مدینہ سے بنی اسرائیل کے پڑوسی جو اُن کی زبان سے آخری نبوت کی بشارت سن چکے تھے، اتفاقاً مکہ آتے ہین اور اس دولتِ ابدی کو اپنے گھر اٹھا لیجاتے ہین، طائف کے سنگدل جاہل، نبی پر پتھر برساتے ہین، اور انکی ہنسی اُڑاتے ہین، اور نجران کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہین، لیکن چہرہ پر پیغمبری کی معصومیت دیکھ کر دہل جاتے ہین اور صلح کا ہدیہ پیش کرتے ہین،

قریش، اور حجاز کے رازِ نبوت کے نامحرم دعوتِ حق کا جواب اکیس برس تک تیغ وسنان سے دیتے ہین لیکن یثرب، ہجر، یمن، عمان، اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود، نصاریٰ اور مجوسیون کے اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو چکے تھے، وہ آوازِ حق پہنچنے کے ساتھ دفعۃً مسلمان تھے،

آبائی دین ورسوم کی پابندی

ہر نئی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اُس کے قبول کرنے مین جو چیز سب سے پہلے عائق ہوتی ہے، وہ قومی رسم ورواج اور آبائی دین ومذہب کی پابندی ہے، انسانیت کے پاؤن مین اس سے بھاری کوئی زنجیر نہین، دوست وآشنا کا چھوٹنا، مان باپ سے علحدگی، آل واولاد سے کنارہ کشی، مال وجائداد سے دست برداری، جماعت کی مخالفت، قوم سے انقطاع، وطن سے دوری، ایسی چیزین نہین ہین جنکو ہر انسان آسانی سے برداشت کرسکے، ملکی رسم ورواج کی دیرینہ محبت، اور آبائی کیش وآئین کی موروثی

الفت، حق و باطل کی تمیز، اور نیک و بد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ عرب کی قوم، قدامت پسندی، اور قدیم حالت پر بقا اور استحکام مین خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کہان سے کہان بدلتی چلی گئی، پرانی سامی نسل کی بدویانہ خصوصیتین جو توراۃ مین پڑھتے ہین، وہ تمام سامی قومون سے مٹ گئین، مگر عرب مین اُس وقت بھی نمایان تھین، اور آج بھی نظر کے سامنے ہین، دینِ ابراہیمؑ کے چند اصول، حج، ختنہ، اور قربانی، وغیرہ ہزارون برس کے بعد بھی عرب مین مٹ مٹا کر باقی رہ گئے تھے، اور اُن سے نہین چھوٹے تھے، اُن کے شعر و شاعری اور فخر و مباہات کا سب سے پر جوش مضمون آبا و اجداد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا، جسکو چھوڑنا اُن کے نزدیک اپنی پرانی عزت و عظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا،

آنحضرت صلعم نے جب مکہ مین دینِ حق کی منادی شروع کی، تو اسکی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کی گئی، وہ یہی دینِ آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا، اور یہی دینِ جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل اُن کے پاس تھی، چنانچہ قرآن مجید نے بار بار اُن کے اس قول کو دہرایا ہے، اور اوسکی لغویت کو ظاہر کیا ہے،

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

(بقرہ۔ ۲۱)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اوسکی پیروی کرو، کہتے ہین (نہین) بلکہ ہم اوسکی پیروی کرینگے جسپر اپنے باپ دادون کو ہم نے پایا، کیا اگرچہ اون کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہون اور نہ راہِ راست پر ہون (تب بھی)

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا

بلکہ وہ کہتے ہین کہ ہمنے اپنے بزرگون کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم انھین کے نقشِ قدم پر چلکر رہنمائی پائین گے، اور اسی طرح ہم نے اے پیغمبر تم سے پہلے کسی آبادی مین کوئی پیغمبر نہین بھیجا لیکن اُس کے دولتمندون نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے بزرگون کو ایک روش پر پایا ہے، اور ہم

وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

(زخرف-۲)

اُنھین کے نقش قدم کے پیرو ہین، کہو لے پیغمبر کیا اگرچہ مین اس روش سے جسپر تم نے اپنے بزرگون کو پایا زیادہ سیدھا رستہ لیکر تمھارے پاس کیون نہ آؤن (تب بھی تم انھین کی پیروی کروگے) انھون نے کہا کہ ہم تو جو دیکر تم بھیجے گئے ہو اسکا انکار ہی کرتے رہین گے،

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(اعراف-۳)

اور جب وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہین تو کہتے ہین کہ ہم نے اپنے بزرگون کو اسی پر پایا، اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے، کہدو لے پیغمبر کہ اللہ تو بے شرمی کی بات کا کبھی حکم نہین دیتا، کیا تم اللہ پر وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہین جانتے،

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (مائدہ-۱۴)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اُس کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہین، ہم نے اپنے باپ دادون کو جسپر پایا ہے، وہی ہم کو کافی ہے، کیا اُن کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہون اور نہ سیدھے راستہ پر ہون (تب بھی وہ انھین کی ...)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ

(لقمان-۳)

کچھ لوگ ایسے ہین جو علم، ہدایت، اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارہ مین جھگڑا کرتے ہین، اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اوسکی پیروی کرو، تو کہتے ہین، بلکہ ہم اسی کی پیروی کرینگے، جسپر ہم نے اپنے باپ دادون کو پایا، کیا اگرچہ اُن کو شیطان دوزخ کے عذاب ہی کیطرف کیون نہ پکارے (تو وہ اُسی کی پیروی کرینگے)

کفار کے یہ سوال و جواب خود ظاہر کرتے ہین کہ اُن کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا؛ آپ نے بعثت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کی عدالت مین آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤن کی تحقیر، بزرگون کی توہین، اور آبائی رسم و رواج کی مذمت کرتے ہین؛ مکہ مین جب آپنے علی الاعلان لوگون کو اسلام کی دعوت دی، اور بہت سے نیک لوگون نے اس دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسون نے ابوطالب کے پاس جاکر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کیے، وہ یہ تھے "اے ابوطالب! تمھارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤن کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے، ہم کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے، اور ہمارے باپ دادون کو گمراہ بتاتا ہے، تو یا تو تم ان کو روکو، یا ہمکو اور اُس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لین"

یہ اُن کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے اُن کو سمجھا بجھا کر واپس کیا، تو کچھ دنون کے بعد انھون نے پھر اپنا مطالبہ ان الفاظ مین پیش کیا: "اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو اب تک منع نہین کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگون کی برائی، اپنی نادانی، اور اپنے دیوتاؤن کی ہجو نہین سُن سکتے، تو یا تو اوسکو باز رکھو اور یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ" اس اعلانِ جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہین اور کہتے ہین "اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عمارہ کیسا خوشرو جوان ہے، تم اُس کو متبنّٰی بنا لو، اور اپنے بھتیجے کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، کہ اُس نے تمھارے اور تمھارے بزرگون کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے، تمھاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے، اور ان کو بے وقوف اور نادان کہتا ہے"؛ سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسون نے خود آنحضرت صلعم سے مل کر گفتگو کی اور کہا، کہ "اے محمد! تمھارے سوا کسی قوم مین کوئی ایسا آدمی نہین ملا، جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو، تم نے باپ دادون کو برا کہا، ہمارے مذہب کی تحقیر کی، دیوتاؤن کو گالی دی، ہم کو بے وقوف اور نادان بنایا، اور جماعت مین تفرقہ ڈالا غرض کوئی ایسی برائی نہ تھی جو تمنے ہمارے ساتھ نہین کی"[1]

[1] یہ تمام واقعات ابن اسحاق اور سیرة کی تمام کتابون مین بتفصیل مذکور ہین،

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو معلوم ہوگا کہ آبائی دین، موروثی رسم ورواج اور خاندانی دیوتاؤن کی غلامی سے آزاد ہونا، ان پر کتنا بار تھا؟ اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج مین آنحضرت صلعم جب لوگون کے پاس جاجا کر توحید کا پیغام سناتے تھے، تو ابولہب آپکے اثر کو باطل کرنے کے لیے آپکی تقریر کے بعد آپکے پیچھے پیچھے صرف یہ کہتا جاتا تھا "لوگو! یہ وہی ہے جو تم کو تمھارے باپ دادون کے مذہب سے برگشتہ کرتا پھرتا ہے"[1]

ابوطالب جنھون نے ہر موقع پر آنحضرت صلعم کی حمایت کی تھی اور وہ آپ کو اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، وہ بھی آپکی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ مین پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، بھتیجے نے بار بار کہا، "چچا جان! کلمۂ شہادت، ایک دفعہ، کہ قیامت مین آپکی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے" ابوطالب نے جواب دیا "جان پدر! سب کچھ میسر تھا، لیکن بزرگون کے مذہب کو نہین چھوڑ سکتا" عین اسوقت جب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، اور نزع کی حالت تھی، آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "چچا جان اب تو لا الہ الا اللہ کہدیجئے کہ مین خدا کے ہان آپ کے ایمان کی شہادت دون" ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے جو اُن کے پاس بیٹھے تھے کہا "ابوطالب کیا تم (اپنے باپ) عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے" آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونون اُن کو وہی عبدالمطلب کے دین سے علٰحدگی پر شرم دلاتے تھے، بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ "مین عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہون" اور لا الہ الا اللہ نہین کہا[2]، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، صحیح مسلم مین اس کے بعد ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ "بھتیجے! جو فقرہ تم کہتے ہو مین کہکر تمھاری آنکھین ٹھنڈی کر دیتا، لیکن قریش کہین گے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا"[3]، ابن اسحاق مین ہے کہ انھون نے آہستہ سے وہ فقرہ کہدیا[4]، بہرحال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے کہ اس

---

[1] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۵ کتاب الایمان، [2] کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ، [3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۹ [4] ابن ہشام، وفات ابی طالب،

حالت مین بھی مخالفین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لیے اس سے زیادہ پرزور اور پر اثر دلیل نہ تھی کہ "ابو طالب کیا آبائی مذہب کو چھوڑ دو گے؟" اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ مین یہ تخیل کتنا بڑا پتھر تھا،

توہم پرستی | عرب کی اصلاح وہدایت کی راہ مین ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی، ہر قوم مین جاہلون کا جس طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلان دیوتا یا فلان پیر کے خلاف اگر کچھ زبان سے نکلا تو فورًا بلائین آکر ہم کو لپٹ جائینگی، عرب مین گھر گھر سینکڑون بت اور بیسیون صنم خانے تھے، دنیا کے تمام کام انھین اصنام اور بتون سے متعلق سمجھے جاتے تھے، مدتون سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلان بُت کی پرستش یا خدمتگذاری مین اگر کوتاہی کیگئی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہوجائے گا، فرزند نرینہ پیدا نہ ہوگا، باغون مین پھل نہ آئین گے، اسی بنا پر اسلام کے نام سے اُن کو لرزہ آتا تھا، اور یہ تخیل صرف اسی وقت پیدا نہین ہوا تھا، بلکہ ایک مدت سے عرب مین چلا آتا تھا، حضرت ہودؑ کی دعوت کے جواب مین ثمود نے کہا،

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ — ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہین گے کہ ہمارے کسی دیوتا نے تم کو آکے ستایا ہے،

(ہود، ۵)

ابتداءً جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتون کے خلاف وعظ کہنا شروع کیا تو اکثر لوگون نے (نعوذ باللہ) پاگل سمجھ لیا[۲]، جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے آئے[۳]، ضمام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہوکر اپنے قبیلہ مین جب واپس گئے، اور لات وعزٰی کی مذمت شروع کی، تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ "ضمام! ان کو برا نہ کہو، دیکھو کہین تم کو برص، جنون یا جذام نہ ہوجائے"[۴]، حضرت زنیرہ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہوگئی تھین، کفار نے کہنا شروع کیا کہ "لات وعزٰی نے اُن کو اندھا کردیا ہے"[۵]، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی مسلمان ہوکر جب اپنے وطن تشریف لے گئے اور اپنی

[۱] ابن کثیر، زمخشری، ابن حبان، بغوی وغیرہ تمام مفسرین نے لکھا ہے، [۲] دیکھو تفسیر آیہ وَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ" ونیز مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ [۳] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ [۴] مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ، [۵] اسد الغابہ ترجمہ حضرت زنیرہ، وسیرۃ ابن ہشام ذکر مستضعفین مسلمین،

بیوی کو اسلام کی دعوت دی، تو انھون نے کہا، "دیکھو ذوالشریٰ (بت) کہین برباد نہ کر دے"[۱]

فتح مکّہ کے بعد جبکہ دیوتاؤن کے زور و قوت کا راز افشا ہوچکا تھا، اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کرلیا تھا تاہم لات، عزیٰ، مناۃ، ذی الکفین، سواع کے تہخانون کو وہ اپنے ہاتھ سے نہ توڑسکے، خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے جنھون نے اس فرض کو انجام دیا، پجاریون نے کوئی مزاحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤن کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کریگا وہ خود تباہ و برباد ہوجائیگا،[۲]

توہم پرستون مین کسی مذہب کی صحت و بطلان کی دلیل شواہدِ عقلی نہین ہین، بلکہ دنیا کے ظاہری مادّی فوائد اور جانی و مالی خیر و برکت، لیکن قوانین گاہِ عالم مین ایک مذہب پرست بھی اسی طرح آلام و مصائب مین گرفتار ہوسکتا ہے، جس طرح ایک غیر مسلمان، عرب کے بدو اور اعراب ابتدائً مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے تو معًا یہ توقع بھی کرلیتے تھے، کہ اب وہ ہر قسم کے آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہین، اس بناپر اگر کبھی اونکی اس توقع کو صدمہ پہنچتا تو دفعۃً وہ متزلزل ہوجاتے تھے، صحیح بخاری کتاب التفسیر مین[۳] ہے،

کان الرجل یقدم المدینۃ فان ولدت امرأتہ غلاما ونتجت خیلہ قال ھٰذا دین صالح وان لم تلد امرأتہ ولم تنتج خیلہ قال ھٰذا دین سوء،

باہر کا جو شخص مسلمان ہوکر مدینہ آتا تھا اوسکی یہ حالت تھی کہ اگر اسکی بیوی لڑکا جنتی اور اسکی گھوڑی بچہ دیتی تو وہ کہتا کہ یہ نہایت عمدہ مذہب ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت برا مذہب ہے،

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگون کی شان مین نازل ہوئی ہے[۴]،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ (حج ۲)

اور بعض لوگ وہ ہین جو خدا کی بندگی کنارہ کھڑے ہوکر کرتے ہین (یعنی دل سے نہین کرتے) اگر انکو فائدہ پہنچا تو انکو اطمینان ہوجاتا ہے، لیکن اگر مبتلائے مصیبت ہوے تو فوراً روبرگشتہ ہوجاتے ہین،

۱؎ اسد الغابہ ذکر طفیل بن عمرو دوسی، ۲؎ ابن سعد و طبری، ذکر ہدم اصنام ۳؎ تفسیر سورۂ حج جلد ثانی صفحہ ۱۴۹، ۴؎ ۵؎ صحیح بخاری تفسیر سورۂ حج،

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے مین کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بد دعاؤن کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیر[1] پیدا ہوئے اور مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے[1]، سوء اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ مین آتے تھے، ان کو وہان کی آب و ہوا راس نہین آتی تھی، ابتدائے ہجرت مین جب حضرت ابوبکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہو گئے[2] حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو انکو بھی مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی[3]، اگرچہ مخلصین اور ارباب فہم پر اس قسم کی عارضی ناگواریون کا کوئی اثر نہین پڑسکتا تھا، تاہم عام لوگ جنکی وہم پرستی فطرت ثانیہ ہوگئی تھی وہ اس قسم کے اتفاقی واقعات سے بیحد متاثر ہوتے تھے، چنانچہ جب عکل و عرینہ کے چند لوگون نے مدینہ مین آکر اسلام قبول کیا اور آب و ہوا کی ناموافقت کے سبب سے بیمار ہو گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے اُن کو اونٹون کی چراگاہ مین بھیجدیا تو گو وہ صحیح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے[4]، اسی طرح ایک بدو نے آکر آپکے دست مبارک پر بیعت کی لیکن سوء اتفاق سے دوسرے دن بخار مین مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپ نے تین بار منع فرمایا لیکن اس کے اصرار سے آخر بیعت فسخ کردی اور فرمایا[5]،

المدینة کالکیر تنفی خبثھا وتنصع طیبھا	مدینہ آگ کی بھٹی ہے جو میل کو الگ کر دیتا ہے اور حقیقی جوہر کو خالص کر دیتا ہے

انھی اسباب کی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی،

اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکة	خداوندا مکہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے لیے مدینہ کو
او اشد، اللھم وصححھا وبارک لنا فی مدھا	محبوب بنادے، اسکو امراض سے صحیح کر دے، اس کے پیمانے
وصاعھا وانقل حماھا فاجعلھا بالجحفة[6]	مین برکت دے، اور اس کے بخار کو جحفہ مین منتقل کر دے،

قبائل کی خانہ جنگیان اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیان تھین، جو عرب کے خصائص

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ و اصابہ ذکر عبداللہ بن زبیر [2] صحیح بخاری کتاب المرضیٰ و باب مقدم النبی صلعم المدینة [3] صحیح مسلم کتاب الایمان [4] صحیح بخاری کتاب المحاربین [5] بخاری جلد ا صفحہ ۲۵۳۔ کتاب الحج، فضائل مدینہ، و باب اعتصام السنة [6] صحیح بخاری باب مقدم النبی صلعم المدینة

قومی کا عنصرِ اعظم بنگئی تھین، یہ خانہ جنگیان ہزارون برس سے چلی آتی تھین، اور انکی وجہ سے قبائل مین ایسے مستمر اور ثابت الاساس انتقامی جذبات پیدا ہوگئے تھے، جن کا مٹنا قریبًا محال تھا، انھی لڑائیون نے ثار (انتقامِ خون) کی رسم پیدا کر دی تھی، جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لیے قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا تھا، ہزارون برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درج رجسٹر ہوتے رہتے تھے، اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے ثار کا لفظ سنتا تھا، یعنی خاندان مین فلان شخص قتل کیا گیا ہے اور اس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے، اس لیے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی ثار ہوتا تھا،

اس بنا پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدتمندی کے ساتھ اسلام کی طرف جھکتا تھا، معًا اوسی زور اور قوت کے ساتھ دوسرا فریق اسلام کی مخالفت اور اُس سے سرکشی پر آمادہ ہوجاتا تھا، مکہ مین اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا، کہ خدا نے نبوت کے لیے ہاشم کا گھرانا چن لیا تھا، بنو امیہ کی مخالفت اس کے لیے لامحالہ ہوتی تھی،

مدینہ مین اوس و خزرج دو قبیلے تھے اسلام سے پہلے دونون لڑلڑکر تھک گئے تھے، اسلام کی آواز آئی تو گو دونون نے ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلۂ اوس کا ایک ایک فرد اگرہمہ تن اخلاص وجوش تھا، تو خزرج مین بیسیون منافق تھے، انتہا یہ ہے کہ ابتدائے اسلام مین ہجرت سے پہلے دونون قبیلون کی نماز کی امامت کے لیے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا[1]، کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے عار تھا،

خزاعہ اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے، اور انمین باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ آنے کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاعہ نے اسلام کی دعوت قبول کی، اسکا لازمی نتیجہ

---

[1] ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ،

یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے،

خوب غور کرو، انصار اسلام لاکر ہمہ تن نیکوکاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بنگئے، لیکن تار کے جذبات کس طرح آسانی سے دفعۃً مشتعل ہوجاتے تھے، ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو انصار کے دونون قبیلون (اوس اور خزرج) کی تلوارین میان سے نکل آئین[۱]، اور بڑی مشکل سے آنحضرت صلعم نے اُنکے جوش کو فرو کیا،

حضرت عائشہؓ کے واقعۂ افک مین جب آنحضرت صلعم نے منبر پر کھڑے ہوکر اسکی شکایت کی اور حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا "یا رسول اللہ! اگر وہ (تہمت لگانے والا) ہمارے قبیلہ کا ہے تو مین اوسکی گردن اڑا دیتا ہون، اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہے تو آپ حکم دین، مین بجالاؤن گا" اس پر سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، دفعۃً کھڑے ہوگئے، اور کہا،

کذبت لعمر اللہ لا تقتلہ ولا تقدر علی قتلہ ولو کان من رھطک ما احببت ان یقتل[۲]	خدا کی قسم، تو جھوٹ کہتا ہے، تو اوسکو نہ قتل کریگا، نہ کرسکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو اُسکو قتل کیا جانا پسند نہ کرتا،

اس پر اوس اور خزرج دونون قبیلون کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہانتک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے،

چنانچہ صحیح بخاری حدیث افک مین ہے،

فثار الحیان الاوس والخزرج حتی ھموا ان یقتتلوا، ورسول اللہ قائم علی المنبر،	پس دونون قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہوگئے، یہانتک کہ دونون کشت و خون پر آمادہ ہوگئے اور آنحضرت صلعم اُس وقت منبر پر کھڑے تھے،

---

[۱] اصابہ جلد ا مطبوعہ مصر صفحہ ۸۰، معجم صغیر طبرانی مین بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبداللہ،
[۲] صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک،

ایک بار محلم بن جثامہ لیثی نے عہد اسلام مین قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کرڈالا، آنحضرت صلعم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور اقرع بن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی، اور سخت شور و شغب ہوا، تو آپنے عیینہ سے فرمایا "دیت کیون نہین قبول کرلیتے؟" اُس نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کرونگا جب تک اوسکی بی بیون کو اس قدر نہ ستا لون جسقدر اوس نے ہماری بی بیون کو ستایا ہے" اس پر اور شور و غل ہوا، آپنے پھر یہی الفاظ فرمائے اور عیینہ نے وہی پہلا جواب دیا، چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا، جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین پیش ہوا تھا، اس لیے قبیلۂ بنو لیث کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہا کہ "ابتدائے اسلام مین اس واقعہ کی مثال بکری کے اُس ریوڑ کی سی ہے کہ اُس کے پہلے حصہ کو تیر مارا گیا، تو دوسرا بدک کے بھاگ گیا، یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھین گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا ہے اور چونکہ دلون مین ابتک انتقام کے جذبات تازہ ہین اور لوگ دیت لینا پسند نہین کرتے اس لیے اُن کو اسلام کے قبول کرنے مین تامل ہوگا، لیکن آنحضرت صلعم چونکہ سفر مین تھے، اس لیے دیت مین ۵۰ اونٹ اُسی وقت دیئے اور مدینہ پہنچکر ۵ اونٹ کا وعدہ فرمایا،[1]

اہل عرب مین یہ جذبہ اسقدر ترقی کرگیا تھا کہ گو آپنے فتح مکہ مین امن عام کی منادی کردی، اور تلوار کے میان مین کرلینے کا حکم دیا، تاہم انتقام کا جوش ابتک تازہ تھا،

قبیلہ ہذیل کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلعم کی خدمت مین جارہا تھا، اوس نے زمانۂ جاہلیت مین قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لیے اُس کو ڈھونڈ رہے تھے، سوءِ اتفاق سے وہ راہ مین مل گیا، اور اُن لوگون نے اُس کو فوراً قتل کردیا کہ اگر بارگاہِ نبوت مین وہ پہنچگیا تو پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آئیگا، آپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے، ان لوگون نے حضرت عمر، حضرت ابوبکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے سفارش کی درخواست کی، آنحضرت صلعم نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جسکے الفاظ یہ تھے،

---

[1] ابوداؤد جلد صفحہ ۱۵۵ کتاب الدیات،

"خدانے مکہ کو دارالحرام بنایا ہے، آدمیون نے نہین بنایا ہے، خدانے کل چند گھنٹون کے لئے اُس کو میرے لیے حلال کر دیا تھا، لیکن آج اوسکی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے، اور خدا کے سب سے نافرمان بندے تین آدمی ہین، ایک وہ جس نے حدود حرم مین کسی کو قتل کیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا، تیسرا وہ جس نے زمانۂ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے مین اوسکی دیت دونگا"۔

چنانچہ آپنے اوسکی دیت ادا فرمائی،[1]

بنو ثعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت مین اوس و خزرج کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، بنو ثعلبہ اسلام لا کر جب مدینہ آئے تو آنحضرت صلعم خطبہ دے رہے تھے، ایک انصاری بے اختیار چلا اوٹھے کہ یا رسول اللہ صلعم یہ ہمارے مجرم ہین، ان سے قصاص دلوایئے، آنحضرت صلعم نے ہاتھ اوٹھا کر فرمایا الا لا یجنی والد علی ولدہ[2]، یعنی لڑکے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہین لیا جائیگا،

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ثار کا جذبہ کس طرح رگ رگ مین سرایت کر گیا تھا، اور اس جذبہ کا مشتعل ہو جانا کسقدر آسان ہوتا تھا،

خانہ جنگیون پر ختم نہین، یون بھی تمام قبائل رقیب اور حریف مقابل تھے، دو مختلف قبیلون کے آدمیون مین کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی اور ان مین کوئی اپنے قبیلہ کا نام پکارتا تھا، تو قومی جنگ کا سامان ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری نے یاللانصار (انصار کی دہائی) پکارا، مہاجر نے بھی یاللمہاجرین کا نعرہ مارا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی، آپنے نکل کر فرمایا کہ "یہ کیا جہالت کی پکار ہے"

مابال دعوی الجاھلیۃ[3]، یہ کیا جہالت کا دعوی ہے،

لوگون کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا سخت دشمن ہے اس لیے جب تک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱، [2] دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰، [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۹، ذکر نہی دعوت جاہلیۃ،

ان کو اسلام لانے مین تامل ہوتا تھا، عمرو بن اُقیش ایک صاحب تھے وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر اور اُس کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح آمادہ تھے، لیکن ایک عائق تھا جو اس راہ مین حائل تھا یعنی ثار[1]، وہ جانتے تھے کہ اسلام لاکر اس خاندانی فرض کے ادا کرنے کی اونکو اجازت نہین ملسکتی،

ابن مندہ نے ان کے حال مین لکھا ہے،

وکان لہ ثار فی الجاھلیۃ وکرہ ان یسلم حتی یاخذہ[1]، — اُن کا انتقام زمانۂ جاہلیت مین باقی رہ گیا تھا جب تک وہ نہ لےلین انھون نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا،

اسی طرح حضرت عمرو بن مالک[2] جب آنحضرت صلعم کی خدمت مین اسلام لاکر اپنے قبیلہ مین واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والون نے کہا، بنو عقیل پر ہمارا ثار (انتقام) باقی ہے وہ لےلین تو اسلام لائین چنانچہ انھون نے اوسی وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہوچکے تھے حملہ کیا، اور اس فرض سے سبکدوش ہوئے[2]،

سیاسی مشکلات | جہالت، وحشت، پابندیِ رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان مین سے ایک چیز بھی مانع اصلاح نہ ہوتی تاہم صرف سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل عرب کبھی اسلام کے آگے سر نہین جھکا سکتے تھے، مکہ مین دو خاندان برابر کے رقیب تھے، اُمیہ، اور ہاشم، اور آنحضرت کی بعثت سے پہلے امیہ کا پلہ ترجیح علانیہ گران ہوچکا تھا، آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا اظہار کیا، تو سب سے پہلے امیہ کے خاندان نے سرکشی کی اور فتحِ مکہ تک یہی خاندان تھا، جو تمام لڑائیون اور معرکہ آرائیون کا علمبردار تھا، بنو امیہ کے بعد اور اور خاندان تھے اور وہ بھی حرم کے مناصبِ دہ گانہ (رفادہ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان مین سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب مین، ان فوائد اور اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے، ابوجہل سے جب ایک شخص نے کہا کہ "محمدؐ کی دعوتِ اسلام کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے" تو اُس نے صاف کہا کہ "مین کیا کہون، محمدؐ کے خاندان نے عزت و شرف مین برتری کا دعوی کیا، اور نبوت مین دعوی ہین کھلائین، اس کے جواب مین ہم نے

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۱۰۵ جلد ۴، [2] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک،

اسی شان کی دعوتین دین، انھون نے خون بہا دیئے، ہم نے بھی دیئے، انھون نے زرپاشیان کین ہم نے بھی کین، ہم دونون دوش بدوش ہو چلے تھے کہ دفعۃً اُن کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان مین نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہان تک برداشت کرین، خدا کی قسم ہم کبھی محمدؐ پر ایمان نہین لا سکتے[1] یہی ابوجہل جب انصار کے ہاتھ سے قتل ہوا تو اُس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کہ کاش مجھکو کاشتکارون کے سوا کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا[2]،

خوب غور سے دیکھو بدر، اُحد، حمراء الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیون مین یہی اموی عنصر تھا جو کام کر رہا تھا، قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے، مثلاً غطفان، اسد وغیرہ وہ یا اہل مکہ ہی کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف و ہم عہد تھے، خیبر مین یہود تھے جو قوم کے لحاظ سے قریش سے الگ تھے لیکن تجارتی حیثیت سے تمامتر انھی کے زیر بار تھے، انھی سے قرض وام لیتے تھے، انھی کے ہان مال و متاع رہن رکھتے تھے[3] خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لیکر خیبر اور نجد تک ایک سلسلۂ اتحاد مین مربوط تھا،

کعبہ تمام عرب مین قبلہ گاہِ اعظم تھا، ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لیے آتا تھا، اور آستانۂ کعبہ پر سر جھکاتا تھا، کعبہ کے مجاور معمولی پنڈوے نہ تھے، بلکہ خیمۂ و خرگاہ، تیغ و سپر، جاہ و حشم غرض ریاست و امارت کے تمام سروسامان رکھتے تھے، اس لیے تمام عرب مین اُن کی شہنشاہی قائم تھی، یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہین ہوا، اسلام چین سے نہین بیٹھ سکا، لیکن اسلام کی مخالفت، صرف قریش کی متابعت پر محدود نہ تھی، بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہ راست وہی تمام روسائے قبائل کو پہنچتا تھا، عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک مین قبائل پھیلے ہوئے تھے، اور ہر قبیلہ کا ایک رئیسِ اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلے پر حکمران ہوتا تھا، اور مالِ غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا، جس کو مرباع کہتے تھے، اُس کے علاوہ، غنائم مین سے

---

[1] ابن ہشام حصۂ اول صفحہ ۱۰۸ مطبوعۂ مصر طبع اول، [2] صحیح بخاری واقعۂ بدر، [3] طبری واقعۂ خیبر،

جو عورت، یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی اس کو چھانٹ لیتا تھا، اسکا نام صفی تھا، یہ گویا چھوٹی چھوٹی حکومتین تھین، جو تمام ملک مین پھیلی ہوئی تھین، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی، باپ کے مرنے کے بعد بیٹا رئیس منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات، ذاتی نزاعین، قصاص، یا خون بہا کے فیصلے سب، رئیس کے ہاتھ سے فیصل ہوتے تھے، یہ رؤسا، عام قوم سے بہت سے حقوق مین ممتاز ہوتے تھے،

قبائل مین بھی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے، اُن مین سے ایک آدمی کو اگر کوئی دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا، تو اسکا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اس لیے ایک کے بدلہ مین دو کو قتل کرتے تھے، یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوہ بدر مین قریش کی فوج مین سے عتبہ و شیبہ میدان مین آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عتبہ نے اس بنا پر اُن کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ قریش اور انصار کا جوڑ نہین،

حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جبلہ بن الایہم خاندان غسان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا، اور مکہ مین آیا، ایک دن طواف مین اوسکی چادر کسی شخص کے پانون کے نیچے آگئی، جبلہ نے اُس کے گال پر تھپڑ کھینچ مارا، اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے واقعہ سنکر کہا اس کا کیا قصور ہے، تم نے جو کیا اسکی جزا پائی، جبلہ نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ کوئی مجھپر ہاتھ اٹھاتا تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہان زمانۂ جاہلیت مین یہی قاعدہ تھا لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جبلہ نے کہا جو مذہب شرفا کو ذلیل کر دیتا ہے مین اس سے باز آتا ہون، یہ کہکر چوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا،

عرب کا ہر رئیس قبیلہ درحقیقت جبلہ تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار مین شاہ و گدا، رئیس و عامی، شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لیے عرب مین تمام رؤسائے قبائل کو صاف نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا، اُن کے ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا ہے،

عرب مین ایک دوسری حریف طاقت یہودیون کی تھی، جو حجاز سے لیکر شام کے دروازون تک پھیلے تھے، اُن کے ہاتھ مین بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی بہتات تھی، باغون اور زمینون پر اُن کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے پھر اسلام آیا تو اس طرح کہ اس نے یہودیون کی ایک ایک برائی کو طشت از بام کیا، اور اُن کے مذہبی وقار کے کھوکھلا پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لیے انھین صاف نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک مین جڑ پکڑ کر اون کو بیخ و بنیاد سے اوکھاڑ دیگی، چنانچہ، قرنظیہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، اور یثرب، خیبر، فدک، تیما، وادی القری وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوداگر، مہاجن، اور قلعہ نشین دل سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دین، اور آخر لڑائیان پیش آئین اور دین توحید کے مقابلہ مین اہل شرک کا ساتھ دیکر، خندق، و احزاب و غطفان کے معرکے پیش کیے، عرب کے مختلف قبیلون اور سرحدی صوبون پر ایران اور روم کی سلطنتین، فرمانروائی کرتی تھین، عراق، یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی، اور حجاز کے شامی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انھین دو مین کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے، اور یہ دونون سلطنتین اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھین، اس لیے اس ملک مین اتنی بڑی ایک عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا اُن کو کسی طرح پسند نہین آسکتا تھا، اسی لیے عرب مین اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا، تو انھون نے اوسکی دارو گیر کرنی چاہی، کسرائے ایران نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا، کہ اس نئے مدعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو، اور قیصر نے تو کھلم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی، جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی، اور آخر آنحضرت صلعم کے بعد اسلام کو ان دونون ہمسایہ طاقتون سے نبرد آزما ہونا پڑا،

ذریعۂ معاش اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعۂ معاش عموماً قافلون پر حملہ آوری اور سلب اموال اور رہزنی تھا، اوپر ہم امالی قالی سے نقل کر آئے ہین کہ عرب کا ذریعۂ معاش غارتگری تھا اور چونکہ حج کے چار مہینے تک جنگ و غارت سے باز رہنے مین اُن کے ذرائع معاش مسدود ہو جاتے تھے، اس ضرورت سے

وہ حج کے مہینوں کو ادل بدل کر لیا کرتے تھے،

اندرونی عرب تمام تر دشت و صحرا اور بالکل ویرانہ ہے، زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لیے اُن کو غارتگری کرنی پڑی اور امتدادِ زمانہ سے یہ عادت اُن میں راسخ ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ ٹھگی، رہزنی، اور سرقہ تمام ملک میں پھیل گیا تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور شعراء چور اور رہزن ہوتے تھے،

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لیے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر غلہ کی تجارت کرتے تھے اُنکو لوٹ لیا کریں، آنحضرت صلعم نے دومۃ الجندل پر جو سریہ بھیجا تھا، اسی کے انسداد کی غرض سے بھیجا تھا، دومۃ الجندل مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر ہے، تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظِ ماتقدم کے لیے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے اُن اطراف کا بندوبست کیا،

حضرت مغیرہ بن شعبہ رض نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے اُن کا مال چھین لیا تھا، چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا تو آپنے فرمایا کہ

اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شئی، (صحیح بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ)	اسلام تو میں نے قبول کیا، لیکن مال سے مجھ کو کسی قسم کا واسطہ نہیں،

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، حدیثوں میں جو وارد ہے کہ آنحضرت صلعم اکثر بیعتِ اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے، ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ "چوری نہ کرینگے" اسکی یہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا ورنہ آج اگر شرفا سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگوں کو تعجب ہوگا کہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے،

اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لیئے عرب کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائعِ معاش سے مجبور ہوجاتے ہین، وہ قافلون پر حملہ نہین کرسکتے کہین ڈاکہ نہین ڈال سکتے کسی کا مال نہین چھین سکتے، تو اب ان کے لیے کیا باقی رہجاتا ہے،

قریش خود رہزن اور غارتگر نہ تھے، وہ شہری متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر اسباب کیساتھ ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی، کہ قبولِ اسلام کا اثر اُن کے وسائلِ معاش پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعۂ معاش صرف اُن تجارتی تعلقات تک محدود تھا، جو اُنھون نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے اور یہ تمام قبائل اور ممالک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریفِ مقابل تھے، اس بنا پر قریش کو خوف تھا، کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ مین داخل ہوجائین گے تو دفعۃً یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہوجائین گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح (صفحہ ۱۳۸ جلد ۴) مین امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہین،

قال الشافعی کانت قریش تنتاب الشام انتیابا کثیرا وکان کثیر من معائشها منه، وتاتی العراق، فیقال لما دخلت فی الاسلام ذکرت للنبی صلعم خوفها من انقطاع معائشها بالتجارة من الشام والعراق اذا فارقت الکفر ودخلت فی الاسلام، وخلاف ملک الشام والعراق لاهل الاسلام، فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا هلک کسری فلا کسری بعده فلم یبق بارض العراق کسری یثبت

امام شافعی کا بیان ہے، کہ قریش شام مین اکثر تجارتی حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی معاش کا تعلق زیادہ تر اوسی سے تھا، اور اس غرض سے وہ عراق مین بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش کے لوگ اسلام لائے تو آنحضرتؐ سے ان ذرائع معاش کے منقطع ہوجانے کا خوف ظاہر کیا، اور شام و عراق کے بادشاہون کی اُس مخالفت کا ذکر کیا جو ان کو اہل اسلام کے ساتھ تھی، اسپر آپنے فرمایا کہ جب کسریٰ ہلاک ہوجائیگا تو پھر اُس کے بعد دوسرا کسریٰ نہ ہوگا، چنانچہ عراق سے کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اور آپنے فرمایا کہ جب

له امر بعدہ وقال اذا هلك قيصر فلا قيصر بعدہ فلم يكن بارض الشام قيصر فاجابهم على ما قالوا،

قیصر ہلاک ہو جائیگا، تو پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا چنانچہ ارض شام مین پھر کوئی قیصر نہین ہوا جسکی وہان حکومت ہو، اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب اون کے

رفع شک | اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے، جو عام طور پر یورپ مین پھیلی ہوئی ہے، اہل مغرب کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس مین عرب کی ہر قسم کی خواہش ہائے نفسانی کے پورے کرنے کا سامان موجود تھا، عرب جنگ و جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے انھی چیزون کو جہاد و غنیمت کی صورت مین بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے اسلام نے چار بیویان، اور غیر محدود لونڈیون کی اجازت دیدی، اہل عرب زاہدانہ زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے، اسلام نے بھی رہبانیت کی تحقیر کی، اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہے، جہاد، اور تعدد ازواج اور سراری کی بحث کتاب کے دوسرے حصون مین آئیگی یہان اسقدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعدد ازواج جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت نہین رکھتا تھا، جہاد صرف کافرون سے جائز تھا، فرض کرو ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی شخص ہتھیار نہین اٹھا سکتا تھا، اور اس کے مال و متاع سے تعرض نہین کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ سے اتحاد مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی مین متحد تھے لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو لوٹتے رہتے تھے، جہاد کے لیے اور بہت سی پابندیان تھین جو پہلے بالکل نہ تھین، جہاد مین صرف پاس پاس کے قبائل شریک ہوتے تھے، دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد مین جو لونڈیان گرفتار ہوتی تھین، اُن سے اسوقت تمتع جائز ہوتا تھا، جب ایک مہینہ کی مدت گذر جائے یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکے لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتون کو تصرف مین لے آتے تھے، اور اسپر فخر کرتے تھے پہلے نکاح کے لیے تعداد کی کوئی قید نہ تھی ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیان کرتے تھے اب چار کی قید ہو گئی،

اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب مین عدل و مساوات رہے، اس لیے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھتا تھا تمام تر غلط ہے، برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز روایات قدیمہ، جہالت عادات، رسوم، نفس پرستی ہر چیز اسلام کے قبول کرنے کی مانع تھی،

ہر قوم پر جو چیز سب سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہے، وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہین، آج یورپ علوم و فنون اور آزادیِ خیال مین اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن جو بیہودہ تعجب انگیز رسمین پہلے قائم تھین اب بھی قائم ہین، یا تو تعود کی وجہ سے ان کی برائیان سرے سے نظر ہی نہین آتین یا آتی ہین تو عادت کی حکومت کے مقابلہ مین آزادیِ خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہوکر رہجاتے ہین،

عرب مین جسقدر رسمین قومی عادتین تھین جو ان کی ہستی کی عناصر بنگئی تھین، اسلام ایک ایک کا دشمن تھا، ثار، یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا مظہر تھا، اسلام نے اسکو بالکل مٹا دیا، خاندانی فخر و مباہات ان کی قومی زندگی کی روح تھی فنا کر دیگئی، ابوسفیان رئیس العرب کو بلال رض (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بیٹھنا پڑا، یا تو قریش کو انصار کے مقابلہ مین تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا، یا اب قریش کی لڑکیان غلامون کے (زید و سالم وغیرہ) گھر مین آگئین، **عکاظ** وغیرہ کے میلے جہان عرب سال کے سال جمع ہوکر اپنے مفاخر کی داستانین سناتے تھے، سرد پڑ گئے،

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک مین ملاتا تھا دوسری طرف خود اس مین ہوائے نفس اور تفریحِ طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کیساتھ پانچوقت کی نماز گلے کا ہار بنجاتی تھی، جو آزاد مزاجون پر سخت گران تھی،

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (بقرہ-۵) اور وہ (نماز) خاشعین کے سوا، اورون پر یقیناً گران ہے،

روزہ یعنی تیس دن تک متصل کھانا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوۃ ایسا سخت ٹکس تھا کہ محض اس کے ادا کرنے پر حضرت ابوبکر رض کے زمانہ مین عام بغاوت ہوگئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بظاہر زندہ دلی کا

سامان رکھتا تھا لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہین رہا تھا، طواف عریان کی اجازت نہین رہی، بڑی دلچسپی کی چیز بت تھے وہ ایک ایک کرکے حرم سے نکال دیئے گئے، مقام منٰی مین خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا بند کردیا گیا، یہ فرائض اور اوامر کا حال تھا، اسی کے ساتھ محرمات اور نواہی کی وہ عالمگیری تھی کہ اُن کے جاہلانہ خیال کے مطابق زندگی، زندگی نہین بلکہ زندان تنگیٔ تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، اطلس وحریر حرام، چنگ وعود حرام، تصویر حرام، پھر زندہ دلی اور لطف زندگی کے لیے باقی کیا رہجاتا ہے،

خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتون مین بھی دلچسپی کا سامان رکھا ہے، عیسائیون کی نماز گا کر ادا کیجاتی ہے، پارسیون مین زمزمہ ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کے وقت بھجن گاتے ہین اور سامنے دلفریب بت ہوتے ہین، لیکن اسلام مین بظاہر دلآویزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہین،

مذکورۂ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تمامتر بے سروپا ہے کہ اسلام اس لیے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مہیا کرتا تھا،

پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے؟

تبلیغِ نبوی ؐ

اور

اُس کے اصول اور اوسکی کامیابی کے اسباب

تمام گذشتہ موانع، عوائق، مشکلات، اور دشواریون کی دیوارین آہستہ آہستہ ایک ایک کرکے ٹوٹتی گئین، اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلعم نے جب دنیا کو چھوڑا، تو تمام عرب مین ایک بھی بت پرست نہ تھا، اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اسکا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کارلائل[1] کے بقول نہتے اور یکہ و تنہا اسلام کے ہاتھ مین یہ تلوار کس تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھین، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے،

فریضۂ تبلیغ — "تبلیغ" کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہین، اور اصطلاح مین اس کے معنی یہ ہین کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہین، اوسکی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگون اور دوسری قومون اور ملکون تک پہنچائین، اور اُن کو اُس کے قبول کرنے کی دعوت دین، قرآن پاک مین تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہین، جنمین سے ایک لفظِ اِنذار ہے، جس کے معنی ہشیار اور آگاہ کرنے کے ہین، دوسرا لفظ دَعوۃ ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہین؛ اور تیسرا لفظ تَذکیر ہے، جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہین، بعثتِ نبوی ؐ کے وقت دنیا مین دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے جو تبلیغی تھے، یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہین، جیسے یہودیت، مجوسیت، ہندویت، جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، اُن کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ

---

[1] ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (محمدؐ)

اُن کے اصل مذہب کا حکم تھا، یا بعد کے پیرؤن کا عمل ہے؟ کیونکہ اُن کے مذہبی صحیفون مین اس تعمیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتین، اور اُن کے بانیون کی زندگی مین اوسکی عملی مثالین نہین ملتین، تمام مذاہب مین صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا، اور اُس کے متعلق اپنے صحیفہ مین کھلے احکام دیئے، اور اُس کے داعی وحامل علیہ السلام نے اپنی زندگی مین اوسکی عملی مثالین پیش کین،

جن مذہبون نے تبلیغ کو اپنا اصول نہین ٹھہرایا، اُن کے ایسا کرنے کی اصلی وجہین دو ہین، ایک یہ کہ اُن کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے، کوشش سے نہین دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق اُن کے پاس ہے، وہ اُن کے نزدیک اتنا پاک ومقدس ہے کہ اونکی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل و قوم کے علاوہ، دوسری تمام قومین جو ناپاک ونجس وکمتر ہین، اُن تک اپنے پاک مذہب کو لیجانا، خود اُس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے، یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (متی ۱۵) یا یونانی (مرقس ۷) عورت نے اُن سے برکت چاہی تو فرمایا "مین اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑون کے سوا اور کسی کے پاس نہین بھیجا گیا" (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا "مناسب نہین کہ لڑکون کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتون (غیر اسرائیلی قومون) کو پھینک دین" (۲۷) پھر فرمایا "غیر قومون کی طرف نہ جانا، اور سامریون کے کسی شہر مین داخل نہ ہونا، بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑون کے پاس جاؤ، اور چلتے ہوئے منادی کرو" (متی ۱۰-۶) پھر ارشاد فرمایا "وہ چیز جو پاک ہے، کتون کو مت دو، اور اپنے موتی سورون کے آگے نہ پھینکو" (متی ۷-۶)

ہندؤن نے اپنے مذہب کو تمام قومون سے چھپا کر رکھا، اوسکا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک دھرم ملچھون اور اچھوتون کو سکھا کر اوسکو ناپاک نہین کرنا چاہتے تھے، یہودیون کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہین،

تبلیغ کی اہمیت | آنحضرت صلعم نے دنیا کی تمام قومون کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لاکر کھڑا کیا، اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکسان مستحق قرار دیا، اس لیے اپنی تبلیغ کے لیے قریش وغیر قریش، حجاز و یمن

عرب و عجم، ہند و روم کی تخصیص نہین فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان، اور ہر گوشہ مین صدائے الٰہی کا پہنچانا فرض قرار دیا، ابتدائی وحی مین انجانون کو ہشیار، اور بیخبرون کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا، یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (مدثر۱) "اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو، اور ہشیار و آگاہ کر" پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ جو تیری طرف اتارا گیا اوسکو اورون تک پہنچا" فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (شوریٰ) "لوگون کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا" فَذَكِّرْ اِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرٰی (اعلیٰ) لوگون کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو"، وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ذاریات-۳) "اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے"، فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق-۳) قرآن سے سمجھا اوسکو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہو" اور ان کے علاوہ بیسیون آیتون مین اس فرض کی اہمیت ظاہر کیگئی، حضرت علیؓ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اے علی! تمھاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کرلینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھکر ہے[۱]"،

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پیرو پر خیر کی دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تواصی بالحق، یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا، ضروری قرار دیا ہے، اور مسلمانون کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسرون کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جد و جہد کرین،

آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہوکر پیام الٰہی لوگون تک پہنچاے! اور اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا فرض انجام نہ دیا،

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ-۱۰)	اے خدا کے پیغام پہنچانے والے، تیرے پروردگار کے پاس سے جو کچھ تیری طرف اترا ہو اسکو پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہین کیا تو تو نے خدا کا پیغام نہین پہنچایا، اور تجھکو خدا

اسکی وسعت | اس کے بعد اس فریضۂ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے، پیغام الٰہی، سچائی کا ایک بہتا چشمہ ہے، جو آستم

[۱] صحیح مسلم باب خیبر،

آہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو، پھر آگے کو پھر اُس سے آگے کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ وہ زمین کے کنارون تک پہنچ جاتا ہے، آنحضرت صلعم کو اس تبلیغ کا حکم اسی تدریج کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگون کو سمجھانے کا حکم ہوا،

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء-۱۱) اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر،

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھکر شہر مکہ اور اُس کے اطراف کی آبادیون تک پہنچتا ہے،

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْاَعْرَابِ (شوریٰ-۱) تاکہ تو مکہ اور جو اُس کے آس پاس کے بدوی ہین اونکو آگاہ و ہشیار کرے،

تب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ، احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتین جسمین موجود ہون اوسکی مخاطب ہوتی ہے،

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (یٰسین-۵) یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا کلام ہے تاکہ وہ اوسکو ہشیار کرے جو زندہ ہے،

پھر جس تک بھی وہ آواز پہنچ جائے، سب سے اس کا خطاب ہے،

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ (انعام-۲) تاکہ مین تمہین آگاہ و ہشیار کرون، اور اونکو جن تک میری یہ آگاہ و ہشیار کرنے والی آواز پہنچے،

پھر تمام انسانون تک اسکی وسعت ہوتی ہے،

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (ابراهیم-۷) یہ قرآن تمام انسانون کے لیے پیغام ہے،

آنحضرت صلعم کو خطاب ہوا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا-۳) اور ہم نے تم کو تمام انسانون کے لیے خوشخبری سنانیوالا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا،

آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسان کو خطاب کرکے یہ اعلان فرمادین،

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف-۱۹)
اے لوگو! مین تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہون،

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپکی دعوت و تبلیغ کے دائرہ مین داخل ہے، فرمایا،

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا، اَلَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فرقان-۱)
برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق اور باطل مین امتیاز بتانے والی کتاب اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کی، تاکہ دنیا جہان کے لیے ہشیار و آگاہ کرنے والا ہو، وہ خدا جس کی ملکیت مین آسمانون کی اور زمین کی سلطنت ہے،

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت، اور اسمین کامیابی کی خوشخبری عین اسی وقت دیدیگئی تھی، جب مسلمانون کے دلون مین ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی، چنانچہ یہ آیت ذیل نازل ہوئی،

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ، وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعْدَ حِیْنٍ (ص-۵)
یہ قرآن تو دنیا کے لیے نصیحت ہے، اور تم ایک زمانہ کے بعد اوسکی خبر جانوگے،

انبیا، اور بانیانِ مذاہب کے عملی نمونون اور مثالون کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجائے گی، کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہین، وہ حقیقت مین تبلیغی نہین، خود بودھ نے ہندؤن کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہین بتایا، اور نہ اس کا حکم دیا، حضرت عیسیٰؑ نے اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا وعظ سنایا، اور نہ اُن کو اپنا مخاطب بنایا، اور نہ اُن مین سے کسی کو اپنا شاگرد کیا، نہ کسی دوسری قوم مین اپنی زندگی مین اپنا واعظ اور مبلغ بھیجا، حالانکہ فلسطین مین رومیون اور یونانیون کی بڑی جماعت موجود تھی،

آنحضرت صلعم نے مکہ مین رہکر مکہ اور اُس کے آس پاس کے لوگون کو بیدار و ہشیار کیا، حج کے موسم مین عرب کے ایک ایک قبیلہ کو جاکر حق کا پیغام پہنچایا، اور اسی زمانہ مین یمن اور حبشہ تک آپکی آواز پہنچ گئی، اور لوگ تلاش حق کے لیے آپ کے پاس آئے، مدینہ منورہ آئے تو قریش گو برسون تک دوسرے قبیلون تک اسلام کے پہنچنے مین سدِ راہ بنے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج بھیجکر قبیلون تک آواز پہنچائی گئی، اور بالآخر قریش کے خلاف اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پُرامن آزادی ملے، چھ برس کے جنگ و جدل کے بعد حدیبیہ مین[۱] قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا، اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس روحانی فتح کو فتح مبین قرار دیا، اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا، نازل ہُوا، اس کے بعد ہی عرب اور بیرون عرب مین اسلام کے واعظ، قاصد، اور مبلغ بھیجے گیے، اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے، اور عرب کے علاوہ دیلم، ایران، حبش اور روم کے طالب آئے، اور فیضانِ حق سے سیراب ہوئے، مشرکین عرب، یہود عیسائی اور پارسی سب نے آپکے زمانہ ہی مین آپکے نور سے روشنی حاصل کی،

لیکن نفس تبلیغ کی فرضیت واہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہین،

تبلیغ کے اصول یہ نکتہ کہ کس طرح لوگون کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے، دنیا مین پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلعم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کے دعوے رکھتے ہین، یہ نہین کہہ سکتے کہ اُن کے صحیفون نے اُن کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفۂ محمدیؐ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروون کو یہ بتایا ہے کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگون تک پہنچایا جائے اور اُن کو قبولِ حق کی دعوت دیجائے،

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل-۱۶) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگون کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور اُن سے مناظرہ خوش اُسلو

[۱] صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ،

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانون کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن،
مسلمان متکلمون نے بیان کیا ہی، کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینون اصول وہی ہین، جو منطقی استدلال مین عموماً کام مین
لائے جاتے ہین، یعنی ایک تو **برہانیات** جنمین یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعوی کے ثبوت پر دلیلین
لائی جاتی ہین، دوسرے **خطابیات** ہین جنمین مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے،
اور تیسرے **جدلیات** جنمین مقبول عام اقوال اور فریقین مین مسلّم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن
پاک نے پہلے طریقہ کو **حکمت**، دوسرے کو **موعظتِ حسنہ**، اور تیسرے کو **جدال** سے تعبیر کیا ہے،
اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہین، جنسے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے،
خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرکے
اُس کے قبول کی دعوت دیتے ہین، تو عموماً تین طریقے برتتے ہین، یا تو اُس بات کے ثبوت اور تائید مین
کچھ دلنشین دلیلین پیش کرتے ہین، یا اُس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہین، اور مؤثر انداز سے اوسکو نیک و بد اور
نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہین، یا یہ کرتے ہین کہ اوسکی دلیلون کو مناسب طریقہ سے رد کرکے اوسکی غلطی کو اُس پر
واضح کرتے ہین، پہلے طریقہ کا نام **حکمت**، دوسرے کا نام **موعظہ حسنہ**، اور تیسرے کا نام **جدال** بطریق
احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہین،

قولِ لیّن حکیمانہ استدلال ہو، یا وعظ و نصیحت ہو، یا جدال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی اور خیر خواہی سے
باتین کرے، کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل مین نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کیسی
ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اوس کے قبول کی استعداد اُس سے سلب کرلیتے، اور سننے
والے مین اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کردیتے ہین، جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہوجاتا ہے،
اسی لیے قرآن پاک نے اپنے پیغمبرون کو اپنے مخالف سے مخالف دشمن کو بھی نرمی ہی سے باتین کرنے کی
تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو، فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے

کی ہدایت ہوتی ہے، تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے،

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى، فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى، (طٰہٰ-۲)

تم دونون فرعون کے پاس جاؤ، اُس نے سرکشی کی ہے، تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے،

دعوت و تبلیغ مین رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہین ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبرون سے بہتر ہو سکتا ہے، اور نہ فرعون سے بڑھکر کوئی مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبرون کو ہوتی ہے، تو عام داعی و مبلغ و واعظ کو عام مخالفون، مجرمون اور سرکشون کے ساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملاطفت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے،

اعراض اور قول بلیغ آنحضرت صلعم کو اُن منافقون کے بارہ مین جو آپکی نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے، یہ حکم ہوتا ہے،

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا، (نساء-۹)

تو اون سے درگذر کر، اور اُن کو نصیحت کر، اور اُن سے ایسی بات کہہ جو اُن کے دلون مین اثر کرے،

اس تعلیم مین تین ہدایتین ہین، اوّل یہ کہ دعوت و تبلیغ مین مخالف کی بدسلیقگی، بدتہذیبی، اور درشتی کو درگذر اور برداشت کرنا چاہیے، دوسرے یہ کہ اُن کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیئے، اور تیسرے یہ کہ گفتگو کا وہ مؤثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیئے جو دل مین گھر کرے،

تیسیر و تبشیر انھین ربانی ہدایتون کی تعمیل مین جب آنحضرت صلعم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن مین اسلام کی دعوت و تبلیغ کیلئے متعین فرمایا، تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا[۱] " دین الٰہی کو آسان کرکے پیش کرنا، سخت بنا کر نہین، لوگون کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا" یہ وہ تبلیغی اصول ہین جو ایک داعی و مبلغ کی کامیابی کی جان ہین، آنحضرت صلعم نے صحابہ کے سامنے اور

---

[۱] صحیح بخاری بعث معاذ الی الیمن جلد دوم صفحہ ۶۲۲،

صحابہؓ نے عام مسلمانون کے سامنے اسی اصول کے مطابق دینِ الٰہی کو پیش کیا، اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا، اور اُس کو سخت، درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اُس کے قبولِ عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی دلنواز صداؤن سے دلون کو پر امید اور مسرور بنانا اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی قہاری و جباری، اور ہیبت و جلال کا ذکر کرکے دلون کو خوفزدہ اور مایوس بنایا جائے،

تدریج | تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت صلعم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اوسکی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اُس کے سامنے پیش کئے جائین پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات مین بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے، عبادات مین سب سے اہم نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے، پھر دوسرے فرائض ہین، حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آپ نے فرمایا "تم یہودیون اور عیسائیون کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو اُن کو پہلے اسکی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہین، اور محمدؐ اوسکا رسول ہے، جب وہ یہ مان لین تو اونکو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دن رات مین پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہین، اور جب وہ یہ بھی مان لین تو اونکو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ اُنکے دولتمندون سے لیکر اونکے غریبون کو دیدیا جائے، جب وہ اسکو تسلیم کرلین تو دیکھو صدقہ مین چن چنکر اُنکے بڑھیا مال کو نہ لینا، اور ہان مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ اوس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہین[1]"۔

تالیفِ قلب | تبلیغ و دعوت کے سلسلہ مین اسلام نے ایک اور طریقہ کو بھی پیش کیا ہے، جسکو تالیفِ قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ (توبہ-۸) اس کے لفظی معنی ہین "دلون کو ملانا" اور اس سے مقصود اُس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، امداد و اعانت، اور غمخواری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے، اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور

---

[1] صحیح بخاری باب مذکور جلد دوم صفحہ ۶۲۳،

کرکے قبول حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، آنحضرت صلعم نے بہت سے لوگون کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا تھا، چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہوکر اسلام لائے تھے، آنحضرت صلعم نے حنین کی غنیمت کا سارا مال انھین کو تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف اُن کی گردنین نہ اُٹھ سکین صفوان جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلعم سے نہایت بغض رکھتے تھے، وہ کہتے ہین: کہ "مجھکو آنحضرت صلعم نے دیا جتنا دیا، اور مجھے اُن سے سخت بغض تھا لیکن آپکے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا، کہ اب میری نگاہ مین اُن سے زیادہ کوئی پیارا نہین[1]"، ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا کہ ان دونون پہاڑون کے درمیان بکریون کے جتنے ریوڑ ہین، مجھکو عنایت کیجئے، آپ نے اُسکو وہ سب دیدیئے، یہ فیاضی دیکھکر ایسا اُس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ کو آکر کہا، "بھائیو! اسلام قبول کرو کہ محمدؐ اتنا دیتے ہین کہ اُن کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہین[2]"،

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلعم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلعم اوسکی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور جاکر اوس کے سرہانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کرلے، اُس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اُس نے کہا ابوالقاسم (آپکی کنیت) کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، اور جب آنحضرت صلعم وہان سے اٹھے تو زبانِ مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اُس خدا کی حمد جس نے اسکو دوزخ سے بچالیا[3]۔

دعوتِ عقل اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہین، اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو، کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعظ و نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہین رہسکتی، اس بنا پر مذاہبِ عالم کی تاریخ مین نبوتِ محمدیہ سب سے پہلی ربانی آواز ہے، جس نے حاکمانہ قانون (توراۃ) یا صرف لفظون کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤن کے احکام (وید) کے بجائے عقلِ انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی، فہم و تدبر کا مطالبہ کیا، اُس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی، اور بار بار مخالفون کو آیاتِ الٰہی مین غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا،

---

[1] صحیح مسلم باب جودہ صلعم جلد دوم صفحہ ۲۹۰، مصر، [2] ایضاً، [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز،

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ؕ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ج (انعام ۱۸-)

کہہ اے پیغمبر کہ تمھارے پاس کوئی (یقینی) علم ہے کہ اوسکو ہمارے لیئے ظاہر کرو، تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم اٹکل ہی کرتے ہو، کہہ کہ اللہ ہی کی ہے پہنچتی ہوئی دلیل،

نیز ارشاد ہوا،

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (انفال ۵)

تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو، اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جیئے، اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا،

غفلت شعار کافرون کی نسبت فرمایا،

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ، (یوسف ۱۱)

اور آسمانون مین اور زمین مین (خدا کی توحید کی) کتنی نشانیان (دلیلین) ہین، جنپر وہ گذر جاتے ہین اور اُن پر غور نہین کرتے،

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف مین فرمایا،

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ، الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ ، فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران ۲۰)

بے شبہہ آسمانون اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کے الٹ پھیر مین عقل والون کے لیے نشانیان ہین، جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹون پر یاد کرتے ہون، آسمانون اور زمین کی بناوٹ مین غور کرتے ہین، اور (کہتے ہین کہ) اے ہمارے پروردگار تو نے (یہ عالم) بیکار نہین بنایا،

اس سے زیادہ عقلی، اور علمی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہرحال یہ خارجی استدلال تھا، اندرونی استدلال کی بھی اُس نے دعوت دی، فرمایا،

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذاریات ۳)

اور خود تمھارے اندر نشانیان ہین، تم دیکھتے نہین،

صحیفۂ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے،

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (ق) — یہ بصیرت اور نصیحت ہی، ہر رجوع ہونیوالے بندہ کیلئے،

هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ (اعراف ۲۴) — یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہین،

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ (جاثیہ ۷) — یہ لوگون کے لیے بصیرتین ہین،

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ، (نساء ۱۱) — کیا یہ قرآن مین تدبر نہین کرتے،

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا، (محمد ۳) کیا یہ قرآن مین غور نہین کرتے یا دلون پر انکے تالے ہین،

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰس ۱) — حکمت والے قرآن کی قسم،

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (یونس لقمان ۱) — یہ حکمت والی کتاب کی آیتین ہین،

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود، توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اُس نے اوسکی صداقت کی عقلی دلیلین پیش کی ہین، اور ہر مسئلہ کی مصلحتین اور حکمتین علی الاعلان ظاہر کی ہین، آیندہ صفحون مین ہر قدم پر اسکی دلیلین آپکو ملین گی،

مذہب مین زبردستی نہین آج یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا ہر در و دیوار سے آتی ہے لیکن شاید لوگون کو معلوم نہین کہ دنیا مین اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم ہی کی زبان مبارک سے ہوا، اور ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو، جس نے اس کے اصول بتائے ہون، جس نے عقل و بصیرت، اور فہم و تدبر کا ہر معاملہ مین لوگون سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریق کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا، بلکہ اسکا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہین، کہ اسلام مین مذہب کا اولین جزا ایمان ہے، ایمان یقین کا نام ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل مین یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہین کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوحِ دل پر یقین کا کوئی حرف نقش

نہین کرسکتی، فرمایا:-

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ، (بقرہ ۳۴-۲) — دین مین کوئی زبردستی نہین، ہدایت گمراہی سے الگ ہوچکی،

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانون کو صرف محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے ہوئی دوسری جگہ فرمایا،

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ، (کہف ۴) — اور کہہ دے کہ حق تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے، توجو چاہے قبول کرے، اور جو چاہے انکار کرے،

ایمان اور کفران دو مین سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہین ہے، عقل و بصیرت والے اسے خود قبول کرینگے، اور نافہم اس سے محروم رہین گے، اسی لیے بار بار یہ واضح کیا گیا، کہ رسول کا کام لوگون تک خدا کا پیام پہنچا دینا ہے، زبردستی منوانا نہین،

اِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (مائدہ ۱۲-۲) — ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف ہمارا پیام پہنچا دے،

آنحضرت صلعم کو جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے، تسکین دیگئی،

اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوریٰ-۵) — اے پیغمبر تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے،

اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ-۱) — اے پیغمبر، تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے، تو اُن پر داروغہ بناکر نہین بھیجا گیا،

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوریٰ-۵) — پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کرین تو اے پیغمبر ہم نے تجھکو اُن پر گماشتہ بناکر نہین بھیجا، تیرے ذمہ صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے،

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ مین ایک ایسا فعل ہے، جس سے رسول کی شان کو اُس نے بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا،

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگون کو زبردستی مومن بنائے)
اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ	تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے، تو کیا اے پیغمبر
(یونس ۱۰)	تو لوگون پر زبردستی کریگا کہ وہ ایمان لے آئین،

اسلام مین حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے، اور آنحضرت صلعم کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا، اس سے مخالفون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگون مین پھیلایا جائے، حالانکہ قرآن مین ایک آیت بھی ایسی نہین جسمین کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو، اور نہ آنحضرت صلعم کی سیرت مین کوئی واقعہ ایسا ہے، جسمین کسی کافر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے،

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ	اور اگر (لڑائی مین) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب
حَتّٰى یَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ	ہو تو اوسکو پناہ دے، یہانتک کہ وہ خدا کا کلام سن لے
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ (توبہ-۱)	پھر اوسکو وہان پہنچا دے جہان وہ بےخوف ہو، کیونکہ بےعلم

یہ نہین کہا کہ جبتک وہ مسلمان نہ ہوجائے اُسکو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اُسکو پناہ دیکر اوسکو اس کی جائے پناہ تک پہنچا دو،

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی شرعیت مظلومون کی حمایت، جلاوطنون کے حق دلانے، حج کا راستہ کھولنے اور عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے تھی جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب مین کہین آئیگا، قرآن کی ان آیتون مین

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ	اور ان کافرون سے لڑو یہانتک کہ فتنہ نہ رہے، اور دین
الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ، ع (انفال ۵)	پورا اللہ کے لیے ہوجائے،

"فتنہ" سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمرؓ صحابہ کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے، ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ کیا خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا، اور اوپر کی آیت پیش کی، اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسان اپنے دین کے سبب سے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا، یا اس کو لوگ مار ڈالتے تھے، یا قید کر لیتے تھے، یہان تک کہ مسلمانون کی تعداد بہت بڑھ گئی، تو پھر فتنہ باقی نہ رہا[۱]

میدان جنگ مین تبلیغ | ناواقفون نے ایک اور مسئلہ کی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے، کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ مین پہنچکر بھی صلح و آشتی کا خیال دور نہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتین اُن کے سامنے پیش کرنی چاہئین، اول یہ کہ تم بھی کلمہ شہادت پڑھکر مسلمان ہو جاؤ، اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بنجاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق مین ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت مین تمھاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو مین سے کوئی بات قبول کر لین تو اُن سے لڑنا جائز نہین، اسلام کی تاریخ مین ایسے کتنے منظر ہین کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور خونریزی رُک گئی ہے، اور لڑائی کا میدان، محبت و آشتی کی بزم بنگئی ہو،

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی، سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اسکو مخالفون نے اس صورت مین پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے لوگون کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت صلعم کا دستور تھا کہ جب آپ کسی فوج کو متعین کرتے تو اُس کے سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

"جب تو مشرکون مین سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو اوسکو تین باتون مین سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان مین سے جو بات بھی وہ مان لے

[۱] صحیح بخاری تفسیر انفال، جلد دوم صفحہ ۶۷۰،

اوسکو قبول کرے، اور اُس پر حملہ کرنے سے رک جا، اوسکو اسلام کی دعوت دے اگر وہ قبول
کرے تو پھر اُس سے رُک جا، اس کے بعد اُس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانون کے ملک مین
آجائے تو اُس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانون کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو بدو مسلمانون کی طرح
رہیگی، قانون اُسپر مسلمانون کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فیئ مین اوسکا حصہ نہ ہوگا، جبتک
وہ جہاد مین شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیہ دیکر ذمی بننے کو کہہ
اگر وہ اسکو مان لے تو اس سے بھی رک جا، اگر وہ اسکو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ اور
لڑائی شروع کردے[1]"

یہ وہ اصول جنگ ہے، جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کرکے بزور شمشیر
مسلمان بنالینا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ مین ایرانیون سے جب لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانون نے تین روز تک میدان
جنگ مین تلوار نہین اٹھائی حضرت سلمان فارسی تین روز تک اُن کو سمجھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ "مین
تمھاری قوم سے ہون، لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہین، اگر تم بھی مسلمان ہوجاؤ، تو تم کو بھی وہی
حقوق ملین گے جو ہمارے ہین، اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو، تو جزیہ دیکر رہ سکتے ہو، لیکن محکوم ہو کر رہو گے[2]"
اس سے معلوم ہوا کہ جنگ جو دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہین کیا گیا، بلکہ اُس کے سامنے دوسری راہین بھی
کھلی تھین،

ثمامہ بن اثال قبیلہ بنی حنیفہ مین سے تھے، اور یمامہ کے رئیس تھے، یہ وہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا، اور
اسی مین آنحضرت صلعم کے آخر زمانہ مین مسیلمہ پیدا ہوا تھا، ثمامہ اتفاق سے مسلمانون کے ایک لشکر کے ہاتھ مین گرفتار
ہوگئے، اور لاکر مسجد نبوی کے کھمبے مین باندھ دیئے گئے، آنحضرت صلعم نماز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثمامہ تمھاری
کیا رائے ہے، جواب دیا محمد میری رائے اچھی ہے، اگر مجھے قتل کروگے تو ایک خون والے کو قتل کروگے اور اگر

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر [2] جامع ترمذی ابواب السیر

احسان کرو گے تو ایک شکرگذار پر احسان ہوگا، اور اگر زرفدیہ چاہتے ہو تو مانگو جو مانگو گے دیا جائیگا" آنحضرت صلعم نے کچھ نہیں فرمایا، پھر اسی طرح دوسرے دن سوال وجواب ہوا، پھر تیسرے دن ہوا، تیسرے دن آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو" لوگوں نے کھولدیا، وہ ابھی کھل کر آزاد ہو گئے، مگر سچائی کی زنجیر اُن کے پاؤں میں پڑ گئی مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں جاکر خود بخود غسل کیا، اور پھر مسجد میں آکر کلمۂ شہادت پڑھکر مسلمان ہو گئے، کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے اس سے بہتر موقع ہو سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے، لیکن اُنسے یہ نہیں کہا گیا، کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا، فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً (محمد - ۱) "لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو احسان دھرکر چھوڑ دو، یا فدیہ لیکر چھوڑ دو"، یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار!

غزوۂ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں، اور ناکام رہتے ہیں، بالآخر شیرِ خدا علی مرتضیٰؓ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لیکر جاؤ، وہ پوچھتے ہیں یارسول اللہ کیا میں اُن سے لڑوں، یہانتک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں، فرمایا، آہستگی سے روانہ ہو یہانتک کہ اُن کے میدان میں پہنچ جاؤ، پھر اُن کو اسلام کی طرف بلاؤ، اور اسمیں اُن کا جو حق ہو گا وہ اُن کو بتاؤ، خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دیدے تو اس سے بہتر ہے کہ تمھاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں[۲]" چنانچہ خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا لیکن اسلام کی حکومت قبول کرلی، اور مصالحت ہو کر تلوار نیام میں کرلیگئی،

اسی طرح کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں، بلکہ کفر کا موجب ہے، کفّار کو مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا، تو اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک بپھرے ہوئے مسلمان کو مجبورًا اپنے غصہ کو ضبط کر کے، ہاتھ روک لینا پڑتا تھا،

[۱] صحیح بخاری وسنن ترمذی ربط الاسیر [۲] صحیح بخاری غزوۂ خیبر،

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر لڑائی مین میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اوڑا دے، اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پکڑ کر کہنے "مین مسلمان ہوتا ہون" تو اے خدا کے رسول مین کیا کرون، اوسکو قتل کرون؟ فرمایا نہین اُس کا قتل جائز نہین، عرض کی یا رسول اللہ میرا ہاتھ اُس نے کاٹ ڈالا، فرمایا پھر بھی اُسکا قتل جائز نہین، کہ اگر تم نے اب اسکو قتل کیا تو وہ وہ ہوگیا جو تم اُس کے قتل سے پہلے تھے، اور تم وہ ہوجاؤ گے جو وہ اس اقرارِ توحید سے پہلے تھا[1] حضرت اسامہ بن زیدؓ آپ کے بڑے چہیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپاہی بناکر ایک لڑائی مین بھیجے گئے، جب گھمسان کا رن پڑا، تو ایک کافر اونکی زد مین آیا، انھون نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پکار اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اُس پر جھپٹے تھے وہ تو رک گئے، مگر اسامہ نے اُس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اوسکی جان بچانے کے فریب پر محمول کر کے، اسکا کچھ خیال نہ کیا، اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اُسامہ سے سخت آزردہ ہوئے، اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ اُس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا، فرمایا، اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا، "اے اسامہ تم نے کیا اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا"، پھر برابر یہ فرماتے رہے، اے اسامہ تم قیامت مین اوس کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا کیا جواب دوگے، اسامہ کہتے ہین کہ مجھکو اتنی ندامت تھی کہ مین نے دل مین آرزو کی کہ کاش مین آج ہی مسلمان ہوا ہوتا،[2]

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دیگئی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھمسان مین بعض کفار ومشرکین جنکو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ گو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم بموجب قتل نہین کرتے، وہ جب مسلمانون کی زد مین پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ دیتے تھے، اور بیان اس صورت مین کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلعم کا ایک اور اعلان ہے، جس کو اکثر غلط معنی مین پیش کیا گیا ہے، آپنے فرمایا اُمرت ان اقاتل النّاس حتّٰی یقولوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ الخ، "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مین لوگون سے اس وقت تک لڑائی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان، [2] صحیح مسلم کتاب الایمان، صفحہ ۵۲-۱، مصر،

کرون، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرین، اور جب وہ اقرار کرلین تو اُنھون نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، اور اُنکی نیت کی پرسش خدا کا کام ہے" اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہین، لیکن کسی غیر مسلم قوم سے بھی لڑنا اُسی وقت تک جائز ہے، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے، اور جب اُس نے یہ کر لیا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہین، خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الٰہ الا اللہ پڑھے، یا سچے دل سے اوسنے یہ اقرار کیا ہو، اُسکی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہین، خدا کا ہے، یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے، لیکن لوگ اس کو اس معنی مین پیش کرتے ہین کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ وار تلوار لیے پھرتے اور جس کو پاتے اوسکو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کر دینگے، غور کرو اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرارِ توحید کے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے، اور ہاری ہوئی قومون سے اسلام نہین، صرف چند درہم کا جزیہ لیکر اُنکو آزاد کر دیا جاتا؟ اور کیا مسلمانون کو یہ اجازت ملتی کہ

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (انفال - ۸) اگر کفار کا محارب فریق صلح کیلئے جھکے تو تو بھی جھکجا،

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائین، اُن سے صلح نہ کرنا، اور نیز کیا مسلمانون کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (توبہ - ۱)

اور اگر (لڑائی کے میدان مین) مشرکون مین سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے، تو اُس کو پناہ دے، یہانتک کہ وہ خدا کا کلام سن لے، پھر اُسکو اوس کے امن کی جگہ پہنچا دے، یہ اسلیے کہ یہ بے علم لوگ ہین،

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلامِ الٰہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اوسکو اوسکی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے، اوسکو قتل کر کے جہنم مین پہنچا دو، مگر ایسا نہین ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے تو اُن مشرکون سے بھی جو ہمارے

مشرک دوست قبیلہ کے دوست ہون اور ہم سے صلح داشتی سے رہنا چاہتے ہون، لڑنے کو منع کیا ہے،

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (نساء-۱۲)

تو اگر وہ تم سے کنارہ پکڑین، پھر نہ لڑین، اور تمھارے سامنے صلح کی طرح ڈالین، تو اللہ نے تم کو اُن پر حملہ کرنے کی راہ نہین دی،

یعنی پھر اُن پر تلوار اٹھانا درست نہین، حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگجوئی کے وہی معنی ہوتے کہ "یا تلوار یا اسلام" تو کیا اس امن پسندی، اس صلح جوئی، اور اس ترکِ جنگ کی صورت ممکن ہوسکتی تھی؟

مسلح تبلیغی جماعتین غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لیے جو جماعتین ملک مین بھیجی جاتی تھین وہ مسلح ہوتی تھین لیکن یہ حقیقت بھلا دیجاتی ہے، کہ یہ عرب کا واقعہ ہے، جہان کوئی منتظم اور باضابطہ حکومت نہ تھی، جسپر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو، ایک ایک وادی مین ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی الگ ریاست قائم کئے ہوئے تھا، اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرپیکار رہتا تھا، راستون پر رہزنون اور ڈاکون کا قبضہ تھا، جن سے اکا دکا آدمی کا صحیح و سالم بچنا ناممکن تھا، اسی لیے جب کہین کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی تو بدامنی کے ملک مین رہنے والون کے عام دستور کے مطابق وہ اپنی ممکن حفاظت کے لیے مسلح جاتی تھی، اور اس بات کی دلیل کہ اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی مقصد نہ تھا اس سے ظاہر ہے کہ اونکی تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لئے کبھی کافی نہین ہوسکتی تھی،

غزوۂ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا، اور ملک مین اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا، تو آنحضرت صلعم نے بعض بعض قبیلون کی درخواست پر مسلمانون کی مختلف جماعتون کو تبلیغ و تعلیم کے لیے ادھر ادھر بھیجا، تب بھی وہ اکثر راستہ مین جان سے ماری گئین، واقعۂ رجیع مین ستر داعیون کا مارا جانا، واقعۂ بئر معونہ مین چھ یا دس داعی مسلمانون کا قتل ہونا، سریہ ابن ابی العوجاء مین پچاس مسلمانون کی شہادت، واقعۂ ذات اطلاح مین چودہ داعی مسلمانون کا تیرون سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی کا تیرون سے چھد جانا، اس

دعویٰ کی شہادت ہے،

تبلیغ ودعوت کی تنظیم

آنحضرت صلعم جب تک مکہ معظمہ مین تشریف فرما رہے، بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے، ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے آس پاس جاتے اور آنے جانے والون کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے، اور وہان بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا، اور حج کے موسم مین تمام قبیلے خود یہان آجاتے تھے، آپ سالہا سال حج کے موسم مین ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے، اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جسکا نام انصار ہے،

الغرض ان تبلیغی سرگرمیون سے مکہ مین سینکڑون آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلعم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب وغریب تھی، ان مظلوم مسلمانون کی ہجرت نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ اس مسافرت مین جہان جہان سے گذرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح یمن اور حبشہ دونون ملکون مین اسلام کی تحریک روشناس ہوئی،

مکہ مین آنحضرت صلعم کے بعد، عام مسلمانون مین سب سے پہلے مبلّغ اور داعیِ حق حضرت ابو بکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانون کے پرجوش نوجوان انھین کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو بکرؓ ہی کی کوششون سے دائرۂ اسلام مین آئے، حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلّغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہین، جنکے مؤثر وعظون کو سنکر آنحضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہو گئے تھے،

مدینہ منورہ آکر اسلام نے امن و اطمینان کی سانس لی، تو آنحضرت صلعم نے اُن نومسلمون کی تعلیم کیلئے جو اطرافِ ملک سے دار الاسلام مین آتے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشون مین اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی، جسکا نام عام طور سے اصحابِ صُفّہ (چبوترہ والے) مشہور ہے، اسمین وقتاً فوقتاً سو سے زیادہ

آدمی داخل تھے، یہ لوگ ملک مین اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے، اور خود نو مسلمون کو تعلیم دیتے، بیر معونہ مین ستر کے قریب جو داعی اور مبلغ راہ مین بیدردانہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے،

ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکون، بادشاہون، قومون اور قبیلون مین اسلام کی دعوت لیکر پھیلے، احادیث و سیر کی کتابون مین ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہین، مین نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے سینتیس صحابیون کے نام جمع کیے ہین، جنھون نے از خود یا آنحضرت صلعم کے مشورہ سے اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہین، ابوذر غفاری، طفیل بن عمرو دوسی، جعفر طیار، عمرو بن عبسہ سلمی، ضمام بن ثعلبہ، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، مہاجر بن ابی امیہ، زیاد بن لبید، خالد بن سعید، عدی بن حاتم، علاء بن حضرمی، ابوموسیٰ اشعری، معاذ بن جبل، جریر بن عبد اللہ بجلی، دحیہ کلبی، عمرو بن امیہ ضمری، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص، وبر بن یحنس، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شہر، منقذ بن حبان، ثمامہ بن اثال، محیصہ بن مسعود، احنف، ابوزید انصاری، عمرو بن مرہ، عیاش بن ربیع مخزومی، واثلہ بن اسقع، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، حاطب بن بلتعہ، سلیط بن عمرو، بن عبد شمس، شجاع بن وہب اسدی، انھین مبلغون اور داعیون اور قاصدون کی پکار تھی جس نے یمن، یمامہ، بحرین، حجاز، نجد، پورے عرب کو بیدار کر دیا، اور عرب سے باہر ایران، شام، مصر، حبش ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا،

مبلغون کی تعلیم و تربیت سیرۃ کی دوسری جلد کے آغاز مین اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ معلمین کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلۂ بیان کے لیے یہان صرف اسقدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآن پاک کی سورتین یاد کرائی جاتی تھین، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلعم کے شب و روز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا،

دعوت بالقرآن قرآن پاک اسلام کے دعوی اور دلیل دونون کا مجموعہ ہے، اور وہی اس کے مذہب

کا صحیفہ ہے، خود آنحضرت صلعم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت مین صرف قرآن کی سورتین پڑھکر سناتے تھے، اور جہان ان کو اسکا موقع مل جاتا، وہان اوسکی تاثیر اپنا کام کرجاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اوسکی تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہین، بلکہ قرآن کی تلوار تھی، جسکی ضرب کی روک ڈھال اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا،

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (فرقان ۵)	تو اے پیغمبر منکرون کا کہا نہ مان، اور اس قرآن سے ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر،

اس پیغام الٰہی کے زمین مین اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندون کو اُن کا عہد یاد دلائے، فرمایا،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (ق-۳)	تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہون قرآن کے ذریعہ سے یاد دلا،

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے، اور یہی اُس کے نزول کی غرض وغایت ہے، فرمایا،

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (فرقان ۱)	برکت والا ہے۔ وہ جس نے حق و باطل مین امتیاز بتانے والی کتاب اپنے بندہ پر اس لیے اُتاری تاکہ وہ تمام دنیا کو بیدار اور ہشیار کرے،

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلعم کا اصلی ہتھیار تھا، جسکی کاٹ نے کبھی خطا نہ کی،

اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب عرب مین صرف تین قومین تھین، جنکا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا اسلام لانا تھا، یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مشرکین عرب کا مرکز خانہ کعبہ تھا اور اُن کے مذہبی پیشوا قریش تھے یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا، نصاری اور مجوس شام اور یمن کے اطراف مین پھیلے تھے،

اس بنا پر کلا فہب فالا فہب کے لحاظ سے اشاعتِ اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفارِ مکہ کو پہلے دعوتِ توحید دیجاتی پھر یہود کو حلقہ بگوشِ اسلام بنایا جاتا، اُنکے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت دیجاتی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کیساتھ اسلام کی اشاعت کی، اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریقِ دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام مکی سورتون کے مخاطب کفارِ مکہ تھے، اس لیے اُن مین بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجائبِ قدرت کا بیان عذابِ الٰہی سے تخویف اور صنادیدِ قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہین، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو یہود سے سابقہ پڑا، اور اب قرآن مجید کا طرزِ خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی سورتین زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، اُن کی تحریفات، اونکی اخلاقی کمزوریون اور قصصِ بنی اسرائیل پر مشتمل ہین، سب سے اخیر مین نصاریٰ کی باری آئی، اور فتحِ مکہ کے بعد قبائلِ عرب کے وفود کے سلسلہ مین نجران کے عیسائیون کا وفد آیا، اسی زمانہ مین سورۂ آلِ عمران نازل ہوئی جسمین نصاریٰ کا ذکر ہے،

مجوس عرب مین بہت کم تھے، بحرین اور یمن مین خال خال وہ پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی النسل تھے، خالص عرب نہ تھے، اس لیے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ مین اُن کے ساتھ خطاب نہین کیا ہے، البتہ جا بجا مناسب موقعون پر اُن کا نام لیا ہے، اور اُن کے عقائد کی تردید کی اور اُن کو ثنویت یعنی دو خداؤن کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے،

قبولِ اسلام کے لیے کیا چیز درکار تھی؟ | اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب مین اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن ابتدا مین جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا اُن کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جویان تھا، اور جب یہ شئے مل جاتا تھا تو اُس کے سامنے یہ طائرِ قدس اپنے پر ڈالدیتا تھا، چنانچہ ابتدائی بعثت مین جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے، جو نیک طبع، ایماندار، راستی پسند اور حق جو تھے، اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے، گذشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے،

اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیون نے اسلام کے قبول کرنے مین پیش دستی کی وہ بھی وہی تھے جنمین یہ خصوصیتین پائی جاتی تھین، عرب کے دو مختلف حصون جنوبی و شمالی مین سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ، یعنی یمن، عمان، بحرین، یمامہ مین ہوئی، اور شمالی حصہ مین سے مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف مین ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز متمدن قومون ایرانیون اور رومیون سے متاثر تھے، اور مذہبی حیثیت سے یہودیون اور عیسائیون سے اُن کا میل جول اور خلا ملا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیون کے تمدن و معاشرت، روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر[۱] تھے،

اسلام کو عربون سے جسقدر لڑائیاں پیش آئین وہ سب نجد اور حجاز مین، لیکن مسلمانون کی کوئی جرّار فوج مدینہ، یمن، عمان، یمامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہین بھیجی گئی، مدینہ نے خود مکہ مین آکر اسلام کو لبیک کہا، اطرافِ مدینہ کے قبائل مین غفار نے خود مکہ آکر قریش کی تلوار کی آگ مین کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیون نے خود مکہ معظمہ پہنچکر ایمان کی دولت حاصل کی، اور اُس کے سردار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ مین غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؓ کی دعوت پر ایک دن مین مسلمان ہو گیا،

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہان بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششون کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ایک بار آپ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی کو بھیجا، وہ لوگ اُس کے ساتھ سختی سے پیش آئے، اور اُس کو زدوکوب کی، اُس نے آکر آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیان دیتے نہ مارتے، (مسلم فضائل اہل عمان)

یمامہ کے رئیس ثمامہ قید ہو کر مدینہ آئے، یہان آزاد کر دیئے گئے، مگر مدینہ کی مسجد مین جو جلوہ انھون نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اوسکی نورانی زنجیر سے اُنھون نے رہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان

[۱] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۵ (صحیح علی شرط مسلم)

ہو گئے اور اپنے قبیلہ مین جاکر اسلام کے داعی بنگئے، اور آخر خون کا ایک قطرہ گرے بغیر اسلام نے وہان اکثریت حاصل کرلی،

دیہاتون مین سب سے پہلے قریۂ جواثی نے صداے توحید پر لبیک کہا جو مضافات بحرین مین تھا، اسی قریۂ جواثی کے باشندے فتحِ مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتون مین سب سے پہلا جمعہ اسی گانون مین پڑھا گیا،[1] بارگاہِ نبوت مین عرب کے وفود اگرچہ فتحِ مکہ کے بعد حاضر ہوے لیکن بحرین کے لوگون نے انمین تمام قبائلِ عرب پر پیشدستی کی، چنانچہ سنہ ۵ ہجرت مین سب سے پہلا وفد جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا وہ قبیلہ عبد القیس کا تھا، جو بحرین[2] مین سکونت گزین تھا،

اہلِ یمن کا شمار اگرچہ مہاجرین اولین مین نہین کیا جاتا، لیکن جب آنحضرت صلعم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا، اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رض بھی یمن سے ۵۲ آدمیون کو لیکر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہوگئے، بحری سفر تھا، وہ لوگ کشتی مین سوار ہوے تو بادِ مخالف کے جھونکون نے اوسکو حبشہ مین پہنچادیا، جو مسلمانون کا سب سے پہلا دار الہجرۃ تھا، وہان حضرت جعفر بن ابی طالب رض سے ملاقات ہوئی تو انھون نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ہم کو یہین اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگون کو بھی یہین ٹھہر جانا چاہیے، چنانچہ وہ لوگ وہین مقیم ہو گئے، اور فتحِ خیبر کے زمانے مین مہاجرینِ حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت مین حاضر ہوے[3]،

حقیقت کہ اسلام کی راہ مین سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور وحشت اور اوسکی اشاعت کی سب سے بڑی محرک تمدن، معاشرت اور اخلاق کی بلندی، اور کتبِ آسمانی اور دیگر مذاہب سے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اوس کو ظاہر کیا ہے،

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ	دیہاتی بدوی کفر اور نفاق مین سب سے زیادہ سخت ہین
اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اور زیادہ اس کے اہل ہین کہ وہ اُن احکام کو نہ جانین

[1] صحیح بخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن، [2] صحیح مسلم کتاب الایمان [3] صحیح مسلم فضائلِ جعفر رض بن ابی طالب واسماء رض بنت عمیس،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (توبہ-۱۲) — جو خدا نے اپنے رسول پر اُتارا ہے، اور اللہ جاننا اور حکمت والا ہے

اور بھی اس قسم کی آیتین ہین، جو لوگ بادیہ سے آکر اسلام لائے تھے، اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے، اُن سے جو بیعت لیجاتی تھی اُسکا نام بیعتِ اعرابی تھا، جو کم درجہ سمجھی جاتی تھی اس بنا پر بادیون مین الگ تھلگ رہنا صحابہ کے زمانہ مین معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اوس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے[1]،

اشاعتِ اسلام کے اسباب و ذرائع

گذشتہ مباحث پر ایک غائر نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دینِ حق کو عربون مین کس طرح پھیلایا، اور آپ کو کیونکر کامیابی ہوئی، تاہم اگر واقعات کی روشنی مین ایک ایک صحابی کے قبولِ اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے، تو حسب ذیل اسباب سامنے آئین گے

۱- اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزۂ قرآنی تھا، قرآن مجید جس مؤثر اور دل کپکپا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اُس کے سامنے وہ تمام عوائق، اور موانع جنکا ذکر اوپر ہوچکا فنا ہوجاتے تھے، جو لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی بوقلمونی، مظاہرِ قدرت کی بوالعجبی، کائنات کی نیرنگی، اجرامِ فلکی کی جلوہ گری، عناصر کی نگار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا،

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ-۳)

تم خدا کا انکار کسطرح کرتے ہو، حالانکہ تم کبھی بیجان تھے، تو اُس نے تم کو زندگی بخشی، پھر ایک دن تم کو مردہ بنا دیگا، پھر زندہ کریگا، اور پھر اُسی کے پاس واپس کئے جاؤگے

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

آسمان و زمین کی پیدایش مین، شب و روز کے اختلاف مین، اُن کشتیون مین جو سمندر مین انسانون کیلئے سود مند چیزون کو لیکر چلتی ہین، بادلون سے پانی

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ اور سنن نسائی کتاب البیوع

مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ
بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ
(بقرۃ - ۲۰)

برسانے مین، اُس پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرنے
مین، اور اس زمین مین ہر قسم کے جاندارون کے پھیلانے
مین، ہواؤن کے چلانے مین، اُن بادلون مین جو
فضائے آسمانی مین مسخر ہین، دانشمندون کے لیے یقیناً
بڑی نشانیان ہین،

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝
(آل عمران - ۹)

آسمان و زمین مین جو بھی ہے، برضا، یا مجبوراً اوسی کا
اطاعت گذار ہے، اور اوسی کی طرف ایک دن
سب لوٹائے جائین گے،

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران - ۲۰)

آسمان و زمین کی خلقت، اور شب و روز کے الٹ پھیر
مین، اُن ارباب عقل کے لیے بے شبہہ بڑی نشانیان
ہین جو اُٹھتے بیٹھتے، لیٹتے (ہر حال مین) خدا کو یاد
کرتے ہین، اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرتے
ہین، کہ خدایا تو نے یہ بیکار پیدا نہین کیا،

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى
اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ
طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ
وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

وہ وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا مین سفر کراتا ہے، یہانتک
کہ جب تم کشتی مین ہوتے ہو، اور ہوا کشتی والون کو خوب
لیے جا رہی ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہین کہ دفعۃً
زور کا جھکڑ آیا اور ہر طرف سے موجین آگئین اور لوگون کو
یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اُس وقت وہ خالص خدا

لَهُ الدِّيْنَ ، (یونس ۳۰) | کو پکارنے لگتے ہین،

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ، وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ، (روم - ۳)

اور خدا کی نشانیون مین سے یہ ہے کہ تمھارے لئے تم ہی سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے تسلی ہو اور تم دونون مین باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس بات مین سوچنے والون کے لیے نشانیان ہین، اور اوسکی نشانیون مین سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور تمھاری زبانون اور رنگون کا مختلف ہونا، اس بات مین جاننے والون کے لیے نشانیان ہین، اور خدا کی نشانیون مین سے تمھارا رات اور دن مین سونا، اور خدا کے فضل (روزی) کو ڈھونڈنا ہے، اس مین سے سننے والون کے لیے نشانیان ہین ،

خدا، یا ایک قوتِ اعظم کا اعتراف، خود انسان کی فطرت ہے، لیکن غفلت شعاری اور آبائی اثر اور دیگر اسباب سے یہ فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی خفتہ حس کو بیدار کرتا تھا

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراھیم - ۲) | کیا خدا مین شک ہے، جو آسمانون اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرۃ - ۳)

اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، تو اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دیگا، پھر وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اوس کی طرف لوٹائے جاؤ گے،

عرب مین ملحد کم تھے، زیادہ تر بلکہ قریباً تمامتر مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ مانتے تھے لیکن یہ بھی مانتے تھے
کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہین جو خدا کے شریک ہین اور نظام عالم انھی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی
فطرت ہے کہ جس سے براہ راست اس کو کام پڑتا ہے، اُسکو زیادہ مانتا ہے، اُسی سے زیادہ محبت کرتا ہے،
اُسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بادلون کی بارش غلہ کی پیداوار نباتات کی روئیدگی
سب اجرام فلکی یا اصنام کا کام ہے، اس لیے اُن کو عبدیت کا جو کچھ تعلق تھا، انھی معبودون سے تھا، وہ انھی
کی عبادت کرتے تھے، انھی سے محبت رکھتے تھے، انھی پر نذر چڑھاتے تھے، انھی کے سامنے قربانیان
کرتے تھے، معرکون مین انھی کے نام کی جے پکارتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلعم کا اصلی کام، اسی شرک
اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید مین اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہے،
زیادہ تر شرک کا ابطال اور اسکی تحقیر اور تہجین ہے،

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت موثر پیرایون مین شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا،

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلَالَهَا
أَنْهَارًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ، أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا
دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ
الْأَرْضِ، ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ
أَمَّنْ يَّهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ
رَحْمَتِهِ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا

کیا وہ جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا، اور اس کے بیچ
مین نہرین بہائین اور اس کے لیے پہاڑون کی
مینخین گاڑین، اور دونون دریاؤن مین اوٹ رکھا
کیا خدا کیساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے
کہ ان مین اکثر لوگ جانتے نہین، کیا وہ جو پریشان
خاطرون کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتے ہین
اور بلا کو ہٹا دیتا ہے اور تم کو دنیا کا حکمران بناتا ہے،
کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، تم بہت کم
سوچتے ہو، کیا وہ جو تم کو خشکی اور تری کی اندھیری مین

يُشْرِكُوْنَ، اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	راستہ دکھاتا ہے، اور وہ جو کہ اپنی رحمت (بارش) کے آگے
وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ	ہواؤں کو بھیجتا ہے، کیا خدا کیساتھ کوئی اور بھی خدا ہے ہیں جنکو
مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ	جنکو خدا کا شریک کہتے ہیں، خدا ان سے برتر ہے آیا
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ،	کون ہے جو آفرینش کا آغاز کرتا ہے، پھر اسکو لوٹا لاتا ہے
(نمل-۵)	اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی
	دیتا ہے، کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، تو کہدے کہ اگر سچے
	ہو تو دلیل لاؤ،

کفار اور مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ یعنی جب ہڈیاں سڑ گل چکیں تو اب کون اُن کو جلائیگا، قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا،

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، ثُمَّ كَانَ	کیا انسان پہلے منی نہیں تھا، پھر گوشت کا لوتھڑا بنا،
عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى، فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ	پھر خدا نے اس کو ٹھیک کیا اور اس سے دو جوڑ مرد اور
الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى، اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ	عورت بنائے کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کردے،
عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى، (قیامہ-۲)	

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال ہر چیز کو قرآن اس مؤثر اور دلنشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ دل میں گھر کر جاتا تھا اور رسم و عادت کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا، اسپر بھی جو کفر پر ثابت قدم رہے وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا، حقیقی جحود اور انکار نہ تھا،

تمام بڑے بڑے صحابہ، بڑے بڑے رؤسائے قبائل، بڑے بڑے شعراء اور خطبا قرآن ہی سنکر ایمان لائے، حضرت عمرؓ کس ارادہ سے چلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو کانپ اُٹھے اور اسلام قبول کرلیا، عتبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر تھا جب اُس نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر

کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے باز آؤ ہم تمھارے لئے سب کچھ مہیا کر دیتے ہیں آپ نے حٰمٓ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں، جب یہ آیت آئی،

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً	تو اگر وہ منہ پھیرے تو کہدے کہ میں تم کو اس کڑک سے
مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (حٰمٓ فصلت)	ڈراتا ہوں جو عاد و ثمود کی کڑک کی طرح ہے،

تو عتبہ نے بیتاب ہو کر آنحضرت صلعم کے منہ پر ہات رکھدیا اور کہا خدا کے لیے بس، تم کو قرابت کی قسم دلاتا ہوں، پھر واپس جاکر قریش سے کہدیا کہ محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شعر ہے نہ جادو ہے، نہ کہانت ہے[1]، (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابو ذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شعرائے عرب میں تھے، آنحضرت صلعم کی خدمت میں تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا، وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوے اور قرآن مجید سنا تو جاکر حضرت ابو ذرؓ سے کہا کہ لوگ اُن کو کاہن اور شاعر کہتے ہیں، لیکن میں کاہنوں اور شعراء دونوں کے کلام سے واقف ہوں، ان کا کلام دونوں سے الگ ہے، انیس کے بعد حضرت ابو ذرؓ خود گئے، اور واپس آئے تو اُن کا آدھا قبیلہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا[2]،

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا جب آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے یہ آیتیں پڑھیں،

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ	خدا عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا
ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ	حکم دیتا ہے اور فحش سے، بری بات سے، اور ظلم سے
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل ۱۳)	منع کرتا ہے، وہ تم کو سمجھاتا ہے کہ شاید تم سمجھ جاؤ،

ولید نے کہا پھر پڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، وہ واپس گیا اور قریش سے جاکر کہا کہ یہ انسان کا کلام نہیں،

[1] علامہ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح جلد ۴ صفحہ ۴۴ میں مسند ابو یعلی وغیرہ سے یہ روایت نقل کی ہے، نیز یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے،
[2] صحیح مسلم فضائل حضرت ابو ذرؓ، [3] الجواب الصحیح جلد ۴ صفحہ ۴۶ بحوالہ عبد الرزاق،

عثمان بن مظعون بڑے پایہ کے صحابی، اور سابقین اسلام مین ہین، یہی آیتین ہین جنکو سنکر ان کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دیکھا، وہ خانۂ کعبہ کو جا رہے تھے کہ آنحضرت صلعم نے راستہ مین اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اترا ہے، یہ کہکر آپ نے اوپر والی آیتین پڑھین، وہ کہتے ہین یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل مین گھر کیا،[1]

جبیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ مین آنحضرت صلعم کو سورۂ طور پڑھتے سنا جب اس آیت پر پہنچے،

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ	کیا یہ لوگ از خود پیدا ہوگئے، یا یہ خود خالق ہین کیا
اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا	آسمان اور زمین کو انھین لوگون نے پیدا کیا بلکہ
يُوْقِنُوْنَ، اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ	(واقعہ یہ ہے کہ) ان کو ایمان نہین، کیا اُن کے
اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ، (طور-۲)	پاس خدا کے خزانے ہین، کیا یہی لوگ سربراہ کار ہین

تو خود جبیر کا بیان ہے کہ مجھکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑ چلا،[2]

طفیل بن عمرو الدوسی مشہور شاعر اور شرفاے عرب مین تھے، ہجرت سے پہلے وہ مکہ گئے لوگون کو اُنکے آنے کی خبر ہوئی تو اُن کے پاس گئے اور آنحضرت صلعم کی نسبت کہا کہ اُن کے پاس نہ جانا وہ لوگون پر جادو کر دیتے ہین، لیکن جب حرم مین اتفاقیہ آنحضرت صلعم کی زبان سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور مسلمان ہوگئے،[3]

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلعم نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی، تو اگرچہ ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پتھر تھا تاہم خالد العدوانی نے جو طائف کے رہنے والے تھے آپ کو،

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ، (طارق)	قسم ہے آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارہ کی،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اوّل صفحہ ۳۱۸ و ادب المفرد امام بخاری، باب البغی [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ طور [3] ان کے اسلام کا حال ابن القیم (زاد المعاد) نے بہ تفصیل لکھا ہے اور ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۳۵،

پڑھتے سنا تو وہ اس قدر متأثر ہوئے کہ انھون نے اسی حالتِ کفر مین پوری سورہ یاد کرلی[1]، اور آخر اسلام لائے

حضرت ابوبکرؓ کو قیامِ مکہ کے زمانہ مین بعض مشرکین نے اپنے امن مین لے لیا تھا، اس زمانہ مین حضرت ممدوح نے ایک مسجد بنوالی تھی اور اسمین نماز پڑھا کرتے تھے لیکن نماز بلند آواز سے پڑھتے تھے، آواز سنکر محلہ کے نوجوان اور عورتین جمع ہوجاتین، اور قرآن سنتین تو اُن کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچتا، چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ قرآن پکار کر نہ پڑھا کرو، اس سے ہمارے بچے اور عورتین مفتون ہوتی جاتی ہین[2]، انصارِ اول اول جب مقامِ عقبہ مین اسلام لائے تو قرآن ہی سنکر لائے تھے، جو لوگ داعی بناکر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا اور وہ جہان جاتے یہی کارگر آلۂ تسخیر لیکر جاتے، نجاشی کے دربار مین کفارِ قریش جب سفیر بنکر گئے اور ان کی شکایت پر نجاشی نے مسلمانون کو بلاکر بازپرس کی تو حضرت جعفرِ طیارؓ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین، نجاشی بے اختیار رو پڑا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہین[3]،

حبش مین جب آپ کی بعثت کا چرچا ہوا تو بیس شخص جو مذہبًا عیسائی تھے تحقیقِ حال کے لیے مکہ مین آئے اور آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے اُن کے سامنے قرآن مجید کی آیتین پڑھین، ان کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور اسی وقت اسلام لائے، آنحضرت صلعم کے پاس سے یہ لوگ اُٹھے تو ابوجہل نے ان سے ملکر کہا تم سخت احمق ہو، اتنے دور سے سفر کرکے آئے اور دم بھر مین اپنا مذہب بدل لیا، انھون نے کہا ہم تم سے لڑنا نہین چاہتے[4]، لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلَنَا دِیْنُنَا،

قرآن کی پیشینگوئیون کی صداقت نے بھی لوگون کے دلون کو کھینچا، چنانچہ اہلِ ایران کے مقابلہ مین رومیون کی فتح کی جو پیشینگوئی کی تھی جس دن یہ پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی صدہا کافر مسلمان ہوئے[5]،

ایک ضروری نکتہ | عام خیال یہ ہے کہ اہلِ عرب جو قرآن مجید سنکر اسلام قبول کرلیتے تھے، صرف فصاحت و بلاغت

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۳۵، [2] بخاری شریف ذکر ہجرت، [3] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۹۱، [4] ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۳۶ مطبوعۂ مصر ذکر ہجرت حبش، [5] صحیح ترمذی تفسیر سورۂ روم،

کی بنا پر یعنی چونکہ عرب مین شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا، اور تمام ملک مین شاعری کا مذاق سرایت کر گیا تھا، اس لیے جب وہ دیکھتے تھے کہ اور کسی شاعر یا خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہین ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے تھے، بے شبہہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، لیکن اسکا اعجاز جس قدر عبارت و انشا مین ہے اس سے زیادہ معنی و مطالب مین ہے،

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا جیسا اب ہے لیکن اسمین صرف تاریخی واقعات یا اسی قسم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا، قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کام دیتا تھا، دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت و جلالت، اصنام کی تحقیر، انسان کا عجز و تعبد، سزا و جزا، بعث و نشر، جور و ظلم کی تقبیح، اخلاق حسنہ کی تحسین، ان مطالب کو اسطرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دل مین گھر کرتے جاتے تھے، اور ان کو یہ نظر نہین آتا تھا کہ وہ ان باتون کو اس لیے مان رہے ہین کہ مسلمان ہو چکے ہین، بلکہ یہ باتین براہ راست اُن کے دل مین اترجاتی تھین اور وہ مسلمان ہوتے جاتے تھے،

موانع کا ازالہ | عرب کو جو چیزین اسلام سے روکتی تھین اُن مین سب سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین) ان کے اوہام و اعتقادات باطلہ تھے، جو سیکڑون ہزارون برس سے چلے آتے تھے، یا سیاسی و معاشی ضرورتین تھین، مقدم الذکر باتون کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا، عرب مین جو لوگ صاحب فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی اسباب سے مجبور نہ تھے، یہ ناممکن تھا کہ وہ قرآن سنتے اور ان کے تمام عقائد اور اوہام دفعۃً فنا نہ ہو جاتے، یہ ارباب اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو ان مین سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزارون مسلمان ہو جاتے تھے، کیونکہ قبائل پرستی کی بنا پر قبیلہ کا ایک معزز اور رئیس اپنے پورے قبیلہ کے دل و دماغ کا مالک تھا،

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوت اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہین چاہتے تھے، انھون نے بار بار دار النبوۃ (مدینہ منورہ) پر چڑھائیان کین، لیکن نصرت ایزدی نے ان کو اس قدر شکستین دین کہ بالآخر

مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان مین سے کچھ فنا ہو گئے، کچھ چار ناچار اسلام کے حلقہ مین داخل ہوئے جنمین سے اکثر رفتہ رفتہ بالآخر دل سے مسلمان بنگئے،

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی تھی، اسلام کی جمہوریت جس قدر ریاست کی مخالف تھی، اسیقدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس کی شانِ ریاست وخودسری کو نقصان پہنچتا تھا، تو ہزارون آدمیون کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص رئیس کا ہمسر ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا تو سینکڑون کو رئیس بنا دیتا تھا،

اس کے ساتھ رؤسا کی ریاست بالکل زائل نہین ہو جاتی تھی، بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس باقی رہتے تھے، صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہین رہتی تھی، اور اسلامی احکام کا پابند رہنا پڑتا تھا، اس لیے اگر کوئی خودغرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کو بھی یہ سودا گران نہین پڑتا تھا، مؤلفۃ القلوب کا گروہ اس کی ایک صریح نظیر تھا،

اب صرف معاش کی ضرورت سدِ راہ ہو سکتی تھی، لیکن لوگون کو نظر آتا تھا کہ جن حدود مین اسلام کی حکومت قائم ہو جاتی ہے، وہان امن وامان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذرائع معاش کثرت سے ترقی کر جاتے ہین،

۲- نبوت کے متعلق اُن کو جو شکوک تھے مشاہدہ اور تجربہ نے اُن کا پردہ چاک کر دیا، بڑی سے بڑی انسانیت اور پاک سے پاک زندگی کا جو تخیل ایک انسان کے ذہن مین آسکتا تھا، محمد رسول اللہ کی زندگی اُس سے بھی بدرجہا بالاتر اور ارفع تھی، اُن کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر جامۂ بشریت مین ہے، لیکن اپنی معنوی زندگی اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت، اپنے ربانی کرشمون کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق ہے، مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ، قرآن مجید نے آنحضرت صلعم کے صدقِ نبوت پر اسی مقدس اور معصوم زندگی سے استدلال کیا ہے،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا	اے قریش! نبوت سے پہلے بھی مین نے تم مین ایک مدت

تعقلون ۵ (یونس-۲) دراز تک زندگی بسر کی ہے کیا تم نہین سمجھتے،

زندگی کا یہی اعجاز تھا جس نے ظہور نبوّت سے پہلے ہی **امین** کا خطاب اپنے لیے حاصل کر لیا تھا، بیوی کے برابر انسان کے اصلی حالات واخلاق کا واقفکار کوئی اور نہین، نبوّت محمّدی کا معتقدِ اولین دنیا مین کون تھا؟ ام المومنین **خدیجہؓ** بنت خویلد، لیکن اُن کی اس زود اعتقادی کا راز کیا تھا، ۱۵ برس کے محرمانہ اخلاق، اور ذوق الفطرۃ اوصاف وحالات کا تجربہ! وہ خود پیغمبر کو خطاب کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ مین دیتی ہین "محمّدؐ! خدا کبھی تمھین رسوا نہ کریگا، تم رشتہ دارون کے ساتھ احسان کرتے ہو، نادارون کی طرف سے قرض ادا کرتے ہو، محتاجون کی خبر لیتے ہو، مہمانون کے ساتھ بہ مدارات پیش آتے ہو، جو لوگ حقیقت مین مبتلائے آلام ہین انکی اعانت کرتے ہو[1]

سُن چکے ہو کہ عرب مین آپکی نبوّت کا جب چرچا پھیلا تو **ابوذر** غفاریؓ نے انہینؓ اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا، انھون نے واپس آکر پیکرِ نبوّت کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچا "مین ایک ایسے شخص کو دیکھکر آیا ہون جو بھلائیون کا حکم دیتا ہے اور برائیون[2] سے روکتا ہے"؛

نبوت کے بعد قریش نے ذاتِ نبوی کے ساتھ گو عداوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا نہین رکھا تاہم کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی اُس کے ساتھ منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اوّل اعلانِ دعوت کے موقع پر جب آپنے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو طلب کیا اور پوچھا کہ اگر مین یہ کہون کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوجِ گران تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا سچ مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا "محمّدؐ! تیری بات آج تک ہم نے کبھی جھوٹ[3] نہ پائی"؛ **ابوسفیان** جو ہجرت کے آٹھوین سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، سنہ ھ مین ہرقل قیصرِ روم کے دربار مین کفارِ قریش کی ایک جماعت کیساتھ محمّد رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتین پیش کر رہے تھے، تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے، اُنھون نے شہادت دی کہ "محمّدؐ کبھی جھوٹ نہین بولے، انھون نے کبھی بدعہدی نہ کی، شرک سے روکتے ہین، توحید کی تعلیم دیتے ہین"

[1] صحیح بخاری، بدء الوحی، [2] صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۹۹ قصۂ اسلام ابی ذر، [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت و صحیح مسلم کتاب الایمان باب و انذر عشیرتک الاقربین،

عبادت، صدق، عفت، صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہین" ہرقل ہر فقرہ پر کہتا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہین، یہ سب سے پہلا دن تھا کہ ابوسفیان کے دل نے آنحضرت صلعم کی کامیابی کا یقین کیا[1]،

کتاب کی دوسری جلد مین آپکے تمام محاسن اخلاق یعنی رفق، ملاطفت، حسن معاملت، جود و سخا، عدم تشدد، عفو، درگذر وغیرہ کی جو تفصیل بیان کیگئی ہے، اُس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ درحقیقت آنحضرت صلعم کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیر قلوب ہی کے لیے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے،

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، (آل عمران - ۱۶) — محمد! اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تیرے پاس سے چلدیتے،

آپ کی یہی معجزانہ کشش تھی جو لوگون کو کھینچ کھینچ کے دائرۂ اسلام مین داخل کرتی تھی، اور کفار کے جاہلانہ شکوک و اوہام کو دم کی دم مین مٹا دیتی تھی، صحیح مسلم مین ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریان مانگین آپنے دیدین، اُس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے مین آکر اُس نے کہا، لوگو مسلمان ہوجاؤ کیونکہ محمد اس قدر دیتے ہین کہ خود اُن کو اپنے تنگدست ہونے کا مطلق خوف نہین ہوتا[2]،

فتح مکہ مین جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلعم نے اس کو تین سو اونٹ دیدیے خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے مجھکو اسقدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک مبغوض ترین خلق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بنگئے[3]، ہند خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی، جنگ احد مین قوت بازوے اسلام حضرت حمزہؓ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسی نے آپکے دل کو چاک چاک کیا تھا اور اسی نے اُن کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، فتح مکہ مین بھیس بدل کر آپ کی خدمت مین اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئی، تب بھی گستاخی سے باز نہین آئی، لیکن دربار رسالت مین پہنچکر آپکے حسن خلق سے اسقدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی، یارسول اللہ سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا مجھے مبغوض نہ تھا، لیکن

---

[1] صحیح بخاری بدء الوحی [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ باب ما سئل رسول اللہ شیئا قط، فقال لا، و صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخاء [3] صحیح مسلم باب مذکور

آج آپ کے گھرانے سے کوئی گھرانا محبوب نہین ہے، آپنے یہ سنکر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا[۱]،

آپ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا، اُس نے تقاضا کیا تو آپنے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہین،
اُس نے کہا کہ "مین تو لے ہی کے ٹلونگا" آپنے کہا "تو اب مین تمہارے ساتھ بیٹھتا ہون" چنانچہ آپ ظہر سے لیکر فجر کی
نماز تک اُس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے اوسکی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمتِ اقدس مین عرض
کی کہ "یارسول اللہ! آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے" آپ نے فرمایا "ہان، لیکن مجھے خدا نے اس سے
منع کیا ہے کہ مین کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کرون" دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ "میرا نصف مال
خدا کی راہ مین صدقہ ہے، مین نے یہ گستاخی صرف اس لیے کی کہ توراۃ مین پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہین اُن کا
تجربہ کرون[۲]"

ثمامہ ابن آثال یمامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا مجرم تھا، صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف مین بھیجا گیا
تھا، حسنِ اتفاق سے وہ راہ مین مل گیا، گرفتار ہو کر مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون مین باندھ دیا گیا، آنحضرت
صلعم نماز کے لیے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، آپ نے دریافت کیا، کہ ثمامہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟
اُس نے کہا کہ "اگر قتل کرنا چاہین تو ایک خونی مجرم کو آپ قتل کرین گے، اور اگر عفو فرمائین، تو یہ احسان ایک
احسان شناس کی گردن پر ہوگا، اگر مال کی خواہش ہے تو فرمایئے جو ارشاد ہوگا حاضر کیا جائے گا، یہ سنکر آپ
اسی حالت مین اوسکو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال و جواب ہوا، تیسرے دن پھر یہی گفتگو
کی، آنحضرت صلعم نے اپنے دستِ مبارک سے اُس کے بند گرہ کھول دیئے اور رہا کر دیا، اس پر اس واقعہ کا یہ
اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے درخت کی آڑ مین گیا اور وہان غسل کیا، غسل کر کے مسجد مین آیا اور
کلمۂ توحید پڑھکر آنحضرت صلعم کی طرف مخاطب ہوا، "محمد! زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مجھکو
مبغوض نہ تھی، لیکن آج وہ مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھکو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے عداوت

---

[۱] مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۵ باب فضیلہ ہند، [۲] مشکوۃ صفحہ ۵۲۱ کتاب الفتن فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم،

نہ تھی لیکن آج وہ میرے لیے تمام مذاہب سے عزیز تر ہوگیا ہے، مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی لیکن وہ آج مجھکو تمام شہروں سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے[1]،

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے اور ساتھ میں مطلق پانی نہ تھا صحابہ نے پیاس کی شکایت کی، آپنے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو مشکیں بھرے ہوئے لیے جا رہی تھی، دونوں صاحب اُس کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لے آئے، آپنے برتن منگوالیے اور مشکوں کے منھ کھول دیے صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی، فراغت کے بعد اوسکی محنت کے صلہ میں آنحضرت صلعم نے کھجور، آٹا، اور ستو تھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں باندھکر اُس کے اونٹ پر لدوا دیا، وہ گھر پہنچی تو لوگوں نے تاخیر کا سبب پوچھا، اُس نے کہا راہ میں مجھکو دو آدمی ملے اور وہ مجھکو اُس شخص کے پاس لے گئے جسکو لوگ بددین کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ بڑا جادوگر ہے، اور واقعی خدا کا رسول ہے،

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اُسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگان نبوت کے فیض اثر سے اُس کے تمام قبیلے تک وسیع ہوگیا[2]،

نبوت کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اخلاق ہی کا اعجاز نہیں، اوسکی زبان کا ایک ایک حرف اوسکی معصوم شکل و صورت کی ایک ایک ادا اعجاز اور سرتاپا اعجاز ہوتی ہے،

روئے و آواز پیمبر معجزہ است "رومی"

آپ کی صداقت سے لبریز تقریر کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار اوسکے سامنے روشن ہو جاتا تھا،

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں غل ہوگیا، حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اپنے نخلستان میں کھجور توڑ رہے تھے، آمد آمد کی خبر اُن کے کان میں پہنچی تو فوراً آپ کی

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۰ کتاب الجہاد والسیر، [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹ کتاب التیمم،

خدمت مین حاضر ہوئے، آپ فرما رہے تھے، افشوا السلام، واطعموا الطعام، وصلوا الارحام، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بسلام[1]، واپس گئے تو اسقدر متاثر تھے کہ آنحضرت صلعم اٹھکر حضرت ابوایوب انصاری کے مکان مین جونہی پہنچے، حضرت عبداللہؓ بن سلام بھی آئے، اور کہا کہ مین آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہون اور نیز یہ شہادت دیتا ہون کہ آپ ایک حق مذہب لیکر آئے ہین[2]،

ضماد ایک شخص تھے جنکے ساتھ زمانۂ جاہلیت مین آپکے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے، وہ جنون کا علاج کرتے تھے، اتفاق سے وہ مکہ مین آئے، تو کفار سے سنا کہ آپ (نعوذ باللہ) مجنون ہوگئے ہین، وہ آپکے پاس آئے اور کہا "محمد! مین جنون کا علاج کرتا ہون" اس کے جواب مین آپنے ایک تقریر کی اور اوسکو ان الفاظ سے شروع کیا

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ من یھدہ	تمام تعریفین خدا کے لیے ہین، مین اوسکی حمد کرتا ہون اُس سے مدد چاہتا ہون، خدا جسکو ہدایت دیتا ہے اسکو
اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی	کوئی شخص گمراہ نہین کرسکتا جسکو گمراہ کرتا ہے اوسکو کوئی
لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا	ہدایت نہین کرسکتا مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا
شریک لہ واشھد ان محمدًا عبدہ و	کوئی خدا نہین ہے، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہین ہے،
رسولہ،	اور مین گواہی دیتا ہون کہ محمدؐ اسکا بندہ اور اُس کا رسول ہے،

اُن پران فقرون کا یہ اثر پڑا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے، آپنے تین بار یہ کلمات اعادہ فرمائے انھون نے کہا کہ مین نے کاہنون، جادوگرون اور شاعرون کا کلام سنا ہے، لیکن آپکے اس کلام کی طرح مؤثر کلام کبھی نہین سنا، وہ سمندر تک پہنچ جائیگا ہاتھ لائیے مین اسلام پر بیعت کرتا ہون[3]،

حضرت حلیمہ کے شوہر حارث یعنی آپکے رضاعی باپ جب مکہ مین تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا ہے، تمھارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگ مرکر پھر زندہ ہونگے، اُنھون نے آپ سے کہا، بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟ آپنے نہایت زوردار

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۵۱، [2] بخاری جلد اصفحہ ۵۵۶ باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینہ، [3] مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبہ

لہجہ مین فرمایا، ہان اگر وہ دن آیا، تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دون گا کہ جو کچھ مین کہتا تھا سچ تھا، اُن پر اسکا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہوگئے، اور یہ اثر اس قدر دیرپا ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑیگا تو جنت مین پہنچا ہی کر چھوڑیگا[۱]

انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے، آپکی ادا ادا صداقت اور معصومیت کا پیکر تھی، آپکی شکل نہایت پُر جلال تھی چہرہ پر نور تھا، آواز موقر اور پُر رعب تھی، اور ان تمام چیزون کا مجموعی اثر پیغمبرانہ اعجاز کے ساتھ دلون کو اپنی طرف جذب کرلیتا تھا، اسی اثر سے متاثر ہوکر حضرت عبداللہ بن سلام نومسلم یہودی عالم آپکے چہرہ مبارک کو دیکھکر بے اختیار بول اٹھے تھے،

وجہہ لیس بوجہ کذاب، (ترمذی صفحہ ۴۰۹) جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہین ہوسکتا،

اور یہی کشش تھی جسکا اظہار حجۃ الوداع مین اعراب بادیہ کی زبان سے ان الفاظ مین ہوتا تھا،

ھذا وجہ مبارک (ابو داود، ج جلد ا صفحہ ۱۶۴) یہ مبارک چہرہ ہے،

بارگاہ نبوت مین پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھون کی راہ سے دل مین پہنچ جاتا تھا، ابو رافع نام ایک شخص قریش کی طرف سے قاصد بنکر آپکی خدمت مین آئے تھے، جون ہی چہرۂ اقدس پر نظر پڑی وہ بہزار جان شیدا ہوگئے اسلام قبول کیا[۲] اور آپکی غلامی کو فخر سمجھا[۳]،

---

[۱] اصابہ جلد ا صفحہ ۲۹۶، تذکرہ حارث [۲] ابو داؤد کتاب الجہاد، باب یستجن بالامام فی العہود [۳] اصابہ واستیعاب،

اسلام

یا
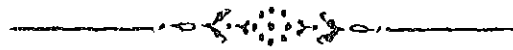
محمد رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام

آنحضرت صلعم جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لیے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اُس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن وہ بھی جنکے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پُر اثر دعوت، اعجاز، معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف و شفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی تو بر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں، اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا، یہانتک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک کامل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خداپرستی، اخلاص، ایثار، تدین، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم قالب یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی جسکی طرف آپنے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع میں (حجۃ الوداع) اپنی وفات سے تقریبًا دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا،

الا انّ الزمان قد استدار کھیئتہ یوم	ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اُسی حالت پر آگیا جس حالت
خلق اللہ السمٰوٰت والارض، (بخاری)	پر اُس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا،

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپنے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پر درد و داعی تقریر

کے آخر مین یہ الفاظ فرمائے[1]،

قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها — مین تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہون جسکی روشنی کا یہ حال ہے کہ اوسکی رات بھی دن کے مانند ہے،

اور آخر حجۃ الوداع کے مجمع عام مین تکمیل کی بشارت آئی کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (مائدہ - ۱) — آج مین نے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تمپر ختم کردی،

پروفیسر مارگولیتھ جنکی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے لکھتے ہین:۔

"محمدؐ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہین رہا آپ ایک سلطنت کی جسکا ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے آپنے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپنے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن مین ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتون سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا"[2]

ایک دور (یورپ) کے بیگانہ مستشرق کی نسبت جسکا علم عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابون سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے سنہ ۱۹۱۱ء مین لاکھون عرب عیسائیون کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب مین ایک عیسائی عالم (داود مجاعص) نے لکھا:

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ مین ایک نئے مذہب ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت، اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدلدیا

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۹۶ و مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ [2] لائف آف محمد مارگولیوتھ صفحہ ۴۷۱ [3] مدینہ منورہ مین آپ دس برس زندہ رہے تھے،

اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کردی، لیکن ان تمام کارنامون کے باوجود وہ اُمّی اور ناخواندہ تھا، وہ کون ؟ محمد بن عبداللہ قریشی عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤن کے لیے اور اس سلطنت کیلئے جسکو اُس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہین جنکی ضرورت ایک مسلمان کو اُس کے دینی یا دنیاوی معاملات مین پیش آسکتی ہے، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام انسانی مین اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہوکر اپنے دینی و قومی معاملات مین باہم مشورے کر سکین، اپنی اُمت پر زکوٰۃ فرض کرکے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بنجائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اسطرح عنایت کیا کہ یہ کہدیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے، اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بنگیا جسکا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے، مسلمانون نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہکر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہین، اسلام مین داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کر دیا، نامسلمون کے لیے اسلامی ملکون مین عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہکر اپنے اوپر لے لی کہ "تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اوسکی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے" خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اوسکی نظر سے پوشیدہ نہ رہین، اُس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلہ کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کرکے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اوسکی کوششون کا بڑا حصہ رہی، اُس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانون نے اپنی ترقی کے زمانہ مین ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارنامون کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائیگا؟

انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل نے اپنی "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لاکھون پیغمبرون اور مذہب کے بانیون مین صرف محمد عربی (صلعم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انسائکلو

پیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار "محمد" آپ کی نسبت کہتا ہے،

"قرآن سے اُس شخص کے روحانی ارتقا کا پتہ چلتا ہے جو تمام نبیون اور مذہبی لوگون مین سب سے زیادہ کامیاب رہا"

الغرض دوست و دشمن سب کو اسکا اعتراف ہے کہ انبیاء مین یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت مین اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اوسکی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو، اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاء مین خاتم نبوت اکمل دین، اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی علمی و اخلاقی و دینی ضرورتون کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہجاتی، حالانکہ آپ نے فرما دیا کہ "میرے بعد کوئی نبی نہین، مین نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہون[2]"

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جسپر کوتاہ بینون کو آج نہین بلکہ خود صحابہ کے عہد مین تعجب آتا تھا، بعض مشرکون نے حضرت سلمان فارسی رضی سے مذاقاً کہا کہ "تمھارے پیغمبر تمکو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہین، یہانتک کہ اسکی بھی کہ تم کو قضاے حاجت کیونکر کرنی چاہیئے" حضرت سلمان رضی نے کہا "ہان یہ سچ ہے، آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت مین قبلہ رخ نہ بیٹھین، نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کرین، اور نہ تین ڈھیلون سے کم استعمال کرین، ان مین کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو[3]" نبوت محمدی کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اوسکی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لیکر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قومون تک کے لیے یکسان تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے، عرب کے بدویون اور قریش کے رئیسون دونون کے لیے آپکی بعثت تھی، اس لیے آپ کی تعلیمات مین پست کو بلند، اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہین، آج بھی حیرت ہے کہ افریقہ کے وحشیون مین اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے، اور اُن کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے مذہب کے باہر کسی تعلیم کی اوسکو ضرورت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون "قرآن" ج ۱۵ صفحہ ۹۰۸ [2] صحیح بخاری جلد اول باب خاتم النبیین و جامع ترمذی کتاب الامثال [3] جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ کتاب الطہارت،

پیش نہین آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریون کی کونسلون سے دعائین اور عبادات کلیساؤن کے حکمرانون سے، اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بیدینون اور ملحدون سے حاصل کرنی پڑتی ہین، لیکن اسلام مین محمد رسول اللہ صلعم کے علاوہ کچھ نہین، عقائد ہون کہ عبادات اور دعائین، اخلاق ہون کہ آدابِ تمدن، خانگی معاملات ہون، یا لین دین کے کاروبار، انسانون کیساتھ معاملہ ہو، یا خدا کیساتھ، سب کا ماخذ صرف محمد رسول اللہ صلعم کی ہمہ گیر تعلیمات ہین،

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے، اور انھین کے مجموعہ کا نام **اسلام** ہے،

آپنے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ، اسی مفہوم کو دوسری عبارت مین یون کہو کہ اُس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلامون کے ساتھ، یا یون کہو کہ اسکا ایک رُخ تو آسمان کی طرف ہے، اور دوسرا زمین کی سمت، اوسکو ایک لگاؤ تو عالمِ غیب سے ہے، اور دوسرا عالمِ شہود سے، پہلے کے ساتھ اُسکا تعلق ایک مہربان آقا و فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسرون کے ساتھ اوسکا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق او مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اُس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہے تو اُسکا نام **عقیدہ** ہے، اور اگر اُن قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے تو اسکا نام **عبادت** ہے باہم انسانون انسانون مین یا انسانون اور دوسری مخلوقات مین جو علاقہ و رابطہ ہے، اوسکی حیثیت سے جو احکام ہمپر عائد ہین اگر اُن کی حیثیت محض قانون کی ہے، تو اوسکا نام **معاملہ** ہے، اور اگر ان کی حیثیت قانون کی نہین بلکہ روحانی نصیحتون اور برادرانہ ہدایتون کی ہے تو اُس کا نام **اخلاق** ہے،

قرآن پاک کی اصطلاح مین پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام **ایمان** ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجاآوری کا نام **عملِ صالح** ہے، اور انھین دونون کے مجموعہ پر کامل نجات کا انحصار ہے

عملِ صالح کی تین قسمین ہین، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اُس کے احکام کی تعمیل بندون کے ساتھ کاروبار اور معاملہ مین قانونِ الٰہی کی پابندی، اور اُن کے ساتھ محبت، الفت، اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گو اس لحاظ سے کہ ان مین سے ہر ایک عمل کو جسمین خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو اسلام **عبادت** کہتا ہے لیکن اصطلاح مین پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ صلعم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ انھین چارون عنوانون کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، انھین کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہین،

عقائد

عقائد کی حقیقت اور اہمیت انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات، کا محور اُس کے خیالات ہیں، یہی اوسکو بناتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اُس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، انھیں اصولی خیالات کو **عقائد** کہتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اوس کے دائرۂ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال ہیں انھیں چیزوں کی تعبیر ہم "دِل" کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضا میں اسکا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا،

الا وانّ فی الجسد مضغۃً اذا صلحت صلح	انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست
الجسدُ کلُّہ واذا فسدت فسد الجسدُ	ہے تو تمام بدن درست ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن
کلُّہ الا وھی القلب (صحیح بخاری کتاب الایمان)	بگڑ گیا، خبردار کہ وہ ٹکڑا دل ہے،

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قَلْبٌ سَلِیْمٌ (سلامت رَو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل قَلْبٌ اٰثِمٌ[1] (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قَلْبٌ مُنِیْبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بےراہ بھی ہوتا ہے، تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیرنگیاں اسی ایک بیرنگ ہستی کی ہیں جسکا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک، ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے،

---

[1] قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے، فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ (بقرہ - ۳۹)

اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا،

اِنَّما الاعمال بالنیّات (صحیح بخاری آغاز کتاب) تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے،

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپنے یوں ادا فرمایا،

اِنَّما لِامرئٍ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا اوالی امرءۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجرالیہ، (صحیح بخاری آغاز کتاب)

ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جسکی وہ نیت کرے، تو جسکی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہو تو اوسکی ہجرت اسی کیلئے ہے جس کے لیے اوس نے ہجرت کی (یعنی اس سے اوسکو ثواب حاصل نہ ہوگا،)

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہتہً ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے، اوسکی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اسکا عقیدہ ہے، اب صحیح اور صالح عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین، اور غیر متزلزل عقیدہ بنجائے، اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں،

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصولِ موضوعہ اور اصولِ متعارفہ کے ماننے بغیر، نہ بن سکتی ہے نہ ثابت ہو سکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا، جب تک اُس کے لیے بھی چند مبادی اور چند اصولِ موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کرلیں،

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات، اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، اس لیے اس پابند زنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پا سکتے، اگر پا سکتے ہیں تو اپنے صحیح دلی یقینیات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے "ایمان" کا ذکر ہمیشہ "عملِ صالح" کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے، اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ

ایمان کے عدم سے، دل کے ارادہ اور خصوصًا اُس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے، جس پر حسنِ عمل کا دار مدار ہے۔ عبد اللہ بن جدعان ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت مین بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر با اینہمہ مشرک تھا، اوسکی نسبت آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ "یا رسولؐ اللہ! عبد اللہ بن جدعان نے جاہلیت مین جو نیکی کے کام کئے کیا اونکا ثواب اس کو ملے گا، فرمایا "نہین اے عائشہ! کیونکہ کسی دن اُس نے یہ نہین کہا کہ بار الہا! میرے گناہون کو قیامت مین بخشدے[1]"،

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مُشرک نے جسکی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہوکر کہا کہ "اے محمدؐ! مین بھی تمھاری طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہون، کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے"، فرمایا "کیا تم اللہ عزّ وجل اور اوس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو" اُس نے جواب دیا "نہین"، فرمایا "واپس جاؤ کہ مین اہلِ شرک سے مدد کا خواستگار نہین"، دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانون کو اوسکی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اوسکی اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کی فوج مین شریک ہو جائے، لیکن آنحضرت صلعم نے اوس سے پھر وہی سوال کیا کہ "کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان ہے"؟ اُس نے پھر نفی مین جواب دیا، آنحضرت صلعم نے پھر وہی فرمایا کہ "مین کسی مشرک سے مدد نہ لونگا"، غالبًا مسلمانون کی تعداد کی کمی اور اوسکی بہادری کے باوجود اوس سے آپ کی بے نیازی کی کیفیت نے اُس کے دل پر اثر کیا، تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے دریافت فرمایا کہ "تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے" تو اس نے اثبات مین جواب دیا، اور نورِ اسلام سے منوّر ہوکر لڑائی کی صف مین داخل ہوا[2]،

قرآنِ پاک نے اُن لوگون کے کامون کی مثال جو ایمان سے محروم ہین، اُس راکھ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہین، اور اُن کا کوئی وجود نہین رہتا، اسی طرح اُس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہین،

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ غزوات، نسخہ قلمی دار المصنفین، و ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۴۹ مصر۔ [2] صحیح مسلم باب غزوات جلد دوم ص ۱۱۸، مصر،

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (ابراہیم ۳)

جنھون نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، اُن کے کامون کی مثال اُس راکھ کی ہے جسپر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی، وہ اپنے کامون سے کوئی فائدہ نہین اٹھا سکتے، یہی سب سے بڑی گمراہی ہے،

سورۂ نور مین ایمان کی دولت سے محروم لوگون کے اعمال کی مثال سراب سے دیگئی ہے، کہ اُس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہین،

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا (نور ۵)

جنھون نے خدا کا انکار کیا اُن کے کام اُس سراب کی طرح ہین، جو میدان مین ہو، جسکو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہانتک کہ جب وہ اوسکے پاس پہنچے تو وہان کسی چیز کا وجود اُسکو نظر نہ آئے،

اوسکی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی کی دیگئی ہے، جسمین ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہین دیتا، اور جسمین مؤثر حواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود اُن سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے،

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ، (نور ۵)

یا اُن کے کامون کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر مین سخت اندھیرا ہو، اوس کے اوپر موج اور موج پر پھر موج ہے اور اُس کے اوپر بادل گھرا ہو، یہ تو اندھیرا ہی کہ اسمین ہاتھ نکالے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے، جسکو خدا نے نور نہ دیا، اُس کے لیے نور نہین،

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہین ہوسکتی، اسی لیے ریا، نمایش اور خودغرضی کے کامون کو کوئی عزت نہین دیجاسکتی، وہ کام جو گو بظاہر نیک ہون، لیکن نیکی کرنیوالے کا اُن سے اصلی مقصد نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطۂ نظر سے، تمام دنیا ان کو بے وقعت اور ہیچ سمجھتی ہی، اس بنا پر آنحضرت صلعم

کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا، اور فرمایا،

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ	اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھکر اور الٹے
بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ	دیکر اُس طرح نہ برباد کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو
النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اور
فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ	خدا پر (جو نیکیوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر (جس میں
وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا ط لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی	نیکیوں کی جزا ملیگی) یقین نہیں کرتا، اسکی خیرات کی مثال
شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی	اس چٹان جیسی ہے جسپر کچھ مٹی پڑی ہو، ذرا اُس پر پانی
الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ،	برسا، تو مٹی دھل گئی اور پتھر رہگیا، جسپر جو کچھ بویا جائیگا وہ
(بقرہ ۲-۳۶ رکوع)	اوگے گا نہیں ،

غرض **ایمان** ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیرابی کا اصلی سرچشمہ ہے، جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سرابسے زیادہ نہیں، کہ وہ دیکھنے میں کام معلوم ہوتے ہیں، مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ، خدا کے وجود کا اقرار اور اُسکی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہجائیں، وہ ہمارے دل کا نور ہے، وہ نہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے، اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاہ پسندی، خود غرضی، اور شہرت طلبی وغیرہ کے دنی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہجائے،

توراۃ میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے، مگر ایمان کی حقیقت اور اسکی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے، انجیل میں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی راستی، اور دل کے اخلاص کے لیے نہیں، بلکہ معجزوں اور کراماتوں کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارقِ عادت پر قدرت اور اختیار پانے کیلئے[1]

[1] متی ۱۷-۲۰،

اُس کے برخلاف فلسفۂ یونان کے بہت سے پیرؤں اور ہندوستان کے بہت سے مذہبون نے محض ذہنی جولانی، مراقبہ، تصوّر، دھیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا، اور اخلاق و عمل سے کوئی تعرض نہین کیا، عیسائیون زردشتیون اور برہمنون نے عقائد کو یہ وسعت دی، اور انکی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بنگئے، جن سے انسانون کے قوائے عمل سرد ہوگئے اور اُنکی تصوریت اونکی عملیت پر غالب آگئی،

محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے علم و عمل، تصور اور فعل، عقلیت اور عملیت مین لزوم ثابت کیا، مگر اصلی زور انسان کی عملیت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا، جو دل کی اصلاح عمل کی بنیاد، اور اخلاق و عبادات کی اساس قرار پاسکے، عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ، اور تصوریات اور نظریون کی تشریح و تفصیل کرکے عملیت کو برباد نہین کیا، چند سیدھے سادے اصول جو تمام ذہنی سچائیون اور واقعی حقیقتون کا جوہر اور خلاصہ ہے، اُن کا نام **عقیدہ**، اور اُن پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، آپنے صریح الفاظ مین عقائد کے صرف پانچ اصول تلقین کیئے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتون پر ایمان، خدا کے رسولون پر ایمان، خدا کی کتابون پر ایمان، اور اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان،

یہ تمام وہ حقائق ہین جنپر دل سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے، اُن کے بغیر خالص عمل کا وجود نہین ہوسکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنہا خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے، تاکہ وہی ہمارے تمام کامون کا قبلۂ مقصود قرار پاسکے، اور اسی کی رضاجوئی، اور اسی کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوا خلوت مین بھی گناہون اور برائیون سے بچسکین اور ہر نیکی کو اس لیے کرین، اور ہر برائی سے اس لیے بچین کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اُسکی مرضی ہے، اس طرح ہمارے اعمال، ناپاک اغراض، اور ناجائز خواہشون سے مبرا ہوکر خالص ہوسکین، اور جسطرح ہمارے جسمانی اعضا گناہون سے پاک ہون ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو، اور اوسکے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر ایسا دل سے یقین ہو کہ ہمارے جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہماری

گمراہ خواہشین بھی اُس یقین مین شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکین،

خدا کے رسولون پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اوسکی مرضی کا علم انھین کے واسطہ سے انسانون کو پہنچا ہے، اگر اُن کی صداقت، سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے، تو پیغام ربّانی اور احکام الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے، اور انسانون کے سامنے نیکی اور نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانون کے قول و عمل کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کانون کے درمیان ہمارے عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کیلئے نہین ہو گی،

خدا کے فرشتہ پر بھی ایمان لانا واجب ہے، کہ وہ خدا اور اُس کے رسولون کے درمیان قاصد اور سفیر ہین اور جو مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہین، اور مخلوقات کو قانون الٰہی کے مطابق چلاتے ہین، اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ محفوظ کرتے جاتے ہین، تاکہ ہم کو اُن کا اچھا یا بُرا معاوضہ ملسکے،

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولون کے ذریعہ انسانون کو پہنچائے گئے اُن کو دور دراز ملکون اور آیندہ نسلون تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکل اور کتابون اور صحیفون کی صورت ہین، یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینون مین محفوظ رہین، اس لیے خدا کی کتابون اور صحیفون کی صداقت پر اور جو کچھ اُن مین ہے اسکی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولون کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتون کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے، اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے، جسپر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکین،

اعمال کی بازپرس، اور جواب دہی کا خطرہ نہ ہو اور اُس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا سے انسانیت سراپا درندگی اور بہیمیت بنجائے، یہی عقیدہ ہے جو انسانون کو جلوت و خلوت مین ان کی ذمہ داری کو محسوس کراتا ہے، اس لیے روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لیے محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ مکی وحی کا بیشتر حصہ

اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے،

یہی پانچ باتین اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہین یعنی اللہ تعالی پر، اُس کے تمام رسولون پر، اوسکی کتابون پر، اُس کے فرشتون پر، اور روزِ جزا پر ایمان لانا، یہ عقائدِ خمسہ یکجا طور پر سورۂ بقرہ مین متعدد دفعہ کہین مجمل اور کہین مفصل بیان ہوے ہین،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
جو لوگ غیب (خدا، خدا کی صفات اور ملائکہ) پر ایمان رکھتے ہین ...... اور

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ-۱)
جو کچھ تمپر (اے محمد) اترا اور تمسے پہلے (پیغمبرون پر) اترا اُس پر یقین رکھتے ہین، (یعنی انبیاء اور اُنکی کتابون پر)

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۔ (بقرہ-۱)
اور آخرت (روزِ جزا) پر یقین رکھتے ہین،

یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتین ہین، سورہ کے بیچ مین پھر ارشاد ہوا،

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۔ (بقرہ-۲۲)
لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر، آخری دن پر، فرشتون پر اور کتاب پر اور سب نبیون پر ایمان لائے،

سورہ کے آخر مین ہے،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (بقرہ-۴۰)
پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا وہ اور تمام مومن اُس پر ایمان لائے سب خدا پر، اُس کے فرشتون پر، اُس کی کتابون پر اور اوسکے پیغمبرون پر ایمان لائے،

سورۂ نساء مین انھین عقائد کی تعلیم ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (نساء-۲۰)
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو ایمان لاؤ خدا پر اور اوسکے رسول پر اور اس کتاب پر جو اوسنے اپنے رسول پر اتاری اور اُس کتاب پر جو اُس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اسکے فرشتون کا، اُسکی کتابون کا، اوسکی پیغمبرون کا اور روزِ آخرت کا انکار

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اٰمَنَ بِاللّٰہِ

ایک قادرِ مطلق اور بہمہ صفت موصوف ہستی پر یقین، اور اوسکو ایک جاننا تعلیمِ محمدیؐ کی پہلی ابجد ہے، اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے، باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا اُن کے اصول مین بھی داخل تھا، مگر اُن کی تعلیمات مین ترتیب مقصود تھی، اور یہ نہین معلوم ہوتا کہ اُن کی نگاہ مین توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت صلعم کی تعلیم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی، اور اسکو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف وحقائق اور جسمانی اعمال و اخلاق کا سرِ بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہون سے درگذر کر سکتا ہے، مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جسکو وہ کبھی معاف نہ فرمائیگا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ	یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کریگا اور اس کے سوا جس کے
مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (نسآء - ۱۸)	جو گناہ چاہے معاف کر دے،

پھر اس کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسماء و صفات کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی، اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل تعلیمِ محمدی کی امتیازی شان ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ نبوتِ محمدیہ کی غرض و غایت صرف تخیل نظریہ آرائی، اور الٰہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جد و جہد اور عمل والی قوم، اخلاص و ایثار اور نیکی و تقویٰ والی قوم، پیدا کرنا تھا، اور اُس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لیے نمونۂ عمل بنانا تھا اس لیے سب سے پہلے اہلِ عرب کو جو اس کے مخاطبِ اوّل تھے رموز و اسرارِ توحید کا اس طرح حال بنانا تھا، کہ اُن کے رگ و ریشہ مین ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے، اس کے لیے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہموار کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد

جو عربون مین پھیلے ہوئے تھے، اُن کو مٹا دیا جائے اور جن وجوہ اور اسباب سے شرک کے یہ عقائد پیدا ہوتے ہین، اُنکی بیخ کنی کی جائے،

اصلاحِ عقائد

معلوم ہو چکا ہے کہ عرب مین جہالت اور وحشت کی وجہ سے سیکڑون غلط اعتقادات اور توہمات پھیل گئے تھے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد مین بھی بہت سی غلطیان داخل ہو گئی تھین، ان مین سب سے زیادہ بدتر، اور تمام برائیون کا اصلی محور **شرک** تھا، اس لیے سب سے پہلے آنحضرت صلعم نے اُسکی اصلاح سے آغاز کیا،

شرک اور بت پرستی کا اصلی زینہ اسباب و مؤثرات کا وجود ہے، خدا نے عالم مین ایک سلسلۂ اسباب قائم کر دیا ہے، اور عالم کے تمام واقعات اِسی سلسلہ کی کڑیان ہین، لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادرِ مطلق کے دستِ قدرت مین ہے اور اِس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اُس کے اشارہ کے بغیر جنبش نہین کر سکتی، شرک اسطرح شروع ہوتا ہے، کہ پہلے انسان اُن اسباب و علل مین سے بعض نمایان اور قوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، اجرامِ فلکی کی عظمت، آفتاب و ماہتاب کی نور افشانی، سمندر کا پُر زور تلاطم، عناصر کی نیرنگ آرائیان، انسان کو مبہوت کر دیتی ہین، وہ اُن کی عظمت و تاثیر سے متاثر، پھر منفعل، اور بالآخر اُن کا غلام بنجاتا ہے، اعتقاد کے پہلے مرحلہ مین انسان، غور رسی کے دعوی سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے، کہ یہ چیزین خود خدا یا معبود نہین ہین، لیکن یہ تمیز آخر تک قائم نہین رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقادی کا اثر غالب آتا جاتا ہے، اور یہ چیزین خدا کی شریک بنتی جاتی ہین، یہانتک کہ اصلی مسبب الاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے،

شرک کی جو گوناگون صورتین دنیا مین موجود تھین اور جس طرح آنحضرت صلعم نے اون کا استیصال کیا، اُنکی تفصیل حسبِ ذیل ہے،

تعددِ خدا کا ابطال

۱- دنیا کی مشہور قومون مین عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندو بھی اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبون کی ابتدا اسطرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایان اور اہم اوصاف ہین، اُن کا مستقل اور مجسم وجود قائم ہو گیا، مثلاً صفتِ خلق اور احیا، و اماتہ، برہما، بشن، مہیش کے نام سے موسوم ہین،

مجوسیون نے دیکھا کہ دنیا مین جسقدر اشیاء اور افعال و حرکات ہین سب باہم متضاد ہین، نور و ظلمت، پستی و بلندی، یمین و شمال، نرم و سخت، رات دن، خیر و شر، حلم و غضب، غرور و خاکساری، فسق و صلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد سے خالی نہین، اس لیے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہین ہو سکتا، اس بنا پر انھون نے دو خدا تسلیم کیے اور اُنکا نام یزدان اور اہرمن یا نور و ظلمت رکھا،

قرآن مجید مین تمام احکام، نہایت تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہین، یہانتک کہ ۱۳ برس کی وسیع مدت تک، روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہین ہوا تھا، لیکن شرک کا استیصال کُلّی نبوت کا پہلا سبق تھا،

سورۂ زمر مکہ مین نازل ہوئی اور اسی سورہ مین شرک کی تمام صورتین مٹا دی گئین، تمام دیگر سورتون مین نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک کا ابطال اور رد کیا ہے، اس لیے اُن کی تفصیل کی ضرورت نہین،

مجوسیون کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعالِ خیر و شر کا ایک خالق نہین ہو سکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے، وہ خود اچھا نہین ہو سکتا، اس لیے قرآن مجید مین نہایت کثرت سے تصریحات آئین کہ جنکو ہم خیر و شر کہتے ہین سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلعم نے نہایت تصریح و تاکید کے ساتھ تعلیم کی، کہ جو کچھ ہوتا ہے، سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بری چیز کا خالق اچھا نہین ہو سکتا، اوّلاً تو یہ مغالطہ آمیز غلطی ہے، ایک صنّاع مصوّر اگر ایک نہایت مکروہ جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمالِ مصوری مین اس سے کچھ داغ نہین آئیگا کہ جانور خود برا ہے، دوسرے اسلام نے اس مسئلہ کی جس اصلی گرہ کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر و شر نہین، بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقۂ استعمال سے خیر یا شر ہو جاتی ہین، آگ بجائے خود نہ خیر ہے نہ شر، اگر اوس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے، اور برا لیا جائے تو شر ہے، زہر نہ اچھا ہے نہ برا، اگر اوس کو بیماریون کے استیصال مین استعمال کیا جائے تو خیر ہے، اور اگر کسی بیگناہ کے قتل مین استعمال کرو تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونون پہلو ہین، نہ کوئی شے دنیا مین خیر مطلق ہے، نہ کوئی شر محض، اسی لیے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہین کی ہے، بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے،

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ (جن - ۱)

آیا اہلِ زمین کیساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُنکے پروردگا نے اُن کے حق مین راہ پر لانا چاہا ہے،

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (نساء-۱۱)

تجھکو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا سے ہے، اور جو مصیبت پہنچی، وہ خود تیری طرف سے ہے،

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اٰل عمران-۱۷)

کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کے دو برابر تم انکو پہنچا چکے ہو تم نے کہا یہ کہان سے آئی، کہدے کہ خود تمھاری طرف سے ہے، خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے،

الغرض کسی شی کا ایسا پیدا کرنا جسمین خیر و شر کے دونون پہلو ہین شر نہین ہے، اُن مین اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام مین لانا شر ہے، ڈاکٹر بہت سی بیماریون کے لیے زہریلی دوائین بناتے ہین، مگر یہ شر نہین، البتہ جب کوئی شریر ان دواؤن سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے، حاصل یہ کہ اس دنیا مین خالق ایک ہی ہے دو نہین،

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ج اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ، وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نحل-۷)

اور خدا نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ، وہ ایک ہی خدا ہے، تو مجھی سے ڈرو، اور اُسی کے لیے ہے جو آسمانون مین اور زمین مین ہے،

بزرگون کی شرکانہ تعظیم سے روکنا،

۲- شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص، یا کسی شے کی تعظیم مفرط ہے جس کو شخص پرستی یا یادگار پرستی سے تعبیر کرسکتے ہین، حضرت عیسٰی علیہ السلام، رام چندر، کرشن کو اسی خوش اعتقادی نے آدمی سے خدا بنا دیا، اس بنا پر قرآن مجید مین نہایت پرزور اور پر رعب الفاظ مین شخص پرستی کی تحقیر کی،

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ، اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ

اے اہلِ کتاب اپنے دین مین حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ اور خدا کی نسبت وہی کہو جو حق ہے، مسیح یعنی عیسیٰ بن

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (نساء-٢٣)

مریم صرف خدا کے پیغمبر ہین،

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (نساء-٢٤)

مسیح کو خدا کے بندہ ہونے سے ہرگز عار نہین، اور نہ مقرب فرشتون کو، اور جس شخص کو خدا کی بندگی سے عار ہوگا اور بڑائی کی لے گا، تو خدا سب کو عنقریب اپنے حضور مین بلائے گا،

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ-٣)

وہ لوگ کافر ہین جو کہتے ہین کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہین، کہدو کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم کو اُنکی مان کو اور دنیا مین جو کچھ ہے سب کو برباد کر دے، تو کون ہے جو خدا کو روک لے، خدا ہی کے لیے آسمان و زمین اور جو چیزین ان دونون مین ہین اُن کی حکومت ہے، اور خدا تمام چیزون پر قادر ہے،

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (مائدہ-١٦)

اور جب خدا کہیگا کہ کیون عیسیٰ! تم نے لوگون سے کہدیا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھکو اور میری مان کو خدا کہو، عیسیٰ عرض کرینگے کہ سبحان اللہ میری یہ مجال ہو کہ مین کوئی بات کہون جس کے کہنے کا مجھکو حق نہین، اگر مین نے کہا ہوگا، تو تو جانتا ہوگا، تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور مین تیرے دل کی بات نہین جانتا، تو بڑا غیب دان ہے، مین نے لوگون سے صرف وہی کہا تھا جسکا حکم تو نے مجھکو دیا تھا، یعنی یہ کہ خدا کی عبادت کرو جو میرا بھی خدا ہے اور تمھارا بھی،

آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ حاصل کون ومکان تھے لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید آتی تھی،

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہف - ۱۲)

کہدے اے پیغمبر کہ میں تو تمہاری ہی طرح آدمی ہوں، لیکن یہ کہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے

ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے، جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں اُن کے خاص خاص لقب ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے، حضرت ابراہیمؑ کا لقب خلیل اللہ تھا، حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے لیکن آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے، آپ نے کیا لقب پسند کیا؟ اور کلمہ توحید میں، نماز میں، درود میں آنحضرت صلعم کے اسم گرامی کے ساتھ کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت!

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ — میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور رسول ہیں،

اس میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے، آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق میں دعائے بد کی اُس پر یہ آیت اتری[1]،

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ، (آل عمران - ۱۳)

تم کو کچھ اختیار نہیں ہے، خدا چاہیگا تو اُن پر توجہ کریگا یا اُن کو عذاب دیگا کہ وہ ظالم ہیں،

آنحضرت صلعم بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خواہشمند تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (قصص - ۶) — تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں دے سکتے،

آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن ابی کے لیے دعائے مغفرت کی، اس پر قرآن مجید میں آیا[2]،

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ، (توبہ ۱۰)

تم اُن کیلئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لیے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہوگے تو خدا اُن کی مغفرت نہ کریگا،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احد، یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے، [2] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ توبہ،

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا، (بنی اسرائیل - ۶)

کہدو کہ خدا کے علاوہ تم جنکو پکارتے ہو وہ تمھاری مصیبت کے ہٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہین رکھتے، جنکو تم پکارتے ہو اُن مین جو خدا کے مقرب ترین ہین، وہ خود خدا کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہین اور اسکی رحمت کے امیدوار رہتے ہین اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہین، بے شبہہ تیرے خدا کا عذاب ڈرنے ہی کے قابل ہے،

خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہین

۵ - شرک کا ایک بڑا ذریعہ، خرقِ عادات کے نسبت غلط فہمی ہے، جن اشخاص سے خرقِ عادات سرزد ہوتے ہین، اُن کی نسبت لوگون کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہین ہین لیکن ان مین خدائی کا شائبہ ضرور ہے، ورنہ ایسے افعال کیونکر سرزد ہوتے جو قدرتِ انسانی سے بالاتر ہین، یہی خیال رفتہ رفتہ دیوتا اور اوتار تک ترقی کرتا ہے، اور بالآخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی بنا پر آج چالیس کروڑ آدمیون کے خدا یا خدا کے بیٹے ہین،

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہین، اور یہ امر خصائصِ نبوت مین ہے، یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجمل رہا، قرآن مجید مین خرقِ عادات کے متعلق حسبِ ذیل امور بیان کئے گئے،

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہین اور خدا اپنے مقبول بندون کو معجزات عطا کرتا ہے،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ - (انعام - ۴)

اور کفار کہتے ہین کہ ان پر (آنحضرتؐ پر) کوئی معجزہ خدا کے یہان سے کیون نہین اترا، کہدو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے لیکن لوگ نہین جانتے،

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہین

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ
هَادٍ۔ (رعد-۱)

اور کفار کہتے ہین کہ ان پر (آنحضرتؐ پر) کوئی معجزہ خدا کے
ہان سے کیون نہین اترا تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور
ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے،

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ
يَنْبُوْعًا۔ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔ اَوْ تُسْقِطَ
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ
بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ
بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ
نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا
نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا
بَشَرًا رَّسُوْلًا، (بنی اسرائیل-۱۰)

اور کفار کہتے ہین کہ ہم تیرا ایمان نہ لائین گے جبتک تم زمین
سے چشمہ نہ نکال دو، یا تمہارے پاس کھجورون یا انگورون
کا باغ ہو کہ جس کے بیچ مین تم نہرین جاری کر دو، یا آسمان
کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرا دو جیسا کہ تمہارا گمان تھا،
یا خدا اور فرشتون کو ہمارے سامنے لاؤ، یا تمہارا گھر سونے
کا بنا ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تو اس چڑھنے پر
بھی یقین نہ لائین گے جب تک ہم پر کوئی کتاب نہ اتار دو
جس کو ہم خود پڑھین" کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف بشر
ہون اور رسول ہون،

(۴) جو معجزہ اس آیت مین کفار نے طلب کئے وہ ناممکن باتین نہ تھین تاہم خدا نے آنحضرت صلعم کو جو جواب تلقین کیا وہ یہ تھا کہ مین تو بشر ہون، معجزے خدا کے پاس ہین، یعنی معجزے صادر ہونگے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا بلکہ خدا کا ہوگا،

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً

اور کفار کہتے ہین کہ اُن پر اُن کے خدا کے یہان سے معجزے
کیون نہین اترے، کہدو کہ معجزے تو خدا کے ہان ہین، اور
اور مین تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہون، کیا ان
کفار کے لیے یہ کافی نہین ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر قرآن

وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اتارا جو ان پر تلاوت کیا جاتا ہے، اسمین رحمت ہے اور ایمان

(عنکبوت-۵) لانے والون کے لیے یاد رکھنے کی چیز ہے،

اسی لیے معجزات کے ذکر مین ہمیشہ بِاِذْنِ اللّٰہِ (خدا کی اجازت سے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہین،

حرام وحلال کرنا خدا کا کام ہے

(۶) شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیشوایان مذہبی کو تحریم و تحلیل کا مجاز سمجھتے تھے، یعنی وہ جس چیز کو چاہین حرام کر دین اور جس چیز کو چاہین حلال ٹھہرا دین، قرآن مجید مین جب یہ آیت اتری،

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا (توبہ-۵) ان لوگون نے اپنے علما اور درویشون کو رب بنالیا ہے،

تو حضرت عدیؓ نے جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ ہم لوگ اپنے پیشوایان مذہبی کو اپنا رب تو نہین سمجھتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگون کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ لوگ جس چیز کو چاہین حلال اور جسکو چاہین حرام کر دین" عرض کی کہ ہان آپ نے فرمایا" یہی رب بنانا ہے۔"[1]

عموماً اہل مذاہب پیغمبرون کو شارع مستقل سمجھتے ہین، لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تاسیس حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہین، پیغمبر صرف مبلغ اور پیغام رسان اور تعلیم الٰہی سے ان احکام کے شارح اور بیان کرنے والے ہین، اسی بنا پر قرآن مجید مین ذات نبویؐ کی صفت رسالت کو بار بار تاکید و اصرار کے ساتھ نمایان کیا گیا ہے،

[1] جامع ترمذی وابن کثیر تفسیر آیت مذکور

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران-۱۵) محمد تو صرف ایک رسول ہے، اس سے پہلے اور رسول گذر چکے،

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (نساء-۲۳) مریم کا بیٹا عیسیٰ اللہ کا صرف رسول تھا،

اس حصر سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء مین خدائی کی کوئی صفت نہین ہوتی، بلکہ جو کچھ ان مین ہے وہ رسالت اور نبوت کے اوصاف ہین،

غیر خدا کی مشرکانہ تعظیم

۷۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہین، وہ اوروں کے ساتھ بھی

برتے جاتے تھے، یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات تھا لیکن رفتہ رفتہ شرک فی الذات تک منجر ہوتا ہے، سجدہ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتون اور مقتدایان دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے، اور سلاطین و امرا کو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا، آنحضرت صلعم نے نہایت سختی سے اس کو روکا، بنو اسرائیل مین سجدۂ تعظیمی یا سجدۂ محبت جائز تھا چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے والدین نے سجدہ کیا تھا لیکن چونکہ اسلام مین توحید کو انتہائے کمال تک پہنچانا تھا، سجدۂ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک دفعہ ایک صحابی خدمت اقدس مین آئے اور عرض کی کہ مین نے اہل عجم کو دیکھا ہے، وہ اپنے رئیسون کو سجدہ کرتے ہین، آپ اجازت دین تو ہم آپ کو سجدہ کرین، آپ نے فرمایا، تو کیا میری قبر پر گذرو گے تو اُسکو سجدہ کرو گے؟ عرض کی نہین، فرمایا تو اُسے بھی نہ کرو، اگر مین کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیسکتا تو مین بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[1]

اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے، تو آپ کو سجدہ کیا، آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ مین نے شام مین رومیون کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسرون کو سجدہ کرتے ہین، تو میرا جی چاہا کہ مین بھی آپ کو سجدہ کرون، فرمایا ایسا نہ کرو، اگر مین کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو مین بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[2]

صفات الٰہی کی توحید

۸۔ شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہین وہ اورون مین تسلیم کیے جائین جسکا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ شرکت وصف کی بنا پر، خدا کے شریک اور ہمسر بنجائین اُن مین سے ایک وصف علم غیب ہے، اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہین کہ انبیا، اور اولیا، کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے زمانہ مین کاہنون کا یہی کام تھا کہ وہ آیندہ واقعات کی پیشینگوئیان کیا کرتے تھے، عرب مین بھی کاہن یہی پیشہ کرتے تھے، اور مختلف طریقون سے پیشین گوئی کرتے تھے، کبھی فال سے، کبھی پانسے پھینک کر، کبھی یہ ظاہر کرتے تھے کہ اُن کو جنات غیب کا حال بتاتے ہین،

آنحضرت صلعم نے نہایت تاکید اور استقصا، کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتین

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ [2] ابن ماجہ باب مذکور،

باطل کین، خود قرآن مجید مین نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتین نازل ہوئین،

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ، (انعام - ۷) اور خدا کے پاس غیب کی کنجیان ہین جنکو خدا کے سوا کوئی نہین جانتا،

آنحضرت صلعم نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی، اور فرمایا کہ مفاتح غیب پانچ ہین جنکو خدا کے سوا[1] کوئی نہین جانتا،

۱- حمل یعنی لڑکا ہوگا یا لڑکی،

۲- کل کیا ہوگا،

۳- بارش کب ہوگی،

۴- کس جگہ موت آئے گی،

۵- قیامت کب آئے گی،

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتین ہین لیکن زیادہ تر انھی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے اور انھی باتون کو لوگ پہلے سے جاننے کے خواہشمند ہوتے ہین،

یہان تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے، انصار کی چند لڑکیان گا رہی تھین، گاتے گاتے انھون نے یہ گانا شروع کیا،

وفینا رسول یعلم ما فی غد اور ہم مین ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے،

آنحضرت صلعم نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے گا رہی تھین[2]، اللہ تعالی نے آپ کو خاص حکم دیا کہ آپ اس حقیقت کو واضح کردین،

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللهِ کہدو اے پیغمبر کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس اللہ کے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ مین تفصیل مذکور ہے، [2] صحیح بخاری کتاب النکاح،

وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ (انعام-۲) خزانے ہین اور نہ مین غیب کی باتین جانتا ہون،

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے،

قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ کہدو اے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانون مین اور زمین مین

اِلَّا اللّٰهُ، (نمل-۵) کوئی غیب نہین جانتا،

غیب دانی کے مدعی کاہن جو عرب کی گلی گلی مین خدع و فریب کا جال پھیلائے بیٹھے رہتے تھے، اور بتخانون مین خدائی کرتے تھے، اُنکی سطوت خاک مین ملگئی، بتخانے ویران ہوگئے، تو ان کے یہ پجاری بھی فنا ہوگئے، صحابہ نے آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت مین کاہنون کے پاس جایا کرتے تھے، فرمایا اب نہ جایا کرو، عرض کی ہم پرندون سے فال لیا کرتے تھے، فرمایا، یہ تمھارا وہم تھا، اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو، بعض لوگون کے سوال کے جواب مین فرمایا کہ کاہن کچھ نہین، اُنھون نے کہا یا رسول اللہ! انکی بعض باتین سچی بھی نکل آتی ہین، فرمایا "شیطان ایک آدھ بات سُن لیتا ہے، اور مرغی کی طرح قرقر قرکر کے اپنے دوست کے کانون مین ڈالتا ہے، اور وہ اسمین سنو باتین جھوٹ ملا دیتا ہے" کبھی فرمایا کہ "فرشتون کی زبان سے شیاطین فضائے آسمانی مین چوری چھپے کچھ سُن لیتے ہین، اور کاہن اسمین سیکڑون جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہین" جاہلون مین کچھ ایسے مکار ہوتے ہین جو چوری کا غائبانہ پتہ بتانے کا دعویٰ کرتے ہین، عرب اُن کو عرّاف کہتے تھے، فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے کے لئے کسی عرّاف کے پاس جائیگا، اوسکی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی، علم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب کا حال دریافت کرلینے کے مدعی بنتے تھے، اس کا سیکھنا بھی جادو کی طرح گناہ قرار دیا، اور فرمایا کہ جو کسی کاہن کے پاس جاکر اوسکی باتون کو سچ سمجھے وہ محمد پر جو کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے[1]،

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسرون کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا، کہانت کی

---

[1] مشکوٰۃ باب الکہانۃ مین صحیحین سے یہ حدیثین نقل کی ہین، علم نجوم کی حرمت والی حدیث ابو داؤد، ابن ماجہ اور احمد سے لی ہے،

گرم بازاری سرد ہوگئی، فال، شگون بد، نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خداعانہ طریقے مٹ گئے، پرندون اور پانسون کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا وہم و وسوسہ قرار پایا، اور غیب کی مملکت پر خدا کے سوا کسی اور کی حکومت قائم نہ رہی،

مخفی قوتون کا ابطال

۹۔ کائنات مین خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم، جنات و شیاطین اور ارواحِ خبیثہ اور دوسری قسم کی قوتون کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا، اور اُن سے بچنے کے لیے اُن کی دہائی پکاری جاتی تھی، نذر چڑھائی جاتی تھی، قربانی کیجاتی تھی، آنحضرت صلعم کی تعلیم اور وحی نے ان تمام مزخرفات کا قلع و قمع کر دیا، اور خدا کے سوا تمام دوسری مخفی و پوشیدہ قوتون کا ڈر انسانون کے سینون سے ہمیشہ کے لیے نکال کر پھینکدیا، اور دعا و کلمات الٰہی کے سوا، ہر نوع کے جھاڑ، پھونک، منتر، تعویذ، گنڈے، ٹوٹکے، جنمین کسی غیر خدا سے غیبی استمداد یا شرک کا کلمہ ہو، کفر قرار پایا، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لیے ہر نماز مین، اور نماز کی ہر رکعت مین سورۂ فاتحہ کے ضمن مین اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا،

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (فاتحہ)

(اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے ہین، اور تجھی سے مدد چاہتے ہین،

سحر و طلسم و جادو اور ٹوٹکے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہوا،

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ (بقرہ ۸-۱۲)

یہ جادو اور ٹوٹکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان نہین پہنچا سکتے لیکن خدا کے حکم سے، اور یہ یہود وہ جادو اور ٹوٹکے سیکھتے ہین جو اُن کو نقصان رسان ہین، نفع بخش نہین، اور یقیناً اُن کو علم ہے کہ جو اس کو حاصل کرتا ہے اُس کا آخرت مین کوئی حصہ نہین،

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت وہم و تخیل سے زیادہ نہین، فرمایا،

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ۔۳) مصری جادوگرون کے جادو سے اسکو خیال ہوتا تھا کہ وہ دوڑ رہے ہین

بلکہ بعض صحابہ نے ان مکّار جادوگرون کے قلع قمع کے لیئے اُن کے قتل تک کا حکم دیدیا، تاکہ انسانون پر اُن کا جو خوف دہراس بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو، اور اُن کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ اُن مین کوئی غیر معمولی طاقت نہین وہ بالکل بے بس ہین،

ابو داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ہم جاہلیت مین جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب آپ کیا فرماتے ہین؟" ارشاد فرمایا، کہ "تم اپنے جھاڑ منتر ہمارے سامنے پیش کرو، اگر ان مین شرک کی کوئی بات نہین تو کچھ مضائقہ نہین"، ایک اور صحابی نے ایک بیمار یا پاگل کو سورۂ فاتحہ پڑھکر چند روز پھونکا، وہ اچھا ہوگیا، اُس نے اُن کو انعام دیا، اُنھون نے آکر رسول اللہ صلعم سے واقعہ عرض کیا، تو فرمایا کہ "میری عمر کی قسم ہر جھاڑ پھونک باطل ہے، لیکن تمنے سچے جھاڑ کی روزی کھائی"، ایک اور صحابی روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

ان الرقٰی والتمائم والتولۃ شرک، بیشک جھاڑ پھونک، گنڈے اور میان بیوی کے چھڑانے کے تعویذ شرک ہین، (ابوداؤد وابن ماجہ)

انھین صحابی کے گھر مین ایک بڑھیا آیا کرتی تھی، گھر والون نے اوس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹکا کرایا، ایک دھاگا پڑھ کر اُس نے باندھ دیا تھا، وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر اون کی نظر پڑی، اونھون نے ہات بڑھا کر اوس کو توڑ کر پھینک دیا، اور فرمایا کہ عبد اللہ کا خاندان شرک کی باتون سے مستغنی ہے، مین نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جھاڑ پھونک، گنڈے، اور میان بیوی کے چھڑانے کے تعویذ شرک ہین" اُن کی بیوی نے کہا کیا وجہ ہے کہ ایک دفعہ میری آنکھون مین کچھ پڑ گیا، جب مین جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا اور جب چھوڑ دیتی تھی، تو پانی بھر آتا تھا، انھون نے جواب دیا، یہ شیطانی بات ہے، تم نے کیون وہ نہ کیا جو رسول اللہ صلعم کرتے تھے، آنکھون مین پانی ڈالتین اور یہ دعا پڑھتین، "اے لوگون کے پروردگار! اس بیماری کو دور کر، تو ہی

ل جامع ترمذی باب ما جاء فی حد الساحر و ابوداؤد باب اخذ الجزیۃ من المجوس،

شفا دینے والا ہے، تیری شفابخشی کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیماری نہ رہے[1]،

ادہام وخرافات کا ابطال،

۱۰- وہ تمام اوہام و خرافات جن سے شرک پرست اہل عرب لرزہ براندام رہتے تھے، اور جنکو وہ بالذات مؤثر اور متصرف سمجھتے تھے، آنحضرت صلعم نے اُن کا طلسم توڑ دیا، اور اعلان فرما دیا کہ ان کی کوئی اصل نہیں، فرمایا،

لا عدوی، ولا طیرۃ ولا صفر ولا ہامۃ (ابوداؤد وابن ماجہ)

نہ چھوت ہے، نہ بدفالی ہے، نہ پیٹ میں بھوک کا سانپ ہے، نہ مردہ کی کھوپڑی سے پرندہ نکلتا ہے،

ایک اور صحابی کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

العیافۃ والطیرۃ والطرق من الجبت، (ابوداؤد وابن ماجہ)

پرندوں کی بولی سے فال لینا، اُن کے اڑنے سے فال لینا، اور کنکری پھینک کر یا خط کھینچکر حال بتانا شیطانی کام ہے،

ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "فال نکالنا شرک ہے" پھر اُن صحابی نے کہا کہ ہم صحابہ میں کوئی نہیں جو اس کو بُرا نہ سمجھتا ہو، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے، یہ بھی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "نچھتر (نوء) کچھ نہیں" یعنی پانی کی بارش میں اس کو بالذات کوئی دخل نہیں، اسی طرح غول بیابانی کے متعلق عربوں کے جو معتقدات تھے اُن کو آپ نے ایک لفظ سے باطل کر دیا، فرمایا،

لا غول (ابی داؤد باب فی الطیرۃ)

غول بیابانی کچھ نہیں،

اسی طرح بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے متعلق اُن کے خیالات فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا، سورۂ انعام میں اُنکے ان مشرکانہ عقائد اور اعمال کی بتصریح تردید کیگئی، اور سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا،

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (مائدہ-۱۴)

خدا نے بحیرہ، اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں ٹھہرایا،

بحیرہ، اُس بچہ کو کہتے تھے جسکا کان پھاڑ کر بتوں کی نذر کرتے تھے،

[1] یہ تمام روایتیں ابوداؤد جلد دوم باب التمائم و باب ماجاء فی الرقی اور ابن ماجہ باب تعلیق التمائم میں ہیں ۲؎ ابوداؤد وابن ماجہ ذکر فال ۳؎ ابوداؤد باب الطیرۃ

سائبہ، اُس جانور کو کہتے تھے جو بتون کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے تھے،

وصیلہ، بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نر ہوا تو اوسکو بت پر چڑھائینگے اور اگر مادہ ہوئی تو ہم رکھینگے، پھر اگر نر و مادہ ملے ہوتے تو مادہ کے ساتھ نر بھی رکھ لیتے تھے، یہ وصیلہ تھا،

حامی، وہ اونٹ جس کے دس بچے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لائق ہو چکتے، تو دیوتا کے نام پر آزاد کر دیا جاتا،

یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوہام جو عرب مین پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم نے اُن کا استیصال فرمایا، یہ اوہام پرستی حقیقت مین، قومون کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے، یہ اوہام حقیقت کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت سے کامون مین خلل انداز ہوتے ہین اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شرک تک منجر ہوتا ہے، اور انسان کو صحیح طریق عمل سے روک دیتے ہین، مثلاً بیماری مین طب کے قاعدہ کے موافق علاج کیا جائے تو مفید ہوگا لیکن بہت سے لوگ وہم پرستی کے بنا پر ٹونے ٹوٹکے کو دافع مرض سمجھتے ہین، اس قسم کے اوہام عرب مین نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم نے ان تمام اوہام کو تصریح اور تعیین کے ساتھ باطل قرار دیا، مثلاً

۱۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند یا سورج مین گرہن لگتا ہے، حضرت ابراہیم آپ کے صاحبزادہ نے جب انتقال کیا تو سورج مین گرہن لگا ہوا تھا، لوگون نے خیال کیا کہ انہی کے مرنے کا اثر ہے، آنحضرت صلعم نے سنا تو مسجد مین جاکر خطبہ دیا کہ چاند اور سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہین، کسی کے مرنے سے ان مین گرہن نہین لگتا[1]،

۲۔ یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے تو اس کا جوڑا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے،

۳۔ ایک دفعہ آپ مسجد مین تشریف رکھتے تھے، ایک ستارہ ٹوٹا، آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت مین

---

[1] صحیح بخاری باب صلوۃ الکسوف،

تم لوگ اسکی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے، لوگون نے عرض کی کہ ہمارا یہ اعتقاد تھا، کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہین، آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہین ٹوٹتے[1]

۴- شیر خوار بچون کے سرہانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ جن اِن کو نہ ستانے پائین، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینکدیا اور کہا کہ آنحضرت صلعم ان باتون کو ناپسند کرتے تھے[2]،

۵- نظرِ بد سے بچنے کے لیے اونٹون کے گلے مین قلادہ لٹکاتے تھے آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے مین قلادہ نہ رہنے پائے[3]،

الغرض توحید کامل کی تعلیم نے عربون کے تمام مشرکانہ اوہام و خرافات کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا، اسلام کی اس اصلاحی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی اُن مقدس روایات و حکایات سے کرو، جنھون نے صدیون تک دنیا کو دیوون، بھوتون، اور چڑیلون کے تسلط اور عذاب کے شکنجہ مین مبتلا رکھا، اور اُن کو نکالنا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا،

کفارہ اور شفاعت کے غلط معنی کی تردید،

۱۱- شرک کے اسباب مین سے ایک بڑا سبب کفّارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے، جو عربون اور عیسائیون وغیرہ مین رائج تھے، عربون نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے، اُس کا اصلی سبب اُن کا وہ تخیل تھا جو خدا اور بندون کے تعلق کی نسبت اُن کے ذہن مین قائم تھا، وہ خدا اور بندون کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے جو ایک قاہر و جابر بادشاہ اور اوسکی رعایا کے درمیان ہے، اور جسطرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار رس سفارشیون اور مقربون کے بغیر ممکن نہین، اسی طرح اُس شہنشاہ کے دربار مین بھی وہ اُس کے دربار رس سفارشیون اور مقربون کے بغیر رسائی ممکن نہین سمجھتے تھے، اسی لیے وہ ان درمیانی ہستیون کے بھی خوش رکھنے کی ضرورت کے معتقد تھے، چنانچہ وہ اپنے بتون، دیوتاؤن اور فرشتون کو اسی نیت سے پوجتے تھے اور کہتے تھے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۱۸ مصر [2] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن صفحہ ۱۰ ا مصر [3] موطا امام مالک باب ما جاء فی نزع التعلیق و الجرس من العین ۳۴۳

هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط (یونس-۱) یہ اللہ کے ہان ہمارے سفارشی ہین،

آنحضرت صلعم نے جب اُن کی اس بت پرستی پران کو ملامت کی تو انھون نے صاف کہا،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى، (زمر-۱) ہم اُن کو اسی لئے پوجتے ہین کہ وہ ہم کو اللہ کے تقرب مین نزدیک کردین،

یہودیون مین بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی اوہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانا خدا کا خاص کنبہ اور خاندان ہے اوران کے خاندان کے پیغمبراور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہین اس لئے انکی اولاد اور نسل بھی دنیا اور آخرت مین یہی درجہ رکھتی ہے، اگران پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو اُن کے خاندان کے بزرگ جو خدا کے مقرب، اور برگزیدہ ہین، وہ ہر طرح اُن کو اُس سے بچالین گے، اُن کا دعوی تھا کہ

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ-۳) ہم خدا کی اولاد اور اُس کے پیارے ہین،

قرآن نے کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (مائدہ-۳) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات مین سے ایک مخلوق ہو، یہ اُسی کو اختیار ہو کہ جسکو چاہے بخشے اور جسکو چاہے سزا دے،

اور اسی بنا پر اُن کا دعوی تھا،

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (آل عمران-۳) ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھوکر چھوڑ دے گی،

قرآن نے کہا

وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (آل عمران-۳) اور یہ جھوٹ اپنے دل سے بناکر جو عقیدہ گھڑ چکے ہین وہ اُن کے مذہب مین اُن کو دھوکا دے رہا ہے،

عیسائیون کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانون کی طرف سے جو موروثی اور طبعی

طور سے گنہگار ہین، اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰؑ) کو قربانی دیکر اُن کے گناہون کا کفارہ دیدیا، اور وہ گناہون سے پاک و صاف ہو گئے، اور حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے بعد اُن کے جانشین پوپون کو گناہون کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، کہ جو وہ زمین پر کھولین گے وہ آسمان پر کھولا جائیگا، اسی لیے پوپون کے سامنے اعترافِ گناہ کا عقیدہ عیسائیون مین پیدا ہوا، اور اُن کو بندون کے گناہون کے معاف کرنیکا دنیا مین حق ملا،

پیغامِ محمدیؐ نے اُن کو ملزم قرار دیا اور کہا،

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، (توبہ-۵) — انھون نے اپنے عالمون اور راہبون کو خدا کو چھوڑ کر اپنا خدا بنا رکھا ہے،

اور اصولی طور سے اُس نے یہ بتا دیا کہ

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آلِ عمران-۱۴) — خدا کے سوا کون گناہون کو معاف کر سکتا ہے،

اُن کا عقیدہ تھا کہ بیٹا قیامت کے دن باپ کے داہنے بازو پر برابر بیٹھکر خلق کا عدل و انصاف کریگا، قرآن پاک نے ایک بڑے مؤثر طرز مین اسکی تردید کی ہے، قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا،

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (مائدہ-۱۶) — اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگون سے کہا تھا کہ مجھکو اور میری مان کو خدا بناؤ،

وہ کہین گے، بارِ الٰہا! مین نے تو اُن سے وہی کہا جو تو نے کہا، مین نے تو اُن کو یہ تعلیم نہین دی، مین نے تو اُن سے یہی کہا کہ صرف ایک خدا کو پوجو، اب

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، (مائدہ-۱۶) — اگر تو اُن کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہین، اور اگر تو بخشدے تو تو سب کچھ کر سکتا ہے، کہ تو غالب اور حکمت والا ہے،

اس آیت مین یہ بتایا گیا ہے کہ گناہون کی مغفرت اور معافی یا گناہون پر سزا اور عذاب دینا صرف خدا کے ہاتھ مین ہے، کسی دوسرے کو اس مین کوئی دخل نہین،

بت پرست عربون کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور اُن کے یہ بت خدا کی طرف سے دونون عالم مین مختارِ کُل ہین، وہ یہان دینے نہ دینے کا، اور اُس عالم مین بخشنے کا اختیار رکھین گے، اور اِس عقیدہ کا نام اُن کے یہان "شفاعت" تھا، اور یہ دیوتا اُن کے شفیع تھے، قرآن مجید نے کفارہ، غیر خدا کے اختیارِ مغفرت، اور بت پرستانہ طریقۂ شفاعت کے عقائدِ باطلہ کی ہر طرح تردید کی، اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہین، سب اوسکی عظمت اور جلال کے سامنے عاجز اور درماندہ ہین،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (زخرف - ۷)

یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جنکو پکارتے ہین، وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے، لیکن وہ جس نے حق کی شہادت دی اور وہ جانتے بھی ہون،

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا، (مریم - ۶)

یہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے، لیکن جس نے رحم والے خدا سے اقرار لے لیا،

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ، (یٰسٓ - ۲)

کیا خدائے برحق کو چھوڑ کر جھوٹے معبودون کو خدا بناؤن اگر رحمٰن مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو اُن کی شفاعت مجھے ذرا بھی فائدہ نہین پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہین،

کفار، فرشتون کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، حکم ہوا،

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى، (نجم - ۳)

اور کتنے فرشتے ہین آسمانون مین کہ اُن کی شفاعت کچھ فائدہ نہین پہنچاتی، لیکن اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے،

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ (زمر - ۵)

کیا اُن کافرون نے خدا کے سوا کو شفیع بنایا ہے، کہدے کہ اگرچہ یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہون، تو بھی؟

خدا قیامت مین اُن سے کہیگا،

وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا (انعام - ۱۱)

اور ہم دیکھتے نہین تمھارے ساتھ تمھارے اُن شفیعون کو جنکو تم سمجھتے تھے کہ وہ تمھاری ملکیت مین خدا کیساتھ شریک ہین'

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا (روم)

اور جب قیامت کھڑی ہوگی تو مشرکین ناامید ہونگے کہ جنکو وہ خدا کا شریک کار بناتے تھے ان مین سے کوئی اُن کا شفیع نہ ہوا،

خاص یہود کو مخاطب کرکے اُن کے عقیدہ کی تردید مین کہا گیا،

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ .... وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (بقرہ - ۶)

اے فرزندانِ اسرائیل! .... اور ڈرو اُس دن سے جسمین کوئی ایک دوسرے کے ذرا کام نہ آئیگا، اور نہ اسکی طرف سے کوئی شفاعت قبول کیجائیگی، اور نہ کچھ اس کے بدلہ مین لیا جائیگا، اور نہ کوئی ان کو مدد پہنچائی جائے گی،

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورہ مین دوسری جگہ ہے،،

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ .... وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ - ۱۵)

اے فرزندانِ اسرائیل! ...... اور ڈرو اُس دن سے جس مین کوئی کسی کے کام ذرہ بھی نہ آئیگا، اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا، اور نہ شفاعت فائدہ دیگی

اور اسی معنی مین مسلمانون سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کرین، شفاعت کے بھروسے مین نہ رہین،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (بقرہ - ۳۴)

اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو روزی دی رکھی ہو اس مین سے کچھ خرچ کردیا کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جسمین نہ لین دین ہے نہ دوستی ہے نہ شفاعت ہے،

غرض آپ کے پیغام نے ان معنون مین شفاعت کے عقیدۂ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے، اور اعلان کیا ہے

کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے،

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔ (زمر - ۵)

کیا انھون نے خدا کے سوا اورون کو شفیع بنا رکھا ہے، کہدے کہ اگرچہ اُن کو کسی چیز کا اختیار نہو اور نہ اُن کو سمجھ ہو تو بھی، کہدے کہ شفاعت کا کل اختیار خدا ہی کو ہے، اُسی کا راج آسمانون اور زمین میں ہے، پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے،

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدۂ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ شفاعت کا اتنا حصہ صرف تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیون کے حق میں شفاعت کرین گے،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (زخرف - ۷)

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جنکو پکارتے ہین، وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے، لیکن وہ جنھون نے حق کی گواہی دی، اور وہ دانش رکھتے ہین،

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لینا کہا گیا ہی،

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم - ۶)

یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے لیکن وہ جو خدا کے نزدیک (دنیا مین اپنے عمل کے ذریعہ سے) اقرار لے چکا ہے،

لیکن اس شہادت حق اور عہد الٰہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی شرط ہے،

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۝ (یونس - ۱)

(خدا کی بارگاہ مین) کوئی شفیع نہین لیکن اسکی اجازت کے بعد،

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بقرہ ۳۴)

وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت کر سکے لیکن اُسکی اجازت سے،

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى (نجم-۲)

اور کتنے فرشتے ہین آسمانون مین کہ انکی شفاعت ذرا بھی کام نہین آسکتی البتہ اسکے بعد کہ خدا اجازت دے جس کو چاہے اور پسند کرے،

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا، (نبأ-۲)

یہ فرشتے اور روح کوئی خدا سے اس دن بات نہ کرسکیگا، لیکن جسکو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک کہے،

پھر یہ شفاعت بھی اونھین لوگون کے حق مین ہو سکے گی جن کے حق مین اللہ تعالی انبیا، اور صالحین کو شفاعت کی اجازت دیگا، فرمایا،

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ، (سبا-۳)

اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دیگی لیکن اس کیلئے جس کے لیے وہ شفاعت کی اجازت دے،

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا، (طہ-۶)

اس دن شفاعت نفع نہ دیگی لیکن اوسکو جس کے لئے خدا اجازت دے اور اُس کے لیے بات کرنا پسند کرے،

بلکہ خود انبیا علیہم السّلام بھی سفارش انھین کی کرین گے، جنکی خود چاہیگا، فرمایا،

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ، (انبیاء-۲)

اور وہ شفاعت نہین کرینگے لیکن اُنکی جس کے لیے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اُس کے خوف سے ترساں ہونگے،

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لیے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہوچکا ہے کہ اُن کے لئے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے، اور یہ وہ مجرم ہین جن کے دل حق کی شہادت سے محروم رہگئے،

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (مدثر-۲)

تو اُن کو شفاعت کرنے والون کی شفاعت فائدہ نہ دیگی،

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ، (مومن-۲)

اور ظالمون (مشرکون[1]) کا کوئی دوست (اس دن) ہوگا اور نہ کوئی شفیع[2]

[1] اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان-۲) بیشک شرک بڑا ظلم ہے، (صحیح بخاری ذکر لقمان جلد ۱ صفحہ ۴۸۷)

اور وہ بدنصیب گروہ جس کے حق مین رحمت کا یہ دروازہ بند رہیگا، مشرکین ہین، جیساکہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ	اللہ اس گناہ کو کہ اُس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے
مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ، (نساء-۱۸)	نہین بخشتا، اور اس سے نیچے کے گناہ جسکو چاہے بخشدے

لیکن اب ایسی حالت مین جب کہ وہی شفاعت کر سکین گے جنکو اللہ تعالی اس کی اجازت دے گا، اور وہ بھی انھین کی شفاعت کرینگے جنکی شفاعت کرانا خود خدا کو منظور ہوگا، تو حقیقت مین خود اللہ ہی اپنے دربار مین اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیانہ اصطلاح مین یون کہو جلال الٰہی کی بارگاہ مین اوسکی صفت کریمی و رحیمی خود شفیع بنکر کھڑی ہوگی، اسی لیے ارشاد ہوا،

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا	اور اس قرآن کے ذریعہ (اے پیغمبر) اُن لوگون کو
إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَ	ہشیار کردے جو اس سے ڈرتے ہین کہ وہ اپنے رب کے
لَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ،	پاس جمع کیے جائینگے، اُنکے لیے اونکے رب کے سوا کوئی حمایتی
(انعام-۵)	اور شفیع نہین، شاید وہ بچتے رہین،
مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ط	خدا کے سوا تمھارا کوئی حمایتی اور شفیع نہین، پھر کیا
أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ، (سجدہ-۱)	تم سوچتے نہین،

خدا کی اس صفت کریمی و رحیمی کے مظہر اُس دنیا مین بھی وہی ہونگے، جو اس دنیا مین اوس کے مظہر بنکر آئے تھے، اور وہ انبیاے کرام ہین کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب سے جو اوسکو اس دنیا اور اہل دنیا کیساتھ ہے، ان انبیار کی بعثت ہوئی، اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہد قرار پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اُس دنیا مین بھی وہی خدا کے اس رحم و کرم اور فضل عمیم کے مظہر قرار پائین گے، نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکوکار اور صالح افراد بھی جنکو رحمت الٰہی نے چنا ہو، اس منصب پر ممتاز ہو سکین گے، خصوصًا وہ سراپا رحمت جو اس دنیا مین رحمۃ للعٰلمین کا مظہر بنکر آیا،

اجرام سماوی کی قدرت کا انکار

۱۱۔ بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و ماہتاب کی گردش، اور اُن کے سبب سے اختلاف موسم کے اثر سے ہوتی ہیں، اس لیے ستارہ پرست قوموں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے، اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا،

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت-۵) سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو،

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی مؤثر جانتے تھے، اور یہ کہتے تھے،

وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ-۳) ہم کو تو زمانہ مارتا ہے،

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں "فلک کجرفتار" اور "دہر ناہنجار" کی شکایت اب تک چلی جاتی ہے، عرب کے مشرکین بھی یہ جملے بولا کرتے تھے، انکو جب کوئی خلاف توقع تکلیف پہنچتی تھی، تو زمانہ کی شکایت کرتے تھے اور اسکو برا کہتے تھے[1] آنحضرت صلعم نے اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ "زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدا ہے"[2] اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ "آدم کا بیٹا مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، زمانہ میں ہوں، میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں"[3] یعنی جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق زمانہ کو سمجھکر لوگ اُس کو برا کہتے ہیں حقیقت میں اُن کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اس لیے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے،

اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو نچھتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ فلاں نچھتر کے سبب سے ہم پر پانی برسایا گیا، حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی، صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا "تم جانتے ہو تمھارے رب نے کیا کہا"، صحابہ نے عرض کی کہ "خدا اور اُسکا رسول زیادہ جانتا ہے"، ارشاد ہوا، اُس نے فرمایا، "آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے اور

---

[1] فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۴۱ و کتاب الاسماء والصفات بیہقی صفحہ ۱۱۱، الہ آباد [2] صحیح مسلم، الفاظ الادب [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ جاثیہ، و کتاب الرد علی الجہمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۶،

کچھ کافر ہو کر، جنھون نے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسا، وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہین، اور جنھون نے یہ کہا کہ فلان نچھتر سے پانی ہم پر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہین[1]"

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، کم و بیش دنیا کی تمام قومون مین وہ آسمانی دیوتاؤن کے غیظ و غضب کے مظہر یقین کئے جاتے تھے، ۹ھ مین اتفاق سے ایک دن سورج مین گرہن لگا، اور اُسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج مین گرہن لگنے کا سبب حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت صلعم نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانون کو مسجد مین جمع ہونے کا حکم دیا، اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسمین اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوف و خسوف اور گرہن کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہین، یہ بھی خدا کے نشانون مین سے ایک نشان[2] ہے،

غیر خدا کی قسم سے روکنا

۱۳- شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمین کھاتے تھے،

قسم کھانے کے معنی حقیقت مین شہادت کے ہین، جسکی قسم کھائی جاتی ہے، اوسکو در اصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا ہے، عربون مین بت پرستی کے رواج کے باعث بتون اور دیوتاؤن کی قسمین کھائی جاتی تھین، جو صریح کفر تھین، قریش اپنے دیوتا لات اور عزی کی قسمین کھایا کرتے تھے، آنحضرت صلعم نے اُس سے منع فرمایا[3]، لیکن رواج اور عادت کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار اُن کی زبان سے اُن کی قسمین نکل جاتی تھین، آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور عزی کی قسم نکل جائے تو وہ فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ لے" یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش مین باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو آپ نے باپ کی قسم کھاتے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھایا کرو، جسکو قسم کھانی ہو وہ یا تو

---

[1] صحیح بخاری باب الاستسقاء و باب الذکر بعد الصلوٰۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان، [2] صحیح بخاری، صلوٰۃ الکسوف، [3] سنن نسائی کتاب الایمان والنذور،

خدا کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے" حضرت عمرؓ کہتے ہین کہ "حضور کے ارشاد کا یہ اثر ہوا، کہ اس وقت سے آج تک مین نے نہ تو خود اور نہ کسی کی بات دہرانے مین کبھی باپ کی قسم کھائی[1]" مان کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، اسی طرح کعبہ کی بھی قسم لوگ کھایا کرتے تھے، اس پر ایک یہودی نے آکر مسلمانون کو طعنہ دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو، کعبہ کی قسم کھاتے ہو، آپ نے مسلمانون کو فرمایا کہ کعبہ کی نہین بلکہ کعبہ والے (خدا) کی قسم کھایا کرو[2]، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا، تو اس کو منع کیا اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے، مین نے رسول خدا صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا[3]" دوسری روایت مین ہے کہ "ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھائی جائے شرک ہے[4]"

خدا کی مشیئت مین کوئی شریک نہین

۱۴- اکثر نیک لوگون کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُن کی مشیئت عین خدا کی مشیئت ہے، اسمین نہ صرف بدعقیدہ لوگ بلکہ اہل توحید بھی غلطی سے مبتلا ہو جاتے ہین، آنحضرت صلعم نے انسانون کو اس دقیق غلطی سے بھی آگاہ کیا، اور بتایا کہ دنیا مین مشیئت صرف خدا کی ہے، اسی کی خواہش کے مطابق وہ چل رہی ہے، تمام مشیئتین اور خواہشین اسی کی مشیئت اور خواہش کے ماتحت ہین، خدا کے ساتھ اور کسی مخلوق کی مشیئت، عالم کے کاروبار مین شریک نہین، لیکن لوگون نے خدا کی مشیئت کے ساتھ اورون کی مشیئت کو بھی شریک کر لیا تھا، توحید کامل کے معلم صلعم نے اس خیال کی سختی سے تردید کی، اور قرآن مجید نے جابجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیئت الٰہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیئت نہین، تمام دیگر مشیئتین اوسکی تابع اور ماتحت ہین، عقیدہ کی یہ غلطی اسقدر عام تھی کہ جو لوگ یہ عقیدہ نہین رکھتے تھے، وہ بھی سلاطین، حکام اور بزرگون کے ساتھ گفتگو مین یہ کہنا حسن ادب سمجھتے تھے کہ "جو خدا چاہے اور جو حضور چاہین"۔ آنحضرت صلعم نے اس طرز کلام سے منع فرمایا، یہانتک کہ خدا کی مشیئت کے ساتھ برابری سے خود اپنی مشیئت کے ذکر سے بھی صحابہ کو روکا، اس قسم کا طرز کلام لوگون کی زبانون پر چڑھ گیا تھا، اُسمین یہ تصحیح

---

[1] یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی، کتاب الایمان مین مذکور ہین، [2] نسائی کتاب الایمان والنذور [3] جامع ترمذی ابواب النذور والایمان، و مستدرک حاکم صفحہ ۱۸ جلد ۱ کتاب الایمان، [4] مستدرک حاکم بحوالۂ مذکور،

فرمائی کہ خدا اور غیر کی مشیئت کے درمیان عطف کا واو (اور) نہ لایا جائے، کہ اس سے برابری کا شائبہ نکلے، بلکہ "پھر" کا لفظ بولا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیئت کے بعد اوروں کی مشیئت کا درجہ ہے،

نسائی میں ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آکر مسلمانوں سے کہا کہ "تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمدؐ چاہیں" آپ نے صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یوں کہو کہ "وہ ایک جو چاہے پھر جو آپ چاہیں"[1] یہی واقعہ ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی اُن سے کہہ رہا ہے کہ "تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے اگر شرک نہ کیا کرتے، تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور جو محمدؐ چاہیں" ان صحابی نے خدمتِ اقدس میں آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا میں اس فقرہ کی برائی جانتا تھا، یوں کہو کہ "جو خدا چاہے پھر جو محمدؐ چاہیں"[2] ابو داؤد میں یہی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ "یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے اور جو فلاں چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلاں چاہے" لیکن امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے کتاب الاسماء میں جو روایت کی ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیئت کا نام بھی نہ لینا چاہیے، ایک شخص نے خدمتِ والا میں حاضر ہو کر سلسلۂ کلام میں کہا کہ "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں" ارشاد ہوا کہ "تم نے خدا کا ہمسر اور مقابل ٹھہرایا، جو خدا تنہا چاہے، مَاشَآءَ اللّٰہُ وحدہٗ"[3]

اس سلسلہ میں یہاں تک اہتمام مدِ نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف ایک ضمیر پھیر کر ایک فعل لایا جائے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر ہے، ایک دفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اثنا میں یہ فقرہ کہا "جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، اور جس نے اُن دونوں کی نافرمانی کی" یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اُس کو روک دیا اور فرمایا "اُٹھ جاؤ تم بُرے خطیب ہو"[4] آپ نے آزردگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ "اُن دونوں" کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے،

---

[1] نسائی کتاب الایمان والنذور، [2] ابن ماجہ کتاب النذور، [3] ابوداؤد کتاب الادب باب لا تقولوا خبثت نفسی، [4] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷، مصر و کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ الہ آباد،

اوراس مین شرک کا شائبہ ہے، اس لیے خطیب کو یون کہنا چاہیئے تھا کہ "اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ ..... "جیسا کہ قرآن پاک مین بار بار آیا ہے اور ماثورہ خطبون مین منقول ہے،

مشتبہات شرک کی ممانعت

۱۵- جن باتون مین شرک کا ذرا بھی شائبہ پایا جاتا تھا، ان سے بالکل منع کر دیا لوگ اولاد کا نام آفتاب، ماہتاب وغیرہ کی عبدیت کیساتھ رکھتے تھے، مثلاً عبد الشمس، عبد مناف، ان نامون سے سخت منع فرمایا، اور فرمایا کہ بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہین[۱]، اہل عجم اپنے سلاطین کو شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہون کا بادشاہ کہتے تھے، چونکہ اسمین شرک کا احتمال تھا، آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے[۲]، دوسری روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا سخت غضب ہوا جس نے اپنے کو شہنشاہ کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہین، (حاکم فی المستدرک ص ۲۷۵، ج-۴)

غلامون کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے، آدمیون کا نہین، اسی طرح غلام اپنے مالک کو "رب" کہتے تھے، حالانکہ رب خدا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے قطعاً منع فرما دیا کہ کوئی شخص غلامون کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے، بلکہ یون کہے کہ "میرا بچہ" یا "بچی"، اور اسی طرح غلام اور باندیان اپنے آقا کو رب نہ کہین، مالک کہین کہ تم سب غلام ہو اور رب اللہ ہے[۳]، ہانی ایک صحابی تھے جنکی کنیت ابوالحکم تھی، وہ جب خدمت اقدس مین اپنی قوم کے ساتھ آئے تو آپ نے فرمایا کہ حکم خدا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابوالحکم کیون کہتے ہین، عرض کی کہ میرے قبیلہ مین جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھکو حکم یعنی ثالث بناتے ہین، اور مین جو فیصلہ کرتا ہون اس کو سب تسلیم کر لیتے ہین، آپ نے فرمایا تمھارے بچون کے کیا نام ہین، بولے شریح، مسلم، عبداللہ، آپ نے پوچھا سب مین بڑا کون ہے، عرض کی "شریح" فرمایا تو تمھاری کنیت ابو شریح ہے[۴]،

اکثر لوگون کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی برا کام کرتے ہین تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہین، گویا اس نے برائی کرائی ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرت ؐ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انھون نے کہا شیطان کا برا ہو، آپ نے فرمایا یون نہ کہو، ورنہ شیطان غرور سے پھول جائے گا، اور کہے گا میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا نام لو[۵]

[۱] ابوداؤد، کتاب الادب باب تغییر الاسماء، [۲] ابوداؤد کتاب الادب، [۳] ابوداؤد کتاب الادب، باب الکرم وحفظ المنطق، [۴] ابوداؤد کتاب الادب باب تغییر الاسم القبیح

تو شیطان دب کر، مکھی کے برابر ہوجائیگا۔[۱]

تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اسکی یہی وجہ تھی، کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقتدا کی تصویر گھر مین رکھتے تھے، تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انھی تصویرون کی پرستش ہونے لگتی تھی، چنانچہ ہندون اور رومن کیتھلک عیسائیون مین اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے سرے سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا،

قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا

۱۶۔ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے، قبرون اور یادگارون کو لوگ عبادت گاہ بنا لیتے ہین، سالانہ مجمع کرتے ہین، دور دور سے سفر کرکے آتے ہین، قبرون پر مسجدین بناتے ہین، منتین مانتے ہین، نذرین چڑھاتے ہین، آنحضرت صلعم نے ان تمام افعال سے منع کیا، وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبرون کو مسجد بنا لیتے تھے، دیکھو مین تم کو منع کرتا ہون کہ قبرون کو مسجد نہ بنانا،[۲] عین وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹ دی، اور فرمایا کہ خدا یہود اور نصاری پر لعنت کرے، ان لوگون نے اپنے پیغمبرون کی قبرین مسجد بنا لین،

ریا اور عدم اخلاص بھی معنوی شرک ہے،

۱۷۔ یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھین جنکا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول چال سے تھا، لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے، وہ قلب و روح کی توحید ہے، انسان کے تمام کامون کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلب شہرت کے لیے کام کرتا ہے، کوئی دنیاوی معاوضہ کے لیے کرتا ہے، کوئی نمائش اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے، کوئی غیر کی محبت یا عداوت مین کرتا ہے، ان تمام کامون کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے، جس نے خدا کی جگہ لے لی ہے، اسی لیے قرآن مجید نے کہا،

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (فرقان ۔ ۴) تم نے اس کو دیکھا جسنے اپنا خدا خود اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے،

اسی لئے بڑا بت وہی ہے، جس کو انسان نے خود اپنے دل کے بتخانے مین چھپا رکھا ہے، اس بت کو توڑنا توحید کی اصلی تکمیل ہے، آپ نے بتایا کہ انسان کے تمام کامون کا دارمدار و محور خود اس کے دل کے عمل پر ہے،

[۱] ابوداؤد کتاب الادب باب لایقول خبثت نفسی، [۲] صحیح مسلم کتاب المساجد،

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، اس لیے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کامون کا اصلی محرک صرف خدا کا حکم، خدا کا خوف، خدا کی اطاعت، خدا کی خوشنودی، خدا کی محبت، غرض صرف خدا ہونا چاہیے، جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت مین ترقی ہو گی اُس کے ایمان و توحید کی تکمیل بھی پایۂ کمال کو پہنچتی جائیگی، اسی بنا پر وحیِ محمدیؐ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر انسان کو اُس کے عمل کی غرض و غایت مَرْضَاةِ اللهِ اللہ کی خوشنودی، مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ خالص خدا کے لیے اور وَجْهِ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ذاتِ خدا قرار دینے کی تعلیم دی ہو، اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور غرض و نیت سے کرے، درحقیقت اُس کام کے لیے اُس نے ایک مؤقت خدا الگ بنا لیا اور وہ گو اس وقت لفظی اور قانونی نہین لیکن معنوی و نفسی شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے، آپؐ نے فرمایا "جس نے خدا کے لیے دیا، اور خدا ہی کے لیے رد کیا، خدا کے لیے چاہا، اور خدا ہی کے لیے عداوت کی اور خدا ہی کے لیے بیاہ کیا اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا[۱]"

متعدد صحابیونؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ریا چھپا ہوا شرک ہے[۲]"، حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہین کہ "آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کوئی کام دوسرے کی موجودگی کے سبب کرے[۳]"

حضرت شداد بن اوسؓ روایت کرتے ہین کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کی خیرات کی اُس نے شرک کیا[۴]"، یہی صحابی کہتے ہین کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع مین آپ فرما رہے تھے کہ "مجھے اپنی اُمت کے لوگون پر سب سے زیادہ جس کا خوف ہے، وہ شرک کا ہے، ہان میرا یہ مطلب نہین کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کرینگے، یا بتون کو پوجینگے، بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے عمل نہ کرنے لگین، اور چھپی نفسانی خواہش[۵] مین نہ مبتلا ہون"، حضرت محمود بن لبیدؓ

---

[۱] مستدرک حاکم ترمذی آخر کتاب الزہد ترمذی کے دو نسخون مین اس حدیث کے متعلق دو تنقیدین درج ہین ایک مین منکر لکھا ہے اور دوسرے مین حسن، اور اسکی ایک راوی ابو مرحوم کی نسبت لوگون نے کلام کیا ہے مگر حدیث کا نفس مضمون تمام اسلامی روایات اور احکام کے عین مطابق ہے، [۲] حضرت ابو سعید خدریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، شداد بن اوسؓ، محمود بن لبیدؓ، ابو سعید بن ابی فضالہ ان صحابیون کی روایتین ابن حنبل، ابن ماجہ، مستدرک، وغیرہ مین ہین [۳] مستدرک حاکم کتاب الرقاق صفحہ ۳۲۹ جلد ۴ (صحیح) [۴] بحوالۂ سابق مستدرک ابن حنبل مسند شداد بن اوس صفحہ ۱۲۶ جلد ۴، [۵] سنن ابن ماجہ باب الریاء والسمعۃ،

انصاری آپ کا قول نقل کرتے ہین کہ آپنے صحابہ سے فرمایا کہ "مجھکو سب سے زیادہ جسکا تم پر خوف ہے، وہ شرک اصغر ہے" صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلعم! شرک اصغر کیا ہے؟" فرمایا "ریا، قیامت کے دن جب لوگون کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا، خدا ریاکار لوگون سے کہیگا کہ تمھارے لیے ہمارے ہان کچھ نہین، تم انھین کے پاس جاؤ جنکے دکھانے کو دنیا مین یہ کام کیا کرتے تھے"[۱] حضرت ابوسعید خدری رض کہتے ہین کہ "ایک موقع پر ہم لوگ دجّال کے متعلق آپس مین باتین کر رہے تھے کہ اسی اثنا مین آنحضرت صلعم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "کیا دجّال سے بڑھکر جو خوفناک چیز میرے نزدیک ہے مین تم کو اُس سے آگاہ نہ کرون؟" ہم سب نے عرض کی "ہان یا رسول اللہ صلعم" فرمایا "وہ شرک خفی ہے یعنی یہ کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ نماز کو محض اس لیے درست کرکے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اسکو دیکھ رہا ہے"[۲] ابوسعید رض بن ابی فضالہ انصاری بیان کرتے ہین کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت مین جب خدا اگلون اور پچھلون کو یکجا کریگا، تو ایک منادی آکر پکاریگا کہ جس نے اپنے کسی عمل مین خدا کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک بنا لیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے، کہ خدا سا جھے سے بے نیاز ہے"[۳] ابوہریرہ رض کہتے ہین کہ "آپنے ارشاد کیا کہ خدا فرماتا ہے، کہ مین تمام شریکون مین سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز ہون، تو جس نے اپنے کسی کام مین میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا تو مین اُس سے الگ ہون، اور وہ اسی کا ہے جسکو اُس نے میرا شریک بنایا"[۴]

ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ اپنے ہر عمل مین اس شرک خفی سے ڈرتے تھے، شداد رض بن اوس کہتے ہین کہ "ہم لوگ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات مین ریا کو شرک اصغر گنا کرتے تھے"[۵] ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رض جا رہے تھے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رض صحابی آنحضرت صلعم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہین، حضرت عمر رض نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھون نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس قبر مین مدفون ہستی نے کہا تھا کہ "ریا کا ادنیٰ

---

[۱] ابن حنبل، مسند محمود بن لبید انصاری رض صفحہ ۴۲۸ جلد ۵ و ابوداؤد و مسند ابن حنبل [۲] سنن ابن ماجہ باب الریاء والسمعة [۳] سنن ابن ماجہ باب الریاء و ترمذی، و مسند ابن حنبل [۴] ابن ماجہ باب الریا،
[۵] مستدرک حاکم کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ (صحیح)

شائبہ بھی شرک ہے[۱]" اسی طرح ایک دفعہ عبادہ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شداد بن اوس صحابی اپنی جانماز پر بیٹھے زار قطار رو رہے ہین، رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھون نے بیان کیا کہ ایک دن مین نے رسول اللہ صلعم کے چہرۂ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے، عرض کی میرے مان باپ حضور پر فدا ہون، اس حزن و ملال کا سبب کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "مین اپنے بعد اپنی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہون" عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟" فرمایا "شرک اور چھپی نفسانی خواہش" مین نے دوبارہ گذارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپکے بعد شرک مین مبتلا ہوگی؟ فرمایا، "اے شداد! میری امت یقیناً سورج یا چاند یا بت اور پتھر کی پرستش نہین کرے گی لیکن وہ اپنے عمل کی نمایش اور ریا کرے گی" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے" فرمایا "ہان[۲]"

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کس طرح ہر پہلو سے شرک کی تردید، اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے، وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے انھون نے آپکی تعلیم کے اثر سے خدا پرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کرلی،

---

[۱] مستدرک حاکم حوالۂ مذکور صفحہ ۳۲۸ (صحیح) [۲] مستدرک بحوالۂ مذکور سابق، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے اگر ذہبی نے تصریح کی ہے کہ "اس کا ایک راوی عبد الواحد بن زید متروک ہے" تاہم چونکہ حدیث کا نفس مضمون مسند ابن حنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۲۶) اور سنن ابن ماجہ (باب الریاء) مین ایسے سلسلون سے مذکور ہے، جن مین عبد الواحد نہین پڑتا، اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہان درج کیا،

توحید

اور

اسکے ایجابی اصول و ارکان

یہ تو توحید کے سلبی اجزا تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد اور خیالات کی نفی اور تردید، لیکن نبوت محمدی کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استواری، اوس کے اصول کی تعیین، اموِ ایمان کی تفصیل، اور اُس کے اجزا کی تکمیل ہے، عرب میں شرک و بت پرستی بھی تھی، اور کہین کہین آسمانی مذاہب کی محرف صورتین بھی موجود تھین، مگر ایک صحیح مذہب کا تخیل اُن کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی اُن کے ذہن مین نہین ہو سکتی تھی، آنحضرت صلعم نے اُن کے تمام پچھلے مزخرفات، اور اوہام کو جنکو دین کا درجہ دیا گیا تھا، بکقلم محو کر دیا، بت پرستی، جن پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتین قطعاً مٹا دین، اور اونکی جگہ مرتب، منقح، سنجیدہ حقائق اور سچائیون سے معمور چند عقائد کی تعلیم دی جو انسان کے تمام اعمال، اور اخلاق کے لیے بنیادی پتھر ہین،

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل اس سلسلہ مین سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین، اور پھر اوسکی توحید پر ایمان ہے، دنیا مین جتنے پیغمبر آئے اُن مین سے ہر ایک نے اس قادرِ مطلق کی طرف لوگون کو دعوت دی، مگر یہ دعوت اُن کے ایک مسلّم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انھون نے اس دعوی کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا، اور حقیقت مین جن محدود زمانون مین قومون کے لیے اُن کی بعثت ہوئی، ان کے لیے دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان کے زمانون مین بت پرستی، ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا، الحاد کا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی،

جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قومون کے لئے تھی، اور علم الٰہی مین یہ تھا کہ بعثتِ محمدیؐ کے بعد عقلِ انسانی تحقیق وتلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سربمہر خزانے وقفِ عام ہونگے، اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا، اور ہر شے دلیل و ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لیے محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو دلائل و براہین، ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کیگئی،

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے سابقین صرف اپنی قومون کی دعوت پر مامور ہوئے تھے جنمین مشرکین کا وجود تھا، ملحدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلعم کی بعثت تمام قومون اور طبقون کے لیے ہوئی، اس لیے آپکی دعوت مین یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صنف کو مخاطب کر رہے ہین، اور اُن کے معیار اور سطح کے مطابق اُس قادرِ مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلین بھی پیش کر رہے ہین، اس لیے آپنے دوسرے پیغمبرون کی طرح صرف مشرکون کو مخاطب نہین فرمایا، بلکہ مشرکون، کافرون، ملحدون، متشکّکون، دہریون، ہر ایک کو مخاطب فرمایا، اور اُن مین سے ہر ایک کی تسکین و تشفّی کا سامان بہم پہنچایا،

ایک قادرِ مطلق، خالقِ عالم اور صانعِ کائنات کی ہستی کے ثبوت، اور انکار پر جب سے فلسفہ کا وجود ہے ہمیشہ بحثین پیدا ہوتی رہی ہین، اور دلیلین پیش کیجاتی رہی ہین، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ مین بھی اس مسئلہ پر عقلائے زمانہ نے اپنی جودتِ ذہن، نکتہ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرزِ تعبیر مین گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغزِ سخن صرف ایک ہے، اس بنا پر وحیِ محمدیؐ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اُنمین اسی ایک مغزِ سخن کو لے لیا ہے، اور نہایت مؤثر طرزِ ادا مین اس کو بار بار دہرایا ہے، اور انسانون کو متنبہ کیا ہے،

وحیِ محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادرِ مطلق، خالقِ عالم، اور صانعِ کائنات ہستی کا اعتراف انسان کی فطرت مین داخل ہے، متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم مین بھی، اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے، آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑون مردہ اور گمنام قومون کی تاریخ کا سراغ لگایا، جنمین سامانِ تمدن، اعلیٰ خیالات

اور علوم کی لاکھ کمی محسوس ہوتی ہے، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی ان مین نظر نہین آتی، اونکی عمارتون کے منہدم کھنڈرون مین، جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے، وہ کسی معبد کی چہار دیواری ہوتی ہے آج بھی دنیا کے مختلف گوشون مین، جو بالکل وحشی قومین ملتی ہین، وہ بھی کسی نہ کسی شکل مین، عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تخیل سے بہرہ ور ہین، غرض جماعتِ انسانی کا کوئی حصہ، زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تخیل سے خالی نہین ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات مین داخل ہے، اسی لیے وحیِ محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے،

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، (روم - ۴)

اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر، یہ خدا کی وہ فطرت ہے، جس پر خدا نے لوگون کو پیدا کیا، خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین، یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہین،

آنحضرت صلعم نے فرمایا،

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ[1]، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،

اسی لیے خدا کا اعتراف روزِ ازل کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق مین ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے، جو انسان کی رگ و پے مین سرایت کئے ہوئے ہے، کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ مین وہ اعتراف نمایان ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے،

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (اعراف ۲۲)

اور جبکہ تیرے خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو لیا، اور خود انکو اُن ہی پر گواہ کیا، کہ کیا مین تمہارا خدا نہین، انھون نے کہا، ہان ہم گواہ ہین،

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان،

انسان کا یہ جذبۂ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، وحیِ محمدیؐ نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے، اور اسی زیرِ خاکستر آگ کو ہوا دی ہے، اور انسان کو اس کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے، وہ انسانون سے پوچھتی ہے،

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراہیم۲) — کیا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا مین شک ہے؟

ایک اور مقام پر اس نے کہا،

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ — کیا وہ آپ ہی آپ بنگئے، یا وہی اپنے آپ خالق ہین یا

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ (طور-۲) — انھین نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، یہ کوئی بات نہین بلکہ وہ یقین نہین،

دنیا اور کائنات جسمین انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب مین بالاتر ہے، بہرحال موجود ہے، اور اس کے اس وجود مین کوئی شک نہین، اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ بنگئی یا خود اس نے اپنے آپ کو بنا لیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونون صورتین باطل ہین، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہوسکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ نر و مادہ ملکر اپنا بچہ پیدا کرتے ہین تو سلسلۂ توالد و تناسل کا آغاز کیونکر ہوا، اور اولین نر و مادہ کا اور مادۂ تخلیق و روح کا خالق کون ہے؟

یہ گوناگون عالم، یہ رنگا رنگ کائنات، یہ تارون بھرا آسمان، یہ بوقلمون زمین، یہ سورج، یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھون جاندار اور بیجان اشیاء، یہ علل و اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم، اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قویٰ اور اُن کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قُویٰ کے رموز، انسان کی خیالی بلند پروازی، اور عملی عجز و درماندگی، یہ تمام باتین ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہین، یہ نیلگون آسمان کی چھت، یہ زمین کا سبزہ زار فرش، اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب، ایک خالقِ کل کا پتہ دیتا ہے،

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ	آسمانون کی اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے
وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ، (آل عمران ۲۰)	مین عقلمندون کیلیئے نشانیان ہین،

یہ شب و روز کا نور و ظلمت اور سورج اور چاند کی روشنی اُنکی مقررہ رفتار، باقاعدہ طلوع و غروب، اسکی دلیل ہے کہ اس ابلق ایام پر کوئی سوار ہے، جس کے ہاتھ مین اُس کا سیاہ و سپید ہے،

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ	اور اُس کی نشانیون مین سے رات، دن اور سورج
(فصلت - ۵)	اور چاند ہین،

آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کا الٹ پھیر تو ہے، دیکھو کہ خطرناک سمندرون مین کسطرح لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لیکر دوڑے پھرتے ہین، اگر پانی مین مٹی، اور لوہے کا ایک ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائیگا، مگر یہ لاکھون من کے لدے ہوئے جہاز کیسے پھول کی طرح پانی پر تیر رہے ہین، جس فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور مین آرہا ہے، وہ جس کے حکم سے بنا ہے اُسکا کتنا احسان ہے، پھر ان سمندرون سے بھاپ اٹھتے ہین، وہ اوپر جا کر بادل بنتے ہین، اور وہ وہین جا کر برستے ہین، جہان پیداوار اور زمین کی نشو و نما کی حاجت ہے، اور پھر وہ بادل ہواؤن کے تخت پر بیٹھکر کیسے ادھر اودھر ضرورت کے مطابق اڑتے پھرتے ہین،

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	بے شبہہ آسمانون کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ	الٹ پھیر مین، اور اُن جہازون مین جو لوگون کے لیے
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ	فائدہ رسان سامان لیکر سمندر مین چلتے ہین، اور
مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ	آسمان سے اوس کے پانی برسانے مین اور پھر اس پانی
فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ	کے ذریعہ مرے پیچھے زمین کو زندگی بخشنے مین اور زمین
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	مین ہر طرح کے جو چلنے والے پھیلائے، اس مین اور

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ، (بقرہ - ۲۰)

ہواؤن کے کبھی ادھر اور کبھی ادھر بہنے مین اور آسمان اور زمین کے بیچ مین جو بادل کام مین لگے ہین، ان سب مین سمجھ بوجھ والون کے لیے بڑی نشانیان ہین،

آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ
وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ
لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ، (جاثیہ - ۱)

بیشک آسمانون مین اور زمین مین ایمان والون کیلئے نشانیان ہین، اور خود تمھاری پیدائش مین اور جو چلنے والے پھیلائے اُن مین یقین کرنے والون کیلئے دلیلین ہین،

سورۂ انعام مین نباتات اور اوسکی نیرنگیون کو اپنی ہستی کی دلیل مین پیش کیا، یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی زمین ہے جسمین سے وہ اگتے ہین، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سینچے جاتے ہین، ایک ہی ہوا ہے جس مین وہ سانس لیتے ہین، مگر کتنے رنگ برنگ کے پھل، پھول، میوے اور درخت لگتے ہین جنمین سے ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر ایک کا قد و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہین،

وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا
بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ج وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ
طَلْعِھَا قِنْوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِھًا وَّغَیْرَ
مُتَشَابِہٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَیَنْعِہٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (انعام - ۱۲)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اُس سے سبز خوشے نکالے جن سے ہم جُڑے ہوے دانے نکالتے ہین، اور کھجور کے گابھے مین سے لٹکتے گچھے، اور انگور کے باغ، اور زیتون اور انار، ہمشکل، اور جدی جدی شکل کے، جب وہ پھلین تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو، اس مین ایمان والے لوگون کے لئے دلیلین ہین،

سورۂ روم مین پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اُنہین عورت مرد کے جوڑے ہونے کو، اور اون کے درمیان مہر و محبت کے جذبات کے ظہور کو اپنی ہستی کی دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہین ایک ایک کر کے پیش کیا ہو، اوّل تو خود انسان کی پیدائش پھر اُن مین عورت مرد ہونا اور اُن کے درمیان جذبات کی لہر، پھر مختلف قومون کی بولیون شکلون اور رنگون کو دیکھو کہ ایک ایک سے الگ ہے، پھر خود انسانون کے اندر کے اعمال دیکھو ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو یہی تمھاری آنکھین کھولنے کیلئے کافی ہے،

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ، وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ہ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ، وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ، وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ، وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ

اور اوسکی نشانیون مین سے یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر تم آدمی بنکر چلتے پھرتے ہو، اور اسکی نشانیون مین سے یہ ہے کہ اُس نے تمھاری جنس سے تمھارے جوڑے بنائے کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تم سب کے درمیان پیار اور مہر رکھا، اس مین ان لوگون کے لیے جو سوچتے ہین، دلیلین ہین، اور اُسکی نشانیون مین سے آسمانون کی اور زمین کی بناوٹ اور تمھاری بولیون اور رنگون کی بوقلمونی ہے، اسمین جاننے والون کے لیے یقیناً دلیلین ہین، اور اوسکی عجیب قدرتون مین سے تمھاری رات اور دن مین نیند ہے، اور تمھاری اوسکی مہربانیون کی تلاش ہو اس مین اُن کے لیے جو سنتے ہین، دلیلین ہین، اور اسکے عجائب قدرت مین سے یہ ہے کہ تمھین وہ بجلی کی چمک دکھاتا ہے، جس سے تم کبھی ڈرتے ہو اور کبھی رحمت کی بارش کی امید باندھتے ہو اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے زمین کو

وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ ،

(روم - ٣)

اس کے مرے پیچھے زندہ کرتا ہی اسمین انکے لیے جو سمجھ رکھتے ہین دلیلین ہین
اور اسکی دلیلون مین سے یہ ہی کہ آسمان اور زمین اسکی حکم سے قائم ہین

اس اخیر آیت مین آسمان وزمین کے اس کے حکم سے قائم رہنے کا ذکر ہے، تم کہتے ہوکہ یہ باہمی جذب وکشش سے قائم ہین، لیکن خود یہ جذب وکشش، کسکی کشش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے، سورۂ لقمان مین آسمانون کے کسی نظر نہ آنے والے کے سہارے کھڑے ہونے، اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا قوت کشش ہی سہی، وہ بھی تو اسی کے اسرار مین سے ہے، اس کے بعد ایک جامد اور بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع واقسام کی زندگی کے نمونون کا ابھر آنا کتنا حیرت انگیز ہے، یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے،

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى
فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ،

(لقمان - ١)

اس نے آسمانون کی چھت کو کسی ایسے ستونون کے بغیر
کھڑا کیا ہی، جو تمکو نظر آتے ہون، اور زمین مین ایسے کھونٹے
ڈالدیئے کہ وہ تم کو لیکر ہل نہ جائے اور اس نے اس مین
ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلائے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر
ہمنے اوسی زمین سے ہر اچھے جوڑے پیدا کیئے،

سورۂ سجدہ مین انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرۂ آب (نطفہ) کے ذریعہ توالد وتناسل، پھر اس کے سڈول جسم کا بنجانا، پھر اس مٹی کے مردہ قالب مین دفعۃً کہین سے زندگی آجانا، اور اسمین روح پھک جانا، اور اسمین علم وحواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہوجانا، ان سب کو اپنی صفت مین پیش کیا ہے،

اَلَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ
الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ، ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ، ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ
فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَا

وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش
مٹی سے شروع کی، پھر اوسکی نسل ذلیل سے نچڑے پانی سے
بنائی، پھر اوسکو سڈول کیا، اور اسمین اپنی جان سے کچھ
پھونک دیا، اور تمھارے لئے کان اور آنکھین اور دل

وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ۔ (سجدہ-۱) بنا دیئے، تم ان احسانوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو،

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں ودیعت ہیں، اور خود انسانوں کے جسم و جان میں عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے، لیکن کوئی صاحب نظر ادھر نہیں دیکھتا، انسان کی زندگی، اُس کے اندرونی جذبات، حواس، ذہنی قوی اور دماغی حرکات، اُن میں سے ہر شے معما ہے،

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ، (ذاریٰت-۱)

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمھاری جانوں کے اندر، کیا تم نظر نہیں کرتے،

جانوروں کے جسموں کے اندر جو عجیب و غریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے، ایک ہی گھاس پھوس کی غذا اُن کے پیٹ میں جاتی ہے، پھر اُسی کا کچھ حصہ لید اور گوبر، کچھ خون اور کچھ دودھ بنجاتا ہے، اور اسی لید اور گوبر کے باہر آنے کے راستوں، اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص، سپید، شیرین دودھ کی دھاروں کا نکلنا کتنا عجیب ہے؟

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ، (نحل-۹)

اور تمھارے لیے جانوروں میں عبرت ہے، ہم تمھیں اُن کے پیٹوں کے اندر سے لید اور خون کے بیچ سے خالص اور پینے والوں کے لیے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں،

ایک ہی قسم کے پھل ہیں، اگر ان کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمھاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں اور دوسری طرح کھاؤ تو وہ اُن کو ضائع کر دیں،

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْہُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ، (نحل-۹)

اور چھوہاروں اور انگوروں کے پھلوں کو دیکھو کہ ان میں سے کچھ سے تو تم نشہ اور اچھی روزی حاصل کرتے ہو، اس میں سمجھ والوں کے لیے دلیل ہے،

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چراغ اور چاند کی

قندیل کتنی عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے ۱۲ بارہ مہینون مین آسمان کے ۱۲ بارہ برجون کو طے کرکے کس طرح زمین مین مختلف موسم اور زمانے کو نمایان کرتا ہے،

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا — بابرکت ہے وہ ہستی جس نے آسمانون مین برج بنائے

وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا (فرقان) — اور اُن مین ایک چراغ اور چمکانے والا چاند بنایا،

انہین چند چیزون مین اوسکی قدرت کے عجائبات محدود نہین بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی محکم روش، اور اپنے قانونِ فطرت سے اوسکی گواہی دیتی ہے،

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (نمل) — اس ہستی کی صنعت ہے جس نے ہر شی کو مضبوط نظام پر بنایا،

اُس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہی، اسمین مستحکم نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے،

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ — تجھے مہربان خدا کی بناوٹ مین کوئی بے برابری نظر آتی ہے

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ، ثُمَّ — پھر نگاہ کر کیا کوئی فطور دکھائی پڑتا ہے، پھر دہرا کر دوبارہ

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا — نظر کر، تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر تجھ تک پلٹ آئے گی

وَّهُوَ حَسِيْرٌ، (ملک - ۱) — (مگر کوئی نقص نہ پاسکیگی)

اس قسم کی اور سیکڑون آیتین ہین، جنکا استقصا بھی مشکل ہے، ان آیتون مین ۳ تین قسم کے دلائل ہین،

۱- قدرت کے عجائبات اور نیرنگیان، اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا،

۲- عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتّب سلسلہ،

۳- کائنات اور سلسلۂ عالم کی ہر کڑی مین بے انتہا مصلحتون، حکمتون، اور فائدون کا ہونا،

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اُس کے یہ منظم علل و اسباب، خود بخود بخت و اتفاق سے نہین بن گئے، بلکہ کسی حکیم و دانا اور قادرِ مطلق صانع نے اپنی قدرت اور ارادہ سے انکو بنایا ہی،

اہلِ فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عموماً یہ دلیل پیش کیا کرتے ہین، کہ ہم بداہتہً دیکھتے ہین، کہ عالم مین ہر چیز

کے لیے علل و اسباب کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ یا تو کہین جاکر ختم ہوگا، یا یون ہی مسلسل چلا جائیگا، اگر یہ یون ہی مسلسل چلا جائیگا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گذر جائین، اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہین ہوسکتا اور نہ کہین اس کا آغاز ہوسکتا ہے، اس لیے کوئی چیز پیدا ہی نہین ہوسکتی، تسلسل عقلاً بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے، اس بنا پر لامحالہ سلسلۂ علل کا کہین خاتمہ ہونا ضروری ہے، جس علت کل پر تمام علتین ختم ہوجاتی ہین وہی خلق و پیدائش، اور وجود و کون کی اصلی علت العلل ہے،

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اور اصطلاحات سے لبریز، اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے، تاہم وہ انسانی عقل مین آتی ہے اور بہتون کے لیے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتون مین بھی اس دلیل کا ماخذ مذکور ہے، سورۂ ہود کے آخر مین ہے،

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود-۱۰)	اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانون اور زمین کی چھپی بات اور اوسی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے، تو اُس کو پوجو اور اُسی پر بھروسہ رکھو،
وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى، (نجم-۲)	اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمزوریون سے واقف تھے، چند صحابیون نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلعم کبھی کبھی ہمارے دلون مین ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہین، جنکو ہم زبان سے ادا نہین کر سکتے، فرمایا، کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہوگئی ؟ گذارش کی ہان یا رسول اللہ، فرمایا "یہ تو خالص ایمان ہے" مقصود یہ ہے دل مین وسوسون کا آنا اور پھر ان وسوسون کو اتنا بدتر جاننا کہ ان کا زبان پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہین، اسی طرح آپنے فرمایا "لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہین، کہتے ہین کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا، زمین کو خدا نے بنایا، یہان تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہین، اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی وسوسہ ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہدے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ

مین اللہ پر ایمان لایا[1]۔

یہ تعلیم درحقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام علتون کی انتہا ہے، اور اس کے بعد کوئی علت نہین اس لیے یہ وسوسہ لائق جواب نہین، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے،

توحید پر عقلی دلیلین | اگر کوئی عالم کا خالق وصانع ہے تو وہ یقیناً ایک ہے، دو نہین، تاہم دنیا مین ایسے عقلمند بھی ہین، جو دو تین اور متعدد خداؤن کے قائل ہین، اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑون حصون مین تقسیم کرکے ان کو مختلف خداؤن کی حکومتین قرار دیتے ہین، وحی محمدیؐ نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے، وہ نظام عالم کی یکسانی اور وحدت اور کائنات کے علل و اسباب کا باہم توافق، تعاون، اشتراک اور اتحاد ہے، دنیا مین ایک ذرہ بھی اسوقت تک پیدا ہو نہین سکتا جب تک آسمان سے لیکر زمین تک کی تمام کارکن قوتین اور اسباب ایک دوسرے سے موافق و مناسب نہ ہون، اور باہم ان مین اشتراک عمل پیدا نہ ہو، ایک دانہ زمین سے اس وقت تک اُگ نہین سکتا جب تک دانہ اُگنے کے لائق نہ ہو، زمین مین اسکی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب نہ ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق بہم نہ پہنچے پھر اس کے اُگنے کے موانع اور عوائق ایک ایک کرکے دفع نہ ہون، ان سب کے بعد وہ دانہ اُگیگا، اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ	اگر زمین و آسمان مین اس ایک خدا ے برحق کے سوا چند
فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ	اور خدا بھی ہوتے، تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے تو پاک
(انبیا - ۲)	ہے عرش کا خداان باتون سے جو یہ مشرک کہتے ہین،

آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار، یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کے بجائے دو طاقتون کے ہاتھون مین ہوتے تو یہ باہمی تصادم مین ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات مین اس مطلب کو ادا کرو، تو

[1] یہ دونون حدیثین صحیح مسلم کتاب الایمان مین متعدد روایتون سے مذکور ہین،

یون ہوگا، کہ عالم کائنات معلول ہے، اسکی کوئی علتِ تامہ ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ ایک معلول کی دو علتِ تامہ نہین ہوسکتی، کیونکہ علتِ تامہ اس کو کہتے ہین جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود مین کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو، اب عالم کی علتِ تامہ اگر ایک نہ ہو، دو ہو، تو سوال یہ ہے کہ ایک علتِ تامہ کے وجود کے بعد، عالم کے وجود مین دوسری علتِ تامہ کا انتظار رہیگا یا نہین، اگر رہے گا تو پہلی شے علتِ تامہ نہین رہیگی اور اگر انتظار نہ رہیگا تو دوسری شے علتِ تامہ نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علتِ تامہ ایک ہی ہوسکتی ہے،

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظامِ عالم کی وحدت ہے، سورج، چاند اور تارون سے لیکر، انسان، حیوان، ہوا، پانی، درخت، گھاس، پات تک دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک مقررہ نظام اور بندھے اصول کے ماتحت ہین جنمین کبھی سرمو فرق نہین ہوتا، ہر شے اپنے ایک اصول کی پابند اور ایک عادتِ جاریہ کے مطابق چل رہی ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب مین یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے پر چل رہے ہین،

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط (مومنون - ۵)	اور نہ اس خدائے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لیجاتا، اور ایک دوسرے پر چڑھ جاتا،
قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ط سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، (بنی اسرائیل - ۵)	کہ اگر خدائے برحق کیساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہین، تو ایسی حالت مین وہ تخت والے (حکمران خدا) سے حکومت چھیننے کا راستہ ڈھونڈھتے، پاک اور بلند ہے، خدا اس بات سے جسکو یہ شرک کہتے ہین، اس خدائے برحق کی پاکی ساتون آسمان اور زمین اور جو ان کے اندر ہے بیان کرتے ہین، اور کوئی چیز ایسی نہین جو اسکی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو،

اسی وحدتِ نظام کے استدلال کو ایک اور آیت مین خدانے بیان فرمایا ہے،

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط — تو خدا کے بنائے مین کوئی فرق نہین دیکھتا، پھر نگاہ کر کیا

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ — کوئی فطور تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نظر دوڑا،

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ — تیری نظر تھک کر واپس آجائیگی،

خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (ملک-۱)

اس واقعاتی استدلال سے بڑھکر جو بالکل نظمِ فطرت پر موقوف ہے کوئی دوسری دلیل نہین ہوسکتی، اسیلیے قرآنِ پاک نے اسکو اختیار کیا ہے، یہ دنیا وحدتِ نظام ہی کے ماتحت چل رہی ہے، ورنہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی چل نہ سکے، اسی سے اس دنیا کے حاکم و فرمانروائے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے،

توحید کی تکمیل توحید خواہ وہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل مین ہو، دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان کی مشترک اور اولین تعلیم ہے، لیکن اُن مذاہب مین وہ کسی بنیادی اصل پر مبنی نہ تھی، محمد رسول اللہ کی تعلیم نے اس عمارت کو چند بنیادی اصول کے پتھر پر قائم کیا، یہ پتھر خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت، اور اس عالمِ کائنات مین انسان کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی تعیین ہے،

خدا کی حقیقی عظمت اہلِ عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے، اور اوسکو خالق بھی مانتے تھے، مگر اوس کو قدرت کے کارخانہ کا تنہا مالک نہین سمجھتے تھے، یہودیون کا خدا، ایک خاندانی خدا تھا جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لیے پیدا کی تھی، اور اُس کو بناکر ساتوین دن وہ تھک کر بیٹھ گیا، وہ انسانون سے کشتی لڑتا تھا، اوسکی اولادین تھین، عیسائیون کا خدا اب کچھ مسیح بن مریم کو دیکر خود معطل ہوگیا تھا، ایرانیون کے خدا کی خدائی نیکی و بدی کی دو مملکتون مین بٹی ہوئی تھی، ہندوؤن کا خدا اوتارون کا بھیس بدل بدل کر لاکھون خدا بنگیا تھا، اور برہما، وشنو اور شیو تین نے مل کر خدائی کے کاروبار کی باہم تقسیم کرلی تھی، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے اُس خدا کا جلوہ نمایان کیا، جو آسمان کے اوپر سے لے کر، زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے، اُس کے کاروبار مین

کوئی دوسرا شریک نہین، اوسکی شاہنشاہی مین کسی دوسرے کا حصہ نہین، اُس کے کارخانۂ قدرت مین کوئی دوسرا ساجھی نہین، کائنات کا کوئی ذرہ اُس کے حکم سے باہر نہین، دنیا کی کوئی چیز اوسکی نگاہون سے چھپی نہین، شجر حجر جنگل دریا پہاڑ صحرا، سورج، چاند، زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان سب اُس کے آگے سربسجود اور اوسکی تسبیح و تہلیل مین مصروف ہین، سب کمزور ہین، وہی ایک قوت والا ہے، سب جاہل ہین، اوسی ایک کو علم ہے، سب فانی ہین، اوسی ایک کو بقا ہے، سب محتاج ہین، وہی ایک بے نیاز ہے، سب اُس کے بندے ہین، وہی ایک شہنشاہ ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اُس کا ہے، اور اُس پر صرف اوسی کی حکمرانی ہے، وہ ہر عیب سے پاک، ہر برائی سے منزہ، اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفاتِ عالیہ، اوصافِ کمالیہ اور محامدِ جمیلہ سے متصف ہے، اُس کے مانند کوئی نہین، کوئی اوسکی شبیہ و مثال نہین، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ ناتے سے پاک ہے،

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (زمر۔۱)
وہ ہے اللہ تمھارا رب، اسی کی بادشاہی ہے، اُس کے سوا اور کوئی خدا نہین ہے،

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر۔۵)
اُسی کی آسمانون کی اور زمین کی بادشاہی ہے،

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، (انعام۔۲)
آسمانون کا اور زمین کا پیدا کرنے والا،

عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ، (انعام۔۸)
چھپی اور کھلی کا جاننے والا،

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ الْحُکْمُ (قصص۔۹)
اُسکی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اوسی کے ہاتھ مین فیصلہ کی طاقت ہے،

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (شوریٰ۔۲)
اُس کے مانند کوئی چیز نہین اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے،

ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (مومن۔۷)
وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہین،

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُھَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ (انعام۔۷)
غیب کی کنجیان اُسی کے پاس ہین، اسکے سوا اُن کو کوئی نہین جانتا، خشکی اور تری مین جو کچھ ہے وہ اوسکو جانتا ہے، درخت کا کوئی پتہ نہین گرتا اور نہ زمین کی تاریکیون مین کوئی دانہ

اَللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ
تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ
اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آل عمران - ٣)

اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسکو چاہے سلطنت
دے، اور جس سے چاہے چھین لے، جسکو چاہے عزت دے
اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے، تیرے ہاتھ مین بھلائی ہے،
تو ہر بات پر قادر ہے،

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ
اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ
یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ،

(یونس - ١١)

اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اُسکا دور
کرنے والا نہین، اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے،
تو اُس کے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہین، اپنے بندون
مین سے جسکو چاہے اپنے فضل سے ممتاز کرے، اور وہی گناہون
کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۚ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا
شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

(البقرۃ - ٣٤)

اللہ اُس کے سوا کسی اور کی بندگی نہین، وہی جیتا ہے اور
سب اُس کے سہارے جیتے ہین، اسکو اونگھ ہے نہ نیند، آسمان اور
زمین مین جو کچھ ہے اُسی کا ہے، کون ایسا ہے جو اُس کے سامنے
اوسکی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے، جو خلق کے روبرو ہے
اور جو اُن کے پیچھے ہے سب کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کے
کسی حصہ کا احاطہ نہین کر سکتے، مگر وہ جو چاہے، اُسکا تخت
آسمانون کو اور زمین کو سمائے ہے، ان آسمانون کی اور
زمین کی نگرانی اوسکو تھکاتی نہین، اور وہی اوپر اور بڑا ہے،

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا
وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا

جو زمین مین گھستا ہے، اور جو اُس سے نکلتا ہے، اور جو آسمان
سے اترتا ہے اور جو اس مین چڑھتا ہے سب جانتا ہے، اُدعُم

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (حدید-۱)

جہان بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے، اور تم جو کچھ کرو اوسکو دیکھتا ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام کامون کا مرجع وہی ہے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، (فاتحہ - ۱)

سب تعریف اوسی کے لیے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے،

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران-۹)

اور آسمانون مین اور زمین مین جو ہے سب اوسکے زیر فرمان ہے،

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ، ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (بروج - ۱)

وہی گناہون کا بخشنے والا ہے، بندون سے محبت کرنیوالا ہے، تخت کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے، جو چاہتا ہے کر دیتا ہے،

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (جمعہ-۱)

آسمانون مین اور زمین مین جو ہے سب اوسکی پاکی بیان کرتے ہین،

وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، (اسرائیل-۵)

اور کوئی چیز نہین جو اُسکی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو،

ان معنون کی ہزارون آیتین قرآن پاک مین ہین، ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا وہ جلوہ پیش کیا جس کے سامنے معبودانِ باطل کی عزت خاک مین ملگئی، بتون کی بڑائی کا طلسم ٹوٹ گیا، سورج، چاند، تارون کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، جن و انس، شجر و حجر، بحر و بر، سب اُس کے جلال و جبروت کے سامنے سربسجود نظر آئے، پھر اُس کے سوا کون تھا، جو نیرنگِ وجود کے ساز سے اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (مین ہون خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہین) کی صدا بلند کرسکتا،

انسان کا مرتبہ توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول، اس عالم خلق مین انسان کی حیثیت اور درجہ ہے، جو لوگ بتون کو سجدہ کرتے ہین، پتھرون کو پوجتے ہین، درختون کے آگے جھکتے ہین، جانورون کو دیوتا جانتے ہین، جنات اور ارواح خبیثہ کے نام کی دوہائی پکارتے ہین، آسمانی مخلوقات کو ارباب جانتے ہین، انسانون کو خدا کہتے ہین، وہ حقیقتا انسان کے مرتبہ سے ناواقف ہین، وہ دراصل اسطرح انسان کو پتھرون سے، درختون سے، جانورون سے، دریاؤن سے، پہاڑون سے، اور چاند تارون سے کم تر جانتے ہین، اُنھون نے درحقیقت انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہین پہچانا،

آنحضرت صلعم نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربون کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم خلق مین تمام مخلوقات سے اشرف ہے، وہ اس دنیا مین خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے، قرآن کے ابتدائی سورہ مین آدمؑ کی خلافت کا قصہ محض داستان نہین، بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کی عیان اور نمایان کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اُس کو فرشتون کا مسجود بنانا گویا تمام کائنات کا مسجود بنانا تھا، اُس کو تمام اسمار کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیار کو اُس کے تصرف مین دینا تھا وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے فرمان کے رو سے اس عالم مین خدا کا نائب ہے، اور اُس کا سر خلافت الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے، کرورون مخلوقاتِ الٰہی مین خدا کی امانت کا حامل وہی منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ نہ فرشتون کو ملا نہ آسمان کو، نہ زمین کو، نہ پہاڑ کو، صرف انسان ہی کا سینہ اس امانت کا خزانہ قرار پایا، اور اسی کی گردن اس بوجھ کے قابل نظر آئی. فرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب-۹)

ہم نے اپنی امانت آسمانون پر اور زمین پر، اور پہاڑون کے
پیش کی سب نے اس بار کے اٹھانے سے انکار کیا، اور ڈرے
اور انسان نے اس کو اٹھا لیا،

وحی محمدی نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اوسکو بزرگیون سے سرفراز، عالم مخلوقات مین برتر اور انعام واکرام سے معزز کیا ہے،

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۔ (بنی اسرائیل-۷)

ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے خشکی اور تری
مین اُن کو سواری دی، اور ستھری چیزون کی اُن کو روزی
بخشی، اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزون پر اونکو فضیلت عطا کی

انسان ہی وہ ہستی ہے جو سب سے معتدل قویٰ اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا مین مخلوق ہوئی،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (تین-۱)

ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا،

یہان تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثون مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا نے

آدم کو اپنی صورت[1] پر پیدا کیا؛ اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ "غلام کو سزا دو تو اُس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورت الٰہی کا عکس ہے" عین میدان جنگ مین اگر تلوارین برس رہی ہون، تو "حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیئے[2]، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت[3] پر بنایا ہے" غصہ مین بھی نہ کہنا چاہیئے کہ "خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت[4] پر خلق کیا"، ان حدیثون کا یہ مطلب نہین کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے، اور آدم کی شکل اوس کی نقل ہے، کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ق، بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان مین خدا کی صفات کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک موجود ہے، علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا، وغیرہ تمام صفات رحمانی کی ناقص مثالین اُس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہین، اور چونکہ انسان کے تمام اعضا مین اُسکا چہرہ ہی اوسکی شخصیت کا آئینہ دار اور اُس کے اکثر حواس کا مصدر ہے، جن سے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اسلئے آنحضرت صلعم نے انسان کے اعضا مین اوسی کو فیض رحمانی کا مورد[5] ظاہر کیا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جسکو خدا سے نسبت ہو اس لائق ہے کہ وہ غیر خدا کے آگے زمین پر رکھا جائے، اور اسکی زبان سے غیر خدا کی حمد کا ترانہ نکلے،

وہ تو کائنات مین خلیفۃ اللہ بنکر آیا ہے،

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (انعام-۲۰) اور اُسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا،

تو اب وہ کائنات مین خدا کے سوا کسکو سجدہ کرے،

روے زمین کی تمام چیزین اُس کے خاطر بنین، وہ روے زمین کی چیزون کی خاطر نہین بنا،

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ-۳) جو کچھ زمین مین ہے خدا نے (اے انسانو!) تمھارے لئے بنایا،

اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ، (حج-۹) زمین مین جو کچھ ہے، خدا نے اسکو تمھارے بس مین دیدیا،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاستیذان، ابن ابی عاصم فی السنۃ، والطبرانی من حدیث ابن عمر باسناد رجالہ ثقات، وادب المفرد بخاری واحمد عن ابی ہریرۃ وصحیح مسلم کتاب البر، نیز توراۃ مین بھی یہ فقرہ ان الفاظ مین ہے؛ "جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا، خدا کی صورت پر اوسے بنایا" (پیدائش ۵-۲) [2] صحیح بخاری کتاب العتق، وصحیح مسلم کتاب البر والصلۃ [3] صحیح مسلم کتاب البر، یہ آخری ٹکڑا صرف مسلم مین ہے، [4] الادب المفرد امام بخاری باب لا تقل قبح اللہ وجہہ، [5] اس حدیث کی شرح مین فتح الباری شرح بخاری مین یہ قول نقل کیا گیا ہے،

تو وہ زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکائے،

مشرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، حقیقت مین غیرون کے آگے جھک کر یہ ثبوت دیتے ہین کہ یہ اُن کے لیے نہین، بلکہ وہ اُن کے لیے بنے ہین، جو چاند اور سورج کو پوجتے ہین، وہ یہ سمجھتے ہین کہ چاند اور سورج اُن کے لیے نہین، بلکہ وہ چاند اور سورج کے لیے بنے ہین، محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے بنی ہے، اور انسان خدا کے لیے، اس لیے کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گذاری مین مصروف ہے، تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گذاری مین لگنا چاہیئے،

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

انسانون نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا، تو وحی محمدیؐ نے انسانون سے کہا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ (نحل - ۲)

اور خدا نے رات دن، اور چاند اور سورج کو تمھارے لیے کام مین لگایا، اور ستارے اسکے حکم سے کام مین لگے ہین،

انسانون نے جانورون کو پوجا، تو پیغام محمدیؐ نے ان انجانون کو بتایا کہ یہ تمھارے ہین، تم اُنکے نہین ہو،

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ (نحل - ۱)

اور جانورون کو پیدا کیا، تمھارے لیے اسمین اُون کی گرمی اور دوسرے فائدے ہین،

انسانون نے دریا اور سمندر کو دیبی اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی انھی کی خاطر عدم سے وجود مین آئے ہین،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (نحل - ۲)

اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام مین لگایا تاکہ تم اُس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور تاکہ تم اُس مین سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو، اور دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر کو پھاڑتے پھرتے ہین، تاکہ تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو،

آگ بھی انسانون کی مسجود بنی، حالانکہ وہ خود انھی کی محبت مین جل رہی ہے،

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ۔ جس نے تمھارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کی، پس
فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ، (یٰسین۔ ۵) اُس وقت تم اُس سے روشن کرتے ہو،

الغرض زمین سے لیکر آسمان تک جو بھی مخلوق ہے، انسان اُس سے اشرف اور بلند تر ہے، اور سب اسی کے لیئے ہے، پھر اُس انسان سے بڑھکر اور کون نادان ہے، جو مخلوقات مین سے کسی کو اپنا معبود، اور مسجود بنائے، اس حقیقت کے آشکارا ہونے کے بعد شرک کا کوئی پہلو بھی ایسا ہے، جسمین کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے، اور ایک آستانہ کو چھوڑکر وہ کسی اور چوکھٹ پر اپنا سر جھکا سکے؟

الغرض محمد رسول اللہ صلعم نے جس توحید کی تلقین کی، وہ انھین دو اصولون پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام مخلوقات مین اشرف ہے، اس لیے کسی مخلوق کے سامنے اسکا سر نہ جھکنا چاہیئے، اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم کی قدرت، اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہین، جو اوراے عرش سے زیر فرش تک ہر ذرہ پر حکمران ہے، اوسکی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہین، انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اوٹھکر صرف اوسی کے آستانہ پر جھکنا چاہیئے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدین، ہماری تمام دعائین، ہماری تمام التجائین، ہماری تمام عاجزیان، صرف اُسی ایک درگاہ پر نثار ہون، اور اوسی کے رحم وکرم کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہو،

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اوسکی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اسکا بھی جواب دیا،

خدا کا جامع اور مانع تخیل

قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار، اسلام سے پہلے عربون کے واقعات، بلکہ عرب آثار قدیمہ کے کتبات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربون کے ذہن مین ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا، جسکا نام اُن کے ہان اللہ تھا، مگر وہ کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اُس کے صفات کیا ہین؟ اوسکی طرف کیا کیا باتین منسوب کیجا سکتی ہین، کن کن باتون سے پاک ہے، اوسکا تعلق اپنے بندون کے ساتھ کیسا ہے؟ ہم کو اُس کے آگے کیسے جھکنا

چاہیئے، اور اُس سے کیا کیا مانگنا چاہیئے اور کیونکر مانگنا چاہیئے، اُسکے حضور مین دعائین کیونکر کیجائین؟ ہم اُس سے کیون ڈرین اور کیونکر ڈرین؟ اور اُس سے
ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟ اور اس سے محبت بھی کیجاسکتی ہے یا نہین؟ اور اگر کیجاسکتی ہے تو کیونکر؟ اُس سے محبت کی حقیقت کیا ہے؟ اسکی
قدرت کہان تک ہے؟ اُس کے علم کی کیا حیثیت ہے، کیا وہ ہم سے دور ہے، یا بالکل قریب؟ اُس کے تقدس بڑائی
اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اُس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کرین، کیا وہ انسانون کے کسی صنف سے کلام بھی کرتا ہے؟
اُس کے احکام بھی ہین؟ وہ احکام واجب الاطاعہ بھی ہین؟ وہ کن باتون سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناخوش؟
کیا وہ ہمارے دلون کے چھپے ہوئے رازون سے بھی آگاہ ہے؟ کیا اوسکی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی اپنی
جگہ سے حرکت نہین کرسکتا؟ اوسکی مشیت اور اسکا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے کیا اُس کے بنائے
ہوئے قاعدے اور قانون بھی ہین، کیا وہ انسانون کی تعلیم اور اصلاح کے لیے پیغمبرون کو بھی مبعوث کرتا ہے، ؟
کیا ہم اُس کے نزدیک اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہین ہم سے وہ کیون اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ کریگا؟
یہ وہ باتین ہین جنسے عرب جاہلیت کا دل و دماغ بالکل عاری اور خالی تھا، اور اُن کے متعلق اوسکے ذہن مین کوئی
تخیل نہ تھا، جاہلیت کا ایک ایک شعر پڑھ جاؤ، اُن کے مذاہب و اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کرلو، اس سے
زیادہ کچھ نہ پاؤگے، کہ وہ ایک طاقتور اعلیٰ ہستی ہے، جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اور مصیبتون اور بلاؤن مین اوسکو
پکارنا چاہیئے،

محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے ربانی تعلیمات سے اُن کو **اللہ تعالیٰ** کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا، اسکی
وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا، اوسکی مشیت و ارادہ، قدرت اور وسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے اعتقاد
کی اونکو تعلیم دی، جسکی قدرت بے انتہا، جس کی وسعت غیر محدود، جس کی مشیت کائنات کے ہر ذرہ مین نافذ،
جس کے علم کے احاطہ مین اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل، دلون کے اسرار، زبانون کے الفاظ، اور ہاتھ پاؤن
کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اُس کے روبرو، اُس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جوابدہ اور ذمہ دار، اُس کے
مواخذہ کا خوف، اور اوسکی رحمت کی امید ہے، وہ محبوب ازل ہے، اور اوسکی محبت کا نشہ ہمارے دلون کی ہشیاری

ہے، اُس کے فضل و کرم اور محبت کی نیرنگیان اوپر سے نیچے تک پھیلی ہین، اوسکی قوت ہر قوت پر غالب، اُس کا ارادہ ہر ارادہ پر نافذ، اوسکا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اسکی عبادت ہر مخلوق پر فرض، اور اوسکی اطاعت ہر مکلف پر واجب ہے، وہ ہر عیب سے پاک اور منزہ اور ہر وصف کا مستحق، اور اُس سے متصف ہے، انسانون کو اپنی یاد دلانے اور اُن کے تزکیہ اور اصلاح کے لیے رسولون اور پیغمبرون کو بھیجتا رہا، اور اُن سے ہمکلام ہوتا رہا، اُس کے احکام اور بندے ہوئے قوانین ہین، جنکی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکون کی سیری، مایوسون کی امید، زخمیون کا مرہم، بے قرارون کی تسلی اور بےکسون کا سہارا ہے، وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے، ہم اُس کو جب پکارین وہ سنتا ہے، وہ نیکیون کو پسند اور گناہون سے نفرت کرتا ہے، وہ جب چاہے آسمان و زمین کو فنا کردے، اور جب چاہے اُن کو پھر رچا دے، اوسکی محبت، دنیا کا حاصل، اوسکی عبادت ہماری زندگی کا مقصود، اوسکی یاد ہمارے دلون کی راحت ہے،

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد - ۴) ہان خدا کی یاد سے دلون کو اطمینان کی دولت ملتی ہے،

ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جنکو بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اور اوسکی راہ مین ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حال مین اوسکی یاد مین سرمست و سرشار ہو گئے،

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (اٰل عمران) وہ خدا کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہین،

اس سرمستی و سرشاری مین بھی انھون نے جنگلون مین راہبانہ زندگی بسر نہین کی، دولتمندون کی بھیک کو اپنا سہارا نہین بنایا، دنیا کی کشمکشون سے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دیکر اختیار نہین کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ مین جد و جہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جانکر اُسکو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے، اور ان تمام ہنگامون کے ساتھ دل کا معاملہ دلدار ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدا نے اونکی مدح کی کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور - ۴) وہ لوگ جنکو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہین کرتی،

اُن کی محبتِ الٰہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے اُنکی توصیف کی کہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (بقرہ - ۲۰)　　ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہین،

اُن کا توکل، اُن کا صبر، اُن کا استقلال، اون کی استقامت، اونکی بہادری، اونکی بیخوفی، اونکی صداقت، اونکی راستبازی، اونکی اطاعت ہر چیز اُن کے اسی جذبۂ ایمان کا پرتو تھی، اور ہر وقت اُن کے پیشِ نظر یہ تعلیم تھی کہ

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (طلاق - ۱)　　جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے، تو خدا اوسکو بس کرتا ہے،

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (زمر - ۴)　　کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہین،

وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ (احزاب - ۵)　　اور تو لوگون سے ڈرتا ہے، حالانکہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرنا چاہیئے

اُن مین یہ تمام روحانی واخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوا،

اسماء وصفات دنیا کے آغاز مین خدا نے کہا تھا کہ "ہم نے آدم کو سب نام سکھائے"، دنیا کہان سے کہان نکل گئی، اور علم کی وسعت کہان سے کہان پہنچی، مگر غور کیجئے تو نامون کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہین بڑھے ہی ہماری حقیقت رسی ہے، اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصول منطقی کی بناپر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بنگئے ہین، لیکن ہزارون صدیان گذرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حدِ منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کرسکے، جو کچھ کرسکے وہ یہ کہ صفات، عوارض اور خواص کے مختلف رنگون سے نئی نئی طفلانہ شکلین بناتے اور بگاڑتے ہین، جب مادیات کا یہ عالم ہے تو ورارالوراہستی مین ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کرسکتی، تجلی گاہِ طور اسی رمز کی آتشین تصویر ہے،

ہم خدا کو بھی اُس کے نامون، اوس کے کامون اور اوس کی صفتون ہی سے جان سکتے ہین،

محمد رسول اللہ صلعم نے عرب کے جاہلون کو اسی نصابِ انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل اللہ نام ایک اعلےٰ ہستی سے واقف تھا، لیکن اُس کے نامون اور کامون کے تخیل سے بڑی حد تک ناآشنا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا، دیوانِ عرب یعنی اُنکی شاعری کے دفتر مین کہین کہین اللہ کا نام آتا ہے مگر

کہین اسکی صفت کا ذکر نہین آتا، قرآنِ پاک مین اُن کے خیالات کا پورا عکس اتارا گیا ہے، لیکن کہین سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسمار و صفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربون مین اللہ کے ساتھ ساتھ "الرحمان" لفظ کا بھی مستعمل تھا، جس کے معنی "رحم کرنے والے" کے ہین، اصحاب الفیل کے رئیس عیسائی ابرہہ کے نام سے سدِ عرم (یمن) پر جو کتبہ لگا ہے، اور جسکو جرمن فاضل گلازر نے شائع کیا ہے، اسمین بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعرا کے کلام مین بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیون مین اوس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہوگئی تھی، اسی لیے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا، تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلعم نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوائی تو قریش کے نمایندہ نے کہا، کہ قسم ہے اللہ کی مجھے نہین معلوم[1] کہ رحمان کیا ہے؟"

محمد رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے اور قرآن مجید مین بار بار خدا کے لیے رحمان کے لفظ کے استعمال سے مشرکون کو برہمی ہوتی تھی، اور کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمان کے آگے سرنگون نہین ہو سکتے، قرآن نے انکی اسی حالت کا ذکر اس آیت مین کیا ہے،

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَھُمْ نُفُوْرًا، (فرقان-۵)	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو کہتے ہین کہ رحمان کیا ہے، کیا تم جسکو کہو اوسکو ہم سجدہ کرین، رحمان کا نام انکی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے،

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد (صلعم) ایک طرف تو اُن کے بتون اور دیوتاؤن کی مذمت کرتے ہین، اور دوسری طرف عیسائیون کے رحمان کی مدح و ستایش کرتے ہین،

اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ وَھُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ، (انبیاء-۳)	(مشرک آپکو دیکھتے تو مذاق سے کہتے کہ) یہی وہ ہے جو تمھارے دیوتاؤن کو برا کہتا ہے، اور وہی مشرک رحمان کے ذکر سے انکار کرتے ہین،

[1] صحیح بخاری جلد اول کتاب الشروط صفحہ ۳۷۹،

تعلیمِ محمّدیؐ نے عرب کے ناآشنایانِ حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسمار وصفات کی کوئی حد نہین، اوس کو سب ہی اچھے نامون سے پکارا جاسکتا ہے،

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج (اسرائیل-۱۲)

کہدو (اے پیغمبر!) خدا کو اللہ کہکر پکارو یا رحمان کہکر پکارو جس نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہین،

اللہ تعالیٰ کے اسمار وصفات کا مسئلہ اسلام کے اُن اہم مذہبی اصلاحات مین سے ہے، جن سے نہ صرف عرب کے جاہل ناآشنا تھے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبون کے پیرو بھی غلطیون مین مبتلا تھے، یہودیون کے اسفار اور صحیفون مین خدائے برحق کا اصلی نام "یہوا" تھا، مگر کبھی عام یہودیون کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام "الوہیم" ہے، جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان کے علاوہ اُس کے بیسیون نام اور اسمار جو درحقیقت اُس کے اوصافِ ذاتی، اور اعمالِ ربانی کے ترجمان ہین تورات کا دفتر اُن سے خالی ہے، صفاتِ الٰہی مین سے جو صفت یہودی صحیفون مین سب سے زیادہ نمایان ہے وہ "فوجون والے خداوند" یعنی "ربُّ الافواج" کا لفظ ہے، جو اسکی صفاتِ جلالی کا مظہر ہے،

عیسائیون کی انجیل اور کتابون مین "باپ" کا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا پر اس لفظ کے اطلاق سے مقصود کیا ہے، اور گوشت پوست اور مادیت سے بھرے ہوے لفظ کا خدا پر مجازی استعمال بھی کہانتک جائز ہے؟ اور اس سے اس مذہب مین کہانتک غلطیان پھیلین، ان باتون کو چھوڑ کر بھی دیکھیے، تو یہ خدا کی صرف جمالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے، عیسائیت مین فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلۂ صفات کے پردہ مین چھپا لیا، اور یہ تاویل کیگئی کہ تثلیث کے اقانیمِ ثلثہ، باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور روح القدس، حیات، خلق اور علم تین صفتون سے عبارت ہین، باپ حیات، بیٹا خلق، اور روح القدس علم ہے، اور یہ تینون ایک ہین، اور یہ تینون وجود مین الگ الگ ہین، اس تشریح سے صفاتِ الٰہی کے تجسم کے مسئلہ نے جنم لیا، اور ایک خدا کئی خداؤن کا مجموعہ بنگیا،

ہندؤن مین اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نیرنگی نظر آتی ہے، لیکن ہر صفت نے اُن کے ہان ایک مستقل وجود حاصل کرلیا ہے، اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی، اور مجرد رہ گیا ہے، اور اسی لئے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجسّمِ صفات کے جلوہ گاہ ہوکر رہ گئے ہین، برہما، مہیش، وشنو، تین صفات خالق، ممیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسّمے ہین، غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہان بھی تثلیث پیدا کردی، شنکر آچاریہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کئے، حیات، علم اور سرور یا آنند، جین مذہب اور بعض ہندو فرقون مین ایک خالقیت کی صفت کے تجسّم نے اعضاے تناسل کی پرستش کی گمراہی پیدا کی، عام ہندؤن مین ۳۳ کروڑ عجیب الخلقت دیوتاؤن کی عظیم الشان بھیڑ بھی صفات واسماے الٰہی کی تجسیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کیا، اور اُسی نے بت پرستون کی نت نئی صورتین نمایان کین، مجوسیون مین یزدان اور اہرمن کی ثنویت اور دوئی بھی خدا کی دو صفتون، ہادی اور مضل کو دو مستقل ہستیون مین منقسم کردینے کا نتیجہ ہے، اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہوگا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا مین کتنی گمراہیان پیدا کی ہین،

محمد رسول اللہ صلعم نے انسانون کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا، اُن کے غلط عقیدون کی تصحیح کی اور ربانی ہدایت کے نور سے سراجِ منیر بنکر جسطرح اس حقیقت کو روشن کیا وہ نبوتِ محمدی کے عظیم الشان کارنامون مین ہے،

آپنے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہین، اور انکی باتون کی کوئی انتہا نہین، آپنے یہ دعا سکھائی "اے خداوندا تیرے ہر اُس نام کے وسیلہ سے، جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب مین اتارا، یا کسی مخلوق کو سکھایا، یا اپنے لیے اپنے علم غیب مین اوسکو چھپا رکھا، مین تجھ سے مانگتا ہون" حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا تعلیم ہوئی، "خداوندا! مین تیرے سب اچھے نامون کے وسیلہ سے جنمین سے کچھ کو ہم نے جانا اور جنکو نہین جانا تجھسے درخواست[1] کرتا ہون" قرآن پاک کے ذریعہ بتایا گیا،

[1] یہ تینون دعائین امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات مین بسند نقل کی ہین، اور پہلی روایت مسند ابن حنبل مین بھی (بسند عبداللہ بن مسعود) ہے،

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکهف - ۱۲)

کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتون کے لکھنے کے لیے سیاہی بنجائے، تو سمندر ختم ہوجائے لیکن میرے پروردگار کی باتین ختم نہونگی، اگرچہ ہم ایسا ایک اور سمندر بھی کیون نہ لے آئین،

دوسری جگہ کہا گیا،

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط (لقمان - ۳)

اگر زمین مین جتنے درخت ہین وہ قلم ہوجائین اور سمندر اور اُس کے بعد سات سمندرون کا پانی سیاہی ہوجائے تو بھی اللہ کی باتین ختم نہ ہونگی،

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لئے ہین اور اُسی کو زیبا ہین،

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی، (طٰه - ۱)

نہین ہے کوئی معبود لیکن وہی اللہ، اوسی کے لیے ہین سب اچھے نام،

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اوسی ذات بے ہمتا کے لیے ہے، خواہ اوسکو خدا کہو، یا اللہ کہو، لغت اور زبان کا کوئی فرق اسمین خلل انداز نہین،

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی - (اسرائیل - ۱۲)

کہدے (اے پیغمبر) اوسکو اللہ کہکر پکارو، یا رحمان کہکر، جو چاہے کہکر پکارو کہ سب اچھے نام اُسی کے ہین،

لیکن مشرکون کی طرح اوسکو ایسے نامون سے نہ پکارو، جو اُس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہین، اور بتون اور دیوتاؤن کے نامون سے بھی اوسکو یاد نہ کرو،

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآئِهٖ ط (اعراف - ۲۲)

اور اللہ ہی کے لیے ہین سب اچھے نام، اُس کو اُن نامون سے پکارو، اور اُن لوگون سے علیحدہ رہو جو اُس کے نامون مین کجی کرتے ہین،

تعلیم محمدیؐ کا صحیفۂ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسماے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے، بلکہ اوسکا صفحہ صفحہ اُس کے اسماء و صفات کی جلوہ گریون سے معمور ہے، قرآنِ پاک کا کم کوئی ایسا رکوع ہوگا جسکا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو، اور یہ تمام اوصاف اور نام اُس عشق و محبت کو نمایان کرتے ہین، جو اس محبوبِ ازل اور نورِ عالم کیطرف قرآن کے ہر پیرو کے دل مین ہونا چاہیے،

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(نور-۵)

اللہ آسمانون اور زمین کا نور ہے، اُس کے نور کی مثال یہ ہو کہ ایک طاق ہو جس مین چراغ ہو، چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو، شیشہ اتنا صاف ہو کہ گویا ایک چمکتا ستارہ ہے، وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو، نہ وہ پورب ہے نہ پچھم ہے، اوس کا تیل اتنا صاف ہے کہ آگ کے چھوئے بغیر وہ آپ سے آپ جلنے کو ہو، روشنی پر روشنی، خدا اپنی روشنی تک جسکو چاہے پہنچا دے اور خدا لوگون کے سمجھانے کیلئے یہ مثالین بیان کرتا ہی، اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے،

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ

اللہ، نہین ہے اُس کے سوا کوئی اور معبود، وہ ہمیشہ زندہ تمام دنیا کو سنبھالے ہے، اوسکو اونگھ اور نیند نہین آتی آسمانون اور زمین مین جو کچھ ہے اُسی کا ہے، کون ہے جو اسکی مرضی کے بغیر اُس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو انسانون کے سامنے اور پیچھے جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے، اور وہ اُسکے علم کا احاطہ نہین کرسکتے، لیکن جتنے کا وہ چاہے، اسکا تخت

حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ،

(بقرہ ٨ - ٣٤)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ ج هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ، هُوَ اللّٰهُ
الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ
السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ
الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ، هُوَ اللّٰهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى
يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ، (حشر - ٣)
سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ، لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ
الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ، هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا
وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

آسمانون اور زمین کو سنبھالے ہوئے ہے، اس آسمان اور
زمین کی نگہبانی اسکو تھکاتی نہین اور وہی اونچا اور بڑا ہے،
وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی اللہ نہین چھپے اور کھلے کا علم رکھنے
والا، وہی رحم کرنے والا، اور مہربانی والا ہے، وہی اللہ ہے جس کے
سوا کوئی اللہ نہین، سب کا بادشاہ، پاک، پوری سلامتی
امن والا، ہر شئی پر گواہ، غالب، سب پر قابو والا، بڑائی والا، ہر
اس سے پاک ہے جسکو یہ مشرک خدا کا شریک بتاتے ہین، وہی اللہ
پیدا کرنے والا، بنانے والا، ہر چیز کی صورت کھینچنے والا، اسی
کے لیے سب اچھے نام ہین، جو کچھ آسمانون مین اور زمین مین ہے
سب اوسکی پاکی بیان کرتے ہین، وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے،
آسمانون مین اور زمین مین جو کچھ ہے وہ سب خدا کی پاکی
بیان کرتے ہین، وہی غالب اور دانا ہے، آسمانون کی اور
زمین کی حکومت اسی کی ہے، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور
وہ ہر بات پر قادر ہے، وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے، وہی کھلا ہے
وہی چھپا ہے، اور ہر بات کو جانتا ہے، وہی ہے جسنے آسمانون کو
اور زمین کو چھ دنون مین پیدا کیا، پھر تخت پر برابر ہوا، وہ جانتا ہے
جو زمین مین گھستا ہے، اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا
ہے، اور جو آسمان مین چڑھتا ہے، اور جہان کہین تم ہو وہ تمہارے
ساتھ ہے، اور اللہ تمہارے کامون کو دیکھتا ہے،

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ، يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ،

(حدید - ۱)

اوسی کی آسمانون کی اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہی تمام چیزون کا مرجع ہے، وہ رات کو دن مین داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات مین داخل کرتا ہے، وہ سینون کے سب بھید سے واقف ہے،

خدا کے متعلق اہلِ عرب کا جو پست تخیل تھا، اور محمد رسول اللہ صلعم نے اوسکو مٹا کر اُن کے سامنے جو بلند تخیل پیش کیا اُس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے، آپ نے جب توحید کا آوازہ بلند کیا، تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤن کے آل و اولاد اور بیویون اور گوپیون کی حمد کے ترانے گاتے تھے آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور فرمائش کی کہ ذرا اپنے خدا کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو، یعنی گویا وہ اپنے دیوتاؤن سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کر کے بتانا چاہتے تھے کہ اس حیثیت سے اسلام کا خدا ہمارے دیوتاؤن کی ہمسری نہین کرسکتا، اس کے جواب مین وحی محمدی نے اپنے خدا کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورہ مین پیش کی،[1]

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ،

(اخلاص)

کہدے (اے پیغمبر) وہ اللہ ایک ہے، وہ تنہا اور بزرگ اور بے نیاز اور عالم کا مرجع اور جائے پناہ ہے، نہ وہ اولاد جنا ہے اور نہ اوسکے کوئی ماں باپ ہے جنھنے اوسکو جنا ہو اور نہ اوسکا کوئی ہمسر [illegible]

یہ روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے، حضرت ابیؓ صحابہ مین سب سے زیادہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے ہین، وہ آیت کے بعد اس سورہ کی تفسیر مین کہتے ہین، کہ "صمد وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ کسی نے اوسکو جنا ہو، کیونکہ جو جنا جاتا ہے، وہ مرتا بھی ہے، اور جو مرتا ہے، وہ اپنا وارث و جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرتا ہے نہ اوسکا کوئی جانشین ہے، اور کوئی اوسکا ہمسر نہین ہے، یعنی کوئی اُس کے برابر نہین، اور نہ کوئی اُس کے مثل ہے" غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم سے پہلے اہلِ عرب مین خدا کا کتنا پست و ذلیل تخیل تھا، جسکا اندازہ تم اُن کے سوال سے

[1] مستدرک حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) و جامع ترمذی تفسیر سورۂ مذکور و کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۲۲ (الہ آباد)

کر سکتے ہو، اور آپکی تعلیم کے بعد وہ تخیل کتنا پاک اعلیٰ اور بلند ہو گیا، جسکا اندازہ حضرت اُبیؓ کی تفسیر سے ہو سکتا ہی جو اُمّی عرب نژاد قبیلہ کے ایک فرد ہین، لیکن اُن کا دل اب محمد رسول اللہ صلعم کے فیضِ تعلیم سے منور ہو چکا تھا، حضرت ابو ہریرۃؓ آپ سے سنکر کہتے ہین، کہ خدا فرماتا ہے کہ "آدم کے بیٹے نے مجھکو جھٹلایا اور آدم کے بیٹے نے مجھکو گالی دی، اوسکا جھٹلانا یہ ہے کہ اوس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہین کریگا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے، اور اُسکا گالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ مین وہ ایک اور "صمد" ہون جس نے نہ کسی دوسرے کو جنا ہے، اور نہ اُس کو کسی نے جنا ہے، اور نہ اوسکا کوئی ہمسر ہے"[1] یہ حضرت ابو ہریرۃؓ یمنی عرب ہین یعنی اُس عرب کے ایک فرد جو تعلیمِ محمدیؐ سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا، اور اب وہ اس تنزیہ و تقدیس کے موتی اپنے منھ سے اُگل رہے ہین،

اس مختصر سورہ مین سب سے چھوٹا لفظ "صَمَد" کا ہے لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ مین صفاتِ الٰہی کا بے پایان دفتر چھپا رکھا ہے، "صمد" کے معنی لغت مین اونچی پتھریلی زمین یا چٹان کے ہین جو کسی ایسی وادی مین ہو جہان جب سیلاب آتا ہو تو اُس پر نہ چڑھتا ہو، اور لوگ اُس وقت دوڑ دوڑ کر اوسی پر چڑھکر اپنے کو بچائین، پھر صمد کے اس لغوی معنی سے اُس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت مین انتہائی معراجِ کمال پر ہو، اور اُس سردار کو بھی کہنے لگے جسکی موجودگی کے بغیر مجلس مین کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو، اور اُس سردار کو کہتے ہین جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو، اور اُس جاپناہ کے معنی مین بھی مستعمل ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن مین پناہ دیسکے، اُس مرجع و مرکز کے معنی مین بھی آیا جسکی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، صمد ٹھوس کو بھی کہتے ہین جس کے اندر خول نہ ہو، اسی سے اوس کو بھی کہتے ہین جو کھاتا پیتا نہ ہو، اور جس کے آل و اولاد نہ ہو، اوس کو بھی کہتے ہین جس سے کوئی بے نیاز نہو، اُس بہادر کو بھی کہتے ہین جسکو لڑائی مین بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صَمَدَۃٌ اُس اونٹنی کو کہتے ہین جس کے حمل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہین کہ "صمد وہ سردار ہی جو اپنی بزرگی اور سرداری مین درجہ کمال پر ہو، وہ شریف جسکی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اخلاص،

بڑائی مین کوئی نقص نہ ہو، وہ بردبار جسکی بردباری، بدرجۂ اتم ہو، وہ بے پروا و بے نیاز جسکی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جبروت کی انتہا نہ ہو، وہ علم والا جسکا علم بدرجۂ اتم ہو، وہ حکیم جسکی دانائی کمال کے درجہ تک ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صنف مین کامل ہو"[1]

ان معنون کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے اسکی تفسیر مین حسب ذیل معانی بھی لکھے ہین،

ابن عباس رضؓ ، وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کرین،

حسن بصری رحؒ ، وہ حیّ و قیّوم جسکو زوال نہ ہو، اور جو باقی ہو،

ربیع بن انس رضؓ ، جس کے نہ اولاد ہو، نہ مان، باپ،

عبداللہ بن مسعود رضؓ ، جس کے اندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضا نہ ہون،

بریدہ رضؓ ، جس مین جوف نہ ہو،

عکرمہ و شعبی ، جو کھاتا نہ ہو،

عکرمہ رضؓ ، جس مین سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے

قتادہ رضؓ ، باقی غیر فانی،

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی[2] اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہین، اور ایک ہی حقیقت کی یہ مختلف تعبیرین ہین، تاہم یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے اصلی معنی "چٹان" کے ہین، جو لڑائی اور مصیبتون کے وقت جاپناہ کا کام دے، اسرائیلی الٰہیات مین بھی یہ لفظ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور بنی اسرائیل کے صحیفون مین جاپناہ کے لیے چٹان کا لفظ آیا ہے، استثنا (۳۲-۳۰-۳۱) مین ہے،

"اگر اونکی چٹان اُن کو بیچ نہ ڈالتی، اور خداوند اُن کو اسیر نہ کرواتا، کیونکہ اُن کی چٹان ایسی نہین

---

[1] کتاب الاسماء والصفات، امام بیہقی بسند صفحہ ۴۲، [2] ان معانی کے لئے دیکھو کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۴۳، مفردات القرآن راغب اصفہانی، ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ،

جیسی ہماری چٹان"۔

یہ "چٹان" اس موقع پر حقیقت مین خدا کی مدد و نصرت سے کنایہ ہے، سموآل کے پہلے صحیفہ مین یہ کنایہ تصریح سے بدل جاتا ہے "خداوند کے مانند کوئی قدوس نہین، تیرے سوا کوئی نہین کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہین" (۲-۲)۔

اس سورہ مین خدا کی صفت مین دو لفظ ہین، اَحَدٌ (ایک) اور صَمَدٌ (جاپناہ) یہ دونون خدا کے دو متضاد کمالی اوصاف کو حاوی ہین، اوسکی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہین، نہ اسکو کسی کی حاجت، نہ اوسکو کسی سے غرض، وہ یکہ و تنہا، اکیلا بے ہمتا، بے نیاز، بے پروا، سب سے مستغنی، اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال یکتائی کیساتھ، وہ سب کے ساتھ، سب کا دستگیر، سب کی جاپناہ، سب کا محتاج الیہ، سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا ماوی، سب کا ملجا یعنی سب کی چٹان ہے، مصیبتون مین سہارا، بلاؤن مین تسلی اور اضطرابون مین تشفی،

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ ، ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہان پناہ لو،

یہ سورۂ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے، اور اسی لیے اوسکو ثلث القرآن (تہائی قرآن) کا درجہ دیا گیا ہے[1] ایک صحابی تھے جو نماز کی ہر دو رکعت مین قرأت کے آخر مین اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، لوگون نے یہ واقعہ آنحضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کرائی، انھون نے کہا "اس مین میرے رب کی صفتین بیان ہوئی ہین، جو مجھکو بہت محبوب ہین"، آپ نے فرمایا "بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے"[1] ایک اور انصاری تھے جو قبا کی مسجد مین امامت کرتے تھے، اُن کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت مین فاتحہ کے بعد اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے، تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے، اُن کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا، انھون نے کہا، مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش چھوڑنی منظور نہین، لوگون نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت صلعم سے کیا، آپنے اُن سے اُسکی وجہ دریافت کی، تو گذارش کی کہ یا رسول اللہ صلعم مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے، ارشاد ہوا یہ محبت تم کو جنت مین لیجائیگی[2]، قتادہ بن نعمان صحابی تھے جو رات رات بھر اسی ایک سورہ کو دہراتے تھے، اور لطف اندوز ہوتے تھے، لوگون نے آپ سے اس کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید [2] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ،

تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ یہ سورہ قرآن کا تہائی حصہ ہے[1]،

اس گمراہی اور تاریکی کا اندازہ جو آنحضرت صلعم سے پہلے عرب پر چھائی ہوئی تھی اس روحانی لطف اور نورانی فیض سے کرو، جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ اوس کے حصہ مین آیا،

۱ قرآن مجید اور احادیث مین اللہ تعالیٰ کے سو سے زیادہ نام اور اوصاف آتے ہین، صحیح حدیثون مین ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام ہین، جو ان کو محفوظ رکھے یا نگاہ رکھے، وہ جنت مین داخل ہوگا[2]، خدا طاق ہے، وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے" آخری فقرہ اس علت کو ظاہر کرتا ہے کہ ۹۹ نام کیون رکھے گئے، پورے سو کیون نہ مقرر کیے، یہ اس لیے کہ اگر پورے سو ہوتے تو عدد طاق نہ رہتا، اور اس سے توحید کا رمز آشکارا نہ ہوتا، صحیح احادیث مین اسی قدر ہے، یعنی ان ۹۹ نامون کی تصریح نہین ہے، مگر ترمذی مین اور بعض کم درجہ حدیثون مین ان نامون کو گنایا بھی ہے، لیکن محدثین نے عموماً یہان تک کہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ "یہ روایتین ضعیف اور کمزور ہین" پھر ان روایتون مین بعض نامون کا ادل بدل اور الٹ پھیر بھی ہے، اور بعض ایسے نام بھی ان مین ہین جو قرآن مین نہین ہین، اور بعض ایسے نام جو قرآن مین ہین ان مین نہین ہین، اسی لیے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان روایتون مین ان نامون کا انتخاب راویون نے خود اپنی تلاش و تفحص سے کیا ہے، اس لیے ان روایتون سے یہ شبہہ نہ ہو کہ اسمائے الٰہی ان ننانوے ۹۹ مین محدود ہے، بلکہ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین، مثلاً عبد العزیز بن یحییٰ، ابوبکر بن عربی، امام نووی، حافظ ابن حجر، امام خطابی، ابن تیمیہ اور قرطبی، وغیرہم نے تصریح کی ہے کہ اسمائے الٰہی ان ننانوے ۹۹ مین محصور نہین، اور یہ بھی تصریحات ملتی ہین کہ اسماء اور صفات الٰہی کی کوئی حد و پایان نہین ہے[3]، اور اس پر محدثین نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتون سے جو آغاز مضمون مین اوپر گذر چکی ہین، استدلال کیا ہے،

بہرحال قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے تتبع سے علماء نے ننانوے نامون کا پتہ چلایا ہے، اور ان کو الگ الگ

---

[1] مسند احمد بسند ابی سعید الخدری، [2] صحیح بخاری کتاب التوحید و صحیح مسلم کتاب الذکر و مسند احمد بسند ابی ہریرہ و جامع ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن خزیمہ و ابو عوانہ و ابن جریر و طبرانی و بیہقی وغیرہ، [3] تمہید ابو شکور سالمی، القول الثالث فی عدد الاسماء، یہ ماتریدیہ کی مشہور پرانی اور مستند کتاب ہے،

ایک ایک کرکے گنایا ہے، یہ تمام نام وہ ہین جو بطور علم یا بطور صفت کے قرآن پاک مین آئے ہین، یا وہ افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہین، یا آنحضرت صلعم نے دعاؤن مین انکی تعلیم کی ہے، ہم ذیل مین بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہین اور اُسکی مختصر لغوی تشریح کرتے ہین تاکہ معلوم ہوسکے کہ آنحضرت صلعم نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے پیروون کو سکھایا، وہ کتنا وسیع، کتنا بلند، کتنا منزّہ اور پاکیزہ ہے، علمار نے ان نامون کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبتون سے ترتیب دیا ہے، لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہین، ایک وہ جن سے اُس کے رحم و کرم، عفو و درگذر یعنی **صفاتِ جمالی** ظاہر ہوتے ہین، دوسرے وہ جنسے اوسکی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومت و استیلا کا اظہار ہوتا ہے، ہم اُن کو **صفاتِ جلالی** کہتے ہین، تیسرے وہ اسمار اور صفات جن سے اوسکی تنزیہہ، بلندی، کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصافِ حسنہ اور محامدِ عالیہ کا ثبوت ہوتا ہے اون کو ہم **صفاتِ کمالی** سے تعبیر کرتے ہین،

الغرض خدا کے تمام اسمار و صفات انھین تین عنوانون کی تشریح ہین یعنی یا تو اُن سے خدا کی رحیمی و کریمی ظاہر ہوتی ہے، یا اُس کے جاہ و جلال کا اظہار ہوتا ہے، یا اوسکی تنزیہہ و کمال کا اثبات ہوتا ہے،

صفاتِ جمالی (یعنی وہ اسمار و صفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبّت کا اظہار ہوتا ہے) اَللّٰہ یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک مین بطور خاص علم کے ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے بھی یہ عرب مین "خدائے برحق" کے لیے استعمال ہوتا تھا، اس لفظ کی لغوی تحقیق مین بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے، کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اُس ہستی کے ہین جسکی پرستش کیجائے، بعضون نے کہا وہ جسکی حقیقت و معرفت مین عقلِ انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسرون کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہین، وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ وہ شفقت اور محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچون کیساتھ ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہین،

اَلرَّحْمٰن، اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جسکو علم کی حیثیت حاصل ہے، اُس کے معنی "رحم والے" کے ہین، یہ گذر چکا ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربون مین مستعمل تھا، عام اہلِ عرب مین اللہ کا لفظ مستعمل تھا، قرآن مجید نے ہر سورہ کے شروع مین اور نیز اور مقامات مین اللہ کو الرحمٰن کہکر سینکڑون جگہ استعمال کیا ہے،

بظاہر تو یہ وصف و موصوف کی معمولی ترکیب ہے، مگر درحقیقت یہ بدل و مبدل منہ ہین، اور اس سے اس رمز کی طرف اشارہ ہے کہ عام عربون کا اللہ اور عرب عیسائیون کا رحمان دو اجنبی صفتین اور دو بیگانہ ہستیان نہین، بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیرین، اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہین اور اس طرح ان دو مختلف قومون کو وحدتِ الٰہی کی دعوت دیگئی جو نامون کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مرادف سمجھتی تھین، اور کہا گیا،

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (اسرائیل - ۱۲) — اللہ کہو یا رحمٰن کہو، جو چاہے کہو اُسی کے لیے سب اچھے نام ہین،

الرَّحِيْمُ، "رحم کرنے والا" رحم کا لفظ اُس رِحَم سے نکلا ہے، جس سے بچہ کی پیدایش ہوتی ہے، اس لیے اصل لغت کے لحاظ سے اس لفظ مین بھی مربیانہ محبت کا جذبہ نمایان ہے،

اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِيْم، خدا کی یہ وہ دو صفتین ہین جنسے قرآن کا صفحہ صفحہ منوّر ہے، کائنات مین جو کچھ ہوا جو کچھ ہے، جو کچھ ہوگا، وہ اُسکی رحمانی اور رحیمی انھین دو صفتون کا ظہور ہے، یہ عالم اور وہ عالم دونون مین اوسکی انھین دونون شانون کا ظہور ہے، اور ہوگا،

الرَّبُّ، پرورش کرنے والا، یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لیکر آخر منزل تک ہر لمحہ اور ہر لحظہ مخلوقات کی نشو و نما اور ظہور و ترقی کا ذمہ دار،

اَللَّطِيْفُ، لطف والا، مہربان،

اَلْعَفُوُّ، معاف کرنے والا، درگذر کرنے والا،

اَلْوَدُوْدُ، محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا،

اَلسَّلَامُ، امن و سلامتی، صلح و آشتی، ہر عیب سے پاک و صاف،

اَلْمُحِبُّ، محبت والا، پیار والا، چاہنے والا،

اَلْمُؤْمِنُ، امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، اور ہر مصیبت سے نجات دینے والا،

اَلشَّکُوْرُ، اپنے بندون کے نیک عمل کو قبول اور پسند کرنے والا،

اَلْغَفُوْرُ وَالْغَفَّارُ، معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگذر کرنے والا،

اَلْحَفِیْظُ وَالْحَافِظُ، حفاظت کرنے والا، نگہبان، نگہبانی کرنے والا، بچانے والا،

اَلْوَهَّابُ، دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا،

اَلرَّازِقُ وَالرَّزَّاقُ، روزی دینے والا، نشو ونما کا سامان بہم پہنچانے والا،

اَلْوَلِیُّ، دوست، حمایتی، طرفدار،

اَلرَّؤُفُ، مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا،

اَلْمُقْسِطُ، انصاف والا، عادل،

اَلْهَادِیْ، راہ دکھانے والا، رہنما،

اَلْکَافِیْ، اپنے بندون کی ہر ضرورت کے لیے کافی،

اَلْمُجِیْبُ، قبول کرنے والا، دعاؤن کا سننے والا،

اَلْحَلِیْمُ، بردبار، بندون کی برائیون سے چشم پوشی کرنے والا،

اَلتَّوَّابُ وَقَابِلُ التَّوْبِ، توبہ قبول کرنے والا، گنہگار کے گناہون سے درگذر کرکے دوبارہ اُس کی طرف رجوع ہونے والا،

اَلْحَنَّانُ، مان کی طرح بچون پر شفقت کرنے والا،

اَلْمَنَّانُ، احسان کرنے والا،

اَلنَّصِیْرُ، مدد کرنے والا،

ذِی الطَّوْلِ، کرم والا،

ذُوالْفَضْلِ، فضل والا،

اَلْكَفِيْلُ، بندون کی کفالت کرنے والا،

اَلْوَكِيْلُ، بندون کی ضرورتون کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا،

اَلْمُقِيْتُ، روزی پہنچانے والا،

اَلْمُغِيْثُ، فریاد کو پہنچنے والا فریاد سننے والا،

اَلْمُجِيْرُ، پناہ دینے والا،

اَلْمُغْنِىْ، جو بندون کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کیے ہوئے ہے،

صفاتِ جلالی، یعنی وہ اسمار و صفات جنسے اوسکی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی، اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے،

اَلْمَلِكُ وَالْمَلِيْكُ، بادشاہ، فرمانروا،

اَلْعَزِيْزُ، غالب، جسپر کوئی دسترس نہ پاسکے،

اَلْقَاهِرُ وَالْقَهَّارُ، جس کے حکم سے کوئی باہر نہین جاسکتا، سب کو دبا کر اپنے قابو مین رکھنے والا،

اَلْمُنْتَقِمُ، سزا دینے والا، برائیون کی جزا دینے والا،

اَلْجَبَّارُ، جبروت والا جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے، جس سے کوئی سرتابی نہ کرسکے،

اَلْمُهَيْمِنُ، سب پر شاہد اور گواہ اور دلیل،

اَلْمُتَكَبِّرُ، اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا، سخت سزا دینے والا،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ، سخت سزا والا،

شَدِيْدُ الْبَطْشِ، بڑی گرفت والا جس سے کوئی چھوٹ نہین سکتا،

نکتہ:۔ خدا کے صفات جلالی کا ذکر زیادہ تر توراۃ مین ہے، لیکن صحیفۂ محمدی مین جہان کہین خدا کی ان جلالی صفتون کا ذکر آتا ہے، ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل، حکیم اور علیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹانا مقصود ہے کہ خدا کی ان جلالی صفتون کا یہ منشا نہین ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک لاابالی کی طرح دم کے دم

مین جو چاہے کر گذرتا ہے، بلکہ اس کا قہر اوسکا غلبہ اوسکا انتقام اور اُسکی گرفت، عدل و انصاف اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے، اور اس طرح ان جلالی نامون سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے فرمایا،

اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (آل عمران-۱۹) بیشک خدا بندون پر ظلم کرنے والا نہین،

اسی لیے اللہ تعالے کے وصف مین عَزِیْزٌ (غالب) کیساتھ حَکِیْمٌ (حکمت والا) ہمیشہ قرآن مین آیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اوسکی رحمت کا تذکرہ بھی ہو گا، اور دوزخ کے بیان کیساتھ جنت کا سمان بھی لازمی ہو گا،

جہان یہ کہا گیا کہ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ، ساتھ ہی کہا گیا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ (ص-۵) قومون کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمادیا گیا،

وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (مومن-۴) اور اللہ بندون پر ظلم نہین کرنا چاہتا،

اُسکی صفت ذُوْعِقَابٍ اَلِیْمٍ، دردناک عذاب دینے والا، جہان بیان کی گئی، تو اُس سے معًا پہلے لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ یقیناً بخشش والا (حم السجدہ-۵) بھی فرمادیا گیا، غرض صفاتِ جلالی کے بیان مین یہ رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ یا آگے پیچھے اوسکی صفات جمالی کا بھی ذکر ہو، تاکہ خوف و خشیت کے ساتھ اوسکی محبت اور لطف و کرم کے جذبات بھی نمایان ہون،

صفاتِ کمالی، وہ اسما و صفات جن سے اوسکی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف مین اوسکا کامل ہونا ظاہر ہو، اسطرح کے اسماء و صفات پانچ قسم کے ہین ایک وہ جو اوسکی وحدانیت سے متعلق ہے، دوسری اس کے وجود سے تعلق رکھتی ہے اور تیسری اوس کے علم سے، چوتھی اوسکی قدرت سے، اور پانچوین اوسکی تنزیہہ اور پاکی سے

صفات وحدانیت یعنی وہ صفتین جو اس کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہین، اور وہ یہ ہین،

اَلْوَاحِدُ، ایک،

اَلاَحَدُ، ایک،

اَلْوِتْرُ، طاق جسکا کوئی جوڑا نہین،

صفاتِ وجودی | جن سے اوسکا وجود، بقا، دوام، ازلیت، اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے،

اَلْمَوْجُوْدُ، وجود والا ہست،

اَلْحَیُّ، ہمیشہ زندہ، غیر فانی،

اَلْقَدِیْمُ، وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہ ہو، جو ہمیشہ سے ہو،

اَلْقَیُّوْمُ، جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے،

اَلْبَاقِیْ، باقی جسکو ہمیشہ بقا ہو،

اَلدَّائِمُ، ہمیشہ رہنے والا،

اَلاَوَّلُ، وہ پہلا جس سے کوئی پہلے نہین،

اَلاٰخِرُ، وہ پچھلا، جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی سب کے بعد باقی رہے گا،

اَلْمُقَدِّمُ، جو سب کے آگے سے ہو،

اَلْمُؤَخِّرُ، جو سب سے پیچھے رہجائیگا،

اَلظَّاھِرُ، جسکا وجود دکھلا ہو، اور نمایان ہو، (یعنی جو اپنے کامون اور قدرتون کے لحاظ سے ظاہر ہے)

اَلْبَاطِنُ، جو چھپا اور مخفی ہو، (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے،)

علم | وہ صفتین جو اس کے ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہین،

اَلْخَبِیْرُ، خبر رکھنے والا،

اَلْعَلِیْمُ، جاننے والا،

عَلاَّمُ الْغُیُوْبِ، جو باتین سب سے پوشیدہ ہین اُن کو جاننے والا،

عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ، دلون کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا،

اَلسَّمِیْعُ، سُننے والا،

اَلْبَصِیْرُ، دیکھنے والا،

اَلْمُتَکَلِّمُ، بولنے والا، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا،

اَلْوَاجِدُ، پانے والا، جس کے علم کے سامنے کوئی چیز گم نہ ہو،

اَلشَّہِیْدُ، حاضر، جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہ ہو،

اَلْحَسِیْبُ، حساب کرنے والا، یعنی جن چیزون کا علم حساب کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے یعنی وزن اور مقدار اُنکا بھی جاننے

اَلْمُحْصِیْ، گننے والا، یعنی جن چیزونکا علم گنکر حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اعداد اُن کا بھی جاننے والا،

اَلْمُدَبِّرُ، تدبیر کرنے والا، انتظام کرنے والا،

اَلْحَکِیْمُ، حکمت والا، عقل والا، سب کامون کو مصلحت سے کرنے والا،

اَلْمُرِیْدُ، ارادہ کرنے والا، مشیت والا،

اَلْقَرِیْبُ، نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے،

قدرت

وہ صفتین جنسے اُسکی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے،

اَلْفَاتِحُ وَالْفَتَّاحُ، ہر مشکل کو کھولنے والا،

اَلْقَدِیْرُ وَالْقَادِرُ، قادر، قدرت والا،

اَلْمُقْتَدِرُ، اقتدار والا، جس کے سامنے کوئی چون وچرا نہین کرسکتا،

اَلْقَوِیُّ، قوی، زبردست، جس کے سامنے کسی کا بس نہین چل سکتا،

اَلْمَتِیْنُ، مضبوط، جسمین کوئی کمزوری نہین،

اَلْجَامِعُ، جمع کرنے والا، متفرق اور پراگندہ چیزون کو اکٹھا کرنے والا،

اَلْبَاعِثُ، اٹھانے والا، مردون کو قبرون سے اٹھانے والا یا دنیا مین ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرکِ اوّل،

مَالِكُ الْمُلْكِ، سلطنت کا مالک جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہین،

اَلْبَدِیْعُ، نئی نئی چیزین ایجاد کرنے والا،

اَلْوَاسِعُ، سمانے والا، جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

اَلْمُحِیْطُ، جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی اُس کے احاطہ سے باہر نہین،

اَلْمُحْیِیْ وَالْمُمِیْتُ، جلانے والا، اور مارنے والا،

اَلْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ، سمیٹنے والا، اور پھیلانے والا،

اَلْمُعِزُّ وَالْمُذِلُّ، عزت دینے والا، اور ذلّت دینے والا،

اَلْخَافِضُ وَالرَّافِعُ، نیچا کرنے والا، اور اونچا کرنے والا،

اَلْمُعْطِیْ وَالْمَانِعُ، دینے والا، اور روک لینے والا،

اَلنَّافِعُ وَالضَّارُّ، نفع پہنچانے والا، اور نقصان پہنچانے والا یعنی نفع وضرر دونون اُسی کے ہاتھ مین ہین،

اَلْمُبْدِئُ وَالْمُعِیْدُ، جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اُس کو وجود مین لانے والا، اور جو ہو کر فنا کر دی گئی ہو، اس کو پھر دوبارہ وجود مین لانے والا،

نکتہ:- اس قسم کی صفتین جنمین بظاہر قبح نظر آتا ہے جیسے اَلضَّارُّ (نقصان پہنچانے والا) اَلْمُذِلُّ (ذلت دینے والا) اَلْخَافِضُ (پست کرنے والا) اَلْمَانِعُ (روکنے والا) وغیرہ ان کا تنہا استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے، اس لیے جب تک اُن کے ساتھ اُن کے مقابل کی صفت نہ بولی جائے اُن کا استعمال جائز نہین رکھا گیا یعنی خدا کو صرف اَلضَّارُّ، اَلْخَافِضُ، اَلْمَانِعُ، اور اَلْمُذِلُّ کہنا درست نہین جبتک اُس کیساتھ اس کے دوسرے پہلو کو بھی نہ ملا لیا جائے، یعنی اَلضَّارُّ کیساتھ اَلنَّافِعُ، اَلْخَافِضُ کیساتھ اَلرَّافِعُ، اَلْمَانِعُ کیساتھ اَلْمُعْطِیْ اور اَلْمُذِلُّ کے ساتھ اَلْمُعِزُّ، قرآنِ پاک اور احادیث دونون مین ان صفات کے استعمال

ہین یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، کہ تنہا نقصان پہنچانے والا، ذلّت دینے والا، اور روکنے والا، کوئی خوبی نہین، بلکہ ایک نوع کی برائی ہے، ہان نقصان و نفع پہنچانے والا، عزّت و ذلّت دینے والا، اور دینے والا اور روکنے والا، دونون کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہوگا کہ اُس سے مقصود اوسکی قدرت کی وسعت ہے، کہ اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہو، جسمین نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہین، یا ایسا عزّت دینے والا ہے، جسمین ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہین، تو اُس کے اس عزّت دینے اور نفع پہنچانے پر اوسکا مجبور و مضطر ہونا لازم آتا ہے، اور اُسکی قدرت کا یہ کمال نمایان نہین ہوتا کہ وہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا، اور ذلّت دیسکنے کے باوصف وہ عزّت دیتا ہے،

تنزیہیہ | وہ صفات جو اوسکی بڑائی، کبریائی، پاکی اور نیکی اور ہر عیب اور نقصان سے اسکی برارت کو ظاہر کرتی ہین،

اَلْعَلِیُّ، مرتبہ والا،

اَلْعَظِیْمُ، عظمت والا،

اَلْکَبِیْرُ، بڑا،

اَلرَّفِیْعُ، بلند،

اَلْجَلِیْلُ، بزرگ،

اَلْکَرِیْمُ، شریف،

اَلْغَنِیُّ، بے نیاز،

اَلصَّادِقُ، سچا، راست باز،

اَلْمَاجِدُ، عزت والا،

اَلْحَمِیْدُ، تعریف والا،

اَلْقُدُّوْسُ، پاک،

اَلْحَقُّ، حق اور اصلی، کہ اُس کے سوا سب باطل ہین،

اَلْجَمِیْلُ، اچھا،

اَلْبَرُّ، نیک،

اَلْعَدْلُ، عادل،

سُبُّوْحٌ، ہر عیب سے پاک،

اَلصَّمَدُ، جو بزرگی کی ہر صفت مین کامل ہے،

اَلرَّشِیْدُ، سیدھی راہ چلنے والا، نہ بھٹکنے والا،

ان تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات کا عقیدہ، دینِ محمدیؐ مین محض نظری نہین، بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ محامد واوصاف اخلاقِ انسانی کا معیار ہین، اُن اوصاف کو چھوڑکر جو اُس ذوالجلال کے لیے خاص ہین کہ وہ بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہین، بقیہ اوصاف ومحامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہین، کہ وہ اُس کے خدا کے محامد واوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہین، اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو اپنے اندر اُس کے محامد واوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور خدا کے ان اسماء وصفات کو محاسن ومحامد اور خوبیون کا انتہائی معیار جانکر اُن کی نقل اور پیروی کی کوشش کرے، محامدِ الٰہی گویا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے جسکو دیکھکر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی مین ترقی کرنی چاہیے، اور ہر حرف کے لکھنے مین ایک نظر اس اُستادِ ازل کی وصلی پر بھی ڈال لینی چاہیے، کہ اوسکی ذاتی مشق کہان تک اصل وصلی کے مطابق ہے،

گذر چکا کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بحکم اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (بقرہ - ۴) آدم کا بیٹا زمین مین خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب مین اصل کے اوصاف ومحامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایان ہوگا، اوتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کریگا، اور اتنا ہی وہ اصل سے زیادہ قریب ہوگا، اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کریگا، یہان تک کہ اوسمین وہ جلوہ بھی نمایان ہوگا جب وہ سرتاپا خدائی رنگ مین رنگ کر نکھر جائے گا،

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (بقرہ ۱۷۰)   خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے،؟

تمام اہلِ تفسیر متفق ہین کہ اس "خدائی رنگ" سے مقصود خدا کا "دینِ فطرت" ہے،

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" "خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا" اور ساتھ ہی اُسکی تشریح بھی گذری کہ اس "صورت" سے مقصود جسمانی نہین معنوی شکل و صورت ہے، یعنی یہ کہ خدا نے انسان مین اپنے صفاتِ کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے، اور اُن کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اور اُن مین انسانی حد تک ترقی کی استعداد بخشی ہے، اور اخلاق و صفات مین ملاءِ اعلیٰ سے تشبہ اور ہم شکلی کا جوہر مرحمت فرمایا ہے، اور یہی صوفیہ اور خاصانِ خدا کے اس مقولہ کا کہ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو" مطلب ہے، حدیث مین یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ مین ادا کیا گیا ہے کہ حُسْنُ الْخُلُقِ خُلُقُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ "حسنِ خلق، خدا تعالیٰ کا خلقِ عظیم ہے"[1]

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کی چار قسمین اوپر بیان ہوئی ہین، جلالی، تنزیہی، کمالی، اور جمالی، صفاتِ جلالی جنہین کبریائی، عظمت، شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہین، خالق تعالیٰ کے سوا مخلوقات اُن کے مستحق نہین، اور نہ اوصافِ بندگی اور عبودیت کے رتبہ کے سزاوار ہین، اُن کا انعکاس یہ ہے کہ بندون مین اُن کے مقابل کے صفات پیدا ہون یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی، اور خاکساری، اسی لیے ترفع، تکبر، اور بڑائی کا اظہار منع ہے اور اسی لیے آدم جس نے فروتنی اختیار کی اور عجز و قصور کا اعتراف کیا مغفرت کی خلعت سے سرفراز ہوا، اور شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا، دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا،

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ،   اُس نے آدم کے سجدہ سے انکار کیا اور غرور کیا اور کافرون مین سے ہو گیا،
(بقرہ - ۴)

قرآن پاک مین ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے، اس کے سوا کوئی اور اُس کا مستحق نہین،

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جاثیہ - ۴)   اور آسمانون اور زمین مین اُسی کے لیے بڑائی ہے،

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲ بروایت حضرت عمار بن یاسرؓ

صحیح مسلم[1] مین ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ دو صحابیون سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عزت اوسکا لباس اور کبریائی اسکی چادر ہے (خدا فرماتا ہے) تو جو کوئی عزت اور کبریائی مین میرا حریف بنے گا مین اُسے سزا دونگا، دوسری جگہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے برا وہ ہے جو اپنا نام بادشاہون کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ اور مالک نہین[2]، اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (حشر - ۳) اُسی کی شان ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت وجلال اور قوت وجبروت کا فیضان بعض بندون اور امتون پر نازل کرتا ہے، اور اُن کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے، مگر اس نوازش پر بھی نیک بندون اور صالح امتون کا فرض یہی ہے کہ عین اسوقت جب اُن کے دست و بازو سے قوت حق اور ربانی جاہ وجلال کا ظہور ہو رہا ہو، اُن کی پیشانیان فرط عبودیت سے اُس کے آگے جھکی ہون اور سر نیاز اظہار بندگی کے لیے اُس کے سامنے خم ہون، کہ عزت وجلال خاص خدا کی شان تھی، جسکا فیضان رسول پر ہوا، اور رسول کی وساطت سے مومنون پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن مین ملحوظ رکھی گئی ہے،

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (منافقون - ۱) اور عزت خدا کے لیے ہے اور اُس کے رسول کے لئے اور مومنون کیلئے،

حاکم مین ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین کپڑے ہین، وہ اپنی عزت وجلال کا ازار باندھتا ہے اور اپنی رحمت کا جامہ پہنتا ہے اور اپنی کبریائی کی چادر اوڑھتا ہے، تو جو شخص اُس عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے اُسکو عنایت ہوئی ہو، معزز بننا چاہتا ہے، تو وہی وہ شخص ہے جس کو قیامت مین یہ کہا جائے گا "اسکا مزہ چکھ، تو معزز اور شریف بنتا تھا" (قرآن) اور جو انسانون پر رحم کرتا ہے، خدا اُس پر رحم کرتا ہے کہ اُس نے وہ جامہ پہنا، جسکا پہننا اوسکو روا تھا اور جو کبریائی کرتا ہے، تو اُس نے خدا کی اُس چادر کو اتارنا چاہا جو خدا ہی کے لیے تھی[3]"

خدا کی صفات کمالی مین سے وحدانیت اور بقاے ازلی وابدی کے سوا کہ اُن سے تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہین بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان مشرف ہوتا ہے، مثلاً قدرت، علم، سمع، بصر، کلام وغیرہ، صفات تنزیہی سے بھی مخلوقات تمامتر محروم ہین، اُن کی تنزیہ یہی ہے کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہگاری کے عیب سے بری اور پاک ہون، صفات جمالی وہ اصلی اوصاف ہین جنکے فیضان کا دروازہ ہر صاحب توفیق کے لیے حسب استعداد

[1] کتاب الادب، باب الکبر جلد دوم صفحہ ۴۰۰، مصر
[2] صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب الادب،
[3] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۱۰۱ اور مستدرک حاکم،

کھلا ہوا ہے، صفاتِ جمالی کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگذر ہے، عیسائیون کی عام دعا مین ایک فقرہ ہے کہ "خداوندا! تو ہمارے گناہون کو معاف کر جس طرح ہم اپنے قرضدارون کو معاف کرتے ہین" اسلام نے اس الٹی تشبیہ کو جائز نہین رکھا ہے، اُس کے ہان یہ ہے کہ "اے انسان! تو اپنے مجرمون کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہون کو معاف کرے" آپ نے فرمایا "جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالیگا، خدا اُس کے گناہون پر پردہ ڈالے گا"[۱] قرآن کہتا ہے کہ "تم دوسرون کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے"

إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا (نساء - ۲۱)

اگر تم کوئی نیکی دکھا کر یا چھپا کر کرو یا کسی کی برائی کو معاف کرو تو اللہ (بھی) معاف کرنے والا قدرت والا ہے،

ایک دفعہ بارگاہِ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دی جارہی تھی، مگر اس منظر کو دیکھکر حضور کے چہرہ کا رنگ متغیر تھا، ادا شناسون نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے اپنے بھائیون کو معاف کر دیا کرو، خدا معاف کرنے والا ہے، اور عفو و درگذر کو پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور درگذر کیا کرو، کیا تمہین یہ پسند نہین کہ خدا تمہین بھی معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے[۲]،،

آنحضرت صلعم ایک دفعہ صحابہ کے مجمع مین فرمارہے تھے کہ "جس کے دل مین غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا، وہ بہشت مین داخل نہ ہوگا"، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اوس کے کپڑے اچھے ہون، اُس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے، فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ[۳]

اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور جمال والا ہے، اچھائی اور جمال کو پسند کرتا ہے،

یہ غرور نہین، غرور حق کو پامال کرنا، اور انسانون کو دبانا ہے" یہی روایت حدیث کی دوسری کتابون مین ان الفاظ کے ساتھ ہے "خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے بندہ پر اوسکی نعمت کا اثر ظاہر ہو"[۴]

---

[۱] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ، [۲] مستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۳۸۲، کتاب الحدود، [۳] صحیح مسلم کتاب الایمان، و ترمذی باب الکبر، [۴] کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی،

یہ روایت بھی ہے "خدا جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، وہ سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھراپن کو پسند کرتا ہے[1]"، روایت کے یہ الفاظ بھی آئے ہین "وہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاقِ عالیہ سے محبت اور بد اخلاقیون سے نفرت رکھتا ہے[2]"، ایک موقع پر آنحضرت صلعم حضرت عائشہؓ کو نصیحت فرماتے ہین "اے عائشہ! خدا نرمی والا ہے، وہ ہر بات مین نرمی کو پسند کرتا ہے[3]" ایک دفعہ آپ نے خطبہ مین ارشاد فرمایا "لوگو! خدا پاک ہے، اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے[4]"، عام مسلمانون کو مخاطب کرکے فرمایا "اے قرآن کے ماننے والو! وتر نماز پڑھا کرو، کہ خدا یکتا (وتر) ہے وہ یکتا (وتر) کو پسند کرتا ہے[5]"۔

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہین، جو دوسرون پر رحمت و شفقت کرتے ہین، آپنے فرمایا "رحم کرنے والون پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے، لوگو! تم زمین والون پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کریگا"، (ابو داؤد باب فی الرحمۃ) رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تمام رشتہ داریان اور قرابتین رحم کے تعلق پر قائم ہین، آپنے فرمایا کہ "رحم کی جڑ رحمان سے ہے، خدا فرماتا ہے کہ اے رحم! جو تجکو قطع کریگا، مین اوسکو قطع کرونگا، جو تجھکو ملائیگا اُس کو مین بھی ملاؤنگا[6]"، ترمذی مین یہی تعلیم ان الفاظ مین ہے "مین خدا ہون، مین رحمان ہون، مین نے رحم کو پیدا کیا ہے، اور اپنے نام (رحمان) سے اوسکا نام (رحم) مشتق کیا ہے، تو جو اُس کو ملائیگا، مین اوسکو ملاؤن گا، جو اُس کو قطع کریگا، مین اوسکو قطع کرونگا[7]" پھر فرمایا "جو انسانون پر رحم نہین کرتا، خدا اُس پر رحم نہین کرتا[8]"، بخاری مین اس روایت کے یہ الفاظ ہین "جو رحم نہین کرتا، اُس پر رحم نہین کیا جاتا[9]"، آپنے فرمایا "خدا نے رحم کے سَو حصّے کئے ۹۹ حصّے اپنے پاس رکھے اور ایک حصّہ زمین والون کو عنایت کیا، اُسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رحم و شفقت سے پیش آتے ہین، یہان تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کے لیے اس خوف سے پاؤن

---

[1] کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ کامل لابن عدی، [2] ایضاً بحوالہ معجم اوسط طبرانی، [3] صحیح مسلم، ابو داؤد، حاکم، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی فی الآداب، [4] صحیح مسلم کتاب الصدقات، و ترمذی تفسیر سورۂ بقرہ [5] ابو داؤد باب استحباب الوتر، [6] صحیح بخاری باب صلۃ الرحم [7] ابواب البر والصلۃ، [8] ترمذی باب مذکور، [9] جامع بخاری باب رحمۃ الولد،

انتہا یہی ہے کہ اُس کو صدمہ نہ پہنچے[۱]؛

بخل خدا کی صفت نہیں، مگر آپ نے فرمایا "تم اپنی تھیلی کے منھ نہ بند کرو، ورنہ تمپر بھی تھیلی کا منھ بند کیا جائیگا[۲]" یہ نصیحت بھی فرمائی کہ "جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کریگا، قیامت مین اوسکی پردہ پوشی خدا کریگا[۳]" یہ بھی تعلیم دیگئی ہے کہ "جب تک تم اپنے بھائی کی مدد مین ہو خدا تمھاری مدد مین ہے[۴]"

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ "خدا سے بڑھکر کوئی غیرتمند نہین، اسی لیے اُس نے فحش باتون کو حرام کیا ہے[۵]" اسی کی تفسیر دوسری حدیث مین ہے آپ نے فرمایا کہ "خدا بھی غیرت کرتا ہے، اور مومن بھی غیرت کرتا ہے، اور خدا کی غیرت یہی ہے کہ اُس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اوسکا ارتکاب کرے تو وہ اُس پر خفا ہو[۶]"

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے،

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (آل عمران-۱۹) اور خدا بندون پر ظلم نہین کرتا،

اس لیے اُس کے بندون کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس مین ایک دوسرے پر ظلم نہ کرین، محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی اس عملی تعلیم کو ان الفاظ مین ادا فرمایا،

یاعبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا[۷]

اے میرے بندو! مین نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اوسکو تمھارے درمیان بھی حرام کیا ہے، ہان تو تم آپس مین ایک دوسرے [illegible]

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتین ہین، اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک و صاف رہنا چاہیے، آپ نے فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ وَنَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ فَتَنَظَّفُوْا وَلَا تَشَبَّهُوْا الْيَهُوْدَ[۸]،

خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور پاک و صاف ہے، پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے، تو پاک و صاف رہا کرو اور یہودیون کی طرح گندے نہ بنو،

یہ توحید کا ایک رُخ تھا، اب اوسکا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ کے قابل ہے،

---

[۱] جامع بخاری باب رحمۃ الولد، [۲] صحیح ترمذی ابواب البر والصلۃ [۳] مسلم کتاب البر والصلہ باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرۃ [۴] ابوداؤد کتاب الادب باب فی المعونۃ للمسلم، [۵] صحیح بخاری کتاب التوحید جلد دوم ص۱۱۰۲ [۶] جامع ترمذی باب ماجاء فی الغیرۃ من ابواب النکاح، [۷] صحیح مسلم کتاب البر والصلہ و مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب الظلم ص ۹۵ مصر [۸] ترمذی باب فی النظافۃ صفحہ ۴۵۶

وہ قومین جو توحید سے آشنا نہ تھین، انھون نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہین پہچانا تھا، وہ انسان کو فطرت کے ہر مظہر کا غلام سمجھتی تھین، یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم توحید ہی تھی، جس نے خدا کے سوا ہر شی کا خوف، انسانون کے دلون سے نکال دیا، سورج سے لیکر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانون کی غلام بنکر اُن کے سامنے آئی، بادشاہون کے جلال وجبروت کا طلسم ٹوٹ گیا، اور وہ بابل ومصر، ہند وایران کے خدا اور ربکم الاعلیٰ ہونے کے بجائے، انسانون کے خادم، راعی اور چوکیدار کی صورت مین نظر آئے، جنکا عزل وانتخاب دیوتاؤن اور فرشتون کے ہاتھ مین نہ تھا، بلکہ انسانون کے ہاتھ مین تھا،

تمام انسانی برادری جسکو دیوتاؤن کی حکومتون نے اونچی نیچی، بلند وپست، شریف وذلیل مختلف طبقون اور ذاتون مین منقسم کر دیا تھا، کوئی پرمیشور کے منہ سے، کوئی ہاتھ سے اور کوئی پانون سے پیدا ہو کر ایسی مختلف جنسون مین بٹ گئی تھی، جنکو کسی طرح متفق نہین کر سکتے تھے، اور اس طرح مساواتِ انسانی کی دولت دنیا سے گم تھی، اور زمین قومون اور ذاتون کے ظلم وجبر اور غرور وفخر کا دنگل بنگئی تھی، توحید نے آکر اس بلند وپست، اور نشیب وفراز کو برابر کیا، سب انسان خدا کے بندے، سب اوس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکسان قرار پائے، ان تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات مین جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفحون مین ثبت ہین، اور بالآخر اس اصول کی صداقت کو انھون نے بھی تسلیم کر لیا، جو حقیقی توحید سے ناآشنا ہین، اور اسی لیے وہ مساواتِ انسانی کے حقیقی جوہر سے بھی ہنوز ناآشنا ہین، اور انتہا یہ ہے کہ خدا کے گھر مین جا کر بھی تفاوتِ درجہ کا خیال اُن کے دل سے دور نہین ہوتا، دولت وفقر اور رنگ وقومیت کے امتیازات خدا کے سامنے سرنگون ہو کر بھی وہ نہین بھولتے، مسلمانون کو تیرہ۱۳ سو برس سے اس مساوات کی دولت اسی توحید کامل کی تعلیم سے حاصل ہے، اور وہ ہر قسم کے ان مصنوعی امتیازات سے پاک ہین، اسلام کی نظر مین سب ایک خدا کے بندے ہین، اور سب یکسان اسکے سامنے سر افگندہ ہین، دولت وفقر، رنگ روپ اور نسل وقومیت کا کوئی امتیاز اُن کو منقسم نہین کرتا، اگر کوئی امتیاز ہے تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمانبرداری کا،

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (حجرات-۲) تم مین خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی جو سب سے زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہو،

خدا کا ڈر اور پیار اس سلسلہ مین ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اُس سے محبت کرنے کا ہے، عام طور سے مخالفون نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم نے جس خدا کی تعلیم دی ہے وہ فقط قہار، جبار اور مہیب شہنشاہِ مطلق ہے، جس کی ہیبت و جلال سے تمام بندون کو صرف ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے، اُس کے گوشۂ چشم مین لطف و عنایت کا گذر نہین محبت اور پیار کا نذرانہ اُس کے دربار مین قبول نہین، نہ وہ اپنے کمزور بندون پر خود محبت کی نظر رکھتا ہے، اور نہ وہ اپنے بندون سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے، لیکن درحقیقت یہ تعلیمِ محمدی کی بالکل غلط تصویر ہے، اللہ تعالیٰ کے جو اسما، وصفات اوپر گذر چکے ہین، اُن پر ایک ایک کر کے نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ اُس کے چند پرجلال نامون کو چھوڑ کر جو اُسکی قدرتِ تام اور مالکیتِ عام کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہین، وہ تمام تر محبت اور پیار، لطف اور کرم، رحمت اور مہر کی تجلّی گاہ ہین، مخالفون کو اس حقیقت کے سمجھنے مین دو وجہون سے مغالطہ ہوا،

۱- آنحضرت صلعم نے اللہ تعالیٰ سے خوف اور خشیت کی بھی انسانون کو دعوت دی،

۲- دوسرے مذہبون نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اظہار کی جو اصطلاحین مقرر کی تھین آپ نے شدت کیساتھ اُن کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا،

محبت کیساتھ خوف و خشیت کی تعلیم یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی تعلیم مین محبت اور پیار کے ساتھ خدا کے خوف و خشیت کو بھی جگہ دی ہے، غور کرو کہ انسانون مین تمام کامون کے محرک دو ہی جذبے ہین، خوف اور محبت، یہ دونون جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہین، اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی، اور ان دونون جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہین، ادعائے محبت کا نتیجہ ناز، تبختر اور کبھی گستاخی، اور اپنے مہربان و محبوب پر غایتِ اعتماد کی بنا پر کبھی نافرمانی بھی ہے، جذبۂ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا انسداد خوف ہی کے جذبہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے خالق و مخلوق کے درمیانی رابطہ کا تعلق نہ تنہا خوف اور نہ تنہا محبت سے انجام پا سکتا ہے، بلکہ ان دونون کے اشتراک، امتزاج، اور اعتدال سے، اور یہی نبوتِ محمدی کی تعلیم ہے،

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے اُن مین اس مسئلہ مین بھی افراط و تفریط پیدا ہو گئی تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ

تمام تر ہٹ گئے تھے، یہودی مذہب کی بنا سراپا خوف و خشیت اور سخت گیری پر تھی، اُس کا خدا[1] فوجون کا سپہ سالار[2] اور باپ کا بدلہ پشتہا پشت تک بیٹون سے لینے والا[2] تھا، حالانکہ یہودیت کے صحیفون مین خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر کہین کہین موجود[3] ہے، اس کے برعکس عیسائیت زیادہ تر خدا کے رحم و کرم، اور محبت و شفقت کے تذکرون سے معمور ہے، گو ایسا نہین ہے کہ اسمین خدا کے خوف و خشیت کی مطلق تعلیم نہین، بلکہ اس مین بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید[4] ہے، مگر اُن کے پیرون نے ان دو متقابل تعلیمون کے درمیان اعتدال ملحوظ نہین رکھا، اسلام نے اسی نقطۂ اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے، وہ نہ تو خدا کو محض جبار، قہار، ربُّ الافواج اور صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل کا خدا مانتا ہے، اور نہ اُس کو مجسم انسان انسانون کا باپ، یا محمد صلعم کا باپ سمجھتا ہے، اور نہ تنہا رحم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے اوسکو متصف کرتا ہے، بلکہ وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندون پر قاہر بھی ہے، اور رحمٰن و کریم بھی، وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے اور غفور و رحیم بھی، وہ اپنے بندون کو سزا بھی دیتا ہے، اور پیار بھی کرتا ہے، خفا بھی ہوتا ہے اور نوازتا بھی ہے، اُس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اُس سے محبت بھی کرنی چاہیے،

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (اعراف - ۷)

(لوگو!) اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارا کرو، وہ حد سے بڑھ جانے والون کو پیار نہین کرتا، اور زمین کی درستی کے بعد اسمین فساد نہ پھیلاؤ، اور اُسکو اسکے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اُس کے فضل و کرم کی لو لگاتے ہوئے پکارا کرو، بیشک خدا کی رحمت اچھے کام کرنے والون کے قریب ہی ہے،

چند نیک بندون کی مدح مین فرمایا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا، (انبیاء - ۶)

وہ نیکی کے کامون مین جلدی کرتے تھے، اور ہم کو امید اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے،

---

[1] یرمیا ۳۲-۱۴-۱۵ وغیرہ [2] خروج ۲۰-۵ و ۳۴-۷ و استثنا ۴-۲۴ و ۶-۱۵ وغیرہ [3] خروج ۲۰-۶ و ۳۴-۶ و زبور ۸۶-۱۵ و ۱۰۳-۸ وغیرہ مین خدا کے پیار اور رحم و کرم کا ذکر ہے، [4] لوقا کی انجیل ۱۲-۵، اول پطرس ۲-۱۷ دوم قرنتیون ۷-۱، افسیون ۵-۲۱ الغرض خدا سے ڈرنے کی تعلیم عیسائیت مین بھی دیگئی ہے،

اس سے زیادہ پرلطف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگون کو ڈراتا ہے، مگر اُس کو جبّار اور قہار کہکر نہین بلکہ مہربان اور رحیم کہکر، چنانچہ خدا کے سعید بندون کی صفت یہ ہے کہ،

وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یٰسین-۲) اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (ق-۳) اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانین اُس مہربان کے جلال کے سامنے گنگ ہین،

وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ-۶) اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازین پست ہوگئین،

دنیا مین جو پیغمبر آئے دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھون کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ دوسرے وہ جو محبت الٰہی مین سرشار تھے، اور وہ لوگون کو اسی مخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ،

لیکن پیغمبرون مین ایک ایسی ہستی بھی آئی جو ان دونون صفتون کی برزخ کبریٰ، جلال و جمال دونون کا مظہر اور پیار اور ادب و لحاظ دونون کی جامع تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلعم، ایک طرف آپکی آنکھین خوف الٰہی سے اشکبار رہتی تھین، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت مین یہ دونون منظر آپکے چہرۂ انور پر لوگون کو نظر آجاتے، چنانچہ جب راتون کو آپ شوق و ولولہ کے عالم مین نماز کیلئے کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتین زبان مبارک پر ہوتین، اور ہر معنی کی آیتین گذرتی جاتین، جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے، اور جب کوئی مہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے[1]،

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف اور محبت کے کنارون سے ہٹا کر جہان سے ہر وقت نیچے گرنے کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ مین وہ انسانون کو کھڑا کرے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ "الایمان بین الخوف والرجاء" ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے" کہ تنہا خوف، خدا کے رحم و کرم سے نا امید اور محض

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۴،

رحم وکرم پر بھروسہ لوگون کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار مین نظر آتا ہے، اور مذہبی حیثیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ عملاً یہودیون اور عیسائیون مین کیا جاسکتا ہے، اسی لیے محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی تعلیم مین ان دونون متضاد کیفیتون کو ایمان اور عقیدہ کے رو سے برابر کا درجہ دیا، لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانون کو یہ بھی بشارت سنائی، کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اوس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے، فرمایا

رَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف-۱۹) میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

اور اسکی تفسیر صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ مین کی،

رَحْمَتِی سَبَقَتْ غَضَبِی، (بخاری) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی،

عیسائیون نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو "فرزند الٰہی" کا لقب دیا، بعض یہودی فرقون نے بنی اسرائیل کو خدا کا خانوادہ اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰؑ کے جوڑ پر حضرت عزیرؑ کو فرزند الٰہی کا رتبہ دیا، لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان، یا خاص قوم کو عطا نہین کرتا، بلکہ وہ تمام انسانون کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لاکر کھڑا کرتا ہے، مسلمانون کے مقابلہ مین یہودیون اور عیسائیون دونون کو دعویٰ تھا،

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ-۳) ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہین،

قرآن مجید نے اس کے جواب مین کہا:-

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (مائدہ-۳) اگر ایسا ہے تو خدا تمھارے گناہون کے بدلہ تم کو عذاب کیون دیتا ہے، (اس لیے تمھارا دعویٰ صحیح نہین) بلکہ تم بھی انھین انسانون مین سے ہو جنکو اس نے پیدا کیا،

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیون کے جواب مین کہا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ اے وہ جو یہودی ہوا گر تم اپنے اس خیال مین سچے ہو کہ تمام انسانون کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص چہیتے ہو تو موت (یعنی

ضَلِّ قِلِیْنَ (جمعہ-۱) خدا کی ملاقات) کی تمنا کیون نہین کرتے،

اسلام رحمتِ الٰہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہین رکھتا، بلکہ وہ اسکی وسعت مین انسانون کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے، ایک شخص نے مسجدِ نبوی مین آکر دعا کی کہ "خدایا! مجکو اور محمدؐ کو مغفرت عطا کر" آپنے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا"[1] ایک اور اعرابی نے مسجد مین دعا مانگی کہ "خدایا! مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت مین کسی کو شریک نہ کر" آپنے صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا "یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ[2]"

محبت کے جسمانی اصطلاحات کی ممانعت اس مسئلہ مین تعلیمِ محمدیؐ کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت وکرم کی تعبیر کے لیے جو مادّی اور جسمانی اصطلاحین قائم کی تھین، اسلام نے اُن کی مخالفت کی اور اُن کو شرک قرار دیا، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسلام کا خدا رحم وکرم، اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معرّا ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادّی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر ومحبت کے جذبات کو بھی اپنی ہی انسانی بول چال مین ادا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانون کے اندر باہمی مادّی اور جسمانی رشتون کے ذریعہ سے نمایان ہوتے ہین، اس بنا پر بعض مذاہب نے اس طریقۂ ادا کو خالق ومخلوق کے ربط وتعلّق کے اظہار کے لیے بھی بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیون مین ہے، دوسرے نے مان کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلّق کو مان اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور دیبیان انسانون کی مائین بنین، جیسا کہ ہندؤن کا عام مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک مین زن وشو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے جس کی نظیر دوسرے ملکون مین نہین مل سکتی ہے، اوسکی نگاہ مین محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابلِ شکست پیمان کوئی دوسرا نہین، اس لیے یہان کے بعض فرقون مین خالق ومخلوق کی باہمی محبت کے تعلّق کو زن وشو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقرا، اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویر ہین،

یہ تمام فرقے جنھون نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادّی رشتون کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ راہ سے بے راہ ہو گئے،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، [2] ابو داؤد کتاب الادب،

اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف اُن کے عوام کو بلکہ خواص تک کو گمراہ کر دیا اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیت کے ظاہری مغالطون مین گرفتار ہو گئے، عیسائیون نے واقعی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹون نے ماتاؤن کی پوجا شروع کر دی، سدا سہاگ فقیرون نے چوڑیان اور ساڑیان پہن لین، اور خدائے قادر سے شوخیان کرنے لگے،

اسی لیے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کے لیے ان الفاظ کا استعمال اُس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشا کو اور اس مجاز کے پردہ مین جو حقیقت مستور ہے اوس کا انکار نہین کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنون کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے، اور وہ ان سے بھی زیادہ وسیع و کامل معنی کا طالب ہے،

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ) تم خدا کو اُس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپون کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو،

دیکھو! کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لیے ناکافی قرار دیتا ہے، اور عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے،

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقۂ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہین آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہین سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانون کی بولی مین اتری ہین، اُن کے تمام خیالات اور تصورات، اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہین، اس لیے اُن کے ذہن مین کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی تصور کسی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہین ہو سکتا، اور نہ اس لیے اُن کے لغت کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزہ اور بلند طریقہ سے بیان کر سکے جسمین مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان ان دیکھی چیزون کا تصور صرف دیکھی ہوئی چیزون کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے اور اسطرح اُن ان دیکھی چیزون کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ مین اتر جاتا ہے،

اس "ان دیکھی ہستی" کی ذات و صفات کے متعلق جسکو تم خدا کہتے ہو، ہر مذہب مین ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروون کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کامل تر مذہب کا

کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جسمانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں تک بنی نوعِ انسان کے لیے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے معتقد کے لیے ناممکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لئے نبوتِ محمدی نے ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہارِ ربط و تعلق کے باب میں یکقلم ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال بھی شرک قرار دیا، تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لئے اس نے جسمانی و مادی رشتہ کے ان جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقاتِ مابین کے اظہار کے لیے مستعار لیا جنکا اظہار دوسرے مذاہب نے ان رشتوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کئے بغیر اس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش آچکی تھیں ان سے ان کو محفوظ رکھا،

ہر زبان میں اس خالقِ ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جنکو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گو انکی حیثیت اب عَلَم اور نام کی ہے، تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیشِ نظر رکھکر استعمال کئے گئے ہیں، ہر قوم نے اس عَلَم اور نام کے لیے اسی وصف کو پسند کیا ہے، جو اس کے نزدیک اس خالقِ ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور عَلَم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے اس میں اہلِ لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہِ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وَلَاہٌ سے نکلا ہے، اور ولہٌ کے اصل معنی عربی میں اس "غم" "محبت" اور "تعلقِ خاطر" کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ وَالِہ (شیدا) مستعمل ہے، اس لیے اللہ کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگرداں، متحیر اور پریشان ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ

وہ ہندی مین "من موہن" یعنی "دلون کا محبوب" کہا کرتے تھے،

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتون پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ "رحمان" اور "رحیم" ہے، ان دونون لفظون کے تقریبًا ایک ہی معنی ہین یعنی "رحم والا" "مہربان" "لطف و کرم والا" بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (محبوب، مہربان رحم والا) کے ضمن مین قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز مین انھین صفاتِ ربّانی کے بار بار دہرانے کی تاکید کیگئی ہے، ہم نماز مین کئی کئی دفعہ اُن کی تکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل مطلوب ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان مین خدا کا دوسرا عَلَم یہی لفظ "رحمان" ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی مین صفتِ مبالغہ کا لفظ ہے،

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ (بنی اسرائیل - ۱۲)

اُس کو "محبوب" (اللہ) کہو یا "مہربان" (رحمان) کہو، جو کہکر اسکو پکارو، سب اچھے نام اُسی کے ہین،

قرآن مجید نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی صدہا بار کی تکرار کو چھوڑ کر ۵۳ موقعون پر خدا کو اس رحمان کے نام سے یاد کیا ہے،

ابھی اس سے پہلے باب مین اسمائے الٰہی کا ایک ایک حرف ہماری نظر کے سامنے سے گذر چکا ہے، ان نامون مین اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آگئے ہین، استقصا کرو، تو معلوم ہوگا کہ ان مین بڑی تعداد انھین نامون کی ہے جنمین اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہے، قرآن مجید مین اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف اَلْوَدُوْدُ (سورۂ ذات البروج مین) آیا ہے، جس کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہین، کہ وہ سرتاپا مہر و محبت اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام اَلْوَلِیُّ ہے، جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہین، خدا کا ایک اور نام قرآن مجید مین بار بار استعمال ہوا ہے، وہ اَلرَّؤُفُ ہے "رؤف" کا لفظ "رأفت" سے نکلا ہے "رأفت" کے معنی اُس محبت اور تعلقِ خاطر کے ہین جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام حَنَّانٌ ہے

"جو حَنّ" سے مشتق ہے "حن" اور "حنین" اُس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہین جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہین جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے اختیار کیے ہین، دیکھو کہ وہ ان رشتون کا نام نہین لیتا لیکن ان رشتون کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات ہین اُن کو خدا کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے، اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخیل آئے بغیر وہ ان روحانی معنون کی تلقین کر رہا ہے،

محمد رسول اللہ صلعم نے بتایا کہ وہ غَفَّارٌ (بخشش کرنے والا) اور غَفُورٌ (بخشنے والا) ہے، یعنی بندون کے گناہون کو معاف کرنے والا، وہ سَلَامٌ (امن و سلامتی) ہے کہ سرتاپا اپنے بے پناہ بندون کے لیے امن اور سلامتی ہے، پھر وہ مُؤمِنٌ (امن دینے والا) ہے، وہ اَلْعَدْلُ یعنی سرتاپا انصاف ہے، اَلْعَفُوُّ (معاف کرنے والا) ہے، اَلْوَهَّابُ (عطا کرنے والا) اَلْحَلِیْمُ (بردبار) اَلصَّبُوْرُ (بندون کی گستاخیون پر صبر کرنے والا) اَلتَّوَّابُ (بندون کے حال پر رجوع ہونے والا) اَلْبَرُّ (نیک اور مجسّم خیر) اور اَلْمُقْسِطُ (منصف اور عادل) ہے، ان مین ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کسقدر بلند اور برتر ہے،

توراۃ کے اسفار، انجیل کے صحیفون، اور ہندوٴن کے ویدون کا ایک ایک ورق پڑھ جاوٴ، کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ پُر محبت، یہ سراپا مہر و کرم، اسمار و صفات کی یہ کثرت تم کو وہان ملیگی؟ یہ سچ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے مان اور باپ کا لفظ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی طرح استعمال کرنا جائز نہین سمجھتا، مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ اس لطیف احساس اور مہر و کرم کے جذبات و عواطف سے خالی ہے جنکو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہین، اگر بات یہ ہے کہ ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کیساتھ وہ شرک و کفر کی اُس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسانون کو بچانا چاہتا ہے جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھکر پاک اور سرتاپا روحانی معنون کو مادی اور مجسم یقین کر لیتے ہین، اور اس لیے وہ اُس بلند تر توحید کی سطح سے بہت نیچے گر کر سر رشتہ حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہین،

محمد رسول اللہ صلعم متکلم ازل کا آخری پیغام لیکر آئے تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ آپکی تعلیم اس قسم کی لغزشون

سے پاک و مبرا ہو، روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا، یقیناً مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہین، تاہم ایک دائمی تعلیم کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنی تعلیم کو استعمالات کی غلطیون اور مجازات کی غلط فہمیون سے محفوظ رکھے چنانچہ اسلام نے اسی بنا پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال مین بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے مہر و کرم اور عشق و محبت کے تذکرونکے ساتھ آداب و لحاظ کے قواعد کو فراموش نہین کیا ہے، قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق و محبت کے ان دلآویز اور ولولہ انگیز حکایات سے معمور ہین، با این ہمہ وہ انسان کو بیٹا اور خدا کو باپ نہین کہتا کہ عبد و معبود کے تعلقات کے اظہار کے لیے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہین، وہ خدا کو اَب (باپ) کے بجائے ”رَبّ“ کہکر پکارتا ہے، وہ اوس کو تمام دنیا کا باپ نہین بلکہ تمام دنیا کا رَبّ کہتا ہے،

”اَب اور رَبّ“ ان دونون لفظون کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ عیسائیون اور یہودیون کا تخیل اسلام کے مطمح نظر سے کس درجہ پست ہے، اَب یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ مین قائم ہوتا ہے، اور پھر اسکی حیثیت بدل کر، پرورش اور حفاظت کی صورت مین وہ بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود مین ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر یہ تعلق حد درجہ ناقص، محدود، اور آنی ہوتا ہے، بیٹے کے وجود، قیام و بقا، ضروریات زندگی، سامان حیات، نشو و نما اور ارتقا کسی چیز مین باپ کی ضرورت نہین ہوتی، وہ اپنے باپ سے الگ، مستقل، اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے، اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لحظہ کے لیے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے،

ربوبیت (پرورش) عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اُس تعلق کا نام ہے، جو آغاز سے انجام تک پیدایش سے لیکر وفات تک، بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے، جو ایک لحظہ کے لیے منقطع نہین ہو سکتا جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گہوارۂ عدم سے لیکر فناے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا ہاتھ تھامے رہتا ہے، انسان ذرہ ہو یا بصورت غذا، قطرۂ آب ہو، یا قطرۂ خون، مضغۂ گوشت ہو یا مشت استخوان، شکم مادر مین ہو یا

اُس سے باہر، بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، کوئی آن، کوئی لمحہ، رب کے مہر و کرم اور لطف و محبت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا

علاوہ ازین باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیت، ہمجنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے، اُس سے لفظ

رَبّ بکلّی پاک ہے، اور اسمین ان ضلالتون اور گمراہیون کا خطرہ نہین جنہین نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا

کر رکھا ہے،

اب ان آیتون اور حدیثون کو دیکھو جنسے یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اُس ازلی و ابدی عشق و محبت کے نور سے

کس درجہ معمور ہے، اور وہ خمخانہ الست کی سرشاری کی یاد بھکے ہوئے انسانون کو کس کس طرح دلا رہا ہے، اسلام کا سب سے

پہلا حکم ایمان ہے ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت "حبِّ الٰہی" ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہلِ ایمان کی پہلی

جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی، زبانِ الٰہی نے شہادت دی،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ - ۲۰) جو ایمان لائے ہین وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہین،

اس نشہ محبت کے سامنے باپ، مان، اولاد، بھائی، بیوی، جان مال، خاندان سب قربان اور نثار ہو جانا چاہئے،

ارشاد ہوتا ہے،

اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ — اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویان

وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا — اور تمھارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ — جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے، خدا اور اس کے رسول

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ — اور اس کی راہ مین جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارا ہے

فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ (توبہ - ۳) تو اُس وقت تک انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لے آئے،

ایمان کے بعد بھی اگر نشہ محبت کی سرشاری نہین ملی تو وہ بھی جادۂ حق سے دوری ہے، چنانچہ جو لوگ کہ راہِ حق

سے بھٹکنا چاہتے تھے اُن کو پکار کر سنا دیا گیا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ — مسلمانو! اگر تم مین سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائیگا تو خدا کو

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (مائدہ-۸) — اس کی کچھ پروا نہیں، وہ ایسے لوگوں کو لا کھڑا کریگا جنکو وہ پیار کریگا اور وہ اُس کو پیار کرینگے،

حضرت مسیح ؑ نے کہا "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمھارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے، نہ تمھارے سینہ میں صدمۂ فراق کی جلن ہے، اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمھارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہتیرے ہو سکتے ہیں، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اُس کے احکام کی پیروی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہے، خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے،

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران-۴) — اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو پیار کریگا،

محبت کیونکر حاصل ہو، وحی محمدی نے اس رتبۂ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی، فرمایا،

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا، (مریم-۶) — جو لوگ ایمان لائے، اور اُنھوں نے نیک کام کئے، رحمت والا خدا اُن کے لیے محبت پیدا کریگا،

اس آیت میں محبت کے حصول کے ذریعے دو بتائے گئے، ایمان، اور عمل صالح، یعنی نیک کام، چنانچہ طبقات انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جنکو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (مائدہ ۳، وبقرہ-۲۴) — خدا نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (بقرہ-۲۸) — خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران-۱۷) — خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (مائدہ ۶، ۱-حجرات-۱) — خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (توبہ-۱، ۲) — خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ (صف-۱) خدا اُن کو پیار کرتا ہے جو اُس کے راستہ میں لڑتے ہیں،

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (آل عمران-۱۵) اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ ، (توبہ-۱۳) اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے محبت کرتا ہے، اور تین قسم کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا، محبت اُن سے کرتا ہے، جو خدا کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہیں، اور اُن کو جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں اور اُن کو کہ جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لیے بستر لگاتا ہے تو وہ وضو کر کے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہیں، اترانے والا مغرور، احسان دھرنے والا بخیل، جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مال بیچنے والا سوداگر،

دنیا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کانٹا سا چبھتا ہے، اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدر اور منغص بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے، تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے، پہلے کا نام حزن و غم ہے، اور دوسرے کا نام خوف و دہشت ہے، غرض غم اور خوف یہی دو کانٹے ہیں، جو عاجز و درماندہ انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چبھتے رہے ہیں، لیکن جو محبوب حقیقی کے طلبگار اور اُس کے والہ و شیدا ہیں، اُن کو بشارت ہے کہ اُن کے عیش کا چمن اس خارزار سے پاک ہوگا،

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ، (یونس-۷) ہاں خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے، اور نہ وہ غمگین ہونگے،

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگذر اور عفو و بخشش پر آمادہ کرتا ہے، اُس کا نام "رحم" اور "رحمت" ہے، اسلام کا خدا انتہا درجہ رحم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصۂ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اُس کا نام رحمان و رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اوسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہ ہو تو کچھ نہ ہو، اسی لئے اسکی رحمت سے ناامیدی جرم اور

ل‍ه احمد ابن حنبل مسند ابوذر، جلد ۵ صفحہ ۱۷۶،

مایوسی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ وتیار ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو وہ محمد رسول اللہ صلعم کی زبان سے "میرے بندے" کہکر تسلی کا یہ پیام بھیجتا ہے،

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ، (زمر-۶)	اے پیغمبر! میرے اُن بندوں کو پیام پہنچا دے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے کہ وہی بخشش کرنے والا اور رحم کھانے والا ہے،

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں،

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (حجر - ۴)	ناامیدوں میں سے نہ ہو،

خلیل اللہ اس رمز سے ناآشنا نہ تھے، کہ مرتبۂ خلت محبت سے مافوق ہے، جواب دیا:-

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (حجر-۴)	اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کوئی مایوس نہیں ہوتا،

بندوں کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہیں مگر اُس نے خود اپنی رحمت کے اقتضاء سے اپنے اوپر کچھ چیزیں فرض کرلی ہیں، منجملہ اُن کے ایک رحمت ہے، خدا مجرموں کو سزا دیسکتا ہے، وہ گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے، وہ سیہ کاروں کو ان کی گستاخیوں کا مزہ چکھا سکتا ہے، وہ غالب ہے، وہ قاہر ہے، وہ جبار ہے، وہ منتقم ہے لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار وغفور ہے، رحمان ورحیم ہے، رؤف وعفو ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود بخود عائد کرلی ہے، اور اپنے اوپر اس کو فرض گردان لیا ہے،

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ، (انعام-۲)	اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے،

قاصد خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے،

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ	اے پیغمبر جب تیرے پاس وہ آئین جو میری آیتوں پر یقین رکھتے
سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ	ہین تو اُن کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمھارے پروردگار نے اپنے
اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ	اوپر از خود اپنے بندون پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی
مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	تم مین سے براہ نادانی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد بارگاہ الٰہی
(انعام-۶)	کی طرف رجوع کرے اور نیک بنے تو بیشک وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصۂ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایۂ رحمت سے محروم نہین،

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (اعراف-۱۹) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے،

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثون مین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اُس نے اپنے دست خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی، جامع ترمذی مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کسقدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا" یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے، بارگاہِ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگارون کو بشارت سناتا ہے کہ "اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہوگے اور مجھ سے آس لگائے رہوگے مین تمھین بخشتا رہونگا خواہ تم مین کتنے ہی عیب ہون، مجھے پروا نہین، اے آدم کے بیٹو! اگر تمھارے گناہ آسمان کے بادلون تک بھی پہنچ جائین، اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو، تو مین معاف کر دون خواہ تم مین کچھ ہی عیب ہون مجھے پروا نہین، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمھارے گناہون سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ اور میرا کسی کو شریک نہ بناتے ہو، تو مین بھی تمھارے پاس پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمھارے پاس آؤنگا[1]" کیا انسانون کے کانون نے اس رحمت، اس محبت، اس عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابو ایوبؓ صحابی کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انھون نے لوگون سے کہا کہ آنحضرت صلعم

---

[1] جامع ترمذی (ابواب الدعوات) و دیگر کتب احادیث (صحیح)

نے فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشتا[1] یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم وکرم کے اظہار کے لیے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے، کہ نکوکاروں کو تو سب ڈھونڈتے ہیں، مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے،

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم وکرم اور مہر ومحبت کے عناصر پائے جاتے ہیں، جنکی بنا پر دوستوں، عزیزوں، قرابتداروں اور اولادوں میں میل ملاپ اور رحم ومحبت ہے، اور جسکی بنا پر دنیا میں عشق ومحبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اُس شاہد حقیقی کے سرمایۂ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے، اُن میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں[2]"، اس لطف وکرم اور مہر ومحبت کی بشارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شراب خواری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ آکر کہا "خداوندا! تو اپنی لعنت اسپر نازل کر کہ یہ کسقدر بار بار لایا جاتا ہے"، رحمۃ للعالمین کو لوگوں کی یہ بات ناپسند آئی فرمایا "اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے[3]" تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لیے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے،

محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اُن عربوں کو جو خدا کی محبت کیا خدا کی معرفت سے بھی ناآشنا تھے کس طرح آشنائے حقیقت کر دیا، اور اس ذاتِ الٰہی کے ساتھ اپنی وابستگی محبت اور سرشاری کے لطف سے اُن کو کس درجہ بہرہ اندوز کر دیا، بلال کو دیکھو، ٹھیک دوپہر کو عرب کی جلتی ہوئی ریت میں ان کو لٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر اُن کے سینہ پر رکھا جاتا ہے، اور خدائے واحد سے انحراف کے لیے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، اور وہ یہ سب تکلیفیں اٹھا رہے ہیں مگر زبان پر صرف أحد أحد وہی ایک کا ترانہ[4] ہے، مکہ کا ذرہ ذرہ صدائے حق کا دشمن ہے، ابو ذر غفاری یہ جانکر بھی صحن کعبہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۱۴ [2] بخاری کتاب الادب باب صفحہ ۸۸۰ [3] بخاری کتاب الحدود باب مایکرہ من لعن شارب الخمر صفحہ ۱۰۰۲، [4] سیرۃ ابن ہشام ذکر عدوان المشرکین واسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ مصر،

مین جوشِ وحدت سے سرشار ہو کر کلمۂ توحید کا بآواز بلند اعلان کرتے ہین، ہر طرف سے پتھر اور ہڈی کی بارش ہوتی ہے، بعض لوگ چھڑا دیتے ہین، دوسری صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر وہی سرشاری ہوتی ہے اور وہی سزا ملتی ہے[1]،

ایک صحابی جو رات کو میدانِ جنگ مین ایک پہاڑ پر پہرہ دینے پر متعین تھے، وہ اپنی نیند ٹالنے کے لیے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہوتے ہین دشمن پے بہ پے تین دفعہ تیر مارتا ہے جو بدن مین پیوست ہو جاتا ہے اور وہ بدستور محو نماز ہین، اُن کے ساتھی پوچھتے ہین کہ تم نے نماز کیون نہین توڑی، کہتے ہین کہ جو سورہ شروع کی تھی جی نہ چاہا کہ اوس کو تمام کیے بغیر چھوڑ دون[2]،

محمد رسول اللہ صلعم کے دو جانشین عین نماز مین زخم کھا کر گرتے ہین، مگر مقتدیون کی صف اُس باقی اور حی کے سامنے کھڑی ہو کر، ہر فانی و میت ہستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے، اسی لیے خدا نے بشارت دی کہ انکا محبوب خدا اور وہ خود خدا کے محبوب تھے، یعنی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ،

مدینہ مین ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی، اُسکا جنازہ اٹھا تو فرمایا، اس کے ساتھ نرمی کرو، کہ اللہ نے بھی اُس کے ساتھ نرمی کی ہے، کیونکہ اُس کو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت تھی، قبر کھودی جانے لگی فرمایا اوسکی قبر کشادہ رکھو کہ خدا نے اس کے ساتھ کشادگی فرمائی، اس بار بار کے اہتمام کو دیکھکر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلعم! آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے" فرمایا ہان کہ اُس کو خدا اور رسول پیارے تھے[3]" ایک دفعہ آپنے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا، وہ جب نماز پڑھاتے، تو ہر نماز مین ہر سورہ کے آخر مین قُلْ هُوَ اللّٰهُ ضرور پڑھتے، جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمتِ اقدس مین یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا "اُن سے پوچھو کہ وہ ایسا کیون کرتے ہین" لوگون نے پوچھا تو جواب دیا کہ "یہ مین اس لیے کرتا ہون کہ اس سورہ مین رحم والے خدا کی صفت بیان ہے، تو مجکو اس کے پڑھنے سے محبت ہے،" فرمایا، اُن کو بشارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی اُن سے محبت کرتا ہے[5]" یہ بشارت محمد رسول اللہ صلعم کی

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو ذر غفاری رض [2] صحیح بخاری وسنن ابی داؤد، کتاب الطہارت باب الوضوء من الدم، [3] ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی حفر القبر [4] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب فضل قرأۃ قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین السورتین مین کسیقدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہے،

زبانِ مبارک کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے؟

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمتِ والا میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! قیامت کب آئیگی" فرمایا "تم نے اُس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے"، نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازوں کا، نہ روزوں کا اور نہ صدقات و خیرات کا بڑا ذخیرہ ہے جو کچھ سرمایہ ہے، وہ خدا اور رسول کی محبت کا ہے اور بس!" فرمایا "تو انسان جس سے محبت کریگا وہ اسی کے ساتھ رہیگا" صحابہ نے اس بشارت کو سنکر اُس دن بڑی خوشی منائی[۱]،

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتۂ خاص جبریلؑ سے کہتا ہے کہ میں فلان بندہ کو پیار کرتا ہون، تم بھی اس کو پیار کرو، تو جبریلؑ بھی اُس کو پیار کرتے ہیں اور آسمان والے بھی اُس کو پیار کرتے ہیں، اور پھر زمین میں اوسکو ہر دلعزیزی اور حسنِ قبول بخشا جاتا ہے[۲]"

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بندہ اپنی طاعتون سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے، تو میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہون، یہان تک کہ میں اسکا وہ کان بنجاتا ہون جس سے وہ سنتا ہے، اور اسکی وہ آنکھ ہو جاتا ہون جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ ہاتھ بنجاتا ہون جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہ پاؤن بنجاتا ہون جس سے وہ چلتا ہے[۳]" یہ دولتِ بے نہایت، یہ سعادتِ عظمیٰ آستانۂ محمدی کے سوا کہیں اور نہیں ملتی،

امام بزار نے مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "میں ان لوگوں کو پہچانتا ہون جو نبی ہیں اور نہ شہید ہیں لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیا اور شہدا بھی رشک کرینگے یہ وہ لوگ ہیں جنکو خدا سے محبت ہے، اور جنکو خدا پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتاتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں[۴] الخ" یہ قابلِ رشک رتبہ محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کس کے ذریعہ عطا ہوا،

۱؎ مسلم کتاب الادب باب المرء مع من احب، بخاری کتاب الادب باب ما جاء فی قول الرجل ویلک۔ ۲؎ مسلم کتاب الادب باب اذا احب اللہ عبدا حببه لعباده۔ ۳؎ بخاری کتاب الرقاق باب التواضع۔ ۴؎ اسکی ہم معنی حدیث ترمذی، مالک اور شعب الایمان بیہقی میں بھی ہیں دیکھو مشکوٰۃ کتاب الآداب باب الحب فی اللہ فصل ثانی۔

امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اُن کا پیار کرنا مجھ پر لازم ہے جو آپس مین ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہین، اور میری محبت مین ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہین اور میری محبت مین ایک دوسرے سے ملتے ہین، اور میری محبت مین ایک دوسرے کے لیے اپنی جان و مال وقف کرتے ہین[1]،

یہ محبت الٰہی کی نیرنگیان اسلام ہی کے پردہ مین نظر آتی ہین،

ترمذی مین حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، "لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمھین اپنی نعمتین عطا کرتا ہے، اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت کرو[2]"

یہ عشق و محبت کی دعوت، محبوب ازل کے سوا اور کون دے سکتا ہے ؟

عام مسلمانون مین پیغمبر اسلام کا لقب "حبیب خدا" ہے، دیکھو کہ حبیب و محبوب مین خلت و محبت کے کیا کیا ناز و نیاز ہین، آپ خشوع و خضوع کی دعاؤن مین، اور خلوت و تنہائی کی ملاقاتون مین کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے؟ امام احمد اور بزار نے مسندون مین، ترمذی نے جامع مین، حاکم نے مستدرک مین، اور طبرانی نے معجم مین متعدد صحابیون سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلعم اپنی دعاؤن مین **محبت الٰہی** کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا مین سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے، لیکن محبوب خدا کی نگاہ مین یہ چیزین ہیچ تھین، دعا فرماتے تھے، خداوندا!

اسئل حبّك وحبّ من يحبّك وحبّ عمل يقرّب الى حبّك، (احمد۔ترمذی۔حاکم)	مین تیری محبت مانگتا ہون اور جو تجھ سے محبت کرتا ہو اسکی محبت اور اس کام کی محبت جو تیری محبت سے قریب کردے،
اللّٰهمّ اجعل حبّك احبّ الیّ من نفسی و اهلی ومن الماء البارد، (ترمذی،حاکم)	الٰہی تو اپنی محبت کو جان سے، اہل و عیال سے، اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر مین محبوب بنا،

---

[1] مشکوٰۃ باب مذکور، [2] مشکوٰۃ مناقب اہلبیت بروایت ترمذی،

عرب مین ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتون اور نعمتون سے زیادہ گران اور قیمتی ہے لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خنکی سے نہین سیر ہوتی تھی، وہ صرف محبت الٰہی کا زلال خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہین، مگر ایک عاشق الٰہی (مسیح) کا قول ہے کہ "انسان صرف روٹی سے نہین جیتا، پھر وہ کون روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہین ہوتا، حضور دعا فرماتے ہین،

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یَنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَكَ، (ترمذی)

خداوندا! تو اپنی محبت اور اوسکی محبت جو تیری محبت کی راہ مین نافع ہے مجھے روزی کر،

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے، صحیحین[1] مین ہے،

مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا

یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام ماسوا کی محبتین ہیچ ہو جائین،

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے، کہ وہ انسانون کو یہ سکھاتے ہین، کہ وہ اپنے خدا کو ماں، باپ سمجھین، اور اُس سے اُسی طرح محبت کرین جسطرح وہ اپنے والدین سے کرتے ہین، اور چونکہ اسلام نے اس طریقۂ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے، ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے وہ یہ سمجھتے ہین کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم محبت الٰہی کے مقدس جذبات سے محروم ہے لیکن جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ دعوی سرتاپا بے بنیاد ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم محمدی کی بلندی نظر اور محبت کا علوے معیار، ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو بہت پست اور فروتر سمجھتا ہے، قرآن مجید کی یہ آیت پہلے بھی اس دعوی کے ثبوت مین پیش کیجا چکی ہے،

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا، (بقرہ - ۲۵)

تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بہت زیادہ،

لیکن احادیث سے ہمارا یہ دعوی اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنون مین بھاگ دوڑ

[1] مسلم کتاب الایمان باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان، بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان،

پڑی ہے، جس کو جہان امن کا گوشہ نظر آتا ہے، اپنی جان بچا رہا ہے، بھائی بھائی سے، ماں بچہ سے، بچہ ماں سے الگ ہے، اسی حال مین ایک عورت آتی ہے، اس میدان حشر مین اُس کا بچہ گم ہو گیا ہے محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اُس کے سامنے آجاتا ہے، اپنے بچہ کے جوش محبت مین اوس کو چھاتی سے لگا لیتی ہے، اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے، رحمۃ للعالمین کی نظر پڑتی ہے، صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہین کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دہکتی آگ مین ڈال دے؟ لوگون نے عرض کی "ہرگز نہین" فرمایا "تو جتنی محبت ماں کو اپنے بچہ سے ہے خدا کو اپنے بندون سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے[1]"

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لا رہے ہین، ایک عورت اپنے بچہ کو گود مین لیکر سامنے آتی ہے اور عرض کرتی ہے "یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندون سے اُس سے زیادہ نہین ہے؟ فرمایا "ہاں" "بیشک اُس سے زیادہ ہے" بولی "تو کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ مین ڈالنا گوارا نہ کریگی" یہ سنکر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا "خدا صرف اُس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے[2]"

آپ ایک مجلس مین تشریف فرما ہین، ایک صحابی چادر مین ایک پرند کو مع اُس کے بچون کے باندھ کر لاتے ہین اور واقعہ عرض کرتے ہین کہ "یا رسول اللہ! مین نے ایک جھاڑی سے ان بچون کو اٹھا کر کپڑے مین لپیٹ لیا، ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، مین نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً آکر میرے ہاتھ پر بچون پر گر پڑی" ارشاد ہوا "کیا بچون کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھکو حق کے ساتھ مبعوث کیا، جو محبت اس ماں کو اپنے بچون کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندون کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے[3]"

ایک صاحب ایک چھوٹے بچہ کو لیکر خدمت اقدس مین حاضر ہوتے ہین، محبت کا یہ حال تھا کہ وہ بار بار اس کو گلے سے لگائے جاتے تھے، آنحضرت صلعم نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچہ سے محبت ہے، اس نے کہا "ہاں" فرمایا "تو اللہ کو تم سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، باب رحمۃ الولد [2] سنن نسائی، باب ما یرجی من الرحمۃ [3] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد کتاب الاسماء، باب رحمۃ اللہ و غضبہ،

اس سے زیادہ محبت ہے، جتنی تم کو اس بچہ سے ہے، وہ سب رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے[1]"

جمالِ حقیقت کا پہلا مشتاق اور مستورِ ازل کے زیرِ نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے، مرض کی شدت ہے، بدن بخار سے جل رہا ہے، اٹھکر چل نہیں سکتا لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلانِ خاص کی طاقت پاتا ہے، مسجدِ نبوی میں جان نثار حاضر ہوتے ہیں، سب کی نظریں حضور کی طرف لگی ہیں، نبوت کے آخری پیغام کے سننے کی آرزو ہے، دفعۃً لبِ مبارک ہلتے ہیں تو یہ آواز آتی ہے "لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برات کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے، مجھکو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے، جیسے ابراہیم کو اس نے اپنا پیارا بنایا تھا[2]" یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا، عین حالتِ نزع میں زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا "خداوندا! بہترین رفیق[3]"

اللہ تعالیٰ کی کریمی و رحیمی، اوسکی بیچارہ نوازی، عاجزوں اور درماندوں کی دستگیری، اور اپنے گنہگار بندوں کیساتھ اسکی شانِ بخشش کا ترانہ خود محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے کانوں سے سنا اور نادم و متاسف سیہ کاروں تک اس مژدہ کو پہنچا کر اُن کے شکستہ اور زخمی دلوں پر مرہم رکھا، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ للعالمینؐ نے یہ پیام ربانی ہم کو سنایا،

"میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی، اور تمھارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے، تو ایک دوسرے پر تم ظلم نہ کیا کرو، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک گمراہ تھا، لیکن جسکو میں نے راہ دکھائی، تو مجھ سے راستہ پوچھو، میں بتاؤنگا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک بھوکا تھا، لیکن جسکو میں نے کھلایا، تو مجھ سے کھانا مانگو، میں تم کو کھلاؤنگا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک پیاسا تھا، لیکن جسکو میں نے پلایا، تو مجھ سے پانی مانگو، میں تم کو پلاؤنگا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک ننگا تھا، لیکن جس کو میں نے پہنایا، تو مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو پہناؤنگا، اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو، اور میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو، میں تم کو معاف کرونگا، اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمھاری طاقت میں نہیں، اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمھاری قدرت میں ہے، اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے پچھلے جن اور انس، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار کے دل کے برابر ہو جائیں تو میری شہنشاہی میں ایک ذرہ اضافہ نہ ہوگا

[1] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ العیال ص ۵، مصر [2] صحیح مسلم کتاب المساجد [3] صحیح بخاری، ذکر وفات نبوی،

اور اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، جن وانس، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت سب دنیا کے سب سے بڑے گنہگار کے دل کے برابر ہو جائیں تو بھی میری شہنشاہی مین ایک ذرہ کمی نہ ہوگی، اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، اور جن وانس، سب کسی ایک زمین مین کھڑے ہو کر مجھ سے مانگین اور مین سب کے سوال کو پورا کرون، تو میرے خزانہ مین کچھ کمی نہ ہوگی، لیکن اوتنی جتنی ایک سوئی سمندر کے پانی مین ڈال کر نکالی جائے، اے میرے بندو! تمھارے ہی عمل ہونگے جنکو مین گن گن کر تم کو واپس کرونگا، اور پورا کرونگا، تو جسکو بھلائی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جسکو برائی ملے وہ اپنے ہی آپ کو ملامت کرے[1]"

یہ محبت کا نغمۂ ازل دنیا نے محمد رسول اللہ صلعم ہی کی زبانِ مبارک سے سنا، یہ تسلّی و تشفّی کا پیام انھین کے مبارک لبون سے ادا ہوئے، یہ عفو و کرم کے بحرِ بیکران کا ساحلِ امید انھین کے دکھانے سے ہم کو نظر آیا، اور گنہگارون کو "میرے بندو" کہکر پکارے جانے کی عزت انھین کے وسیلہ سے ملی، صلے اللہ علیہ وسلّم،

[1] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ و صفحہ ۱۵۴ و ۱۷۷، و ادب المفرد امام بخاری، باب الظلم ص ۹۵ مصر، مین نے صحیح مسلم کی روایت سامنے رکھی ہے لیکن بعض الفاظ مسند سے لیکر بڑھا دیئے ہین، اس کے بعض بعض ٹکڑے انجیل مین بھی ملتے ہین، (دیکھو متی ۲۵ - ۲۵ تا ۴۵) مگر دونون کے ملانے سے ناقص و کامل کا فرق نمایان ہوتا ہے،

فرشتون پر ایمان

وَمَلٰئِکَتِہٖ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے، اس کا واحد ملک ملاک اور مالک تین طرح سے مستعمل ہی، اس کے لغوی معنی "قاصد" اور "رسول" کے ہین، اسی لیے قرآن پاک مین ملائکہ کے لیے رُسُل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی "قاصد" اور "پیام رسان" کے ہین، اور ان سے مراد وہ غیر مادی نیک مخلوق ہستیان یا ارواح ہین جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے اسباب و علل کے کاروبار کو چلا رہی ہین، اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو وہ اُس کے انجن اور اُس کے کل پرزون کو حرکت دینے والے قوی ہین، جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے ہین، اور چلا رہے ہین، یعنی وہ خالق اور اُس کے مخلوقات کے درمیان اس حیثیت سے پیام رسانی اور سفارت کی خدمت انجام دے رہے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو اُن پر القا کرتا ہے، اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اُس کو مخلوقات مین جاری اور نافذ کرتے ہین، اُن کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ اُن کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ سرتاپا اطاعت ہین، اور خدا کے حکم سے ایک سرمو تجاوز نہین کرتے، گویا انکی خلقت ہی صرف اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے کیگئی، دنیا پر رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے، وہ انھین کے ذریعہ سے اور خدا انبیا پر اپنے جو احکام اتارتا ہے، یا اُن سے ہمکلام ہوتا ہے، وہ انھین کی وساطت سے،

دنیا کے تمام مذاہب بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ مین بھی اس قسم کی ہستیون کا وجود تسلیم کیا گیا ہے، صابی مذہب یا ان کے ستارون اور سیارون کی صورت مین مانے گئے ہین، یونانی مصری (اسکندری) فلسفہ مین اُن کا نام "عقول عشرہ" (دس عقلین) رکھا گیا ہے، اور ساتھ ہی نو آسمانون مین بھی الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کیے گئے ہین،

بلکہ خالص یونانی فلسفہ مین بھی بعض غیر مادی ارواحِ مجردہ کا پتہ لگتا ہے جنمین سے سب سے اہم لوگس کا تخیل ہے، جس سے مقصود وہ اولین ہستی ہے جسکو خدا نے تمام کائنات کی خلق کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے، اور جسکو اہلِ فلسفہ عقلِ اوّل سے تعبیر کرتے ہین، پارسیون مین ان ہستیون کا نام "امشاسپند" ہے، اور اُنکی بے شمار تعداد قرار دیگئی ہے، یہودی اُنکو "کروبیم" کہتے ہین، اور ان مین سے خاص خاص کے نام جبرئیل اور میکائیل وغیرہ رکھے ہین، عیسائی بھی اُن کو انھین نامون سے یاد کرتے ہین، اور جبرئیل و روح القدس وغیرہ سے اُن مین سے بعض کی تعبیر کرتے ہین، ہندؤن مین وہ دیوتاؤن اور دیبیون کے نام سے روشناس ہین، جاہل عرب اُن کو خدا کی بیٹیان کہکر پکارتے تھے، بہر حال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط نام اور تعبیرین ایک ہی حقیقت کی ہین، اور وہ، وہ روحانی وسائط ہین جو صانع و مصنوعات اور خالق و مخلوقات کے درمیان اُس کے حکم سے عمل پیرا اور کارفرما ہین،

مذاہبِ سابقہ مین ان غیر مادی ذی روح مخلوق ہستیون کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی، وہ کبھی مخلوق بھی کہی جاتی تھین اور کبھی وہ خدائی کے مرتبہ پر بھی بلند ہو جاتی تھین، ہندؤن کے دیوتاؤن اور دیبیاون کی یہی صورت تھی، پارسیون مین امشاسپند کا بھی یہی حال تھا کہ کبھی انکی حیثیت فرشتون کی تھی، کبھی وہ خدا کے مقابل بنجاتی تھین، اور کبھی خدا امشاسپندون مین سے ایک ہو جاتا تھا، ہندؤن کی طرح پارسیون مین بھی وہ قابلِ پرستش سمجھی جاتی تھین، ان کے نزدیک سب سے عالی رتبہ امشاسپند ۷ تھے، اور اُن کے تحت مین ۳۳ تھے، پھر ان مین ہر ایک کے ماتحت ہزارون تھے، اور چونکہ وہ نیکی اور بدی کے دو متقابل خداؤن کے قائل تھے، اس لیے دونون کے ماتحت اچھے اور برے فرشتون کی بیشمار تعداد تھی، نیکی کے فرشتے براہ راست نیکی کی چیزون کو اور برائی کے فرشتے مصیبتون، ہلاکتون اور بدیون کو دنیا مین خلق کرتے تھے، اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے وہ اُن اشیاء کے حاکم سمجھے جاتے تھے، اور دونون خدا اپنی اپنی فوجون اور لشکرون کے پرّون کو لیکر باہم برسرِ پیکار رہتے تھے، یہ بھی اُن کا اعتقاد تھا کہ ہر امشاسپند یا نر فرشتہ کے ساتھ ایک یزد یعنی مادہ فرشتہ تھی، جو اسکی بیوی ہوتی تھی، ہندؤن مین نر دیوتاؤن اور مادہ دیبیون کا تصور تھا، مگر ان نر و مادہ ہستیون مین کسی نر کی کسی مادہ سے خصوصیت خاص نہ تھی، بلکہ ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کی ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیون مین ان فرشتون کی حیثیت ایسی تھی کہ اونکی

بلندی وثنا وصفت خدا سے مشتبہ ہو جاتی تھی، لہٰذا آنے والے فرشتہ کی تعظیم کیجاتی تھی، اُس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اُسکو خداوند کہکر خطاب اس طرح کیا جاتا تھا کہ کہین کہین یہ مشتبہ ہو جاتا ہے کہ یہ خدا کا بیان ہے یا فرشتہ کا، (تکوین ۱۶-۱۳ و ۱۸-۲، ۲۲-۳) وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے، (تکوین ۶-۲) عیسائیون مین ان مین سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے،

صابیون مین ان فرشتون کی قربانی کیجاتی تھی، اُن کے ہیکل بنائے جاتے تھے، اُن کو مظہرِ خدا تسلیم کیا جاتا تھا، عربون مین فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی بیٹیان کہکر پکارے جاتے تھے اور اُنکی پرستش ہوتی تھی، اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ خدا کے دربار مین سفارشی ہونگے، یونانیون مین عقلِ اوّل اور عقولِ عشرہ تمام عالم کے خالق و کارفرما و مرجعِ کل مانے گئے اور خدا کو معطل ٹھہرایا گیا،

اسلام نے آکر ان تمام عقائد کو مٹا دیا، خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بتائے گئے، اُنکی پرستش وعبادت قطعاً ناجائز کیگئی، نر و مادہ کی مادّی جنسیت سے پاک کئے گئے، اور انسانون کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد کیا گیا، انکی تعداد و شمار و درجات بندی کا کوئی تخیل باقی نہین رکھا گیا، اُنکی ہستی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع و فرمانبردار غلام کی قرار دیگئی جسکا شب و روز کام صرف آقا کا حکم بجا لانا ہے، عالم مین اُن کا کسی قسم کا تصرف نہین مانا گیا، اور نہ نیکی و بدی کی دو تقسیمین کیگئین، نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیئے گئے، قرآن مین اونکی ہستی صرف اس حیثیت سے تسلیم کیگئی کہ یہ غیر مادّی ذی روح مخلوقات ہین جنکا کام خدا کی حمد وثنا، اطاعت و فرمانبرداری ہے، اور خالق اور اُس کے مخلوقات کے درمیان وہ پیغام رسانی کے ذریعے ہین، اور اُس کے حکم کے مطابق وہ اوسکی مخلوقات کے اس کارخانہ کو چلا رہے ہین لیکن اس چلانے مین خود اُنکی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہین ہے، اسی لیے قرآن پاک نے ان کا خطاب یہودیون کی طرح "خداوند" نہین مقرر کیا، نہ پارسیون کی طرح اُن کو "قابلِ پرستش" کے لقب سے ملقب کیا، نہ ہندوؤن کی طرح دیوا اور دیوتا اور دیبی کہا، بلکہ صرف "ملک" اور "رسول" جنکے لفظی معنی فرستادہ، قاصد، پیغام رسان اور ایلچی کے ہین،

بلکہ قرآن نے آغازِ خلقتِ انسانی کے قصہ مین یہ حقیقت واضح کردی کہ ملائکہ اس لائق نہین کہ آدم اُن کو سجدہ کرے بلکہ آدم اُن کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ ملائکہ کا مسجود بنے، اور وہ مرتبۂ علم مین اُن سے فوق ٹھہرایا گیا، خدا کی اُن تسبیح و تقدیس کا اُن کو دعوٰی

تھا، انسان کے جوہر طینت کو پہچانکر اُن کو یہ تسلیم کرنا پڑا،

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۔ (بقرہ ۴-۴) تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہین لیکن وہ جو تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے،

اس قصہ نے شروع ہی مین یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیان جنکو دوسرے مذاہب نے انسانون کا دیوتا، انسانون کا خداوند اور کبھی خدا کا ہمسر اور متصرف مطلق قرار دیا تھا، اسلام مین اونکی حیثیت انسان کے مقابلہ مین کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق و بندہ اور عاجز و درماندہ ہین، انسانون کو مادّی اشیاء پر حکومت خاص بخشی گئی، کہ اپنے نفع و نقصان کے لیے اُن سے کام لے سکین، اور ملائکہ کو اپنے حضور مین متعین فرمایا کہ وہ آسمان و زمین اور پوری مملکت الٰہی مین اس کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کرین،

دنیا مین اللہ تعالیٰ نے اسباب و علل کا سلسلہ پیدا کیا ہے، جو ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے، لوگ انھین ظاہری اسباب و علل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہین اور انکی پرستش کرنے لگتے ہین، مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے، آتش پرست اور مادہ پرست یقین کرتے ہین کہ خود اس آگ مین جلانے کی طاقت ہے، اور وہ اُس کے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین، مادہ پرست گو اپنا جسم اس کے آگے نہین جھکاتے مگر اُن کا دل جھک جاتا ہے اور یہ ایمان رکھتے ہین کہ یہ طاقت خود اسی آگ کے اندر ہے، کچھ لوگ ہین جو سمجھتے ہین کہ یہ طاقت آگ مین نہین بلکہ اوسکا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اُس پر حکمران ہے، اور وہ اُس آگ کے فرمانروا کے سامنے جھک جاتے ہین، اسلام کے نظریۂ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا، اور بتایا کہ آگ اور آگ کا اگر کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اُسی ایک رب العالمین اور فرمانروائے ارض و سما کے حکم کے تابع ہین، اُسی کے آگے جھکنا چاہیئے اور اوسی کی بندگی کرنی چاہیئے،

اسلام مین فرشتون کی حقیقت کیا ہے؟ اسکا جواب اُن نصوص سے مل سکتا ہے، جو اُن کے کامون کے متعلق قرآن مین مذکور ہین، اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادّی ذی روح ہستیان ہین جو احکام اور پیغام الٰہی کو دنیا سے خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہین، اور اُن اسباب و علل کو جنکو مادہ پرست ذاتی طور سے مؤثر جانتے ہین،

اور عنکبوت پرست، دیوتاؤن کا کرشمہ سمجھتے ہین، اُن کو احکامِ الٰہی کے مطابق وہ کام مین لگاتے ہین، اور مرضیِ الٰہی کو پوری کرتے ہین،

عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اوسی طرح قبول و انکار کے قابل ہے، جس طرح عقلیات کے دوسرے عقائد اور نظریے ہین، جنکی تصدیق یا تکذیب، عقل کی دسترس سے باہر ہے، اس لیے اس عقیدہ کو یہ کہکر کوئی رد کرنے کی جرأت نہین کرسکتا کہ یہ خلافِ عقل ہے، بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پردازی سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے، وہی یہان بھی کارگر ہے، اشیار مین خصائص اور لوازم کے وجود، اور اُن کے اسباب و علل کا مسئلہ عقلاً مین ہمیشہ اختلافات کا دنگل رہا ہے، اور یہ معما آج بھی اوسی طرح لاینحل ہے، جس طرح پہلے دن تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربون کی طاقت سے باہر ہے، اور فلسفہ بھی اوسکی گتھی کے سلجھانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکمائے ملحدین کی شاہراہ سے الگ ہٹکر اُس کے حل کی کوئی صورت اربابِ مذاہب نے نکالی ہے، تو وہ محلِ اعتراض نہین ہوسکتی، اور نہ وہ خلافِ عقل کہی جاسکتی ہے، کائنات کے حوادث مین جس طرح مادی علل و اسباب کارفرما ہین، اسی طرح اون سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کارفرما ہین، اُن دونون کے توافق سے حوادث کا وجود ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب و ناکام ہوتا ہے، اور اُس کا نام "بخت و اتفاق" رکھتا ہے، حالانکہ مسئلہ علل و اسباب کو ماننے کے بعد بخت و اتفاق کوئی چیز نہین، ان روحانی علل و اسباب کا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتون کو سپرد کیا ہے، جو فرمانبردار چاکرون کی حیثیت سے اوس کو چلا رہے ہین، ہمارے اور دوسرے متکلمین اور حکمار کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب و علل کے "قوائے طبعی" سے کرتے ہین، اور ہم اون کے "قوائے روحانی" سے،

اس تقریر کا یہ منشا نہین ہے کہ اشیار مین خواص اور طبائع، اور اس مادہ کی مملکت مین مقررہ اصول و قانون موجود نہین ہے، اور نہ یہ منشا ہے کہ خود اشیار، اور مادہ کے ذرات کے اندر کوئی خواص و طبائع، اور مادہ کے اجزائے عنصری کے اندر بالطبع کوئی اصول ودیعت نہین، بلکہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص و طبائع اور اصول

وقانون مقرر کرکے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کو انھین اصول وطبائع مقررہ کے مطابق چلاتے رہین،

سمجھنے کے لئے اسکی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار ہستی ہے، مخلوقات کی دو قسمین ہین، ذی رُوح اور غیر ذی رُوح
ذی رُوح مخلوقات کے اکثر افعال وحرکات، اوسکی رُوح کی ارادی قوّت کی وساطت سے انجام پاتے ہین، وہی رُوح
اُسکے ہاتھ پاؤن اور تمام اعضار بلکہ ہر عضو کے ایک ایک رگ و ریشہ پر حکمران اور مسلّط ہے باایں ہمہ وہ رُوح اصول مقررہ کے تحت ہی
اُن اعضار سے کام لیتی ہے، اور اُن اصول سے باہر نہین جاتی، اسی طرح غیر ذی رُوح اشیار پر ابر و باد سے لیکر دریا اور پہاڑ اور سورج اور چاند
تک پر بھی ارواح مقرر ہین، جو اُن اشیار سے خدا کے اصول مقررہ کے اندر یکسان افعال وحرکات کا صدور کراتی ہین جسطرح ہماری رُوح اپنے
اعضار، اور اعضار کے ذریعہ سے مادّہ مین جو تغیرات پیدا کرتی ہے، وہ اشیار کے مقررہ خواص وطبائع ہی کے سہارے کرتی ہے، اسی طرح ملائکہ
انھین مقررہ خواص وطبائع کے ذریعہ ہی اپنے مفوّضہ فرائض انجام دیتے ہین،

الغرض جسطرح ہمارے ارادی افعال اور حکم الٰہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح ونفوس واسطہ ہین، اسی طرح
تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الٰہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح اور نفوس مجرّد واسطہ ہین، اور جسطرح
ہماری انسانی ارواح کی اس وساطت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق پر کوئی اعتراض نہین واقع ہوتا، اسی طرح ان
ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت مین کوئی نقص نہین واقع ہوتا، یہین سے یہ بات بھی سمجھ
مین آتی ہے، کہ ہمارے ارادی افعال مین اختلافات کی اتنی نیرنگیان نظر آتی ہین، مگر ہمارے اور عالم کائنات کے
تمام نوعی افعال مین اختلافات اور نیرنگیون کے بجائے یکسانی، ہمرنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان نے
ارادہ پاکر کسی قدر ذاتی اختیار پالیا ہے، اور یہی ذاتی اختیار اُس کے افعالِ اختیاری کی ذمہ داری، بازپرس اور مواخذہ
کی بنیاد ہے، اور جسکی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب، اور عصیان کرکے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے، مگر دنیا
کی یہ ملکوتی ارواح مجردہ یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے تمامتر محروم ہوکر صرف اطاعت، فرمانبرداری، اور انقیاد کیلئے
پیدا کئے گئے ہین، اس لیے اُن مین عصیان، تمرد، سرکشی اور حکم الٰہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہین ہے، اسی
بنا پر اشیا کے افعال وحرکات وخصائص مین یکسانی، ہمرنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہی فطرت طبیعت

اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورت مین ہمارے لیے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بنجاتا ہے،

۱- اب ہم کو تعلیمات نبوی یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حقیقت کو روشن کرنا چاہیئے، ملائکہ کی سفارت یا پیام رسانی یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا اور ان مین اُن کا بے اختیار ہونا، ان دونون ہی باتون

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ، یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ط وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ،

(الحج -۱۰)

خدا ہی ہے جو فرشتون اور آدمیون مین سے پیام رسان اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور اُن کے آگے اور پیچھے کا حال جانتا ہے، اور تمام کامون کا مرجع خدا ہی ہے،

یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا اُن کو اصل حکم مین کوئی دخل نہین اختیارات سب خدا کے ہاتھ مین ہین اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہے، دوسری جگہ ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

(فاطر-۱)

حمد ہو اُس خدا کی جو آسمانون کا اور زمین کا پیدا کرنے والا، اور فرشتون کو دو دو تین تین اور چار چار شہپر بازون والے پیام رسان بنانے والا ہے، وہ پیدائش مین جو چاہے بڑھادے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگون کے لیے رحمت کھولے تو کوئی روکنے والا نہین، اور جو روک دے تو اس کے سوا کوئی چھوڑنے والا نہین، اور وہ غالب دانا ہے،

اس آیت پاک مین بھی وہی حقیقت ظاہر کیگئی ہے، کہ یہ ملائکہ سفارت اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی اختیار نہین رکھتے، رحمت کے دروازون کا کھولنے والا، اور بند کرنے والا صرف خدا ہی ہے، یہ تعلیم اس غلط عقیدہ کی تردید مین ہے کہ ان فرشتون کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات مین کوئی ذاتی دخل ہے، یا اُن مین الوہیت اور

ربوبیت کا کوئی شائبہ بھی ہے، یا وہ پرستش کے قابل بھی ہیں، یا اُن کی دہائی بھی مانگنی چاہیے،

۲۔ ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں، سورۂ انفال میں ہے،

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ (انفال۔۲)	یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا، کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو،
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ؕ (قدر۔۱)	اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہیں، اُسی طرح دربارِ الٰہی تک عروج بھی کرتے ہیں،

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ (معارج۔۱)	فرشتے اور روح اُس تک چڑھتے ہیں،

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، اونھی سے متعلق ہے،

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ (سجدہ۔۱)	کہدو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، وہ تم پر موت طاری کرے گا،
وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ (انعام۔۱۱)	اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرات میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانوں کو،
وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ (انفال۔۷)	اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری کر رہے ہوں،

اُس کی ہم معنی اور بھی کئی آیتیں ہیں، ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ حکمِ الٰہی کے مطابق موت و فنا کی تدبیر انھیں روحانی علل و اسباب کی ہستیوں سے متعلق ہے،

دنیا میں کسی شئی کے وجود و انقلاب و فنا کیلئے کسی ایک علت و سبب کا وجود کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہو کہ اُسکے متعلقہ علل و اسباب کی تمام کڑیاں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موانع اور عوائق معدوم ہوں، یہ متعلقہ علل و اسباب کا توافق

اور موانع کا انسداد تدبیر ہے، یہ تدبیر بحکم الٰہی ان ملائکہ کے سپرد ہے[1]، اسی لیے کبھی اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (وہ کام کی تدبیر کرتا ہے) اور کبھی اُس کو ان ملائکہ کی طرف منسوب کرتا ہے،

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا، وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا، وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا، فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ (نازعات-۱)

ڈوب کر (روحوں کے) کھینچنے والوں کی قسم ہے (رگوں کی) گرہوں کو کھولنے والوں کی قسم ہے، (اس فضائے آسمانی میں) تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر (مادی اسباب وعلل پر) آگے بڑھ جانے والوں کی پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی،

۳- یہی ملائکہ خدا اور رسولوں کے درمیان بھی سفیر ہیں،

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (شوریٰ-۵)

یا خدا آدمی سے اس طرح باتیں کرتا ہے، کہ اپنا ایک ایک سفیر بھیجتا ہے، تو وہ اوس کی اجازت سے جو وہ (خدا) چاہتا ہے وحی کرتا ہے،

دوسری جگہ ہے،

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ - (نحل-۱)

خدا روح کے ساتھ فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے،

خاص آنحضرت صلعم کے متعلق ہے،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ، (بقرہ-۱۲)

جبریل فرشتہ نے اس قرآن کو خدا کے حکم سے تمھارے دل پر اتارا،

۴- یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں،

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى (ہود-۷)

ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر اترے،

اسی طرح حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام کو انھوں نے بشارت دی،

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا

میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدءالخلق باب ذکر الملائکہ، میں ہے کہ رحم نسوانی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بچہ کی نسبت قضائے الٰہی کو تحریر کرتا ہے،

زَكِيًّا (مریم-۲) لڑکا بخشون،

حضرت لوطؑ کے پاس اُنکی قوم کی بربادی کے لیے جاتے ہین،

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (ہود-۷) انھون نے کہا، اے لوطؑ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہین

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم پر کوہ آتش فشان کا منھ کھولدیتے ہین، اور تمام قوم برباد ہوجاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرشتون کے اس فعل کو خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے، کہ وہ فرشتون کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ، (ہود-۷)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اُس کے اوپر کو نیچے اور نیچے کو اوپر کردیا، اور اُن پر تہ بہ تہ پتھرون کی بارش کی،

۵- فرشتے انسانون کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہین، اور اُن کے ثواب اور گناہ کے کامون کو محفوظ رکھتے ہین،

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ، يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ، (انفطار-۱)

بیشک تم پر نگہبان ہین، بزرگ ہین، لکھنے والے ہین، جو تم کرتے ہو وہ اُسے جانتے ہین،

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق-۲)

کوئی بات منھ سے نہین نکالتا، لیکن اُس کے نزدیک ایک نگہبان حاضر ہے،

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ، لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ، (رعد-۲)

تم مین سے کوئی بات چھپا کر کہے، یا زور سے کہے، یا وہ رات مین چھپے یا دن کو کرے، خدا کے تعاقب کرنے والے اُس کے سامنے سے اور اُس کے پیچھے سے، خدا کے حکم سے اُسکی نگرانی کرتے ہین،

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ

وہ تم پر نگران بھیجتا ہے، یہانتک کہ تم مین سے جب کسی

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ (انعام-۸)

موت آتی ہے تو ہمارے قاصد اوسکی عمر پوری کرتے ہین، اور وہ کمی نہین کرتے،

۶- وہ انسانون کے اعمال کے مطابق اُن پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کے ذریعے اور واسطے ہین،

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ، (انبیاء-۷)

نیکوکارون کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) غمگین نہ کرے گی اور فرشتے اُن کا آگے بڑھ کر استقبال کرینگے، کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا،

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (فصلت-۴)

جن لوگون نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، اُن پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اترینگے کہ تم ڈرو اور نہ غم کرو اور اُس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہم ہین جو تمھاری پہلی اور اُس دوسری زندگی مین تمھارے رفیق ہین،

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ (احزاب-۵)

وہی خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے،

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ (احزاب-۷)

اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہین،

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ (شوریٰ-۱)

اور جو زمین مین ہین اُن کیلئے وہ خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہین،

اسی طرح وہ بدکارون پر لعنت بھی کرتے ہین،

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (آل عمران-۹)

اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور فرشتون کی اور لوگون کی سب کی لعنت ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بقرہ-۱۹)

جو کفر کی حالت مین مرگئے اُن پر اللہ اور فرشتون کی اور لوگون کی سب کی لعنت ہے،

۷۔ جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی اُن کے زیر اہتمام ہوگا،

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰىٓ
اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ
اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ط
(زمر۔ ۸)

اور کفر کرنے والے گروہ گروہ کرکے دوزخ کیطرف لے جائے
جائینگے، یہانتک کہ جب اُس کے پاس پہونچینگے، تو اوس کے
دروازے کھولے جائینگے اور اُس کے چوکیدار (فرشتے) کہینگے
کہ کیا تمھارے پاس تمھیں میں کے پیغمبر نہیں آئے،

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ
حَتّٰىٓ اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا
خٰلِدِيْنَ ، (زمر۔ ۸)

اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے وہ گروہ درگروہ جنت میں
لیجائے جائینگے، یہانتک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچینگے
اور اوسکے دروازے کھولے جائینگے اور اُسکے پاسبان کہینگے
تمپر سلامتی ہو خوش خوش جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہوجاؤ،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ
بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ
عُقْبَى الدَّارِ ، (رعد۔ ۳)

جنتیوں پر فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو ہو کر کہینگے تمپر
سلامتی ہو، یہ تمھارے صبر کا بدلہ ہے، یہ کیسا اچھا عاقبت
کا گھر ہے،

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ، (تحریم۔ ۱)

دوزخ پر سخت دل طاقتور فرشتے مقرر ہیں،

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (مدثر۔ ۱)

ہم نے دوزخ کے اہل کار فرشتوں ہی کو بنایا ہے،

۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ، (زمر۔ ۸)

اور تم فرشتوں کو دیکھوگے کہ عرش کے ارد گرد احاطہ کئے ہوئے
اپنے پروردگار کی حمد و ثنا میں مصروف ہونگے،

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى (صافات۔ ۱)

عالمِ بالا کی باتیں شیاطین نہیں سن سکتے،

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰىٓ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (ص)

مجھے خدا کے بلند درباریوں کا علم نہیں جب وہ باتیں کرتے ہیں،

قیامت کے دن بھی یہ تختِ الٰہی کے حامل اور اُس بارگاہ کے حاضر باش ہونگے، جو ہر وقت اُس کے ہر حکم کو بجا لانے کے لیے تیار رہینگے،

وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ، (حاقہ - ۱)	اور فرشتے زمین کے کنارون پر کھڑے ہونگے اور تیرے پروردگار کے تخت کو آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہونگے،
كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ، (فجر - ۱)	ہرگز نہین، جب زمین ریزہ ریزہ کر دیجائیگی اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے قطار قطار آئین گے،
يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (نبا - ۲)	جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے،

۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اوسکی نافرمانی نہین کرتے، اور ہمیشہ اُسکی تہلیل و تقدیس، اور حمد و ثنا مین مصروف رہتے ہین، اور اُس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہین اور خدا کے حضور مین اہلِ زمین کے لئے عموماً اور نیکوکارون کے لیے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہین،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ، (شوریٰ - ۱)	اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہین اور زمین والون کی بخشایش کی دعا مانگا کرتے ہین ہشیار کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے،

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ اُن کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے والا صرف وہی خدا واحد ہے، اور یہ بخشش و رحمت اوسی کے دستِ اختیار مین ہے،

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، (مومن - ۱)	جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہین، اور جو اُس کے پاس ہین وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہین اور اس پر ایمان رکھتے ہین، اور ایمان لانے والون کی بخشایش کی دعا کرتے ہین،
وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ	آسمانون مین اور زمین مین جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور جو اوسکے

لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ،
یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ،
(انبیاء-۲)

پاس ہین (یعنی فرشتے) وہ اس کے سامنے اپنی عبودیت کے
اظہار سے غرور نہین کرتے، اور نہ اسکی عبادت سے تھکتے ہین
وہ رات دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہین، اور سست نہین پڑتے،

بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ، لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ
وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ، . . . . وَھُمْ
مِّنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ، (انبیاء-۲)

بلکہ وہ بزرگ بندے ہین، جو بات مین خدا پر پیش دستی نہین
کرتے، اور وہ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہین . . . . اور
اُسکے خوف سے ترسان رہتے ہین،

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا
یُؤْمَرُوْنَ (تحریم-۱)

خدا اونکو جس بات کا حکم دیتا ہے، وہ اُسمین خدا کی نافرمانی نہین
کرتے، اور وہی کرتے ہین جسکا اُن کو حکم دیا جاتا ہے،

یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ
(رعد-۲)

بجلی کی کڑک اور فرشتے خدا کے ڈر سے اوس کی
حمد و تسبیح کرتے ہین،

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ،
یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ وَیَفْعَلُوْنَ
مَا یُؤْمَرُوْنَ، (نحل-۶)

اور آسمانون مین اور زمین مین جو چارپائے اور فرشتے ہین
وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہین، اور اُس کے سامنے اپنی بڑائی
نہین کرتے، وہ اپنے مالک سے جو اُن کے اوپر ہے ڈرتے
رہتے ہین، اور وہی کرتے ہین جسکا اُن کو حکم دیا جاتا ہے،

گذر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذاہب اور قومون مین کسی نہ کسی طرح رہا ہے، لیکن اُن کے اس اعتقاد مین بہت سی باتین ایسی داخل تھین جو توحید کامل کے منافی تھین، اسکندریہ کے نو افلاطونی فلسفہ مین خدا کو عقل اوّل کی اضطراری پیدائش اور وجود کے بعد معطّل ٹھہرا کر انھین کو عقول کی صورت مین اصلی کارفرما قرار دیا گیا تھا، عراق کے صابئی، اجرام سماوی کی شکل مین اُنکی پرستش کرتے تھے، اور انھین کو عالم مین فرمانروا مانتے تھے، یہود بھی اُن کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور اُن کو کبھی کبھی خداؤن کا درجہ دیدیتے تھے، جیسا کہ توراۃ (صحیفۂ تکوین

۱۴-۱۲ و ۱۸-۱-۲ و۳ و۲۲) کے قصون مین کہین کہین نظر آتا ہے، اُن کو وہ "خدا کے بیٹون" کے خطاب سے بھی کبھی کبھی یاد کرتے تھے، (تکوین ۶-۲) ہندوؤن مین وہ دیوتا اور دیبی بنکر ایک طرف انسانی خصائص سے ملوث تھے، اور دوسری طرف وہ اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے "چھوٹے خداؤن" کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائیون مین ان مین سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزء تسلیم ہوتی تھی، اور اُن کی تثلیث کا ایک رکن تھی، عربون مین وہ خدا کی بیٹیون کا درجہ رکھتے تھے، وہ انکی پوجا کرتے تھے، اور اُن کو اپنے گناہون کا شفیع سمجھتے تھے، الغرض تعلیم محمدی نے ان تمام عقائد باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کرکے ان مین سے ہر عقیدہ کی تردید کردی، اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہین، اُن کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہین، وہ صرف خدا کی اطاعت اور عبادت اور اُس کے احکام کی بجا آوری مین مصروف رہتے ہین، اُن مین سے ہر ایک کو جو کام سپرد ہے، وہ اُسی کو انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہی طرح بندۂ محض ہین، وہ نہ عبادت کے مستحق ہین، اور نہ خدا کے بلا اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہین، اور نہ خدا کے سامنے وہ کچھ عرض کرنے کی جرأت کرسکتے ہین، یہودی اُن کو خدا کے بیٹے، اور عرب خدا کی بیٹیان کہتے تھے، قرآن نے ان دونون کی تردید کی، اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہین، نہ وہ مرد ہین، نہ عورت ہین، نہ وہ کھاتے ہین، نہ پیتے ہین، نہ وہ خدائی کا دعویٰ کرسکتے ہین، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہین،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ، لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ، وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ط كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ، (انبیاء ۲۰)

مشرکون نے کہا کہ مہربان خدا نے اپنا لڑکا بنایا ہے، وہ اُس سے پاک ہے، بلکہ یہ (فرشتے) اُس کے پاک بندے ہین، جو بات مین اُس پر پیشدستی نہین کرتے، اور وہ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہین، خدا اُس سے جو اُن کے آگے اور پیچھے ہوتا ہو واقف ہے، وہ بندے شفاعت نہین کرتے لیکن اُسی کی جس کے لیے خدا پسند کرتا ہے، اور وہ خدا کے خوف سے ڈرتے رہتے ہین، اُن مین سے جو یہ کہے کہ مین خدا ہون تو اوسکو بھی اسی طرح

إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط سُبْحٰنَهٗٓ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ م لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ه لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعًا،

(نساء ۲۲ و ۲۴)

خدا تو ایک ہی ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو آسمانون مین اور زمین مین جو کچھ ہے، وہ اسکی ملکیت ہے اور خدا کافی وکیل ہے، مسیح کو اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا کا بندہ ہو، اور نہ مقرب فرشتون کو اس سے عار ہے اور جو اسکی عبادت سے عار اور غرور کرینگے تو ان سب کو وہ اپنے پاس اکھٹا کرے گا،

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ط أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ،

(آل عمران-۸)

خدا اسکا حکم تم کو نہین دیتا کہ تم فرشتون کو اور پیغمبرون کو خدا بناؤ، کیا تم کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا،

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ، قَالُوْا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ج أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا-۵)

اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتون سے کہیگا کہ کیا یہ مشرکین تمہین کو پوجتے تھے، وہ کہین گے پاک ہے تو، تو ہمارا والی ہے، وہ نہین ہین، بلکہ وہ جنون کو پوجتے تھے، و اکثر انھین جنون پر ایمان لائے ہین،

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا،

(نبا-۲)

جس دن روح اور فرشتے صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے ہون گے، تو کچھ بول نہ سکین گے، لیکن وہ جسکو وہ مہربان اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے،

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى (نجم-۲)

آسمانون مین کتنے فرشتے ہین جنکی سفارش کچھ بھی فائدہ نہین پہنچا سکتی، لیکن اس کے بعد کہ خدا جسکو اجازت دے اور پسند کرے،

أَفَأَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ

کیا تمہارے لئے خدا نے بیٹون کو پسند کیا، اور خود

مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ط اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا
عَظِیْمًا، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا
وَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا، قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ
اٰلِھَۃٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ
سَبِیْلًا، سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا
کَبِیْرًا تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِیْھِنَّ ط (اسرائیل ۴ و ۵)

فرشتوں مین سے لڑکیان اپنے لیے پسند کین، تم یقیناً بہت
بڑی بات منھ سے نکالتے ہو، اور ہم نے قرآن مین پھیر پھیر کر
سمجھنے کو باتین بیان کی ہین، لیکن یہ انکی نفرت کو اور بڑھاتا ہے،
کہدو اے پیغمبر کہ اگر اس ایک خدا سے برحق کیساتھ اور
بھی چند خدا ہوتے، تو اُس تخت والے خدا کی طرف وہ راستہ
ڈھونڈھتے (کہ اسکے ہاتھ سے حکومت چھین کر خود قبضہ کرلین)
یہ شرک جو کہتے ہین خدا اس سے بلند و برتر ہے، آسمان اور زمین

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ
اِنَاثًا ط اَشَھِدُوْا خَلْقَھُمْ ط سَتُکْتَبُ شَھَادَتُھُمْ
وَیُسْئَلُوْنَ، وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا
عَبَدْنٰھُمْ ط مَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ ق
اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ، (زخرف - ۲)

اُن مشرکون نے فرشتون کو جو رحمت والے خدا کے بندے
ہین، عورتین بنا دیا، کیا وہ انکی پیدائش کے وقت حاضر تھے
ہم انکی گواہی لکھین گے، اور اُن سے اسکی بازپرس کیجائیگی
اور انھون نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اُن فرشتون کو نہ پوجتے
انھین اسکا تحقیقی علم نہین، وہ صرف اٹکل لگاتے ہین،

قرآن پاک مین اس مفہوم کی اور بہت سی آیتین ہین، مگر یہان استقصا مقصود نہین،

یہودیون کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہین، چنانچہ توراۃ مین جہان حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتون کے آنے کا ذکر ہے، یہ مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے اُن کے لیے دعوت کا سامان کیا" اور انھون نے کھایا" (تکوین ۱۸-۸) لیکن قرآن پاک نے اسی قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کردی کہ وہ ان انسانی ضرورتون سے پاک ہین، حضرت ابراہیمؑ نے اُن کے لیے دعوت کا سامان کیا، مگر

فَلَمَّا رَآٰ اَیْدِیَھُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ نَکِرَھُمْ
وَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَۃً ط قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ

جب ابراہیم نے دیکھا وہ کھانے کو ہاتھ نہین لگاتے، تو اُنکو
وہ انجان معلوم ہوئے، اور دل مین ڈرا، انھون نے کہا ڈرو نہین،

قَوْمِ لُوْطٍ، (ہود-۷) ہم لوطؑ کی قوم کی طرف (انکے تباہ کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہین

کفار قریش کا مطالبہ تھا، کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیون نہین بھیجا گیا، اُسکے جواب مین کہا گیا،

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ، (انعام-۱)

اگر ہم پیغمبر فرشتہ بنا کر بھیجتے تو (آدمیون کے لیے) اوسکو آدمی ہی بناتے، تو جس شبہہ مین اب ہم نے انکو ڈالا ہے اوسی مین وہ پھر بھی پڑے رہتے (یعنی یہی کہتے کہ تم فرشتہ نہین ہو بلکہ آدمی)

اس آیت اور دوسری آیتون سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتون کا اختلاف ظاہر ہے، تاہم وہ کبھی کبھی عارضی طور سے انسان کے مثالی لباس مین بھی جلوہ گر ہوتے ہین، جیسا کہ حضرت مریمؑ وغیرہ کے قصون مین ہے،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مریم-۲) وہ فرشتہ ایک اچھے خاصے بشر کی مثالی صورت مین ظاہر ہوا،

اور یہی وہ صورت تھی جسمین حضرت ابراہیمؑ کو اُن کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا، اور اُن کے لیے دعوت کا سامان کیا، مگر یہ دھوکا جلد رفع ہوگیا، اور معلوم ہوگیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت مین فرشتے ہین،

ان تمام تفصیلات کے بعد یہ غور کرنا ہے کہ فرشتون پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے؟ حقیقت مین اس سے دو باتین مقصود ہین،

۱- ایک یہ کہ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذاہب مین ان فرشتون کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اُس غلط عقیدہ کو مٹا کر حقیقت ظاہر کیجائے کہ انکی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے، جبتک اسکی تصریح نہ ہوتی، کلمہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲- دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص وطبائع دیکھکر مادہ پرست انہین مادی خواص وطبائع کی بالذات کارفرمائی کا اہل یقین کرتے ہین، اور یہی چیز انکی ٹھوکر کا باعث ہوتی ہے، اور بالآخر خدا کے انکار تک انکو لیجاتی ہے، اسکا ازالہ کیا جائے، کہ ان مادی خواص وطبائع پر روحانی اسباب مسلط ہین، جو خدا کے حکم سے اُسکے مقررہ اصول کے مطابق اسکو چلا رہے ہین، مادہ اور اُسکے خواص بالذات مؤثر نہین، بلکہ کوئی دوسرا ہے جو اپنے ارواحِ مجردہ کے ذریعہ انکو مؤثر بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیت کا بت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منزہ خالق اور مادی مخلوق کے درمیان احکام وشرائع کا نزول اور قدرتِ الٰہی کے افعال کا صدور ان محکوم ارواحِ مجردہ کے ذریعہ ہوتا ہے،

رسولون پر ایمان

و رُسُلہ

یہ عقیدہ اسلام کی اُن خصوصیات مین سے ہے جنکی تکمیل صرف اوسی کے ذریعہ انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت صلعم کے وجودِ مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجاے خود یہ خیال تھا کہ وہی خاص اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پیاری ہے، اور تمام دنیا کی قومون مین ہدایتِ ربانی کے لیے وہی منتخب کیگئی ہے اور اُس کے علاوہ دنیا کی تمام قومین اس فیض سے قطعاً محروم ہین، اور ہمیشگی، ہماری ہی سرزمین دیوتاؤن اور دیبیون کا مسکن، اور ہماری زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل و نینوا ہو یا مصر و یونان، ایران ہو یا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک[1] کہ ہر قوم کو بجاے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنے ہی کو خدا کے پیغام اور خطاب سے مشرف ہونے کی مستحق جانتی تھی، لیکن تعلیمِ محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم الشان وسعت مین بدل دیا، آپ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومین خدا کی نظر مین یکسان ہین" نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے، اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے[1]، ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومین ایک خدا کی مخلوق ہین، آپ نے فرمایا" لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا[2]" اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسانون اور قومون کا امتیاز رنگ روپ، ملک و مرز و بوم، اور زبان سے نہین ہے، بلکہ صرف تقویٰ اور نکوکاری سے ہے[3]،

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قومون اور ملکون کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہوگئی، دنیا کی تمام قومین ایک سطح پر آگئین، اور مساواتِ انسانی کا راستہ صاف ہوگیا، بنی اسرائیل جنکو اپنے خدا کا کنبہ ہونے

---

[1] مسند احمد ابن حنبل، از ابو نصرة تابعی، [2] جامع ترمذی، آخر کتاب المناقب، [3] قرآن اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ

پرناز تھا وحی محمدی نے انکی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (مائدہ - ۳)

بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو،

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے ہی خاندان کا ورثہ ہے جسطرح اس آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف ہمیں کے رشیوں اور منیوں نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے، اسیطرح دوسری قوموں کو بھی اپنی جگہ پر یہی خیال تھا، اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف، عدل و کرم، اور اسکی رحمت عام کے منافی قرار دیا، اور کہہ دیا،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، (جمعہ - ۱)

یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جسکو چاہے دے، اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے،

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۙ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، (آل عمران - ۸)

کہدو کہ ہدایت، اللہ کی ہدایت ہے (اسرائیلی علما اپنے ہم مذہبوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہو کہ) جیسا دین تمکو دیا گیا کسی اور کو دیا جائے، یا یہ نئے دین والے تمہیں خدا کے آگے جھگڑ سکیں، کہدو کہ (یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسکو چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے، اور اللہ کی رحمت بیشمار عام ہے اور وہ اپنی مستحقین کو اچھی طرح جانتا ہے، اور جسکو چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے، وہ بڑا فضل والا ہے،

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، (بقرہ - ۱۳)

اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور نہ مشرکین پسند کرتے ہیں کہ تمپر تمہارے پروردگار کیطرف سے کوئی بھلائی نازل ہو، اور اللہ اپنی رحمت کیساتھ جسکو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

اور یہ تعلیم دی کہ روے زمین کی ہر آبادی مین ہر قوم مین اور ہر زبان مین اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی راہ دکھانے والے، اوسکی آواز پہنچانے والے، اور انسانون کو انکی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر بنکر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت تک برابر جاری رہا،

بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانون مین بٹی ہوئی، اور ایک دوسرے سے ناآشنا تھی، ہندوستان کے رشیون اور منیون نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہ سمجھا، اُن کے نزدیک پرمیشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہان تھا، زردشت نے پاک نژادان ایران کے سوا سب کو یزدان کے جلوۂ نورانی سے محروم یقین کیا، بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہین اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہین کرتے تھے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر بتایا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لیے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہین، اُسکی نگاہ مین عرب وعجم اور شام وہند سب برابر ہے، محمد رسول اللہ صلعم کی ہمہ بین آنکھون نے پورب پچھم، اتر، دکھن ہر ملک اور ہر قوم مین خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان مین اُسکی آواز سنی،

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس-۵)	اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے،
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (نحل-۵)	اور یقیناً ہم نے ہر قوم مین ایک رسول بھیجا،
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ (روم-۵)	اور ہم تجھ سے پہلے کتنے رسول انکی اپنی اپنی قوم مین بھیجے،
وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد-۱)	اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا،
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر-۳)	کوئی قوم نہین جسمین ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا،
وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ (زخرف-۱)	اور ہم نے پہلی قومون مین کتنے پیغمبر بھیجے،
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراهيم-۱)	اور ہم نے ہر پیغمبر کو اُسکی قوم کی بولی مین بھیجا تاکہ وہ اُن کو بتا سکے،

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول تعلیم الٰہی تشریح وبیان کے لیے مامور ہین،

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ؈ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہین، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبرون کا انکار کرکے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر، اور چنڈال کہکر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زردشتی تمام عالم کو بجز ظلمات کہکر بھی نورانی رہ سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہکر بھی دینداری کا دعویٰ کرسکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے یہ ناممکن کردیا ہے کہ کوئی اُن کی پیروی کا دعویٰ کرکے اُن سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کرسکے، آنحضرت صلعم تہجد مین جو دعا پڑھتے تھے، اسمین ایک فقرہ یہ بھی ہوتا ہے، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ[1] (سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے) غرض کوئی شخص اُسوقت تک محمدی نہین ہوسکتا جب تک اُس سے پہلے وہ موسوی و عیسوی، اور ایرانی و ہندی نہ بن لے، اور کوئی شخص اُسوقت تک مسلمان نہین ہوسکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبرون کی یکسان، صداقت، حقانیت، راستبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے، اور یہ یقین نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے، اور اُن کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ	بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولون کا انکار کرتے ہین
اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ	اور چاہتے ہین، کہ اللہ اور اس کے رسولون کے درمیان
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ	فرق کرین، اور کہتے ہین کہ ہم بعض کو مانینگے اور بعض کو نہین
اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ	اور چاہتے ہین کہ ان کے درمیان راستہ پکڑین، وہی حقیقت
هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا	مین کافر ہین، اور کافرون کے لیے ہم نے اہانت والا عذاب
مُّهِيْنًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ	تیار رکھا ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے رسولون پر ایمان لائے
يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ	اور ان رسولون مین سے کسی کو الگ نہین کیا وہ اُن کی
يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا،	مزدوری اُن کو دیگا، اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے،

---

[1] صحیح بخاری باب التہجد،

وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتَابِ وَالنَّبِیّٖنَ (بقرہ۲۲-۲۲)	فرشتون پر کتاب پر، اور سب نبیون پر ایمان لانا نیکی ہے،
وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَ	اور جس نے خدا کا اور اُسکے فرشتون کا اور اُسکی کتابونکا اور اُسکے رسولون
الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا (نساء۲۰-۲۰)	اور قیامت کا انکار کیا، وہ نہایت سخت گمراہ ہوا،

بقرہ کے خاتمہ مین ہے،

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ	ہر ایک خدا پر، اور اوس کے فرشتون پر، اور اوسکی کتابون پر، اور
لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ	اس کے رسولون پر ایمان لایا، ہم خدا کے رسولون کے درمیان
(بقرہ۴۰-۴۰)	تفریق نہین کرتے،
لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ (بقرہ۱۶ وآل عمران-۹)	ہم اُن پیغمبرون مین سے کسی کے درمیان تفریق نہین کرتے،

پیغمبرون مین تفریق کرنے کے یہ معنی ہین کہ اُن مین سے بعض کو مانین اور بعض کو نہ مانین، اسلام نے اسکی ممانعت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبرون اور رسولون کو یکسان خدا کا رسول، صادق اور راستباز تسلیم کیا جائے،

یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے تھے، اور اُن پر طرح طرح کی تہمتین لگاتے تھے، اور اب بھی اُن کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام مین جو اشتراک ہے وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، اس لیے اگر اسلام کی راہ مین حضرت مسیح کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہوجائین، مگر اسلام نے کبھی یہ ننگ گوارا نہ کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت معصومیت اور تقدس کا اقرار نہین لے لیا اپنے دائرہ مین اسکو داخل ہونے کی اجازت نہ دی، چنانچہ خود آنحضرت صلعم کے زمانہ مین بہت سے یہود آپکی رسالت اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰؑ کے ماننے کیلئے تیار نہ تھے، آنحضرت صلعم نے اُن کی دوستی کے عظیم الشان فائدون سے محرومی قبول کی مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے محرومی قبول نہ فرمائی[1]، اور اُن سے کہا،

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ ھَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا	اے یہود! کیا اسپر ہے تم کو ہم سے ضد؟ مگر یہی کہ ہم خدا پر اور جو ہمار

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ششم صفحہ ۱۶۷، مصر،

بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ	طرف اتارا گیا اور جو پہلے اتارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہین اور
وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ، (مائدہ-۹)	تم مین اکثر بےحکم ہین،

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے نام سے چنکتے تھے، اگر انکی خاطر حضرت عیسیٰؑ کی نبوت، تقدس اور معصومیت سے انکار نہین کیا گیا، قرآن نے کہا،

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ	اور جب مریم کے بیٹے کی کہاوت بیان کیگئی، تب ہی تیری
مِنْهُ يَصِدُّوْنَ، وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ	قوم اُس سے چلانے لگتی ہے اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے
اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ	ہین یا وہ، یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہین صرف جھگڑنے
قَوْمٌ خَصِمُوْنَ، اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا	کو، بلکہ وہ جھگڑالو ہین، وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے
عَلَيْهِ (زخرف-۶)	فضل کیا،

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰؑ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے، خدا نہین، باوجود اس کے عیسائیون کی طرح مسلمانون کو بھی حضرت عیسیٰؑ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرست تصور کرکے الزام دھرتے تھے، قرآن نے انکے اس بےمعنی اعتراض کی تردید کی،

اسلام مین پیغمبرون کی کوئی تعداد محدود نہین ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت مین ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، ایک اور دوسری روایت مین اس سے کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک مین نام کے ساتھ صرف انھین انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جنسے عرب مانوس تھے، یا اُن کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفون مین جنکے تذکرے تھے، قرآن مین بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہین جنسے عرب گو واقف تھے، مگر یہود و نصاریٰ ان سے بیخبر تھے، مثلاً حضرت ہودؑ، اور حضرت شعیبؑ، بعض ایسے ہین جنکو وہ جانتے تھے لیکن اُن کو پیغمبر نہین تسلیم کرتے تھے، مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ، وحیِ محمدیؐ نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا اور اُن کی صداقت و عظمت کا اقرار کیا، اسی سلسلہ مین ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت، رسالت

اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہود کے ہان نبوت کے معنی صرف پیشنگوئی کے تھے، اور نبی پیشینگو کو کہتے تھے، اور اُس کے متعلق یقین رکھتے تھے کہ اسکی دعا یا بد دعا فوراً قبول ہوجاتی ہے[1]، اسی لیے حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا نقش دھندلا سا خاکہ اُن کے ہان موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ مین شالم کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان اُن کے نزدیک زیادہ نمایان معلوم ہوتی ہے[2]، حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی حیثیت بھی اُن کے ہان صرف بادشاہ کی ہے، اور اُن کے زمانہ کی پیشینگوئی کرنے والے پیغمبر اور ہین، یہی سبب ہے کہ یہود کے قصون اور کتابون مین اسرائیلی پیغمبرون کی طرف نہایت سخیف باتین بے تامل منسوب کیگئی ہین، اسی طرح عیسائیون مین بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہین، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ "مجھسے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے[3]" موجودہ انجیلون مین نہ خدا کے رسولون کی تعریف ہے نہ اُن کے تذکرے ہین، نہ انکی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ جنکے تذکرے انجیل مین ہین وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ اُن کے ہان مسلم نہین، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اُس کے فرائض بتائے اور اس کے خصوصیات کا اظہار کیا، اور اُن سب پر ایمان لانا نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانون کو خدا کا بخشا ہوا ایک منصب ہے، جن کو دیکر وہ دنیا مین اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام لوگون کو بتائین اور سچائی اور نیکی کا راستہ اُن کو دکھائین، وہ ہادی (رہنما) نذیر (ہشیار کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلانے والے) مبشر (خوشخبری سنانے والے) معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا اُن سے ہمکلام ہوتا تھا اور اپنی باتون سے اُن کو مطلع کرتا تھا، اور وہ اُن سے انسانون کو آگاہ کرتے تھے، وہ گناہون سے پاک اور برائیون سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے اور اپنے عہد کے سب سے بہترین انسان تھے، اُن کے سب کام خدا کے لئے تھے، اور خدا اُن کے لیے تھا، یہ ہستیان اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم مین پیدا ہوئین، جنھون نے

[1] دیکھو توراۃ صحیفۂ تکوین باب ۲۰۔ ۷ [2] سفر تکوین ۱۴۔ ۱۸۰ [3] انجیل،

اُن کو مانا، انھون نے نجات پائی اور جنھون نے جھٹلایا وہ ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے اُن کی زندگی کے سوانح انکی تبلیغ کی روداد، اُن کے اخلاق کی بلند مثالین اور انکی خدا پرستی کا اخلاص اسطرح بیان کیا ہے، کہ اُن کے پڑھنے اور سننے سے انکی پیروی کا جذبہ، انکی اتباع کا شوق، اور انکی صداقت کا یقین دلون مین پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اُن کی طرف شانِ نبوت کے خلاف جو غلط باتین دوسرے صحیفون مین منسوب ہین، اُن کو چھوڑ دیا ہے، یا اونکی تردید کر دی ہے،

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہون سے پاک اور برائیون سے محفوظ، اور معصوم ہوتے ہین، بنی اسرائیل کو نبوت و رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہین لگی تھی اس لیے انھون نے نہایت بے باکی سے اپنے پیغمبرون کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کر دیئے ہین، عیسائی ایک حضرت عیسیٰؑ کو تو معصوم کہتے ہین، باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہین، لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبرون اور رسولون کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی، اس کے نزدیک گناہون سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے، کہ جو خود گنہگار ہو وہ گناہگارون کی رہنمائی کا مستحق نہین، کہ اندھا اندھے کو راہ نہین دکھا سکتا، اس بناء پر محمد رسول اللہ صلعم کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصومون کی عظمت و جلالت دنیا مین قائم کی اور جن کو رباطنون نے انکی عصمت کے بے گناہی کے دامن پر اپنے وہم و نادانی سے داغ لگائے تھے، اُن کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالتِ محمدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے،

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰؑ احکامِ عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہین کرتے تھے تو قرآن نے اسکی تردید کی اور خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے کہلوایا،

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا، — اور اپنی ماں کیساتھ نیکی کرنے والا، اور مجھکو خدا نے جبار و بدبخت نہین بنایا، (مریم-۲)

کیونکہ احکامِ عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰؑ

کے سر پر تھوپا ہے کہ وہ نماز در وزہ کی پروانہ کرتے تھے، قرآن نے اُن کی زبان سے کہلوایا،

وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا، (مریم-۲) — اور خدا نے مجھ کو نماز اور روزہ کا حکم دیا جب تک میں جیتا رہوں،

یہود حضرت مریمؑ پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا،

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ۔ (تحریم-۲) — اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اُسمین اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اُسکی کتابون کو سچ جانا اور وہ بندگی کرنے والون مین تھی،

وہم پرست یہود حضرت سلیمانؑ کو گنڈا تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ سحر جادو وغیرہ توراۃ مین شرک قرار دیا جاچکا تھا، اور علانیہ یہودیون کے اس الزام کی تردید کی،

وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (بقرہ ۱۲) — اور سلیمان نے کفر کا کام کیا، بلکہ شیطانون نے کیا، لوگون کو وہ جادو سکھاتے تھے،

اسی طرح حضرت لوطؑ پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہین اُسکی تردید کی،

اوپر گذر چکا ہے کہ قرآن نے یا آنحضرت صلعم نے دنیا کے تمام پیغمبرون کے نام نہین لئے ہین، کہ صرف نامون کی فہرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لینے سے دلون مین جوش عقیدت نہین پیدا ہو سکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ صلعم کی صدائے دعوت ایک دن دنیا کے کنارون تک پہنچیگی اور بہت سی غیر قومین اور دوسرے انبیاءؑ کی اُمتین اس حلقہ مین داخل ہونگی اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفۂ محمدی مین تلاش کرینگی، اس لیے ایک جامع آیت مین تمام انبیاءؑ کا تذکرہ کر دیا گیا اور اُنکی صداقت کی پہچان بتا دی گئی، فرمایا،

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ — ہم نے (اے محمد) تمھارے پاس وحی بھیجی جسطرح نوحؑ اور اُن کے بعد کے پیغمبرون کو بھیجی، ہم نے ابراہیم کو اور اسمٰعیل کو اور

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا
دَاوُودَ زَبُورًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ
عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ
عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝ رُّسُلًا
مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ
حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

(نساء ۲۳)

اسحاق کو، یعقوب کو اور اُن کے خاندان کو اور عیسیٰ کو، اور ایوب
کو اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو وحی بھیجی اور داود کو زبور
عطا کی، اور دوسرے رسولون کو بھیجا جنکا حال تم سے ہم نے
پہلے بیان کیا ہے، اور اُن رسولون کو جنکا حال ہم نے تم
سے بیان نہین کیا، اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، اُن
رسولون کو خوشخبری سنانے والا، اور ہشیار کرنے والا
بنا کر بھیجا تاکہ لوگون کو رسولون کے آجانیکے بعد خدا کے آگے کوئی
عذر باقی نہ رہجائے، اور خدا غالب اور دانا ہے،

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورۂ مومن مین دوبارہ بیان کیگئی ہے،

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن
قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

(مومن -۸)

اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے، اُن مین کچھ وہ
ہین جنکا حال تم سے بیان کیا ہے، اور کچھ وہ ہین جنکا حال
تم سے بیان نہین کیا،

تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قومون اور ملکون مین جیسے چین،
ایران، ہندوستان مین بھی آنحضرت صلعم سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہوچکے ہین، اور اس لیے یہ تمام قومین اپنے جن
بزرگون کی عزت وعظمت کرتی ہین اور اپنے دین ومذہب کو انکی طرف منسوب کرتی ہین انکی صداقت اور راستبازی کا
قطعی انکار کوئی مسلمان نہین کرسکتا، اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام[1] کو بلکہ ایران کے زردشت[2] کو
بھی، اور بعض صاحبون نے تو بودھ تک کو بھی پیغمبر کہا ہے، بہرحال امکان مین تو شک ہی نہین، لیکن یقین کیساتھ ان
نامون کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمین کی ہین، ایک وہ جن کے نامون کی

[1] کلمات طیبات حضرت شاہ مرزا مظہر جانجانان، [2] ملل ونحل ابن حزم۔

اُس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہین کئے، اسیلیے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاؑ کے نام مذکور ہین، تمام مسلمانون کو اُن پر نام بنام ایمان لانا چاہیئے، اور جنکے نام مذکور نہین انکی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ اُن قومون مین بھی خدا کے فرستادہ اور پیغمبر آئے، لیکن یہ تخصیص اُن کے نام نہین معلوم، وہ قومین جنکا نام لیتی ہین اگر انکی زندگی اور اُنکی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہین، تو انکی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینۂ غالب ہوسکتا ہے، لیکن یقین اس لیے نہین کیا جاسکتا، کہ ہمارے پاس ان باتون پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحیِ محمدیؐ ہے اور وہ اس تخصیص وتعیین سے خاموش ہے،

اس قسم کے انبیاؑ جنکے نام گو قرآن مین مذکور نہین، مگر وہ آنحضرت صلعم کے پہلے گذر چکے ہین اور اُن کے پیرو انکو اپنے ہان نبوت ورسالت کا یہ درجہ دیتے ہین، انکی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انھون نے اپنی قوم کو **توحید** کی تعلیم دی ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ج (نحل - ۵)

اور ہم نے ہر قوم مین ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو، اور جھوٹے معبود سے بچے رہو،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (انبیاء - ۲)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہین بھیجا لیکن اُسکو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہین، مجھی کو پوجو،

اس لیے وہ تمام قدیم رہبرانِ انسانی اور رہنمایانِ عالم جو دنیا مین کسی مذہب کو لائے ہون، اور جنکی تبلیغ اور تعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور انکی زندگی اس تعلیم کے شایانِ شان تھی، انکی نسبت یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے، کہ اتنی بڑی بڑی قومین خود قرآن کے اصول کی بنا پر انبیاؑ اور رسولون کے وجود سے خالی نہین رہسکتین، اس بنا پر اسلام کی ان تلقینات مین سے جنکے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہین ہوسکتا، ایک یہ ہے کہ وہ تمام ملکون کے پیغمبرون اور تمام قومون کے رسولون کو جو حضرت خاتم نبوت صلعم کے زمانے سے پہلے پیدا ہوئے، یکسان صداقت کیساتھ تسلیم کرے، ان سبنے تمام دنیا کو ایکسا ہی تعلیم دی ہے اور د

توحید ہے، البتہ ان انبیاؑ مین سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتون سے ترجیح ہی،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ	ان رسولون مین سے کسی کو کسی پر فضیلت دی، ان مین سے
اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ	کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کسی کے بہت درجے بڑھائے اور ہمنے عیسیٰ بن
مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ-۳۲)	مریم کو نشانیان دین اور سچائی کی روح سے ہمنے اسکی تائید کی،

آپنے دوسرے انبیاؑ کی جائز تعظیم و تکریم یہانتک کی ہے، کہ ان کے مقابلہ مین کبھی کبھی اپنی ہستی بھی فراموش کردی ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ "اے بہترین خلق!" کہکر خطاب کیا، فرمایا "وہ تو ابراہیمؑ تھے"[1] ایک دفعہ ایک صاحبنے دریافت کیا کہ "سب سے بزرگ عالی خاندان کون تھا؟" فرمایا "یوسف بن پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ"[2] ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ مین یہ کہہ رہا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو بشر پر فضیلت دی" ایک مسلمان کھڑے سُن رہے تھے، اُن کو غصہ آیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی مین تم یہ کہہ رہے ہو، اور اسکو ایک تھپڑ کھینچکر مارا، اس نے دربارِ نبوی مین جاکر شکایت کی، آپ نے اُن صحابی کو بلا بھیجا، اور مقدمہ کی روداد سنی، اور نہایت برہم ہوکر فرمایا کہ "پیغمبرون مین باہم ایک دوسرے پر فضیلت[3] نہ دو" یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہو،

یہی وہ تعلیمات محمدی ہین جنکے ذریعہ سے دنیا مین وحدتِ مذاہب، روحانی مساوات، انسانی اخوت، اور تمام انبیاؑ اور پیغمبرون کے ادب واحترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جنکو ماننے والے تمام دنیا مین چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ انکی عظمت و جلالت اور ادب واحترام کرنے والے، چالیس[4] کروڑ سے زیادہ ہوگئے، وہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جو چھ سو برس تک یہودیون کی جھوٹی تہمت سہتے رہے تھے، محمد رسول اللہ نے آکر اس کو مٹایا، اور اُنکی پاکی کی گواہی دی جس کے بدولت آج چالیس کروڑ زبانین انکی عصمت کی شہادت دے رہی ہین، ہندوستان، ایران، چین جن کے سچے رہنماؤن کا اُن کے ملک سے باہر کوئی ادب نہ تھا، جہان جہان مسلمان گئے اُنکے جائز ادب واحترام کو اپنے ساتھ لئے گئے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۵۲، [2] صحیح بخاری مناقب حضرت یوسفؑ صفحہ ۴۷۹ [3] صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰؑ صفحہ ۴۸۵،

وہ عرب جو پیغمبرون کے نامون تک سے ناواقف تھے، جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاؑ اور رسولون کی سیرتون سے ناآشنا تھے، جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے اور جنکو اپنے دیوتاؤن کے سامنے عیسیٰؑ بن مریم پر تحقیرانہ ہنسی آتی تھی[1]، اور جو حضرت موسیٰؑ کی فضیلت کا ذکر سنکر اپنے غصہ کو ضبط نہ کرسکتے تھے[2]، محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت سے واقف ہوئے، تبرکًا اُن کے نامون پر اپنی اولادون کے نام رکھے، اور آج تمام مسلمانون مین وہ نام شائع اور ذائع ہین، انکی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، اُن کے ادب و احترام کو اپنے سینون مین جگہ دی، اُن کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جزبنالیا، دنیا کی کسی قوم مین یہ رواج نہین ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے نام ادب سے لیے جائین مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور اُن پر درود و سلام پڑھے،

---

[1] قرآن پاک سورۂ زخرف رکوع ۶ آیہ ۱ [2] صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰؑ

کتب الٰہی پر ایمان

وَکُتُبِہٖ

ایک مسلمان کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفۂ وحی پر ایمان لائے، ہر چند یہ عقیدہ پچھلے عقیدۂ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے، یعنی رسول کو رسول مان لیسنا اوسکی تعلیمات و وحی کو مان لینے کا مرادف ہے تاہم یہ تصریح اسلیئے کیگئی، تاکہ یہ پوری طرح صاف اور واضح ہوجائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اُس کے صحیفۂ وحی کو مان کر اوسکی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے، سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں سچے مومنوں کی تعریف مین کہا گیا،

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ (بقرہ-۱)

اور جو اُس (کتاب یا وحی) پر ایمان رکھتے ہین جو تجھ پر (اے محمدؐ) اُتاری گئی ......

کتابِ الٰہی پر ایمان لانے سے مقصود، اُن تمام صداقتوں اور حکموں کو بجان و دل قبول کرنا ہے، جو اسمین مذکور ہین، یہ گویا پوری شریعتِ مطہرہ کے قبول کر لینے کی مختصر ترین دفعہ ہے، اور اس لیے ایمانیات کی بہت سی دوسری باتین جنکی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہین، اس ایک فقرہ کے تحت مین آجاتی ہین، اس لیئے قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہین کہ جو کچھ قرآن مین علمی و عملی، عقائد و عبادات و احکام کی باتین ہین اُن سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہین، کہ اگر کوئی سرے سے اُنکو تسلیم ہی نہین کرتا، تو انکی تعمیل و پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ ہوسکتا ہے؟ اسی بنا پر اس کی تشریح آنحضرت صلعم نے کبھی ان الفاظ مین فرمائی ہے کہ بِمَا جِئْتُ بِہٖ جو کچھ مین لیکر آیا اُس پر ایمان لاؤ، قرآن نے کہا،

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (محمد-۱)

اور جو ایمان لائے اُسپر جو محمدؐ پر اتارا گیا،

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کہتا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائین، تو یہ کوئی اہم بات نہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے اپنے عقائد کی اس دفعہ مین بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش نظر رکھا اور قرار دیا کہ اہل قرآن قرآن کے ساتھ ہی دوسری آسمانی کتابون کی صداقت کو بھی تسلیم کرین یعنی کوئی شخص اُسوقت تک مسلمان نہین ہو سکتا جب تک صحیفہ محمدی کے ساتھ ساتھ دوسرے پیغمبرون کے صحیفون کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کرے، چنانچہ سورۂ بقرہ کے شروع والی مذکورہ آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ ۔ ۱)	اور جو ایمان لائے اوسپر جو تجھ پر اترا اور جو تجھ سے پہلے اترا،

پھر اسی سورہ کے آخر مین فرمایا،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ (بقرہ ۔ ۴۰)	رسول ایمان لایا اُسپر جو خدا کی طرف سے اُسپر اُترا، اور اہل ایمان بھی ہر ایک خدا پر اُس کے فرشتون پر، اور اُنکی کتابون پر ایمان لایا،

بقرہ کی آیتون مین بعض انبیاء علیہم السلام کی تفصیل، اور بقیہ تمام انبیاء کا اجمالی ذکر کر کے انکی کتابون اور وحیون کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے،

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ (بقرہ ۔ ۱۶)	(اے مسلمانو!) تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اُتارا گیا اُسپر اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب کیطرف اُتارا گیا اُسپر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُسپر اور جو کچھ اور سب پیغمبرون کو اُنکے پروردگار کیطرف سے دیا گیا ہم اُن سب پر ایمان لائے

آل عمران مین کسی قدر اور تفصیل ہے،

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى	کہہ کہ ہم خدا پر، اور جو کچھ ہمپر اتارا گیا اُس پر، اور کچھ ابراہیم اور

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ (آل عمران - ۹)

اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندانِ یعقوب پر اتارا گیا، اُسپر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُسپر اور دوسرے پیغمبرون کو اونکے پروردگار کیطرف سے جو کچھ دیا گیا ہم اُن سب پر

سورۂ نساء مین اُس پر ایمان لانے کے حکم کیساتھ اُس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ ...... فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۔ (الایہ) (نساء - ۲۰)

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر، اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اُس کتاب پر جو پہلے اتاری، اور جس نے خدا کا اور اُسکے فرشتون کا اور اوسکی کتابون کا انکار کیا .... وہ نہایت سخت گمراہ ہوا،

سورۂ مومن مین ان منکرون کو عذاب کی بھی دھمکی دیگئی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی بھی تکذیب کرین

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۔ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ (مومن - ۸)

جن لوگون نے کتاب کو اور جو پیغام دیکر ہم نے اپنے پیغمبرون کو بھیجا، اونکو جھٹلایا، وہ عنقریب جانین گے جب اُنکی گردنون مین طوق اور زنجیرین ہونگی اور وہ کھینچے جائین گے،

نام کی تخصیص کیساتھ قرآنِ پاک مین چار آسمانی کتابون کا ذکر ہے، توراۃ[۱] جسکو ایک جگہ صحفِ موسیٰ بھی کہا گیا ہے، (اعلیٰ ۳) اور حضرت داؤدؑ کی زبور،[۲] اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیل[۳] اور خود قرآن[۴] اُن کے علاوہ ایک موقع پر صحفِ ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے،

إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى ۔ (اعلیٰ - ۲)

یہ باتین گذشتہ صحیفون مین بھی ہین، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفون مین،

ان کے ماسوا اجمال کے ساتھ دو موقعون پر گذشتہ آسمانی کتابون اور صحیفون کے الفاظ ہین،

اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى، (طٰہٰ - ۸) کیا اگلے صحیفون مین جو کچھ ہے، اوس کی گواہی اون کو نہین پہنچی؟

وَاِنَّهٗ لَفِيۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ، (شعراء - ۱۱) اور بے شبہہ یہ پہلون کی کتابون مین مذکور ہے،

اس بنا پر انبیاء کی طرح ان کتابون پر بھی اُسی طرح تفصیل اور اجمالی ایمان ہر مسلمان کا ہے، جن کتابون کے نام مذکور ہین ان پر نامون کیساتھ، اور جن کے نام مذکور نہین ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے، کسی قوم مین اگر کوئی ایسی آسمانی کتاب ہے جسکا وجود قرآن سے پہلے ہے، اور اُسکا تصریحی نام قرآن مین مذکور نہین، اور اُسمین توحید الٰہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت ہے، تو اگرچہ ہم اوسکو بتصریح خدا کی کتاب قبول نہین کر سکتے تاہم بالتصریح اوسکو رد بھی نہین کر سکتے، اسی بنا پر آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا کہ "اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، اور نہ تکذیب"[1] یہی حال دوسری مشکوک کتابون کا ہے،

یہود، توراۃ کے سوا کچھ نہین مانتے، عیسائی توراۃ کے احکام کو نہین مانتے لیکن اوسکی اخلاقی نصیحتون کو قبول کرتے ہین، مگر انجیل سے پہلے کی دوسری زبانون اور ملکون کی آسمانی کتابون کی نسبت مسلمانون کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہین کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہہ بھی نہین کر سکتے اور برہمن ویدون کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہین کر سکتے، لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفۂ ابراہیم، توراۃ، زبور، اور انجیل کو خدا کی کتابین یقین کرے اور دوسری پیشتر کی آسمانی کتابون کی جنمین آسمانی تعلیمات کی خصوصیتین پائی جاتی ہون، تکذیب نہ کرے، کہ اُنکا کتب الٰہی ہونا ممکن ہے،

حقیقت مین اسلام کی یہ تعلیم دنیا کے عظیم الشان تعلیمات مین سے ہے جسکا وجود کسی دوسرے مذہب مین نہ تھا، یہ رواداری، بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابون سے انکار کر کے بھی نجات کا منتظر رہ سکتا ہے، عیسائی توراۃ اور تمام دوسرے صحیفون کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہو سکتا ہے، پارسی اوستا کے سوا دوسری ربانی کتابون کو باطل مانکر بھی بہشت (جنت) کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے، ہندو اپنے ویدون کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو جعل و فریب مانکر بھی آواگون سے

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید و حدیث الافک و تفسیر سورۂ بقرہ

نجات حاصل کرسکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی روحون کا انکار کرکے بھی نروان کا درجہ حاصل کرسکتے ہین، مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابون کو منجانب اللہ نہ تسلیم کرین جنت کے مستحق نہین ہوسکتے، یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہین رکھتی ، بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہین، یہودیون کی نظر مین دنیا مین صرف دو ہی قومین ہین، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانا اور "غیر قومین" یا مختون اور غیر مختون، اور انھین دونون تقسیمون پر اُن کے قانون کی بنیاد ہے، عیسائیون مین مذہبی حیثیت سے مسیحی اور یہود اور بت پرست تین قومین مانی جاتی ہین، مگر چونکہ اُن کے مذہب مین قانون نہین اس لیے وہ اکثر امور مین رومن لا کے ماتحت رہے ہین، لیکن رومن عیسائیون مین بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمین ہین، رومی اور غیر رومی، اور ایک رومی ملک مین غیر رومی کا کوئی حق نہین، کہ رومی حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے، پارسیون مین پاک نژاد ایران، اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتین ہین، ہندؤن مین، اونچی ذاتین اور اچھوت اور ملچھ قومون کی دو ہی صورتین ہین،

مگر اسلام کے اسی عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلعم نے قانون کی حیثیت سے دنیا کی قومون کو چار حصون مین تقسیم فرمایا، اور اُن کے علحدہ علحدہ حقوق قرار دیئے، اور اسلام کی تیرہ صدیون مین اُن پر برابر عمل ہوتا رہا، یہ تقسیمین حسب ذیل ہین،

۱- **مسلمان** جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابون کو کتاب الٰہی یقین کرتے ہین، اُن مین سے ہر ایک دوسرے کا بھائی، اور ہر اچھائی اور برائی مین وہ ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس مین ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہین، اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کھا سکتے ہین، اور اسلام کی سلطنت مین اُن کے حقوق یکسان ہین،

۲- **اہل کتاب**، یعنی اُن کتابون کے پیرو جنکے نام قرآن مین مذکور ہین، یا یون کہو کہ جو قرآن کو گو آسمانی کتاب نہین مانتے، مگر اُن کتابون مین سے جنکا نام قرآن مین مذکور ہے کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہین، وہ

اپنی حفاظت کا ٹیکس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتون مین رہ سکتے ہین اُن کے معابد اور مذہبی عمارتین محفوظ رہینگی اُن کو اپنے مذہب کے بدلنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اُن کی جان و مال اور عزت کے مسلمان محافظ رہینگے، اُن کی عورتون سے مسلمان نکاح کر سکتے ہین اور اُن کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہین اُن کا جائز کھانا ہم کھا سکتے ہین، اور ہم اپنا کھانا اُن کو کھلا سکتے ہین،

۳-**شبہ اہل الکتاب**، یعنی وہ لوگ جو قرآن اور توراۃ و انجیل و زبور کو نہین مانتے، مگر وہ خود اپنے لیے کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہین جیسے صابی جو ایک آسمانی کتاب کے دعوی کے باوجود ستارون کو پوجتے تھے، اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب کا دعوی کرتے ہین اور ساتھ ہی سورج اور آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہین ترکستان اور سندھ کے موقع پر علماے اسلام نے انھین پر قیاس کر کے ہندؤن اور بودھون وغیرہ کو بھی اسی صف مین داخل کیا، مسلمان انکی عورتون سے نکاح نہین کر سکتے، اور انکا ذبیحہ نہین کھا سکتے، ان دو باتون کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلعم نے اُن کو عطا کئے، وہ اسلامی حکومتون مین ادائے جزیہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق مین شریک ہین، انکی جان و مال و آبرو اور اُن کے معبدون کی حفاظت اسلامی حکومتون کا فرض ہے،

۴-**کفار اور مشرکین**، جنکے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ وہ کسی دینِ الٰہی کیطرف منسوب ہین اُن کو چند شرائط کیساتھ امن دیا جا سکتا ہے، لیکن حقوق کے حصول کیلئے اُن کو کہا جائیگا کہ وہ کسی نہ کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کرلین، جیسا کہ ابتدائی عباسیون کے زمانہ مین حرانی عراقیون نے اپنے کو صابیون مین داخل کر کے اپنے لیے حقوق حاصل کئے،

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی اس تعلیم نے دنیا مین امن و امان اور مسلمانون مین مذہبی رواداری کے پیدا کرنے مین کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانون کو انکی اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قومون کیساتھ مشارکت اور میل جول کیلئے آمادہ کیا، اور مجوسیون، صابئیون، یہودیون، عیسائیون اور ہندؤن کیساتھ مل کر مختلف ملکون مین اُن ملکون کے مناسب مختلف تمدنون کی بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کی،

وحدۃ الادیان تمام رسولون اور اُن کے صحیفون کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم یہ ہو کہ آدم سے لیکر محمد علیہما السلام تک جتنے سچے مذہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے، چنانچہ درحقیقت آپکی تعلیم یہی تھی، اسلام اوسی ایک مذہب کا نام ہے، جو آدم سے محمد علیہما السلام تک باری باری سے پیغمبرون کے ذریعہ آتا رہا اور انسانون کو اسکی تعلیم دیجاتی رہی،

صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہین، ایک **دین** اور دوسرا شرعۃ، اور منسک اور منہاج شرعۃ اور منہاج کے معنی راستہ کے ہین، اور منسک کے معنی طریق عبادت کے ہین، دنیا مین یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الٰہی ہمیشہ ایک تھا، ایک رہا اور ایک رہیگا، نور معرفت ایک ہے، خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قندیلون مین روشن ہو، اصل دین مین تمام پیغمبرون کی تعلیم یکسان تھی، ایک ہی دین تھا جس کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آتے رہے، اُسمین زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہین، اور نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اُسمین کوئی اختلاف ہوا، وہ ہر زمانہ مین اور ہر مقام مین یکسان آیا، اور وہان کے پیغمبرون نے اُسکی یکسان تعلیم دی، یہ دائمی حقیقت اور یکسان تعلیم کیا ہے؟ یہ مذہب کے اصل اصول ہین یعنی خدا کی ہستی، اوسکی توحید، اُس کے صفات کاملہ، انبیاء اور مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اور اخلاق، اچھے اور برے اعمال کی بازپرس اور جزا و سزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہین، جنپر جملہ مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، اگر ان مین کسی جہت سے کوئی اختلاف ہے تو یا تو طریقۂ تعبیر کی غلطی ہے، یا باہر سے آکر اُس تعلیم مین کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے،

دوسری چیز جسکو آنحضرت صلعم کی زبان وحی ترجمان نے شرعہ، منہاج اور منسک کہا ہے، وہ جزئیات احکام اور منفعت حصول مقصد کے جدا جدا راستے ہین، جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہین، مثلاً عبادت الٰہی ہر مذہب کا جزو لازم ہے، لیکن طریق عبادت مین تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب مین موجود ہے، عبادت کی کوئی خاص سمت ہر مذہب مین ہے، مگر وہ سمت ہر مذہب نے اپنی اپنی مصلحت سے الگ مقرر کی ہے، اسی طرح اعمال فاسدہ کا انسداد ہر مذہب کا متفقہ نصب العین ہے، مگر اس انسداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہین، غرض

یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبرون کے زمانون مین اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے، ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر رہا ہے،

انبیاء علیہم السلام کا دنیا مین وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اسی ازلی و ابدی صداقت کو ہمیشہ اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہین، اور دین کو اپنے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھین، اور ساتھ ہی اپنے اپنے قوم و ملک اور زمانہ کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو اُن کے لیے مناسب حال ہون وہ اُن کو بتائین اور سکھائین،

انبیاءؑ کے سوانح پر نظر کرنے سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اُسی وقت مبعوث ہوا ہے، جب اُسکا صحیفۂ وحی جو اُس کے دین و شریعت کا محافظ ہوتا ہے، کھو گیا ہے، یا انسانی ہاتھون کے دست برد سے ایسا بدل گیا ہے، کہ اصلیت مشتبہ ہوگئی ہے، صحیفۂ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جسکا نہایت ناقص خلاصہ توراۃ کے سفر تکوین مین ہے، صحیفۂ موسیٰ نازل ہوا، صحیفۂ موسیٰ کے اختلافات کو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے، پھر اُسکی تکمیل کے لیے انجیل آئی، اور انجیل مین انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، اور چونکہ وہ دنیا کے آخر تک کے لیے آیا، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اُسکی حفاظت کیگئی، اور قیامت تک کی جائیگی، اسی لیے اُس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہین، اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت کی حاجت، البتہ اُس کے معانی کی صحیح تشریح اور بدعات و احداثات کے انسداد کے لیے ائمہ خلفاء، مجدد دین، محدثین اور علمائے راسخین پیدا ہوتے رہے ہین اور ہوتے رہینگے، اور اُنکی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنت محمدی کا احیاء اور بدعات کا قلع و قمع ہے،

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعوی کو وحی محمدی کی روشنی مین دیکھنا ہے

"وحدت دین" کی حقیقت کو وحی اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے:-

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ	"دین مین تمھارے لئے وہی راہ ڈالی جو اُس نے نوح کو کہی تھی
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ	اور جو ہم نے حکم بھیجا تم کو، اور جو کہدیا ہم نے ابراہیم کو، اور موسیٰ
مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا	کو، اور عیسیٰ کو، یہ کہ "دین" کو قائم رکھو اور اُس مین تفرقہ نہ ڈالو"

فِيهِ ط كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اللّٰهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ، وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ، فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ج وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ ج وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ط اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ط اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ج وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ،

(شوریٰ ۱-۲)

مشرکون کو جدھر تو بلاتا ہے وہ اُن پر گران گذرتا ہے، خدا اپنی طرف جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اپنی طرف اسکو راہ دیتا ہے جو (اُسکی طرف) رجوع ہوتا ہے، اور یہ تفرقے اُنھون نے وحی کے علم حقیقی ملنے کے بعد آپس کی ضد اور تعصب سے پیدا کئے، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات وقت مقررہ تک کے لیے نہ ہو چکی ہوتی، تو (کشف حقیقت کر کے) ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جاتا، اور جنکو اُن اگلون کے بعد کتاب وراثت مین ملی، وہ اس امر حق کی طرف سے ایسے شک مین ہین جو اُن کو چین نہین لینے دیتا ہو تو سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا، اور اسی پر استواری سے قائم رہ، اور ان تفرقہ اندازون کی غلط خواہشون کی پیروی نہ کر، اور کہہ کہ مین ایمان لایا ہر اُس کتاب پر جو خدا نے اُتاری، اور مجھے حکم ملا ہے کہ مین تمھارے بیچ مین انصاف کرون، ہمارا رب اور تمھارا رب وہی ایک اللہ ہے، ہمکو ہمارے کام کا بدلہ ملیگا اور

ان آیات مبارکہ مین کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ وہی **ایک دین** ہے جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تم کو اے محمدؐ (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے، اگلون کے بعد پچھلون نے جنکو یہ کتاب ملی، اپنے ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے باہمی تفرقے پیدا کئے، اور آپس کی ضد اور تعصبات سے الگ الگ فرقہ داری کی راہین نکالین، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدت دین کی حقیقت کا یقین اہل کتاب کو نہین، حالانکہ وہ شکوک و شبہات کے دلدل مین پھنسے ہین، پھر حکم ہوتا ہے کہ اے محمدؐ رسول اللہ! تو اس حقیقت کی طرف لوگون کو بلا، اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہ، اور یہ اعلان کر دے کہ میرا مسلک

یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا مین آئی ہین اوسکی صداقت کو تسلیم کرتا ہون، اور تم اے اہل کتاب جو مختلف فرقون اور مذہبون مین بٹے ہو، اُن کیساتھ انصاف کرون، یعنی جسمین جو سچائی ہے اوسکو قبول کرون، یا معاملات مین اُن کے ساتھ عدل و انصاف کرون، پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دو نہین ہے، اگر اتحاد چاہو تو اس نقطہ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہین، البتہ ہمارے اور تمہارے راستون مین جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہین، ہمارے کام کے تم جوابدہ نہین اور تمہارے کام کے ہم نہین، اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی بہان جھگڑا نہین،

اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ صلعم کی زبان وحی نے ایک اور آیت مین دی،

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ
لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ،
(آل عمران - ۷)

اے کتاب والو! آؤ، ہم تم ایک بات پر جو ہمارے تمہارے درمیان یکسان ہے متفق ہو جائین، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرین، و نہ کسی کو اسکا شریک بنائین اور نہ آپس مین ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنائین، اگر وہ اسکو قبول نہ کرین تو کہدے کہ تم گواہ رہو کہ ہم حکم الٰہی کے تابع (مسلم) ہین،

یہود و نصاریٰ جنھون نے اپنی فرقہ داریون سے اصل دین مین تفریقین پیدا کر دی تھین، اُن کی طرف اشارہ کر کے محمد رسول اللہ صلعم سے فرمایا گیا،

إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ
مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ، إِنَّمَآ أَمْرُهُمْ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ
يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ، (انعام - ۲۰)

بیشک وہ جنھون نے اپنے دین مین الگ الگ راہین نکالین اور کئی فرقے ہو گئے، تجھکو اُن سے کوئی کام نہین، اُنکا کام اللہ کے حوالہ ہے، وہی اُنکو جتا دیگا جیسا کچھ وہ کرتے تھے،

پھر دونون کو اس کے بعد ہی اصل "دین قیم" جو ابراہیمؑ کا تھا، اسکی دعوت دی گئی،

قُلْ إِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، دِيْنًا
قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام ۲۰)

کہدے کہ مجھے میرے خدا نے اس سیدھی راہ کیطرف رہنمائی کی جو دین صحیح ہے، ابراہیم کی ملت، اور وہ (ابراہیم) مشرکون مین سے نہ تھا

غرض اسلام وہ "دینِ قیم" ہے جو ہمیشہ سے انبیأ کا دین رہا، اور موجودہ دینِ اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفات اور تصرفات اور فرقہ پروریون کو مٹا کر اُسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے جسکی طرف انبیأ اپنے اپنے زمانون مین ہمیشہ لوگون کو پکارتے رہے، اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے نامون کو گنانے کے بعد محمد رسول اللہ صلعم کو یہ ہدایت فرمائی گئی،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام - ۱۰) — یہ وہ لوگ ہین جن کو اللہ نے ہدایت دی، سو تو انھین کی راہ چل،

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا،

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ، (نساء - ۵) — خدا چاہتا ہے کہ تمھارے واسطے بیان کرے اور تم کو اُن کے راستے دکھائے جو تم سے آگے تھے،

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع مین بھی اگلے پیغمبرون کی تعلیمات کیساتھ اتحاد رکھتا ہے، اور یہ امر واقعہ ہے، جو لوگ قرآن کا اسلیے انکار کرتے تھے کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے اُن سے یہ کہا گیا،

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى، صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى، (اعلیٰ - ۱) — بے شبہہ یہ بات، اگلے صحیفون مین تھی یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفون مین،

ایک اور آیت مین کہا گیا،

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (شعرا - ۱۱) — اور یہی پہلے پیغمبرون کی کتابون مین تھا،

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا،

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حٰمٓ السجدہ ۸ - ۵) — (اے محمد) تجھ سے (اس کتاب مین) وہی کہا گیا ہے، جو تجھ سے پہلے پیغمبرون سے کہا گیا،

اس اعلان مین یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کو وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبرون سے کہا جا چکا تھا، ان معنون مین قرآن کوئی نئی دعوت لیکر نہین آیا، بلکہ اُسی پرانی دعوت کی یہ تکرار ہے جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی یا دب گئی تھی

اگر فرق ہے تو اجمال و تفصیل، یا نقص و تکمیل کا، کہ اسلام گذشتہ اجمال کی تفصیل، اور دین سابق کی تکمیل ہے،

اس لیے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا جو آتا رہا، اور ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی لیکن وہ بار بار انسانوں کے نسیان و تغافل اور تصرف و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی، اور آخری دفعہ دنیا کے کمال بلوغ کے زمانہ میں وہ پوری حفاظت کے وعدہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ مفصل اور کامل ہو کر نازل ہوئی، اور وہ قیامت تک محفوظ باقی رہیگی،

دوسری چیز جس کی مذہب میں ثانوی حیثیت ہے، اور جو اصل مقصد نہیں، ذریعہ ہے، وہ بدلتی رہتی ہے، اور عہد محمدی تک بدلتی رہی ہے، اُس کا نام شرعہ، منہاج، اور منسک ہے، یہودیوں کو آنحضرت صلعم پر اعتراض تھا کہ وہ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں، قرآن نے اس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصود نہیں ذرائع ہیں اصول نہیں فروع ہیں، ہر قوم کی مناسبت سے اُنمیں تغیر ہوتا رہا ہے، اور ہوتا رہیگا، اسکی ایک مثال قبلہ ہے کہ مقصود اصلی نماز ہے اور سمت کا تعین ایک فرعی اور ثانوی چیز ہے، حضرت داؤد کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنی بانی مسجد (بیت المقدس) سے گرویدگی تھی، وہ انکا قبلہ ہوئی ابراہیمی عربوں کو اپنی مرکزی مسجد (کعبہ) سے وہی دلبستگی اور لگاؤ تھا، اسلیے یہ انکا قبلہ بنی، چنانچہ قرآن نے تعیین قبلہ کے موقع پر کہا:-

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ (بقرہ ۱۸-۱۸)

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جدھر وہ منھ کرتا ہے، سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو،

یعنی سمتوں اور جہتوں کی تعیین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو، بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دو، اسی لیے فرمایا:-

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ الآیہ (بقرہ ۲۲-)

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رُخ کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)،

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں نہ تھا، اسلام نے جب اسکو رائج کیا تو کہا ہر مذہب نے اپنے لیے عام مذہبی اجتماع اور قومی عبادت کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے، اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو اس کے لیے متعین کیا،

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا

ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ اس قوم

يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۖ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۔ وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ، (حج - ۹)

کے لوگ اُس طرح بندگی ادا کرتے ہیں، سو اس بات میں وہ تجھسے جھگڑا نہ کریں، تو اپنے رب کی طرف بلائے جا، تو بیشک سوجھ کی سیدھی راہ پر ہی اور اگر وہ تجھ سے جھگڑنے لگیں تو کہدے کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو،

سورہ مائدہ میں عدل و انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں، جنکو وہ چھوڑ بیٹھے ہیں،

پہلے یہودیوں کو کہا،

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ، (مائدہ - ۷)

ہم نے توراۃ اتاری، اُسمین ہدایت، اور روشنی تھی پیغمبر جو حکمبردار تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے، اور اُن کے عالم اور فقیہ کہ اللہ کی کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے اوس پر خبردار،

عیسائی شریعت کی نسبت کہا،

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ (مائدہ - ۷)

اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا، سچ بتاتا ہوا اوسکو جو اُس کے پہلے تھا یعنی توراۃ، اور ہم نے اسکو انجیل دی، اسمین ہدایت اور روشنی اور تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے پہلے کی یعنی توراۃ کی، اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کے لیے، اور چاہیئے کہ انجیل والے اوس کا حکم دین جو اُس میں اترا،

اس کے بعد آنحضرت صلعم کو خطاب ہے،

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ	اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ اُتاری، جو اپنے پہلے
يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ	کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور امانت کیساتھ اُس پر شامل ہے،
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	سو تو اُن کے درمیان اُسکے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اتارا اور
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ، (مائدہ - ۷)	تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اُسکو چھوڑ کر اُنکی خواہشون کی پیروی نہ کر،

دیکھو کہ کس خوبی کے ساتھ صحیفۂ محمدی نے اگلی کتابون کی تصدیق اور مدح و تعریف کی، اور اُن اہلِ مذاہب کو جو اسلام پر ایمان نہین لائے اپنی اپنی کتبِ منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گذشتہ کتابون پر امین و محافظ بنکر آیا ہے، اور اس مین ان سب کتابون کی سچائیان یکجا ہین، لیکن ان لوگون نے اپنی اپنی کتابون کو چھوڑ کر اہوا، (غلط خواہشون) کی پیروی شروع کردی، یہ اہوا رکیا ہین، کتابِ الٰہی مین تحریف و تصرف کر کے آسانیان پیدا کرنا اور احکامِ الٰہی کے مقابلہ مین انسانی اجتہادات کی آمیزش (فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، "افسوس ہے اُن پر جو اپنے ہاتھون سے کتاب بناتے ہین، پھر کہتے ہین کہ یہ خدا کی طرف سے ہے" (بقرہ - ۹) آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی شریعتِ الٰہی کو چھوڑ کر اُن اہلِ کتاب کی اہوا کی پیروی نہ کر، اس کے بعد عدد و جزا و سزا مین ان خفیف اختلافات اور تبدیلی کو جو تورات، انجیل اور قرآن مین ہے، غیر اہم بتایا گیا، فرمایا،

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط	ہم نے تم مین سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور
(مائدہ - ۷)	ایک راستہ بنا دیا،

انھین اختلافات کی بنا پر یہود اور نصاریٰ دونون ایک دوسرے کو برسر باطل کہتے تھے،

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ	اور یہود نے کہا نصاریٰ کچھ راہ پر نہین، اور نصاریٰ نے
قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ	کہا یہود کچھ حق پر نہین، حالانکہ وہ دونون خدا کی کتاب
هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ، (بقرہ - ۱۴)	پڑھتے ہین،

دونوں مل کر مسلمانوں سے کہتے تھے،

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا (بقرہ-۱۶)

اور انھوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بنجاؤ تو ہدایت پاؤ،

ارشاد ہوا، کہ تم دونوں اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ، اصل دین ابراہیمی پر متفق ہوجاؤ،

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ
إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ
مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا
هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ (بقرہ-۱۶)

کہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو، جو موحد تھا مشرک نہ تھا،
اور کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا، اور جو ابراہیم اور
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور انکی اولاد پر اتارا گیا، اور
جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو سب نبیوں کو اُن کے خدا کی
طرف سے دیا گیا سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں فرق
نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا کے تابع ہیں، تو اگر یہ بھی اسی
طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو انھوں نے ہدایت
پائی، اور اگر روگردانی کی تو وہی ہیں ضد اور مخالفت پر،

یہود اور نصاریٰ کو یہ دعویٰ تھا،

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ (بقرہ)

یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا،

جواب دیا گیا،

تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ، (بقرہ-۱۳)

یہ اُن کی باطل آرزوئیں ہیں،

بلکہ

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ
أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۔ (بقرہ-۱۳)

ہاں جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا، اور وہ نیکوکار ہے
تو اسکی مزدوری اُس کے خدا کے پاس ہے، نہ اُن کو خوف
ہوگا اور نہ غم،

تمام اہلِ مذاہب کو یکسان خطاب کرکے فرمایا،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی
وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ، (بقرہ-۸)

بیشک جو ایمان لائے (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہوئے
اور نصاریٰ اور صابی جو بھی خدا پر اور آخری دن پر ایمان لایا،
اور نیک عمل کیا، تو اُن کی مزدوری اُن کے پروردگار کے پاس
ہے، نہ اُن پر خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہونگے،

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان، اور جو یہودی بنے، اور نصاریٰ اور صابئین ان مین سے جو بھی اپنے اپنے دورِ نبوت مین خدا کی توحید پر، روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اچھے عمل کیے اُن کو اپنے کام کا پورا پورا ثواب ملیگا، یعنی جسنے بھی اپنے اپنے پیغمبر کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو شرک و کفر و بت پرستی سے یقیناً پاک تھی، عمل کیا، اُس کو اُس کا ثواب ملیگا، خدا کی توحید اور روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لانا، اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہین ہوسکتا بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہوسکتا ہی جیسا کہ تمام اہلِ مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے، اس لئے رسالت کی تصدیق بھی اسکے ضمن مین داخل ہے، کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ
اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ
اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ ھُمُ
الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا
مُّھِیْنًا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ
یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ
یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ،
(نساء-۲۱)

بیشک جو اللہ اور اُس کے رسولون کا انکار کرتے ہین، اور چاہتے
ہین کہ اللہ اور اُس کے رسولون مین جدائی کرین، اور کہتے
ہین کہ ہم کسی کو مانتے ہین اور کسی کو نہین مانتے اور چاہتے
ہین کہ وہ اسکے درمیان کا راستہ اختیار کرین، وہی حقیقی
کافر ہین، اور ہم نے کافرون کیلئے اہانت کرنیوالا عذاب،
تیار کیا ہی اور جو لوگ اللہ اور اسکے رسولون پر ایمان لائے
اور اُن مین سے کسی کا بھی انکار نہین کیا، یہ وہ ہین جن کو
انکی مزدوریان خدا دیگا، اور خدا بخشنے والا رحم کرنیوالا ہی،

دوسری آیت میں ہے،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (نور۔ ۹) — مومن وہی ہیں جو خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لائے،

اسی بنا پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ قبولِ عمل کے لیے ایمان مشروط ہے، اور دوسرے یہ کہ ایمان وعمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے، اسی لیے اوپر جن چار فرقون کا ذکر کیا، وہ چارون وہ ہیں جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہیں، اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولون کو صادق مانا جائے، چنانچہ اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہے،

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ، (مائدہ ۔ ۱۰)

کہدے اے کتاب والو تم کچھ نہیں جب تک تم توراۃ اور انجیل کو اور جو کچھ تمھاری طرف اتارا گیا، اُس کو قائم نہ کرو، اور (اے پیغمبر) جو تیری طرف اترا ہے وہ انکی سرکشی اور انکار کو اور بڑھائیگا، تو ان منکرون کا غم نہ کر، اسمین کوئی شبہ نہیں کہ جو مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہوئے اور صابی اور عیسائی جو خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لایا، اور اچھے کام کیے تو اُن پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ غمگین ہون گے،

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیون نے ہمیشہ رسولون کا انکار کیا ہے، اور نصاریٰ توحید کو چھوڑ کر تثلیث اور الوہیتِ مسیح مین مبتلا ہوگئے، اس لیے اصل اسلام سے یہ دونون ہٹ گئے ہین، فرمایا،

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا — بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور اُن کی طرف کئی رسول بھیجے، جب کبھی اُن کے پاس کوئی رسول اُن کی

لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ
وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا
وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا
کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ،
لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ
ابْنُ مَرْیَمَ وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ
بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ
النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ، لَقَدْ
کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وَمَا
مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا
عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ، (مائدہ - ۱۰)

نفسانی خواہشوں کے خلاف احکام لیکر آیا، تو کتنوں کو جھٹلایا
اور کتنوں کا خون کرنے لگے، اور خیال کیا کہ اس سے کچھ خرابی
نہ ہوگی، سو اندھے ہوگئے اور بہرے، پھر خدا اُن پر رجوع
ہوا، پھر اُن میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہوئے، اور اللہ
دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں، بے شبہہ وہ کافر ہوئے جنھوں نے
یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ ہے، مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ
اے بنی اسرائیل اللہ کو پوجو جو میرا اور تمھارا رب ہے،
بیشک جو اللہ کا شریک بنائے گا تو اللہ نے اُس پر جنت
حرام کردی، اور اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے، اور گنہگاروں
کی کوئی مدد کرنے والا نہیں، بے شبہہ وہ کافر ہوئے جنھوں
نے کہا کہ اللہ تین میں تیسرا ہے، حالانکہ کوئی اللہ نہیں مگر
وہی ایک، اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئے، تو کافروں
کو یقیناً دردناک عذاب چھوئیگا،

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے "ایمان" کا حال تھا اس کے بعد اسی رکوع میں اُن کے "حسنِ عمل" کا جائزہ لیا گیا ہے،
اور اسی کے بعد ہی اُن سے کہا گیا ہے،

وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَیْہِ مَا اتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا
مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ، (مائدہ - ۱۱)

اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر اُترا اُس پر
ایمان لے آتے، تو ان مشرکوں کو وہ اپنا دوست نہ بناتے
لیکن اُن میں اکثر نافرمان ہیں،

اسلام یعنی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد مشترکہ دین کا اصل الاصول دو باتیں ہیں، توحید کامل اور رسالت

عمومی، یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفتون مین کامل بلاشریک ماننا اور اسکے تمام پیغمبرون اور رسولون کو یکسان صادق اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا،

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ،

(آل عمران - ۹)

کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہین، حالانکہ جو بھی آسمانون مین اور زمین مین ہے وہ خوشی سے یا مجبورًا خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار ہے، (اے پیغمبر) کہہ کہ ہم اللہ پر اور جو اُس نے ہم پر اُتارا اور جو ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر، اور یعقوب پر اور اُن کی اولادون پر اترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبرون کو اُن کے رب کی طرف سے ملا، ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہین ان مین سے کسی مین کوئی فرق نہین کرتے، اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہین، اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو وہ اُس سے قبول نہوگا، اور وہ آخرت مین نقصان اٹھانے والون مین سے ہوگا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولون پر ایمان لانا دین اللہ ہے اور اسی کا نام اسلام ہے، جس نے اس اصول کو قبول نہین کیا وہ آخرت مین نقصان اٹھائے گا، آل عمران مین ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات باطلہ اور اتباع متشابہات سے گمراہ ہو گئے یعنی دین اسلام سے روگردان ہو گئے، اور اختلافات مین پڑ گئے، فرمایا،

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور [illegible] جن کو کتاب دی گئی انھون نے علم آنے کے [illegible] دیا سے [illegible] جدا نہین آپس کی ضد کے سبب سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتون کا انکار کریگا

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ، فَاِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ،
(آل عمران - ۲)

تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر کج بحثی کرین تو کہدے کہ مین نے اور میرے پیروون نے تو اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مُسلم) کر دیا،

اسی کے بعد آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے سوال کرین کہ وہ اس اسلام کو قبول کرتے ہین؟

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ، فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ،
(آل عمران - ۲)

اور اے پیغمبر اُن سے جنکو کتاب دیگئی اور عرب کے جاہلون سے کہدے کہ کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا، اگر کیا تو اُنھون نے سیدھی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندون کو دیکھتا ہے،

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر "ہدایت تامہ" ملنے کی بشارت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام "ہدایت تامہ" ہے کہ یہ وہ دین ہے جسکو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گذشتہ پیغمبر کی اُمت ہون، کھو دیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ دوبارہ دنیا مین پیش کیا گیا، اس لیے جو ہدایت اُن کے پاس تھی وہ ناقص تھی، اور اسلام جسکو لیکر آیا وہ کامل ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتون مین یہ کہا گیا ہے کہ "اب جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوے اور نصرانی اور صابئی جو بھی خدا اور یوم آخر پر ایمان لایا، اور اُس نے نیک کام کیا، اُس کو خوف و غم نہ ہوگا" اُن مین خدا پر ایمان لانے سے مقصود "توحید کامل" ہے، اور اس کا یہ منشا نہین کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ اپنے موجودہ ہی گمراہ عقیدون کے ساتھ نجات کلی کے مستحق ہین، یہود و نصاریٰ کیا مسلمان بھی اس توحید کامل کے بغیر نجات کلی کے مستحق نہین، جب تک یہ ایمان اور عمل صالح ٹھیک اُس تعلیم کے مطابق نہ ہون، جو اون کے رسول کے ذریعہ دنیا مین آئی، یہ اصول ہر ایک کے لیے ہے خواہ وہ مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، صابئی ہو، کسی نبی کی پیروی کا مدعی ہو،

نبوت محمدی کا دعویٰ یہ نہین کہ وہی ایک ہدایت ہے اور اُس کے سوا سب ضلالت ہے، بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ

وہی ایک کامل ہدایت ہے، اور بقیہ اسوقت سب ناقص ہین یعنی وہ ابدی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتون مین سب نبی لے کر آتے رہے، اور اُن کے پیرو، اپنے تاویلات تحریفات، تصرّفات اور اختلافات سے اوسکو برباد کرچکے تھے، اوسی کو لیکر آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلعم آئے اب وہ ہدایت ہمیشہ کامل رہیگی، پھر کبھی ناقص نہ ہوگی کہ اسکا صحیفۂ ہدایت تحریف و اختلاف و تصرف سے محفوظ و پاک رہیگا،

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوت محمدیؐ کی دعوت جہان دیگئی ہے، "ہدایت" کی بشارت سنائی گئی ہے چنانچہ اسی آیت مین جو ابھی اوپر گذری یہ ہے،

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا،

(اٰل عمران - ۲)

اور اے پیغمبر! اُن کو جنکو کتاب دیگئی، اور عرب کے جاہلون کو کہہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے، تو انھون نے سیدھی راہ پائی،

سورۂ بقرہ مین ہے،

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ج (بقرہ - ۱۷)

(اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہمپر اترا، اور جو ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور انکی اولاد پر اترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبرون کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے، ہم ان مین کسی مین کچھ فرق نہین کرتے اور ہم اسی خدا کے مُسلم یعنی فرمانبردار ہین، تو اگر یہ بھی اسی طرح مانین جسطرح تم نے مانا تو انھون نے سیدھی راہ پائی اور اگر نہ مانین باز رہین تو وہ محض ضد مین ہین،

یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کو تعلیم محمدی کی طرف دعوت اسی "ہدایت" کے پانے کے لیے ہے، جو اسلام یعنی انبیاء کے دین ازلی سے عبارت ہے اور جسکو لیکر محمد رسول اللہ صلعم اس دنیا مین تشریف لائے، اور فلاح و نجات کامل

اب اسی مین منحصر ہے،

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ ۵-۱)

جو اُس کو جو تیری طرف (اے پیغمبر!) اترا اور جو تجھ سے پہلے اترا، دونون کو مانتے ہین، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے ہین وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہین اور وہی کامیاب ہین،

حضرت موسیٰؑ کے قصہ کے بعد فرمایا کہ رحمت الٰہی گو عام ہے، مگر یہ نعمت خاص طور سے اُن کا حصہ ہے، جو تعلیم محمدیؐ کو قبول کرین، اور وہی نجات کامل کے مستحق ہین،

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہے، پھر اُس رحمت کو اُن کیلئے لکھ دونگا جو پرہیزگار ہین اور زکوٰۃ دیتے ہین، اور جو ہمارے حکمون کو مانتے ہین، جو اُس اَن پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہین جسکو وہ اپنے ہان توراۃ اور انجیل مین لکھا پاتے ہین، جو اُن کو نیکی کا حکم دیتا اور بُرائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو اُن کیلئے حلال کرتا اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے، اور اُن کے بندشون کو اور اُن زنجیرون کو جو اُن پر پڑی تھین اتار رہا ہے، تو جنھون نے اُس پیغمبر کو مانا اور اُسکی تائید کی اور اُسکی مدد کی، اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتری، وہی کامیاب ہین، کہدے (اے پیغمبر!) کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اُس خدا کا رسول ہون جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہین، وہی

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ	جلاتا اور وہی مارتا ہے سو اللہ اور اُس کے اُس اَن پڑھ پیغام
النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَ	رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اسکی باتون پر ایمان
اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ، (اعراف - ۱۹)	رکھتا ہے، اور اُس رسول کی پیروی کرو، تاکہ تم سیدھی

ان آیات مین صاف ظاہر کردیا گیا، کہ گذشتہ اہلِ مذاہب کو محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ دینِ خالص جو انسانی تصرفات اور آمیزشون سے مکدر ہو گیا تھا، وہ صحفِ الٰہی کی پیشگوئیون کے مطابق آپ کے ذریعہ پھر نکھارا گیا ہے، اور جن اضافون اور جزئیاتِ احکام کی سختیون کو انسانون نے اسمین شامل کر دیا تھا، آپ کے ذریعہ دور کیگئین، اور نیز آپ عالمگیر پیغمبر بنکر مبعوث ہوئے، اس لیے ہدایتِ کاملہ، نبوتِ عمومی اور نجاتِ کامل اور فلاحِ تام اب وحیِ محمدیؐ کے اندر محدود ہے،

الغرض دینِ محمدی کو قبول کرنا اس لیے تمام انسانون پر ضروری ہی کہ وہ دینِ ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا، اور جو اُس کے پیروون کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا اسی کو صحیفۂ محمدی لیکر آیا، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہیگا، کیونکہ اُسکا نبی خاتم النبیین اُسکا دین کامل دین، اور اس کا صحیفہ تمام صحفِ الٰہی پر مہیمن اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف سے اسکی پوری حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ چارون دعوی یعنی تکمیلِ دین، قرآن کا مہیمن ہونا، قیامت تک اُسکا محفوظ و باقی رکھنا، اور ختمِ نبوت، حسب ذیل دلائل سے ثابت ہین،

تکمیلِ دین قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہین کیا کہ وہ مکمل ہے، اور اُس کے ذریعہ دینِ الٰہی اپنے تمام اصول اور فروع (مناسک و مناہج و شرائع) کی حیثیت سے تکمیل کو پہنچ گیا، بلکہ گذشتہ مذاہب مین سے ہر ایک نے اپنے وقت مین یہی کہا کہ اُس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اُس کے کام کی تکمیل کرے گی، خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا،

"مین اُن کے لیے اُن کے بھائیون مین سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا، اور اپنا کلام اُس کے منھ مین ڈالونگا اور جو کچھ مین اُسے فرماؤنگا، وہ سب اُن سے کہیگا، (استثنا ۱۸-۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اُن کے مانند ایک اور نبی آنے والا تھا جس کے منھ مین اللہ تعالیٰ

خود اپنا کلام ڈالے گا، اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰؑ کی طرح ایک اور صاحب شریعت نبی خدا کے نئے کلام کیساتھ آئیگا، اسیطرح

حضرت عیسیٰؑ نے بھی کہا :-

"لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی روح ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجیگا، وہی تمھین سب چیزین سکھائیگا، اور

سب باتین جو مین نے تم سے کہی ہین، تمھین یاد دلائیگا، (یوحنا ۱۴ - ۲۶)

اور وہ فارقلیط (احمد) آکر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائیگا، گناہ اس لیے کہ

وہ مجھ پر ایمان نہین لائے . . . . میری اور بہت سی باتین ہین کہ مین تمسے کہون، پر اب تم انکی برداشت

نہین کرسکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئیگی تو وہ تمھین ساری سچائی کی راہ بتائے گی،

اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہیگی، لیکن جو کچھ سنیگی سو کہیگی، میری بزرگی کریگی" (یوحنا ۱۶ - ۸)

حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کلام کو ہنوز ناتمام ہی فرمایا، اور ایک آیندہ آنے والے کا پتہ دیا، جو اسکی تکمیل کریگا،

آخر وہ موعود الامم صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور دعوی کیا کہ مین موسیٰ کے مانند بنی اسرائیل کے بھائیون یعنی بنی اسمٰعیل مین سے

آیا ہون، اور میرے منھ مین خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے، اور یہ دعوی کیا کہ مین ہی وہ سچائی کی روح ہون جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر

کرنے، سچائی کی راہ بتانے اور مسیح کی ادھوری بات کو کامل کرنے کے لیے آیا ہون، مین اپنی نہین کہتا، بلکہ وہی کہتا ہون

جو اوپر سے سنتا ہون، اور آخر منصب نبوت کے ختم پر وحی الٰہی نے اسکی زبان سے یہ اعلان عام کیا،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا، (مائدہ-۱) آج مین نے تمھارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تمپر تمام کردی، اور تمھارے لیے اسلام کا دین پسند کیا،

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اس نے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو، جو انکی سخت گیری کے لیے ان پر عائد تھے، اور

اصل دین ابراہیمی مین داخل نہ تھے[1]، یا انسانون کے اضافے اور تصرفات تھے، بدل کر ایسے مناسب اور آسان احکام

نازل کیے جو ہر زمانہ کے لیے موزون ہوسکتے ہون، اسی لیے قرآن نے کسی اپنے بعد مین آنے والے کی پشینگوئی نہین کی

[1] دیکھو آیت كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ الآیۃ (آل عمران - ۱۰)

نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی نئی شریعت کا منتظر کیا، کہ تکمیل کے بعد اب کسی نئے آنے والے کسی نئے کلام، اور کسی نئی شریعت کا موقع کہان؟ اور اسی بناپر قرآن نے ہر جگہ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، جو (محمد صلعم سے پہلے نازل کیا گیا) پر ایمان لانے کی تاکید کی، لیکن "وَمَا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِكَ" کے قبول کرنے کا کہین شائبہ بھی نہین،

قرآن مہیمن کتب ہے

اس دین کامل کا صحیفہ تمام اگلی کتابون کا مصدّق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ، (مائدہ - ۷) اپنے آگے کی کتابون کی تصدیق کرنے والا،

اور تمام اگلی کتابون کی صداقتون اور تعلیمون پر مشتمل ہے، اس لیے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہے وہ تمام اگلی کتابون کی صداقتون اور تعلیمون کو قبول کر لیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہین فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ، (مائدہ - ۷)

اور ہم نے (اے محمدؐ!) تیری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اُس پر شاہد و حاوی ہے،

لفظ "مہیمن" کی تفسیر اہل زبان مفسّرون نے یہ کی ہے:

ابن عباسؓ، شاہد اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب پر امین ہے،

قتادہ، قرآن سے پہلے جو کتابین تھین قرآن اُن کا امین اور شاہد ہے،

غرض قرآن اگلی کتابون کی صداقتون اور سچی تعلیمون کی امانت اپنے اندر رکھتا ہے،

قرآن محفوظ ہے اور رہیگا

پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اُس کے صحیفۂ الٰہی کی حفاظت پر موقوف ہے، قرآن سے پہلے کوئی کتاب الٰہی دانستہ اور نادانستہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے تامتر بری نہین رہی، لاکھون پیغمبرون مین سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا مین باقی نہین، اور جو باقی ہے وہ فنا ہو ہوکر نئے نئے قالب مین بدلتا رہا ہے، توراۃ جل جل کر خاک ہوئی، اور پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر ہوئی، پھر ترجمون کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی، انجیل مین تحریف وجعل تو اسی زمانہ مین شروع ہو چکا تھا، پھر ترجمون کی کثرت نے حقیقت مشتبہ کر دی، زردشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا

اور صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کھچا ہے، ان کتابوں کا یہ حال اسلیے ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دائمی اور آخری مذہب بنا کر نہین بھیجا تھا، اسی بنا پر اُن کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہ تھا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی اور محفوظ رہیگا، اسکی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، فرمایا اور پھر کس وثوق سے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ، (حجر - ۱)

ہم نے اس نصیحت کی کتاب کو اتارا، اور بے شبہہ ہم ہین اسکی حفاظت کرنے والے،

یہ وعدہ الٰہی ایک اور دوسری آیت مین ان الفاظ مین دہرایا گیا،

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ، فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ، (قیامہ - ۱)

بیشک ہمارے ذمہ ہی اس (قرآن) کو سمیٹ کر رکھنا اور اسکا پڑھنا پھر جب ہم پڑھین تو تو اُس کے پڑھنے کیساتھ رہ، پھر بے شبہہ ہم پر ہے اُسکو کھول کر بتانا،

اس آیت مین قرآن کی قرأت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی دونون کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، ایک تیسری آیت مین اسکی تصریح ہے کہ اس حق مین باطل کی آمیزش کبھی راہ نہ پا سکیگی، فرمایا:

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ، (حٰم السجدۃ - ۵)

اور بیشک یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو غالب ہے، باطل نہ اُس کے سامنے سے اور نہ اُس کے پیچھے سے اُس کے پاس آئیگا، ایک حکمت والے اور خوبیون والے کی طرف سے اترا،

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا یعنی جو اپنے ہر حریف کو اپنے دلائل کے زور سے پست کریگی، باطل نہ اس کے سامنے سے اُس مین آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی جہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی طرف سے اتری ہے، اس لیے وہ اپنی حکمت و دانائی کی تعلیم سے غالب رہیگی اور چونکہ وہ ایک سراسر خوبیون والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے یہ بھی ہر باطل کے عیب سے پاک رہیگی،

یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے، اور ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ اسکی صداقت پر گواہ ہے،

ختمِ نبوت | مقدمات بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے بعد کسی نبی کی قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن وحیِ محمدی نے ہر شک کے ازالہ کے لیے آگے بڑھکر یہ تصریح بھی کر دی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور اب آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہین کہ دین کامل اور صحیفۂ الٰہی محفوظ ہو چکا، اور ہدایتِ ربانی کے دروازہ کے بند ہونے کا خطرہ دور ہو گیا، اور خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثتِ محمدیؐ کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومین پیوستہ ہو گئین، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحیدِ کامل کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا، اور خدا کے تمام رسولون کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہان تک کہ اُن قومون نے بھی جو مسلمان نہین ہوئین، ان دونون صداقتون کو اصولاً تسلیم کر لیا،

وحدتِ ادیان اور دینِ اسلام | تفصیل بالا کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وحدتِ ادیان کا منشا کیا ہے، یعنی یہ کہ اصل مین ایک ہی دین ہے جو تمام انبیا کا مذہب رہا لیکن وہ بعد کو اُن کے پیرؤن مین اُنکے صحیفہ مین تحریف و تصرف کے سبب سے بگڑتا رہا، اسی دینِ ازلی کو لیکر محمد رسول اللہ صلعم آئے، اور اُسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقا اور حفاظت اور دین کی تکمیل اور نبوت کے اتمام کے سبب سے ہمیشہ قائم و باقی رہیگا، اگر تمام مذاہبِ سابقہ اپنے اپنے اُس اصل دین پر آجائین جسکی تعلیم اُن کے پیغمبرون نے دی تھی، تو وہ وہی دینِ ازلی ہوگا، جسکا نام اسلام ہے اور نوحیؑ، ابراہیمیؑ، موسویؑ، عیسویؑ اور محمدیؐ مین سوائے اجمال و تفصیل کے کوئی فرق نہ رہیگا اسی لیے فرمایا گیا :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۔ (نساء - ۷)	اے وہ لوگو جنکو پہلے کتاب دی گئی، اس سے پہلے کہ ہم چہرون کو بگاڑ دین، اور انکو پیٹھ کی طرف پھیر دین، یا سبت کے گنہگارون پر جسطرح لعنت کی تھی، ہم اُن پر لعنت کرین اُس وحی پر ایمان لاؤ جو ہم نے اب اتاری (قرآن) جو اُن تعلیمات کی جو تمھارے پاس ہین، تصدیق کرتی ہے،

مشرکین عرب سے زیادہ اہلِ کتاب ہی کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اس لیے انھین کو سب سے

پہلے اُس کا منکر نہ ہونا چاہیئے،

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا — اور جو کتاب ہم نے اب اتاری جو تمہارے پاس الی کتاب کو سچا بتاتی ہے

اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ (بقرہ - ۵) — اُس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ ہو،

لیکن اُن کی حالت یہ ہوئی کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ — اور جب اُنسے کہا گیا کہ خدانے جو بھی اتارا اُسپر ایمان لاؤ، تو جواب دیا کہ جو ہمپر

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ — اترا ہم اوسکو مانتے ہین اور وہ اُسکے سوا کا انکار کرتے ہین، حالانکہ وہی

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۚ (بقرہ - ۱۱) — (قرآن) حق ہے اور جو اُن کے پاس ہے اُسکی تصدیق کرتا ہے،

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلعم نے جس دین کو پیش کیا اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتون اور کتابون کی صداقت کی تسلیم پر رکھی یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی نہین فرمایا کہ وہ تنہا آپکی نبوت پر ایمان لائے، بلکہ یہ فرمایا کہ وہ تمام نبوتون اور صحیفون پر ایمان لائے، چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلعم کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپکے ہم وطن آپکے صحیفہ کو نہین مانتے، بلکہ اسکی بھی تھی کہ وہ اگلے صحیفون کو بھی نہین مانتے، سورہ سبا مین ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا — اور منکرون نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائین گے اور نہ

بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ (سبا - ۴) — اُس سے اگلی کتاب پر، (یعنی تورات پر)

اور اسی لیے آنحضرت صلعم نے تصریح کے ساتھ یہ فرمایا کہ جو میری عبودیت اور رسالت کیساتھ عیسیٰ بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اُس کا رسول اور کلمہ اور خدا کیطرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کرے گا وہ جنت مین جائے گا، (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ) الغرض وہ ازلی و ابدی **دین** صرف ایک ہی تھا، اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لے کر دنیا مین آئے، یہی وحدت دین کی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ — اے پیغمبرو! ستھری چیزین کھاؤ اور بھلا کام کرو، مین تمہارے کامون

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۭ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً — سے آگاہ ہون، اور بیشک تم سب کی امت ایک امت ہے

وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ، فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَھُمْ	اور مین تم سب کا (ایک) پروردگار ہون، تو مجھ سے ڈرتے
بَیْنَھُمْ زُبُرًا، کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ،	رہو تو اُن کے پیروون نے اپنے مذہب کو اپس مین ٹکڑے کرڈالا،
(مومنون - ۴)	ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازان ہے،

اسی حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلعم نے اپنے ان الفاظ مین فرمائی،

الانبیاء اخوۃٌ لعلاّتٍ امہاتھم شتّٰی و	تمام انبیاء ایسے بھائی ہین جنکا باپ ایک ہے اور مائین مختلف
دینھم واحدٌ (بخاری کتاب الانبیاء - ذکر عیسیٰ)	ہین، اور اُن کا "دین" ایک ہے،

پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ-۲۲)　　وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (بقرہ-۱)

اسلام کے سلسلۂ ایمانیات کی آخری کڑی[1] ایک "پچھلے دن اور پچھلی زندگی یا پچھلی دنیا" پر یقین کرنا ہے، سورہ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کیگئی ہے،

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (بقرہ-۱)　　اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں،

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ-۲۲)　　جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا،

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ-۷)　　جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں،

"اٰخِرَۃ" کے لفظی معنی "پچھلی" کے ہیں، اور یہ لفظاً صفت ہے، عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کرکے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں، مثلاً "دنیا" کے لفظی معنی "قریب ترین" کے ہیں، اور یہ صفت ہے، اس کا موصوف الحیاۃ (زندگی) یا الدار (گھر) ہے اس لیے الدنیا کا مفہوم الحیاۃ الدنیا (قریب ترین زندگی یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی) یا الدار الدنیا (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے، اسی طرح الاٰخر اور الاٰخرۃ کا مفہوم اَلْيَوْمُ الْاٰخِرُ، اَلْحَيٰوۃُ الْاٰخِرَۃُ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا اور آنے والا گھر یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر ہے، اور قرآن پاک میں یہ لفظ انھیں معنوں میں ایک سو تیرہ[۱۱۳] مقام پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس کا محذوف موصوف حیاۃ (زندگی) یا دار (گھر) ہے،

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی،

---

[1] قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کیے گیے ہیں، وہاں "یوم آخر پر ایمان" سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے،

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ (عنکبوت) — اور بیشک آخری گھر اصلی زندگی ہی،

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ (انعام۴) — اور بیشک آخری گھر بہتر ہے،

ان دونون آیتون مین دار یعنی گھر کا لفظ موجود ہے،

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیَاةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ (توبہ ۶) — کیا پچھلی زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے،

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ — جنھون نے انکار کیا اور پچھلی (زندگی) کی ملاقات کو جھٹلایا

فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ (مومنون-۳) — اور ہم نے موجودہ زندگی مین اُن کو نعمت دی،

ان آیتون مین اَلْحَیَاةُ الدُّنْیَا یعنی موجودہ دنیا کے تقابل سے ظاہر ہے کہ اَلْاٰخِرَةُ سے مراد اَلْحَیَاةُ الْاٰخِرَةُ یعنی پچھلی زندگی[۱] ہے اور اس لفظ کے عموم مین وہ تمام منازل و مقامات داخل ہین جو ابتدائے موت سے لیکر حشر و نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہین یا آئین گے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو کہ اس آیت مین:

وَیُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ — اور جو ایمان لائے اُن کو اللہ حیات دنیا مین، اور آخرت مین

فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (ابراھیم-۴) — اس پکی بات (کلمۂ توحید) پر مضبوط رکھے گا،

---

[۱] دنیا اور آخرت کا یہ تقابل قرآن پاک کی بیشمار آیتون مین موجود و مذکور ہے، حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہو،

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (آل عمران-۵) — دنیا اور آخرت مین معزز،

سلسلۂ دعا مین ہے،

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (بقرہ-۲۵) — پروردگار ہم کو دنیا مین نیکی اور آخرت مین نیکی دے،

کفار کے بطلان عمل کے ذکر مین ہے،

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (بقرہ-۲۷) — اُن کے عمل دنیا اور آخرت مین گر گئے،

اِسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ (نحل-۱۲) — انھون نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی،

نَحْنُ اَوْلِیَاۗؤُکُمْ فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (حم السجدہ۴) — ہم ہین تمھاری قریب کی زندگی اور پچھلی زندگی کے دوست،

اور کہین دنیا کے بجائے اُولیٰ (پہلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہو، فرمایا،

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَکَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی (نازعات-۱) — تو خدا نے اس کو پچھلی زندگی اور پہلی زندگی کی سزا میں پکڑا،

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی، (لیل-۱) — اور ہمارے ہی لیے ہو پچھلی اور پہلی زندگی،

"آخرت" سے مراد "عالمِ برزخ" ہے، اور قرآن بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت میں قولِ ثابت پر قائم رہنا کونسی بڑی بات ہوگی جب کہ ہر چیز اُس وقت واضح اور نمایاں ہوگی، اس لیے اس آیت میں "آخرۃ" سے عالمِ برزخ کے سوا کچھ اور مراد نہیں ہوسکتا، ایک اور حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ "قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے[1]"،

یومِ آخر اور حیاتِ آخرت پر ایمان، اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اور قرآنِ پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اُن کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اُسی آیندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے، اور اگر یہ بنیاد متزلزل ہوجائے تو اعمالِ انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بُن سے اکھڑ جائے، اسی لیے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے،

آنحضرت صلعم کی تعلیم نے اس آیندہ زندگی کو دو دوروں میں منقسم کیا ہے، ایک موت سے لیکر قیامت تک، اور دوسرا قیامت سے لیکر ابد (ہمیشہ) تک، جسمیں پھر موت اور فنا نہیں، پہلے دور کا نام "برزخ" اور دوسرے کا نام "بعث" یا حشر و نشر اور قیامت ہے، اور ان سب کے معنی جی اٹھنے، اکٹھے کیے جانے، اور کھڑے ہونے کے ہیں، لیکن ان سب سے مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے، اور اسی لیے اس دوسری زندگی یا اُس کے عالم کا نام قرآن میں الدَّارُ الآخرۃ، اور عُقبَی الدَّار وغیرہ ہے، جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں،

تورات و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل، نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت اور کیفیت میں رہیگی، مذکور نہیں، لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجلک اور ابہام نہیں بلکہ اُس نے اسکی پوری تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ، عالمِ برزخ اور میدانِ قیامت ہمارے سزا و جزا کے دو مقام ہیں، شخصی موت کے بعد ہر شخص عالمِ برزخ میں داخل ہوجاتا ہے، اور وہاں اُس کے معاملات شروع ہوجاتے ہیں، پھر اپنے مقررہ وقت پر جسکو خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کرلیا ہے، سلسلۂ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور فنا طاری ہوگی، دوسری زندگی کی دُنیا شروع ہوگی، جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کا سراپا عکس اور ظِلّ ہوگی، چنانچہ سورۂ توبہ کی حسبِ ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہائے حیات کا ذکر ہے،

[1] ابن ماجہ وحاکم بحوالہ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۹۰، حیدرآباد دکن،

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ، (توبہ-۱۳)

ہم اُن کو دو مرتبہ عذاب دینگے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائین گے،

عذاب کی تین ۳ منزلین دنیا، برزخ، اور قیامت ہین،

ان تینون عالمون مین جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا مین جسم (مادّہ) نمایان اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہان پہنچتی ہی، وہ صرف اُس کے مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے، ورنہ درحقیقت اسکی براہ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا مین کوئی امکان نہین، دوسرے عالم مین جسکو برزخ کہا گیا ہے، روح نمایان ہوگی، اور جسم چھپ جائیگا، وہان جو راحت و تکلیف پہنچیگی وہ دراصل روح کو پہنچیگی، اور جسم اس کی تبعیت مین ضمناً اس سے متاثر ہوگا، لیکن اس تیسرے عالم مین جہان سے حقیقی اور غیرفانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونون نمایان ہونگے، اور دونون کی لذت و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہون گے،

۱- برزخ

"برزخ" کا لفظ قرآن پاک مین تین ۳ جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزونکے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل مراد ہے، چنانچہ سورۂ رحمان مین دو ۲ دریاؤن کا ذکر ہے جنمین ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ مین ایک پردہ حائل ہے، جو ان کو آپس مین ملنے نہین دیتا،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ، (رحمان-۱)

ان دونون کے بیچ مین ایک پردہ ہی ایک دوسرے پر بڑھ کر نہین آتا

اسی عجیب و غریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان مین ہی اور وہان بھی یہی لفظ واقع ہے،

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ، وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا، (فرقان-۵)

اور اسی خدا نے دو ۲ دریاؤن کو ملا کے چلایا، یہ میٹھا اور پیاس بجھاتا ہی، اور وہ کھاری کڑوا ہے، اور اُن کے بیچ مین ایک پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے،

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آیندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اُس کا نام برزخ ہی، سورۂ مومنون

مین نزع کے وقت کے بیان مین ہے کہ

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ، (مومنون ۔ ٦٠)

اور ان مرنے والون کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جبکہ وہ (قیامت مین) اٹھائے جائین گے،

عربون بلکہ کل سامی قومون کے رسم و رواج اور مشاہدات کی بناپر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام "قبر" ہے خواہ وہ خاک کے اندر ہو، یا قعرِ دریا یا کسی درندہ و پرندہ کے پیٹ مین اسی لیے فرمایا،

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (حج ۔ ۱)

بے شبہہ اللہ اُن کو جو قبرون مین ہین اٹھائیگا،

اب ظاہر ہے کہ یہ "بعث" صرف انہین مُردون کے لیے مخصوص نہین جو تودۂ خاک کے اندر دفن ہون، بلکہ ہر میت کیلئے ہے خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم مین ہو، اس لیے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہان مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی ہے،

موت وحیات کی منزلین

قرآن پاک مین دو موتون اور دو حیاتون کا ذکر ہے، ایک جگہ دوزخیون کی زبان سے کہا گیا ہے

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (مؤمن ۔ ۲)

ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا ہم نے اپنے گناہون کا اقرار کیا، پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے،

ان دو موتون اور دو حیاتون کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ مین فرمائی ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، (بقرہ ۔ ۳)

کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم پہلے مردہ تھے پھر تم کو اس نے زندہ کیا (انسان بناکر پیدا کیا) پھر تمکو مار دے گا، پھر تم کو جلائے گا، پھر اوسی کی طرف لوٹائے جاؤگے

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے، جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت مین ہوتا ہے، پھر زندہ ہوکر اس دنیا مین پیدا ہوا، یہ اوسکی پہلی زندگی ہے، پھر موت آئی، روح نے مفارقت کی، اور جسم اپنی مادی صورت مین منتقل ہوگیا، یہ دوسری موت ہوئی، پھر خدا اوسکی روح کو قیامت مین لاکر زندہ کریگا، یہ اسکی دوسری زندگی ہوئی جس کے بعد پھر موت نہین، قرآن پاک مین خود محمد رسول اللہ صلعم کو خطاب کرکے فرمایا گیا،

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ، (زمر-۴)

بیشک تو بھی مرنے والا ہے، اور وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے دعویٰ پیش کروگے،

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ، (مومنون-۱)

پھر تم اس کے بعد مرجانے والے ہو، پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤگے،

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے،

نیند اور موت کی مشابہت

اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب وغریب قدرت سے ہم کو ایک چیز عنایت کی ہے، جس کو ہم نیند کہتے ہیں، روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے، ایک ادراک و احساس کا، دوسرے تدبیر و تغذیہ کا، نیند وہ عالم ہے کہ اس میں ہمارے تمام آلاتِ ادراک و احساس اس دنیا سے بےخبر ہوکر اپنے گرد و پیش کی مادی دنیا سے یکسر بیگانہ بنجاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا روح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے، اور وہ اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی اور نشو و نما اور بقا کی تدبیروں اور دل و دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیند اور موت میں فرق ہے، تو یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے، اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا روح سے تدبیری تعلق بھی یکسر منقطع ہوجاتا ہے، اس لیے جسم کے اجزا کچھ دنوں میں منتشر ہوجاتے ہیں، موت اور نیند کی یہی مشابہت ہے، جس کی بنا پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توافق الہام طبعی کی خبر دیتا ہے، قرآن پاک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى (انعام-۷)

اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے، اور جانتا ہے جو تم نے دن میں کمایا، پھر تم کو دن میں جلاتا ہے تاکہ مقررہ وقت پورا کیا جائے،

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ زمر میں ہے،

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا ج فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (زمر ـ ۵)

وہ اللہ ہی ہے جو روحون کو اُن کی موت کے وقت وفات دیتا ہے، اور جو نہین مری ہین، اُن کو اُن کی نیند مین وفات دیتا ہے، تو جس پر موت کا حکم اس نے جاری کیا اسکو روک لیتا ہے، اور دوسری روح کو (جس پر موت کا حکم نہین) اپنی نیند والی کو ایک مدت معینہ کیلئے چھوڑ دیتا ہے، بیشک اس مین سوچنے والون

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی وحی نے "برزخ" کی زندگی کو نیند کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، قرآن پاک مین ہے کہ قیامت مین جب لوگ دوسری زندگی پاکر قبرون سے اُٹھین گے تو گنہگارون کی زبانون پر یہ فقرہ ہوگا،

یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (یٰس ـ ۴)

اے ہماری خرابی کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اُٹھا دیا،

غزوۂ احد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرنا تھا، اُن کی موت ٹل نہین سکتی تھی اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھرون مین بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل مین خود آجاتے، اس مفہوم کو قرآن نے یون ادا کیا ہے،

قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْہِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِہِمْ (اٰل عمران ـ ۱۶)

کہدے کہ اگر وہ گھرون مین بھی ہوتے، تو جن کے لیے مارا جانا لکھا گیا تھا، وہ خود نکل کر اپنی سونے کی جگھون مین چلے آتے،

اسی لیے قرآن پاک مین دوسری زندگی کے لیے اکثر "بعث" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے کے بھی ہین[۱]، جیسا کہ اوپر کی اس آیت مین ہے،

وَہُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ (انعام ـ ۷)

اور وہی ہے جو تم کو رات مین موت دیتا ہے اور دن کو جو تم کرتے ہو اُس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن مین جگاتا ہے،

وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ (حج ـ ۱)

اور بیشک اللہ اُن کو جو قبرون مین ہین جگائیگا،

---

[۱] صحیح بخاری (باب تہجد) مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے نماز تہجد کے لیے وقت تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا تو حضرت ممدوح نے ان لفظون مین معذرت پیش کی، یا رسول اللہ انما انفسنا بید اللہ، فاذا شاء ان یبعثنا بعثنا (ہماری روحین خدا کے ہاتھ مین ہین، وہ جب جگانا چاہتا ہے، جگاتا ہے) اس حدیث مین بھی بعث جگانے کے معنون مین آیا ہے،

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد نکو کاروں سے کہا جاتا ہے کہ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ "دلہن کی نیند سوجاؤ، جس کو وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے، یہاں تک کہ خدا اُس کو اس خوابگاہ سے اٹھائیگا"[1]

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جسمیں روح جسم سے الگ ہوتی ہے، روح کی ایک طویل و عمیق نیند کے مشابہ ہے[2]

خواب میں لذت و الم

انسان جب سوتا ہے تو اُس کے ادراک و احساس کے آلات اپنی مادی دنیا سے عارضی طور پر بےخبر ہوجاتے ہیں، مگر اُس کے ادراک و احساس کی تخیلی تمثالی، یا ذہنی دنیا اُس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح متشکل ہوجاتی ہے، اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ مگر ہوبہو وہی جسم دیکھتا ہے، جو آتا جاتا، چلتا پھرتا، اور دیکھتا سنتا سب کچھ ہو، اس کے سامنے کھانے پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں، نیز اس میں درد و رنج و تکلیف کی تمام وہی صورتیں ہوتی ہیں جو مادی دنیا میں ہیں، اُس کے خیالی جسم کو اگر اُس عالم میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چیخ اٹھتا ہے، اور اگر اُس میں لذت ملتی ہے، تو لطف اندوز ہوتا ہے، اور ان دونوں کے اثرات اسکو اپنے مادی جسم میں جاگنے کے بعد کبھی نظر آتے ہیں، غرض عالم خواب کی خیالی دنیا اور اسکی شادی و رنج اور لذت و الم، اور اس مادی دنیا کے جسمانی مادی شادی و رنج، اور لذت و الم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ عالم خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہوجاتی ہے، اور مادی دنیا کی لذت و تکلیف، احساس و ادراک کے وجود تک قائم رہتی ہے، اور جس طرح مادی بیداری والی لذت و تکلیف خواب میں معدوم ہوجاتی ہے، اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری میں رخصت ہوجاتی ہے،

خواب والے لذائذ و آلام کے مختلف مناظر اور اُن کے حقائق اور اسباب و علل پر اگر فلسفیانہ حیثیت سے غور کیا جائے تو عجیب و غریب معاملات سامنے آتے ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام احساسات و معلومات جو کبھی بھی ذہن انسانی میں آئے ہوں، اور ان کو بحالت بیداری مادی دنیا کے مشاغل اور زمانہ کے امتداد کے سبب سے انسان کتنا ہی فراموش کر چکا ہو، وہ خواب میں مادی گرانباری سے آزادی کے بعد سامنے مجسم شکلوں میں نمودار ہوجاتے ہیں، اور بیچ کی کڑیوں کے بھول جانے

---

[1] جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر، ہذا حدیث حسن غریب [2] شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں فهذا الابتلاء في الرؤيا غير انه رؤيا لا يقظة منها الى يوم القيامة (باب اختلاف احوال الناس في البرزخ) یعنی یہ عذاب قبر گو گویا خواب میں ہے، لیکن یہ کہ یہ ایسا خواب ہے جس سے قیامت تک جاگنا نہیں ہے،

کی وجہ سے وہ اُس کو بے جوڑ معلوم ہوتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ انسان جن چیزون کو بھول جاتا ہے، وہ اُس کے حافظہ سے حقیقت مین معدوم نہین ہوجاتین، بلکہ دماغی حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) مین چھپکر گم ہوجاتی ہین، اور پھر بعد کو ملجاتی ہین، اس لیے وہ تمام اچھے اور برے اعمال جو انسان نے عمر بھر کیے ہین، خواہ وہ اُن کو آج بھول گیا ہو، مگر اُن کی یاد ذہن کے گوشون مین پڑی ہے، معدوم و مفقود نہین ہوگئی،

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے جسکو تمثیلی کہتے ہین، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند کو خدمت کعبہ پر وقف کرنے کو قربانی کی شکل مین، اور حضرت یوسفؑ نے الدین کو سورج اور چاند اور گیارہ بھائیون کو گیارہ[1] ستارون کی صورت مین دیکھا، شاہ مصر کے سولی پانے والے مصاحب نے اپنے سولی پانے کو اس رنگ مین دیکھا کہ اُس کے سر پر خوان ہے، اور بڑے بڑے پرندے اس مین چونچ مار مار کر کھاتے ہین، شاہ مصر نے مصر کی ہفت سالہ قحط سالی کو سات دُبلی گایون کی صورت مین دیکھا،[1] آنحضرت صلعم نے فتحِ مکہ کو اس شکل مین دیکھا کہ مسلمان سر منڈوائے اور بال ترشوائے حج کر رہے ہین، مسیلمہ اور اسود عنسی دو کذابون کو سونے کے دو کنگنون کی صورت مین دیکھا، شہدائے احد کو دُبلی گائے کی صورت مین ملاحظہ کیا، مدینہ کی وبا ایک بڑھیا چڑیل کی صورت مین نظر آئی، ایمان کو نور کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دودھ کی شکل مین[2] دیکھا، ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربون سے بھی اس کی بیشمار مثالین فراہم کیجا سکتی ہین،

اس سے بڑھکر یہ کہ انسان کے جسم مین اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے، تو خواب مین اُسکے مناسب مجسّم شکلین نظر آتی ہین، مثلاً اگر بلغم کی زیادتی ہو تو پانی، دریا اور سمندر نظر آئینگے، اگر سودا بڑھ جائے تو ہاتھی اور کالی کالی صورتین نظر آئینگی، اسی طرح دوسرے تغیرات جسمانی بھی مناسب جسمانی ہیئت مین خواب مین مجسّم اور متشکل ہوکر دکھائی دیتے ہین،[3]

اسی طرح اعمال جو جسم و مادہ سے بالکل الگ ہین خواب مین اپنے مناسب قالب مین مجسّم ہوجاتے ہین، اگر کسی بھائی کا حقِ واجب کسی نے ادا نہین کیا، تو خواب مین اس کو نظر آئیگا کہ وہ اُس کا گلا کاٹ رہا ہے، اگر کسی کی

---

[1] یہ کل تمثیلی خواب قرآن پاک مین مذکور ہین، [2] ان خوابون کو صحیح بخاری کتاب التعبیر مین دیکھو،
[3] حجۃ اللہ البالغۃ شاہ ولی اللہ ذکر برزخ

کی ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ مردار کھا رہا ہے، سونے چاندی کے خزانون کو جمع کرکے اگر بخل کا اژدہا اُس کی حفاظت مین بٹھایا ہے، تو سانپ بنکر وہ اُس کی گردن مین لپٹتا اور کاٹتا ہے، ذلت اور خواری کتے کی، حماقت گدھے کی، اور شجاعت شیر کی شکل مین نمودار ہوتی ہے، شب معراج مین آنحضرت صلعم کے سامنے فطرت، دودھ کی اور غیر فطرت شراب کی شکل مین پیش ہوئی، اسی طرح کہن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل مین آئی،

اس قسم کی تمثیلات قرآن مجید مین بھی آئی ہین مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا،

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط (حجرات - ۲)

اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو برا نہ کہے کیا تم مین سے کوئی پسند کرسکتا ہے، کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی بوٹی نوچ نوچ کر کھائے، سو گھن آئی تم کو،

سود کھانے کو جنون اور پاگل پن کی شکل مین ظاہر کیا،

اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (بقرہ ع - ۳۸)

جو لوگ سود کھاتے ہین، وہ نہین اٹھین گے (یا نہین اٹھتے) لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے، جس کے حواس شیطان نے چھو کر کھو دیئے ہون،

دوسرے کے مال کو ناجائز طریق سے کھانے کو پیٹ مین آگ بھرنا فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (نساء - ۱)

وہ لوگ جو یتیمون کا مال ظلم کرکے کھاتے ہین وہ اپنے پیٹون مین آگ کھاتے ہین، اور آگے جہنم کی آگ مین جل ہون گے،

وہ خود غرض لوگ جو بیکسون کے کام نہین آتے، قیامت مین اُن کے بھی کوئی کام نہ آئیگا، اور جو خود سیر ہوکر کھاتے ہین اور غریبون کے درد گرسنگی سے بے خبر رہ کر اپنے مال کا میل کچیل (زکوٰۃ) بھی اُن کو کھانے کو نہین دیتے دوزخ مین اُن کو زخمون کا دھوون کھانے کو ملیگا فرمایا،

اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ، وَلَا یَحُضُّ	بیشک وہ خدائے بزرگ پر ایمان نہین رکھتا تھا، اور مسکین کے
عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ، فَلَیْسَ لَہُ الْیَوْمَ ھٰھُنَا	کھانے پر آمادہ نہین کرتا تھا، تو آج اُس کا بھی یہان کوئی
حَمِیْمٌ ، وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ، لَّا یَاْکُلُہٗ	دوست نہین، اور نہ زخمون کے دھوون کے سوا کوئی
اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ، (حاقہ-۱)	کھانا ہے، اس کو وہی گنہگار کھائین گے،

بے لوث مخلصانہ فیاضی کی تمثیل سرسبز و شاداب باغ سے دی،

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ	اور اُن کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی چاہنے
مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ	اور اپنے دلون کی مضبوطی کے لیے خرچ کرتے ہین ایک
کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ ، (البقرہ-۳۶)	باغ کی ہے جو ایک ٹیلہ پر ہے،

خدا کی راہ مین جان دینے والون اور مرنے والون کو جانِ نو، اور حیاتِ جاودان کی خوشخبری دیگئی، فرمایا،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ	جو خدا کی راہ مین مارا جائے اُس کو مردہ نہ کہو، وہ لوگ
بَلْ اَحْیَآءٌ (بقرہ-۱۹)	زندہ ہین،

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو قرض دیگا، خدا اُس کو بڑھا کر دے گا، جو دوسرون کو معاف کرے گا، خدا اُس کو معاف کرے گا، جو دوسرون کی عیب پوشی کرے گا خدا اسکی ستاری کریگا، قرآن و احادیث اس قسم کی بالمعاوضہ جزا و سزا کے ذکر سے لبریز ہین،

جو لوگ راہِ خدا مین اپنا مال نہین دیتے اُن کی نسبت فرمایا،

سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ،	جس مال کا بخل کیا تھا، قیامت مین اُس کا اُن کے گلے
(آل عمران-۱۸)	مین طوق پڑے گا،
یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا	جس دن اُس سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ مین
جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا	گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیان اور پہلو

مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ، (توبہ - ٥)

اور پیٹھین داغی جائین گی، کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے گاڑ رکھا تھا، تو اب تم اُس کا مزہ چکھو جسکو تم گاڑ کر رکھتے تھے،

دنیا مین اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت مین ظاہری نابینائی کی صورت مین رونما ہو گی اور اسی طرح جو خدا کو یہان بھولیگا، خدا اُس کو وہان بھلائے گا، چنانچہ حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلتے وقت یہ فرمایا گیا تھا،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا، قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى، ۝ (طٰہٰ - ٧)

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اُس کے لیے تنگ گذران، اور ہم قیامت کے دن اُس کو اندھا اٹھائین گے، وہ کہیگا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیون اٹھایا، مین تو دنیا مین آنکھون والا تھا، خدا کہیگا اسیطرح تیرے پاس ہماری نشانیان آتی رہین، تو اُن کو تو نے بھلا دیا، اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا،

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کے ساتھ اس آیت مین ہے،

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا، (اسرائیل - ٨)

جو کوئی دنیا مین (دل کا) اندھا تھا وہ آخرت مین اندھا ہے، اور راستہ سے زیادہ بھٹکا ہوا،

اس باب مین سب سے زیادہ صریح وہ حدیث صحیح ہے، جسمین آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ بخیل کا مال سانپ کی صورت مین گلے کا ہار ہو کر نظر آئے گا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سانپ کی صورت مین ہوگا،

قال رسول الله صلعم من آتاه الله مالا فلم يؤد زكاته مثل له ماله شجاعا أقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة يأخذ بلهزمتيه اى شدقيه يقول انا

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اُس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہین کی، تو اُس کا مال اوسکو چھل کر ڈسنے والے سانپ کی صورت مین دکھایا جائے گا جسکا سر زہر کی شدت سے گنجا ہو گا، اس کے منھ مین ۲ دو دانت ہونگے،

مالك انا كنزك ،　　　　وہ اس کے گلے میں قیامت کے دن پڑا ہوگا، اور وہ اس کے

(بخاری تفسیر آل عمران ص۶۵۵ جلد دوم)　　　　دونوں جبڑوں کو کاٹیگا، اور کہیگا میں ہون تیرا مال میں ہون

اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جنمیں مختلف اعمال کا مختلف شکلوں میں آنا بیان کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں نماز روزہ وغیرہ اعمال، عذاب سے بچانے کے لیے ڈھال بنکر داہنے بائیں سے نمودار ہونگے،[1] یہ بھی حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایکدفعہ فرشتۂ الٰہی مردہ کو بیدار کرتا ہے تو اس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے، (مُثِّلَتِ الشمس عند غروبها)[2] نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھکر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا والا آفتاب یہاں نہیں بلکہ اسکی تمثیل ہوتی ہے، جیساکہ حدیث کے الفاظ میں ہے یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے، اور وہ درحقیقت آفتاب نہیں بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے،

گناہوں کی تمثیلی سزائیں اوپر کے بیانات سے ہویدا ہے کہ غیر مجسم اعمال اور معانی اپنے جن تمثیلی پیکروں میں نظر آتے ہیں، وہ درحقیقت اُن اعمال و معانی سے تمثیلی مشابہت رکھتے ہیں، مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لیے ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب اس کا ذکر آنحضرت صلعم سے کیا، تو آپ نے اس کی تعبیر میں فرمایا،

ذالك عمله (بخاری کتاب التعبیر)　　　　یہ نہر اُن کا (نیک) عمل ہے،

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلعم کے اس رویاے صادقہ پر غور کرو، جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہیں کہ ابھی وہ آئی نہیں، بلکہ برزخ ہی کا مرقع پیش کرتا ہے، جو اب بھی قائم ہے، آپ نے ایک صبح کو فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے اور انہوں نے مجھے جگایا، میں اُن کے ساتھ چل کھڑا ہوا، تو میں نے دیکھا کہ (۱) ایک آدمی لیٹا ہے، اور دوسرا اس کے پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے اور وہ اس پتھر کو اس کے سر پر اس طرح دے مارتا ہے، کہ اس کا سر چکنا چور ہو جاتا ہے، اور پتھر لڑھک لگتا ہے، وہ اس کے پیچھے جاکر اس کو اٹھا لاتا ہے، اور اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے، پھر وہ مارتا ہے، اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے، ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص اوندھا پڑا ہے، اور دوسرا لوہے کا ایک آنکس لیے کھڑا ہے، اور وہ

[1] مسند ابن حنبل
[2] سنن ابن ماجہ ذکر القبر ص۳۲۶

اُس سے اُس کے جبڑے کو، پھر نتھنے کو، اور پھر آنکھوں کو گدّی تک چیر ڈالتا ہے، پہلے ایک طرف، بعد ازین دوسری طرف، پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳) تنور کی قسم کی ایک چیز دہک رہی ہے، اور کچھ مرد و عورت اُس مین ننگے پڑے ہین، اور اُس کے شعلے بھڑک بھڑک کر اُن تک پہنچتے ہین، اور وہ چیختے ہین، آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہ رہی ہے، اور ایک آدمی اُس مین تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے، جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہین، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اُس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اُس کے منھ مین جا کر پیٹ مین اُتر جاتا ہے،

اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز و شاداب چمن نظر آیا جس مین بہار کی ہر کلی کھل رہی تھی، باغ کے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان مین تھا، اور اُس کے چارون طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے بچّے تھے، آگے بڑھے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس سے زیادہ بڑا اور خوبصورت باغ مین نے نہین دیکھا تھا، یہان پہنچکر اپنے دونون ہمراہیون کے کہنے سے اوپر چڑھا، تو ایک شہر ملا جس کی دیوار مین ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی تھی، ہم لوگ دروازہ کے پھاٹک پر پہنچے، دروازہ کھلوایا، دروازہ کھلا، تو اُس کے اندر گھسے، تو آدمین کچھ لوگ ملے جنکا آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا، میرے ہمراہیون نے اُن سے ایک نہر کی طرف جو بیچ مین نہایت صاف و شفاف بہ رہی تھی، اشارہ کر کے کہا کہ اس مین جا کر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگا کر آئے، تو اُن کی بدصورتی کا حصّہ جاتا رہا، اور وہ پورے دھڑ سے خوبصورت ہو گئے، میرے ہمراہیون نے مجھ سے کہا کہ یہ "جنّتِ عدن" ہے، اور وہ آپ کا دولتخانہ ہے، مین نے نظر اٹھا کر دیکھا سپید لکۂ ابر کی طرح ایک محل دکھائی دیا،

پھر مین نے ان ہمراہیون سے کہا کہ آج تو مین نے عجیب عجیب چیزین دیکھین، تو بتاؤ مین نے کیا کیا دیکھا، انھون نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، وہ ہے جو قرآن پڑھکر اُس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے، اور صبح کی مفروضہ نماز سے غافل ہو کر سو رہتا ہے، اور دوسرا شخص جسکے گلپھڑے، اور نتھنے اور آنکھین پھاڑی جاتی تھین وہ ہے جو جھوٹ بول کر تمام دنیا مین اُس کو پھیلا آتا ہے، اور تنور مین جو مرد اور عورتین ننگی جل رہی تھین وہ بدکار مرد اور عورتین ہین، اور جو شخص خون کی نہر مین تیر رہا تھا اور منھ سے پتھر نگلتا تھا، وہ سود خوار ہے، اور اس سدا بہار چمن مین جو دراز قد آدمی آپنے دیکھا وہ ابراہیمؑ تھے اور

اُن کے گرد جو بچے تھے وہ نھے اور کمسن بچے تھے جو فطرت پر مرے تھے کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکون کے بچے؟ فرمایا اور مشرکون کے بچے بھی، وہ لوگ جنکا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا، وہ ہین جنھون نے کچھ اچھے کام بھی کیے تھے، تو خدا نے اُن کے گناہ دھو دیئے۔[1]

برزخ کی ان تمام سزاؤن پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کی نوعیت اور کیفیت اُن کے اعمال کے بالکل مناسب اور مشابہ قرار دی گئی ہے، نماز صبح سے غافل ہوکر بالین راحت سے سر نہ اٹھانیوالے کا سر کچلا جانا، جھوٹے کا گلپھڑا پھاڑا جانا، زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ مین جلنا، خون چوسنے والے سود خوار کا انسانون کے خون کے دریا مین تیرنا، دو بالشت بھر پیٹ بھرنے کے لیے سارے غریبون کی روزی کو چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کا لقمہ کھانا، ہر اسر اُن کے دنیاوی اعمال کی تمثیل و تصویر ہے، اور آخر مین نصف حسن عمل سے آدھے دھڑ کی خوبصورتی، اور نصف عمل بد سے آدھے دھڑ کی بدصورتی پوری مشابہ ہے، اور صاف و شفاف نہر کی صورت مین رحمت و مغفرت الٰہی کا ظہور بھی اسی قیاس پر ہے۔[2]

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر آفاقی یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی دنیا کی اشیاء کے خواص و صفات کے جاننے مین کی ہے، جن سے سائنس کی ایجادات و اختراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی نیا وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے، جس کو قرآن نے "انفس" کہا ہے ان نفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی تک بہت کم علم ہوا ہے، ہماری سائیکالوجی (علم النفس) ابھی اپنے ابتدائی منزل مین ہے، اور اسپریچولزم (علم ارواح) ابھی طلسم و فریب کے عجائبات مین اُسی طرح گرفتار ہے، جس طرح موجودہ عہد سے پہلے آج کے معمولی سائنٹفک تجربے سحر و جادو کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، بہرحال ابھی تک علم نفس و روح کے عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہین، ایک یہی مسئلہ کہ شے کے یقین اور اُس کے خارجی وجود مین کیا تعلق ہے؟ ایک معما ہے، بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان صوفیون، اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر برکلے کے نزدیک تو کسی شے کے تصور اور وجود، یا یون کہو کہ ذہنی اور خارجی وجود مین بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہین ہے،

---

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر ملخصاً، [2] حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر واقعات حشر۔

بہرحال نفسِ انسانی کے اندرونی قویٰ کا علم گو ابھی بہت کچھ محتاجِ تکمیل ہے تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی شے کے تصوری یقین اور خارجی وجود میں بہت ہی شدید تعلق ہے، مسمرازم نے جو سراسر اسی اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے، اسی سے معلوم ہوگا کہ مذاہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، اسقدر زور بے سبب نہیں دیا۔

قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں، علم الیقین، اور عین الیقین، کسی شے کی دلیلوں کو سنکر یا بعض علامتوں کو دیکھکر اس کے وجود کا یقین کر لو، تو یہ علم الیقین (یقین جاننا) ہے اور اگر وہ شے خود تمہارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے، جس میں پھر شک و شبہہ کی گنجایش نہیں ہو سکتی تو وہ عین الیقین (خود یقین) ہے، قرآن پاک نے یقین کی ان دونوں صورتوں کو سورۂ تکاثر میں بیان کیا ہے،

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ، (تکاثر-۱)	تم کو دولت و نعمت کی بہتات نے غفلت میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا، ابھی نہیں تم آگے جان لوگے، پھر ابھی نہیں تم آگے جان لوگے، ہرگز نہیں اگر تم یقین کا جاننا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ عین الیقین سے اس کو دیکھ لوگے،

بنا برین اگر انسان اپنے اندر علم الیقین حاصل کرے، جو کمال ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، تو وہ اپنے باطن کی آنکھوں سے اپنی دوزخ یہیں دیکھ لے،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۔ (تکاثر)	نہیں یہ بات نہیں اگر تم کو علم یقین ہو تو دوزخ کو یقیناً دیکھ لو،

کفار آنحضرت صلعم سے عذاب کے جلد تعلیمی مشاہدہ کا مطالبہ کرتے تھے، وحی الٰہی نے انکے جواب میں کہا،

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ط وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۔ (عنکبوت-۶)	وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہیں حالانکہ دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو،

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین بزعم خود آزمایش کے ڈر سے جہاد کی شرکت سے عذر کرتے ہیں اسلیے جواب میں ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمایش میں مبتلا ہیں، اور دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ط	اور ان میں کوئی ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد میں عدم
أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ط وَإِنَّ جَهَنَّمَ	شرکت کی) اجازت دیدیجئے اور آزمایش میں نہ ڈالیے،
لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ، (توبہ - ۷)	ہاں وہ تو آزمایش میں پڑچکے، اور دوزخ منکرین کو گھیرے ہے،

لیکن یہ علم الیقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے ہر شخص اس سے اس دنیا میں بہرہ ور نہیں ہوتا بلکہ بہتیرے اس سے منکر ہیں، اس لیے ان کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی لیکن موت جس کا آنا ایک دن یقینی ہے، جب وہ آئیگی تو مادہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہے اٹھ جائے گا، اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار ان پر منکشف ہو جائیں گے، اور اعمال کے تمثیلی نتائج اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے آجائیں گے، اور اس وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کرلیں گے،

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ، (تکاثر - ۱)	پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ لوگے،

یہ موت کے بعد کا سماں ہوگا، جس کو برزخ کا عالم کہتے ہیں، اس کے بعد جب قیامت آئے گی، تو ہر راز فاش ہو جائیگا، يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (جس دن تمام بھید کھل جائیں گے) اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اسطرح سامنے آجائینگی کہ پھر شک و شبہہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہیگا، وہ علم حقیقی، اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن میں قیامت کے موقع پر ہے،

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ، ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ . .	اور نرسنگا پھونکا گیا یہ ڈر کا دن . . . . . تو ہم نے
. . . . فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ	تیرا پردہ تجھ سے کھول دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے،
الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ، (ق - ۲)	

اس پردہ کے ہٹتے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کرکے اس کے سامنے آجائیں گے، اور دوزخ

منظر عام پر آجائے گی، فرمایا،

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی، یَوْمَ یَتَذَکَّرُ	جب وہ بڑا ہنگامہ آئیگا، جس دن انسان کو جو کچھ اُس نے
الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی، وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ	کیا ہے، یاد آجائے گا، اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے
یَّرٰی، (نازعات ۲)	باہر لائی جائے گی،

احوال برزخ کا عین الیقین | ایک عرب شاعر (ابو العتاہیہ) نے حیرت کے عالم میں کیا خوب کہا ہے،

الموتُ بابٌ وکلُّ الناسِ یدخلہ	موت ایک دروازہ ہے اور تمام انسان اُس دروازہ میں داخل ہونگے،
یالیتَ شعری بعدَ البابِ ما الدّارُ	کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس دروازہ کے بعد کون گھر ہے،

یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے اس زندگی میں صرف علم الیقین کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، البتہ موت کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا، تو اُس کو پس پردہ کا نظارہ تھوڑا بہت ہو جائے گا، اور وہی برزخ کا عالم ہے، فرمایا،

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ	جب ان گنہگاروں میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو
رَبِّ ارْجِعُوْنِ، لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا	وہ (زندگی کے پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھکر) کہتا ہے
تَرَکْتُ کَلَّا ط اِنَّھَا کَلِمَةٌ ھُوَ قَآئِلُھَا ط وَمِنْ	اے میرے پروردگار، مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے،
وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ،	تاکہ دنیا میں جو مال چھوڑ کر آیا ہوں اُس سے شاید کوئی
(مومنون-۶)	نیک کام کروں، ہرگز نہیں، یہ بات ہی بات ہے جو وہ
	کہتا ہے اور (اب) ان گنہگاروں کے پیچھے اُس دن تک

[illegible]

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اُس کے مشاہدہ میں نہیں آجاتی تو اُس کا شک و شبہہ دفعۃً یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، فرمایا،

وَجَآءَتْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ	اور موت کی بیہوشی "حقیقت" کو لے کر آگئی یہی تو وہ جس سے

مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ، (ق-۲)

تو ہٹا کرتا تھا،

اس سے معلوم ہوا کہ سکرات کے وقت "حقیقت" کا کوئی منظر سامنے ضرور آجاتا ہے چنانچہ اسی "حقیقت" کو دیکھکر جو لوگ عمر بھر جس کام سے انکار کرتے رہے، اُس کے کرنے کے لیے فوراً آمادگی ظاہر کرنے لگتے ہیں،

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا
وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ
وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ
مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ
أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ
مِنَ النَّارِ، (بقرہ-۲۰)

جب پیشواؤں نے اپنے پیرودن سے بے تعلقی کا اظہار
کیا، اور عذاب کو (آنکھوں سے) دیکھ لیا، اور تمام ذریعے
اُن کے کٹ گئے اور پیرودن نے کہا کاش دنیا میں ایکدفعہ
اور جانے کی مہلت ملتی تو ہم بھی اُن سے (وہاں) بے تعلقی
ظاہر کرتے جیسے انھوں نے ہم سے (یہاں) بے تعلقی ظاہر
کی، اسیطرح اللہ اُن کے کاموں کو اُنکی حسرتیں کر کے دکھائیگا،

ایک اور موقع پر ہے،

وَأَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ
أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا
أَخَّرْتَنِيْ إِلٰى أَجَلٍ قَرِيْبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، (منافقون-۲)

ہم نے جو تم کو روزی دی ہے اس میں سے اس سے پہلے
کہ تم میں سے کسی کو موت آئے، خرچ کر لو، اُس وقت کہے
کہ اے پروردگار! کیوں کچھ اور مہلت نہ دی کہ میں خیرات
کرتا اور نیکوں میں ہوتا،

ان لوگوں کو جنکا یہ خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر کسی قسم کی کوئی ایسی زندگی نہیں، جسمیں ہم کو اپنے اعمال کا ذمہ وار ہونا پڑے گا، یہ خطاب ہے،

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ
بِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ، وَلَوْ تَرٰى
إِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

کہہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم کو وفات دیگا، پھر تم
اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور کبھی تو دیکھے
ان مجرموں کو اُن کے پروردگار کے آگے سر جھکائے

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ،

(وہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اب دیکھ لیا اور سُن لیا، اب پھر ہم کو دنیا میں لوٹا دے، اب ہم اچھے کام کریں گے، اب ہم کو یقین آگیا،

(سجدہ ۲-۲)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ وفات کے بعد بعض غیبی صورتیں اور بعض غیبی آوازیں آتی ہیں، جن کو دیکھ کر اور سنکر مردہ کو یقین آجاتا ہے،

موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت

"موت" کے لیے قرآن میں اکثر خدا کی طرف بازگشت" یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے،

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، (جمعہ ۱)

بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے ملنا ہے، پھر تم اُس (خدا) کے پاس لوٹائے جاؤ گے، جو جاننے غائب کا جاننے والا ہے، تو وہ تم کو تمھارے کرتوت بتائے گا،

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ، (بقرہ ۱۹)

ہم سب خدا کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹکر جائیں گے،

اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا (مائدہ ۱۴)

تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

یہ طرزِ ادا جن سیلوں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے، یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر رجوع و بازگشت کے مفہوم میں ورود اور آمد داخل ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواحِ انسانی خدا کے یہاں سے اس جسم و قالب کی قید میں آئی ہیں، اور موت کے وقت اس عناصر کی چہار دیواری سے نکل کر پھر اُن کو وہیں واپس جانا ہے، جہاں سے آئی تھیں، اور اس بازگشت کے سفر میں اُن کا زادِ راہ صرف وہی ہوگا جو اس دنیا سے دار العمل میں انھوں نے کمایا ہے، یعنی اُن کے اندرونی و بیرونی اعمال، اور اس کے بعد جو اُن کی زندگی ہوگی وہ اُن کے انھیں اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی،

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّى

اور وہی (خدا) ہے جو تمھیں رات کو موت (نیند) دیتا ہے، اور دن کو جو کما چکے، اس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن میں

ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، (انعام-۷)

جگا اٹھاتا ہی تاکہ مقررہ وقت (اصلی موت) پورا ہو، پھر اسی کی طرف تمکو لوٹ کر جانا ہی، پھر وہ تمکو تمھارے اعمال جتائے گا،

ایک اور آیت مین ہے،

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، (یونس-۳)

سنو انسانو! تمھاری بغاوت کا نتیجہ تمھین پر ہے، دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھالو، پھر ہماری ہی طرف لوٹکر آنا ہے، تو ہم تمکو تمھارے اعمال جتائین گے،

اسی "رجوع" کو اُس کے ہم معنی لفظ "رد" (واپسی) سے بھی کہین ادا کیا گیا ہی،

ھُنَالِکَ تَبْلُوْا کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْۤا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ، (یونس-۳)

وہان ہر جان جانچ لے گی جو اُس نے پہلے بھیجا، اور وہ سب اپنے حقیقی مالک کی طرف لوٹا دیئے جائین گے،

ایک دوسرے سورہ مین اس کو "سوق" یعنی ہانکنے کے مفہوم سے ادا کیا گیا، فرمایا،

کَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ، وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ، وَّظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ، وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ، اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ اِلْمَسَاقُ، (قیامہ-۱۰)

ہرگز نہین، جب روح ہانس تک آپہنچے، اور لوگ کہین آ کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بچانے والا، اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آگیا، اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی، اُس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا،

لیکن سعید اور نکوکار روحون کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدائے غیب سنائی دیتی ہے،

یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً، (فجر-۱)

اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش، اور تیرا مالک تجھ سے خوش، تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا،

یہ کیسی دلآویز صدا، اور کیسی دلکش واپسی ہوگی،

اس وقت کا سماں وہ لمحہ جب اس روح کی مہلت کا زمانہ اور عمل کی فرصت ختم ہوتی ہے، کتنا دردناک ہے اُس وقت

سے اسکی زندگی صرف اُس کے گذشتہ اعمال کے قالب مین جلوہ گر ہوتی ہے، اور ہر عمل کی صورت اُس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور غیب کی کارکن صورتین چلتی پھرتی دکھائی، اور بولتی چالتی سنائی دیتی ہین،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ	اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی مین ہون
وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ	اور فرشتے ہاتھ کھولے ہین کہ نکالو (اپنے جسمون کے اندر سے) اپنی
الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ	روحون کو، آج تم کو اس پر ذلت کی سزا ملیگی کہ تم خدا کی شان
تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ	مین جھوٹ باتین کہتے تھے اور اُس کے حکمون کے ماننے سے
آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ	غرور کرتے تھے، اور تم ایک ایک کرکے (تنہا) جیسے ہم نے پہلی
كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ	بار تم کو پیدا کیا تھا، ہمارے پاس آئے، اور جو سامان و اسباب
وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ (انعام-۱۱)	تمکو دیا تھا (جسنے تمکو مغرور بنایا تھا) اوسکو اپنے پیچھے چھوڑ آئے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہین، اور روح جسم سے جس وقت سے الگ ہوتی ہے، اس سے گناہون کی سزا کا دور شروع ہوجاتا ہے، یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ	اور کبھی تو دیکھے جبوقت فرشتے کافرون کی جان لیتے ہین
يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا	اُن کے منھ پر اور پیچھے مارتے ہین، (اور کہتے ہین) جلنے کے
عَذَابَ الْحَرِيقِ، ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ	عذاب کا مزہ چکھو، یہ تمھارے ہاتھون کے پہلے کئے ہوئے
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (انفال-۷)	کامون کا بدلہ ہے، اللہ بندون پر ظلم نہین کرتا،

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہوجاتی ہے، اور اللہ تعالی یہ سزا نعوذ باللہ کسی انتقام کے سبب سے نہین دیتا، بلکہ وہ سزا درحقیقت قانون عمل کے مطابق خود انسان کے کامون کا لازمی نتیجہ ہے،

نکوکارون کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، اُن کو ہر طرف سے بشارتین سنائی دینگی، اور ہر سمت خوشی و شادمانی کا سامان سامنے نظر آئے گا،

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ، وَاَنْتُمْ	پھر کیوں نہیں جس وقت روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم
حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ، وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ	اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس سے تمہاری نسبت
مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ، فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ	زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تمکو دکھائی نہیں دیتا تو اگر
غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ، تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو تو کیوں نہیں تم اس روح
فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ، فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ	کو پھر لوٹا دیتے ہو اگر تم (اپنے انکار و تکذیب میں) سچے ہو،
وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ، وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ	تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوا تو خوشی و
الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ،	آرام اور نعمت کی بہشت ہے اور اگر وہ (اس سے کچھ درجہ)
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ،	داہنے والوں میں ہوا تو تجھ پر سلامتی داہنے والوں میں سے!
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ، وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ، اِنَّ هٰذَا	اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوا تو گرم
لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ، (واقعہ-۳)	پانی کی مہمانی اور دوزخ میں بیٹھنا ہے بیشبہہ یہ بات یقینی ہے

یہ تمام سماں موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں،

برزخ کا عذاب و راحت اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں پر رحمت کے اور بری روحوں پر عذاب کے منظر سامنے سے گذرتے ہیں، قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں، جن سے ثابت ہو کہ نہ صرف یہ منظر ہی روح کے سامنے سے گذرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق اس رحمت و زحمت کے اندر بھی داخل کر دیجاتی ہے، منافقین کی نسبت قرآن میں ہے،

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ	ہم ان کو دو دفعہ عذاب دینگے، پھر وہ ایک بڑے عذاب
عَظِيْمٍ، (توبہ-۱۳)	کی طرف لوٹائے جائینگے،

"عذاب عظیم" سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذاب دوزخ سے پہلے ان عذاب کے دو دور ان پر اور گذر چکے ہوں گے، ایک تو یہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے قرآن میں آل فرعون

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ، اَلنَّارُ ۔۔۔ اور فرعون والون پر بری طرح کا عذاب اُلٹ پڑا،

يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ ۔۔۔ کہ اُس پر وہ صبح اور شام کو پیش کئے جاتے ہین اور جسدن

تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ ۔۔۔ قیامت کی گھڑی کھڑی ہوگی (ندا ہوگی) کہ فرعون والون کو

اَشَدَّ الْعَذَابِ، (مومن-٥) ۔۔۔ (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب مین ڈالو،

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگارون کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم مین بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے، ایسا ہی نیکو کارون کو بہشت کے عیش وآرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی آیت پاک کی تشریح مین گویا آپ نے فرمایا ہے "تم مین سے جب کوئی مرتا ہے، تو اُس پر صبح وشام اُس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت مین سے ہوتا ہے تو جنت، اور اگر اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام، اُس وقت تک کے لئے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے[51]، ایک اور صحیح حدیث مین ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت اور دوزخ دونون کے منظر سامنے کرکے کہتے ہین کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے[52]، اور اُس دن تک کے لیے کہ لوگ اٹھائے جائین، اس پر سرسبزی بھر دیجاتی ہے[53]،

مشرکون اور قیامت کے منکرون کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الٰہی سچ ہے تو ہم کو یہ فرشتے یا خدا نظر کیون نہین آتے، جواب مین کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئین گے، تو اُس دن ایمان بالغیب کہان؟ اور اوپر کی آیتون سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہین، یا پھر قیامت مین نظر آئین گے، اس لیے ارشاد ہے،

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ ۔۔۔ جس دن وہ فرشتون کو دیکھین گے اُس دن ان گنہگارون

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا، ۔۔۔ کو کچھ خوشخبری نہین اور کہین گے (کہ یہ ڈراؤنا منظر جو اب

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ ۔۔۔ ہم کو نظر آرہا ہے) اوٹ مین روکا جائے اور ہم (خدا) فرما

٥١ صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد المیت جلد ٢ صفحہ ٤٨٥ مصر وجامع ترمذی کتاب الجنائز، باب عذاب القبر حدیث حسن صحیح وصحیح بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر صفحہ ١٨٤ وسکرات الموت صفحہ ٩٦٤،
٥٢ صحیح بخاری کتاب الجنائز صفحہ ١٨٤، ٥٣ صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت صفحہ ٤٩٥ مصر،

هَبَاءً مَّنثُورًا، اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ
مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ
بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰئِكَةُ تَنْزِيْلًا، اَلْمُلْكُ
يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا،

(فرقان-۳)

ہے) اُن کے کیے ہوئے کامون کے پاس پہنچے، اور اُن کو
اڑتا غبار بنا دیا (یعنی بیکار و بیہودہ معدوم) جنت والے
لوگ (یعنی جنکو جنت ملنے والی ہی) اُسدن اُن کیلئے خوب
ٹھکانا، اور دوپہر کے سونے کا مقام ہوگا اور جسدن
آسمان بادل سے پھٹ جائیگا، اور فرشتے آہستہ آہستہ اتار
جائینگے، اُسدن راج سچا خدا کا ہوگا، اور وہ دن کافرون

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا، اور فرشتون کا اُترنا، قیامت کا نقشہ ہے، اب اس سے پہلے فرشتون کے دکھائی دینے کا وہ دن جسمین گنہگارون کے لیے کوئی خوشخبری نہین، اور وہ کہین گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہون کے سامنے نہ ہوتا، اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرارگاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والا خوابگاہ ملا ہوگا، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے،

ایک اور آیت مین ہے،

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ
بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ، وَلَوْ تَرٰى
اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ،

(سجدہ-۲)

کہدے کہ موت کا فرشتہ جو تمپر مقرر کیا گیا ہے وہ تم کو وفات
دیگا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤگے اور اگر
تو دیکھے جب مجرم اپنے سرون کو جھکائے اپنے پروردگار
کے پاس ہونگے (اور کہینگے) ہمارے پروردگار ہم نے
دیکھ لیا اور سُن لیا، پھر ہم کو دنیا مین لوٹا دے ہم نیک
کام کرینگے، اب ہم یقین لائے،

جواب ملیگا کہ اگر ہم کو زبردستی لوگون کو ہدایت دینی ہوتی تو دنیا ہی مین پہلے دے چکتے لیکن ہم تو یہ کہہ چکے تھے کہ جن و انس مین جو از خود ہدایت نہ قبول کرے گا اس سے جہنم کو بھر دینگے، پھر فرمائیگا،

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ إِنَّا نَسِينَاكُمْ ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ، (سجدہ ۲-۲)

تو اب عذاب کا مزہ چکھو کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، ہم نے بھی تم کو بھلا دیا، اپنے کرتوت کے بدلے سدا کا عذاب چکھو،

یہ کیفیت اور یہ گفتگو ظاہر ہے کہ ملک الموت کی روح نکالنے کے بعد کی ہے جیسا کہ آیت کا سیاق ہے، اور جیسا کہ خود آیت میں ہے کہ تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ قیامت کے منکر قیامت کو بھولتے نہیں، بلکہ قیامت کا یقین نہیں کرتے، البتہ اپنی غفلت سے موت کا دن ضرور بھول جاتے ہیں، اس لیے یہ آیات حیات بعد الممات اور قبل قیامت سے متعلق ہیں،

قوم نوح، عاد، فرعون، ثمود، قوم لوط، اور اصحاب ایکہ وغیرہ قومیں جو ناگہانی عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئیں، ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے:-

إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ، (ص ۲-۱)

ان سبھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب واجب ہوا، اور یہ راہ نہیں دیکھتے لیکن ایک چیخ کی جو دم نہ لیگی اور انھوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار شتاب کر ہمارا چھٹی حساب کے دن سے پہلے،

یہ "حساب کے دن" یعنی قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کا واقعہ ہے، اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے، سورۂ یٰس میں اپنی قوم کے ایک خیر خواہ کا ذکر ہے، جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا، اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی، تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا، اور عزت بخشی، تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی،

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ

کہا گیا جنت میں داخل ہو، اس نے کہا اے کاش میری

بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ، وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ، (یٰسٓ - ۲)

قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا، اور ہم نے اس کے مرنے کے بعد (اس پیغام کو دیکر) اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری، اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں،

ظاہر ہے کہ یہ آیتیں برزخ ہی کے عالم سے متعلق ہیں، ورنہ قیامت یا اُس کے بعد اپنی قوم کو خبر دینے کی تمنا تو بے معنی ہے، ساتھ ہی اس میں مذکور ہے کہ اُس کے مرنے کے بعد میں نے اسکی قوم کے پاس یہ خبر دیکر آسمان سے فوج نہیں اُتاری کیونکہ یہ ہمارا دستور نہیں، کہ خدا کو جو کچھ پیام دینا تھا وہ رسول کی معرفت پہلے ہی سے بھیج چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا حال ہے،

قبر کی اصطلاح سطورِ بالا میں عالمِ برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں، جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں، وہ عموماً قبر[1] کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں لیکن اس لفظ "قبر" سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادّی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے، اور انھیں کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر کیا ہے، اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو بہو اُس کے خاکی جسم کا مثنیٰ ہوتا ہے، تم نیند میں ہو اور تمہارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہٖ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے، یا باغ و بہار کی لذتوں میں مصروف ہے، اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے، جو تم کو بیداری میں اپنے بستر پر

[1] بعض قدیم معتزلہ عذابِ قبر کے قائل نہ تھے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اسکا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی ان کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعدِ موت و قبلِ قیامت ارواحِ انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر ہے یا نہیں، تو ان کو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی، اسی لیے متاخرین معتزلہ نے اپنے پیش رووں کے عقیدہ سے رجوع کر لیا، اور اس کے قائل ہو گئے،

پڑے ہوئے جسم کی تکلیف وراحت سے پہنچ سکتی ہے، اس خواب مین جسطرح تمھارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے، جو ہو بہو تمھارا مادی جسم ہے، اسیطرح موت کے خواب مین بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئیگا، جو اکثر حالتون مین ہو بہو تمھارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا[1]، اور تمھاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے، جسم خاکی نہین، فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر ۲) (یعنی) "ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھون گرو ہوگی"، اس لیے اصل مکلف روح ہے، جسم نہین، جسم صرف بمنزلۂ آلہ کے ہے، دنیا مین اس کا ایک جسم خاکی تھا، برزخ مین اُس کا ایک اور جسم ہوگا، جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اُس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی، اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال مین جاری ہے، کہ ہم اپنی آنکھون سے مسلمان مردون کو اسی قبر مین جاتے دیکھتے ہین، قرآن پاک کی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ	اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافرون کی روح قبض
يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا	کرتے ہین، مارتے ہین، اُن کے منھ اور پیٹھ پر، اور
عَذَابَ الْحَرِيقِ، (انفال-۷)	(کہتے ہین) چکھو جلنے کا مزہ،

اس آیت سے جہان یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگارون پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے، وہان یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مار اُن کے منھ اور پیٹھ پر پڑتی ہے، اگرچہ منھ اور یہ پیٹھ وہ نہین ہے، جو بے جان لاشہ کی صورت مین ہمارے سامنے ہے، بلکہ اس آیت مین کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دیگئی ہے، کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منھ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹھ پر) مارتے ہین، اُسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے اور ہنکاتے ہوئے لے چلین گے اور کہین گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم صاف لفظون مین اس آیت مین ہے،

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (قیامہ-۱)	اُس دن تیرے پروردگار کیطرف ہے ہنکایا جانا،

---

[1] اس سے اس شبہہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اُس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہین آتا، اور نیز اس شبہہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر مین جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہے،

بعض ایسی سعید روحین بھی ہوتی ہین جنکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ مین اُن کے جسمِ خاکی کی شکل وصورت کی قید سے بھی آزاد کرکے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث مین آیا ہے کہ "مومنِ کامل کی رُوح پرندون کی شکل مین جنت مین اڑتی پھرتی ہے"[1] اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندون کی شکل مین ہون گے، اور عرشِ الٰہی کی قندیلین اُن کا آشیانہ ہونگی، اسیطرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلعم کا جو رویائے صادقہ پہلے گذرا ہے اس مین جن جسمانی قالبون مین گنہگارون کی سزا و تکلیف کی صورتین دکھائی گئی ہین وہ تمام تر مثالی ہی ہین، ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب، اور ان گنہگارون کے یہ مثالی جسام اُن کے وہ قالب واجسام نہین ہین جو اُن کی قبرون مین سڑ گل کر فنا ہوگئے، یا وہ آگ مین جل کر خاکستر ہوئے، اور ذرے اور ہوا مین اڑ کر منتشر ہوگئے، یا کسی جانور کے پیٹ مین جا کر اُس کے جزو بدن بنگئے،

بعض حدیثون مین آنحضرت صلعم سے اس مٹی کی قبرون مین عذاب کے مشاہدات و مسموعات کا تذکرہ ہوا تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر مین اُن قومون کے نزدیک جو مردون کو گاڑتی ہین، اُس میت کی یادگار اس دنیا مین اُس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے، ایک صحیح حدیث مین اُس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا مین اڑا دیجائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر نہ کیا جا سکے، مگر قدرتِ الٰہی نے اُس کو مجسم کرکے کھڑا کر دیا، اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتون سے نوازا[2]

سوال و جواب | احادیث صحیحہ مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر مین دو فرشتے آتے ہین، اور وہ مردون سے توحید و رسالت کی نسبت سوال و جواب کرتے ہین،

اس کی تصدیق قرآنِ پاک کی ان آیتون سے بھی ہوتی ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	بیشک فرشتون نے جن کی روحون کو اس حالت مین
قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ	قبض کیا کہ وہ اپنی جانون پر ظلم کر رہے تھے، وہ اُن سے

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، [2] صحیح بخاری جلد دوم ص ۹۵۹ کتاب الرقاق باب الخوف من اللہ،

فِی الْاَرْضِ، قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً	کہتے ہین تم کس بات مین تھے، کہتے ہین کہ ہم ملک مین
فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ	بے یار و مددگار تھے، وہ کہتے ہین کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ
(نساء - ۱۴)	نہ تھی، کہ تم اپنا وطن چھوڑکر باہر چلے جاتے،

ایک اور آیت ہے،

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا	یہانتک کہ جب ان جھٹلانے والون کے پاس ہمارے
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا	فرشتے اُن کی روحون کو قبض کرنے آئینگے اور کہینگے کہان
ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ	ہین وہ جنکو تم پکارتے تھے (اشہود مشرک) کہینگے کہ ہمارے وہ دیوتا
كَانُوْا كٰفِرِيْنَ، قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ	ہم سے کنارہ کش ہوگئے، اور انہون نے اپنے اوپر آپ گواہی دی
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی	کہ وہ کافر تھے، تب خدا فرمائیگا کہ تم بھی اُن لوگون
النَّارِ (اعراف - ۴)	مین جاملو جو جنّ وانس مین سے تم سے پہلے آگ مین

پہلی آیت مین عدم ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانون کا اور دوسری مین کافرون کا حال بیان کیا ہے کہ اُن سے اُن کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائیگا، بہرحال یہ تو خاص خاص گناہون کے مجرمون کا حال تھا، اب عام لوگون سے جو سوال ہوسکتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث مین ہے یعنی یہ کہ توحید و رسالت کی معرفت کا اُن سے سوال ہوگا،

قرآن پاک مین ایک جگہ کلمۂ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمۂ توحید) اور کلمۂ خبیثہ (بری بات یعنی کلمۂ کفر) کی ایک ایک مثال ہے، کلمۂ طیبہ کی مثال اُس درخت کی ہے جس کی جڑین زمین مین مضبوط گڑی ہین، اسکی شاخین آسمانون تک پھیلی ہین، اور اُس مین سدابہار میوے لگے ہین، اور کلمۂ خبیثہ کی مثال اُس درخت کی ہے، جسکی جڑ زمین سے اکھڑی پڑی ہے، وہ اب گرا اور تب گرا، اس کے بعد قرآن مین ہے،

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَيٰوةِ	اللہ ایمان والون کو پکی بات پر اس دنیا مین مضبوط رکھیگا

الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ ۔ ؔ اور آخرت مین بھی، اور اللہ ظالمون کو بچلاتا ہے،

اس کی تفسیر صحیح حدیثون مین یہ ہو کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جسطرح اپنی اس زندگی مین ایمان کی پکی بات پر قائم تھا، اسی طرح برزخ مین بھی اس پر قائم رہیگا، اور جو کافر و مشرک یہان اس پر قائم نہ تھا، وہ وہان بھی قائم نہ رہے گا، اور بہک جائیگا،

ہر چند کہ رسول پاک سے صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہین، تاہم تائیداً یہ عرض ہو کہ اس آیت مین اہل ایمان کے آخرت مین بھی "قول ثابت" پر ثابت قدم رکھے جانے کی بشارت ہے، ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہین ہوسکتا کہ وہ تو کشف راز کا دن ہے، اس دن تو کافر بھی اس قول ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہین کرسکتا، پھر یہ اہل ایمان کے لیے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی، اور نہ یہ اس اظہار احسان کا مناسب وقت ہوسکتا ہے، البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اس حصہ مین موزون ہوسکتا ہے، جہان ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہین ہوتی، اور وہ برزخ کا عالم ہے،

اس آیت پاک کی اس تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم مین برزخ کا میدان بھی داخل ہے،

حقیقت مین اس عالم برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا، بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی یا یون کہو کہ آج کے آئینہ مین کل کا عکس نمایان ہوگا یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب مین نمایان ہوگی،

برزخ مین ارواح کا مسکن آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) مین ارواح انسانی کا مسکن کہان ہوگا؟ قرآن پاک مین اس کا جواب متعدد آیتون مین ملتا ہے، سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے، جس مین ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کرچکین گے تو خدا ان کی روحون کو حکم دیگا کہ وہ اپنے ساتھیون کیساتھ عذاب کی آگ مین داخل ہو جائین اس کے بعد ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا	بیشک جنھون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا، اور اُن کے
تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ	سامنے غرور کیا، اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہ
الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ،	کھولے جائینگے، اور نہ وہ جنت مین داخل ہونگے تا آنکہ
(اعراف - ۵)	اونٹ سوئی کے ناکے مین گھس جائے، (یعنی کبھی نہین)

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الٰہی کے منکرون اور جھٹلانے والون کی روحین مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے حدود مین قدم نہ رکھ سکینگی، اور وہ فضائے زمین مین آوارہ پھرینگی یا اپنے جسم خاکی کے لگاؤ سے جہان وہ سپرد خاک ہوئے ہون، منڈلاتی رہین گی، اور وہین سے دوزخ کا منظر دیکھینگی، اور تکلیف اٹھائینگی،

اس کے برخلاف ہر تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے، کہ موت ہی کے وقت رحمت الٰہی کا فرشتہ بلکہ خود زبان رحمت اُس کے کانون مین یہ صدا دیتی ہے،

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ	اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا
رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ	تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تو اپنے پروردگار سے خوش
وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ، (فجر - ۱)	تو میرے بندون مین شامل اور میری بہشت مین داخل ہو جا

ان سے بڑھ کر وہ پاکباز روحین ہین جنھون نے اپنے خاکی جسمون، فانی زندگیون، مادی خوشیون اور زوال پذیر عشرتون کو خدا کی راہ مین قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تمثالی جسم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اُسی وقت عنایت کردی جائیگی، فرمایا،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ — جو خدا کی راہ مین مارے جائین، اُن کو مردہ نہ کہو،
اَمْوَاتٌ ، بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ — وہ زندہ ہین لیکن تم شعور نہین کر سکتے،

یہ پُر مسرت زندگی کیسی ہوگی اس کی تفصیل دوسری سورہ مین ہے،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ — اور تو اُن کو جو خدا کی راہ مین مارے گئے مردہ نہ گمان کر

أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ
بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ
أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ، (آل عمران - ۱۷)

بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہین انکو روزی دیجاتی ہی خدا
نے اپنی مہربانی سے انکو جو دیا ہی اُس پر خوش ہین اور جو ابھی
اُن کے پیچھے سے اُن تک نہین پہنچے ہین، اُن کی طرف سے بھی
خوش ہین کہ اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین
ہون گے، وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہین، اور اللہ
ایمان والون کی مزدوری ضائع نہین کرتا،

یہ پُر مسرت زندگی شہدار کو ملے گی، اس زندگی کا مقام "خدا کے پاس" بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ مین ہے کہ اُن زندہ شہیدون کی روحین قفسِ عنصری سے پرواز کر کے جب اُڑتی ہین تو وہ سبز پرندون کی صورت مین جنت کی سیر کرتی ہین، اور عرشِ الٰہی کی قندیلین اُن کا نشیمن بنتی ہین، اس کے بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کریگا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہدار سے بہرحال اعلیٰ اور برتر ہین، اس لیے اُن کا مقام بھی اسی احاطۂ قدس کے اندر ہوگا، اسی لیے آنحضرت صلعم نے سیرِ معراج اور اپنے رویاے صادقہ مین بعض پیغمبرون کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج مین دیکھا،

بعض وہ شہید روحین ہونگی جو یہان سے نکل کر فرشتون کی صف مین داخل ہو جائینگی، جیسا کہ حضرت جعفر طیار رضؓ کے متعلق احادیث صحیحہ مین آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونون بازوؤن سے فرشتون کیساتھ عالمِ ملکوت مین اڑتے پھرتے تھے، عالمِ برزخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت اُن کے اُن دونون جسمانی بازوؤن کی مثال ہین، جو اس جنگ مین ان کے جسم سے کٹکر گر گئے تھے، اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے سے پکڑے تھے، عجب نہین کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگون کی شان مین ہو،

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ
عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا
بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ، نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ

بیشک جن لوگون نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر
ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے یہ خوشخبری لیکر اترتے ہین کہ
خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج (حم السجدہ ۳۱-۴) جس کا تم سے وعدہ کیا تھا، ہم دنیا کی زندگی مین تمھارے رفیق ہین اور آخرت مین،

یہ آوازۂ بشارت اور فرشتون کی رفاقت اسی برزخ کا دلکش سمان ہوسکتا ہے،

۲- آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل

قیامت اور جزائے اعمال،

موت تو افراد کا معاملہ ہے، ایک مرتا ہے، اور دوسرا اُسکی جگہ پیدا ہوتا ہے، تو ہین بھی باری باری اس بازیگاہ کے تختہ پر آتی ہین، اور اپنا کھیل ختم کرکے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کرجاتی ہین، یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے، اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی، وہ بعینہٖ قائم ہے، اور اس محفل کی جو رونق اوّل روز تھی، وہ ابتک اسی طرح باقی ہے، غرض

ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی است،

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا، جب یہ ساری بساطِ ہستی اُلٹ جائے گی، کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہوجائے گی، اور آسمان و زمین کے کرے ٹکرا کر چور چور ہوجائینگے اور پھر وہ خلاقِ عالم اپنی صفتِ خلق و احسان وجزا کے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہوکر ایک اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہوگا،

دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھکر مستقبل کا پتہ لگاتے ہین، کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات مین دیتے ہین، اور کہتے ہین کہ جسطرح یہ افراد آتے اور فنا ہوتے ہین، اسی طرح ایک دن آئیگا، جب اس پوری دنیائے حیات پر موت طاری ہوگی، سب سے زیادہ اس سوال کے جواب مین تردید بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققون (سائنٹسٹ) کو ہوسکتا ہے مگر اہلِ فلسفہ کا بڑا گروہ بھی اس امکان پر یقین رکھتا ہے، اور اہلِ سائنس بھی اس امکان کو بہرحال محال نہین سمجھتے بلکہ طبعیات و ہیئتِ جدید کے مختلف محققون کے خیالات اس باب مین

امکان سے آگے بڑھ کر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہین، اور اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور سے پیشینگوئیان کرتے رہتے ہین، اور اس عالمگیر موت کے مختلف اسباب ظاہر کرتے ہین، کوئی کہتا ہے کہ اس نظام عالم کی پوری گاڑی جس انجن سے چل رہی ہے وہ یہ گرم آفتاب ہے، اور اسکی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آئیگا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائیگا، اور یہ ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظام کائنات جذب و کشش کے ستون پر قائم ہے، اور فضاے ہستی کے یہ تمام سیارے روز بروز کھنچتے چلے آتے ہین، تو ایک دن وہ بھی آئیگا جب یہ باہمی توازن باقی نہین رہیگا، اور اس وقت یہ کرے ایک دوسرے سے قریب ہو کر ٹکرا جائینگے اور یہ تصادم اُن کو چور چور کر دیگا،

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا مین کروڑون ستارے تیر رہے ہین، اُن مین سے بہت کم کا علم ہم کو ہوا ہے بہت ممکن ہے، کہ کسی زمانہ مین ہماری زمین کسی نئے سیارہ سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے، اور اوس کی ساری آبادی ہباءً منثورًا ہو کر رہ جائے،

بہرحال اسباب طبعی کچھ ہون، مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی امکان، بلکہ وقوع کی امید سے خالی نہین،

اہل مذاہب مین یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا مجمل تذکرہ تمام آسمانی کتابون مین ہے توراۃ مین اس کے اشارے پائے جاتے ہین، زبور مین اسکی تصریحات موجود ہین، اور اسمین اس کو "عدالت کا دن" کہا گیا ہے[۱]، حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ مین یہود کے دو فرقے تھے، ایک صدوقی جو یونانیون کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا، بدستور اپنے پرانے عقیدے پر قائم تھا[۲]، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین بھی جو یہود تھے، وہ قیامت اور حشر و نشر اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، اور اُن کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئے گی، تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانون کو، دوسری پر زمینون کو، تیسری پر درختون کو، چوتھی پر پانی کو اور اندر کی نم مٹی کو، اور پانچوین پر تمام مخلوقات کو رکھے گا، اور ندا دیگا کہ "مین ہون بادشاہ"[۳]، انجیل مین یہ عقیدہ پوری تصریح

---

[۱] زبور ۹، ۷ تا ۹، ۱۶، ۱۷ و ۲۲، ۱ تا ۲۱ و باب ۴۹ و ۵۰ [۲] انجیل مرقس ۱۲، ۲۴ و اعمال ۲۳ [۳] صحیح بخاری تفسیر سورۂ زمر

کیساتھ مذکور ہے، اور حضرت عیسٰیؑ نے صدوقیون کے مقابلہ مین تورات کی ایک آیت سے حیات اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے[1] اور مکاشفات یوحنا مین قیامت کے احوال اہوال کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے، ہندو پرلے کے نام سے اس عقیدہ (فناے عالم) پر یقین رکھتے ہین، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ انجام کو پہنچی،

قیامت کے نام | کسی شے کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی، اُس کے نامون کی تشریح سے ہوتی ہے، قرآن پاک مین قیامت کو بیسیون نامون سے یاد کیا گیا ہے اور ان مین سے ہر ایک نام اُس کے ایک خاص پہلو کو نمایان اور ظاہر کرتا ہے، قرآن مین اس کا سب سے پہلا نام جو قرآن کے سب سے پہلے سورہ مین ہے وہ یوم الدین ہے، یعنی جزا کا دن، جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے یہ نام قرآن مین جابجا آئے ہین،

السَّاعَۃ	وہ گھڑی، (وہ مقررہ وقت)
یَوْمُ الْقِیَامَۃ	کھڑے ہونے کا دن (مردون کے کھڑے ہونیکا دن)
اَلْیَوْمُ الْحَقُّ	سچا دن، (نہ جسکے آنے مین کوئی شک ہے، اور نہ جسکے فیصلہ مین کوئی غلطی ہوگی)
یَوْمٌ مَّعْلُوْمٌ	جانا ہوا دن، یا مقررہ دن،
اَلْوَقْتُ الْمَعْلُوْمُ	جانا ہوا وقت، یا مقررہ وقت،
اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ	موعودہ دن،
اَلْیَوْمُ الْاٰخِرُ	پچھلا دن،
یَوْمُ الْاٰزِفَۃ	قریب آنے والی مصیبت کا دن،
یَوْمٌ عَسِیْرٌ	ایک سخت دن،
یَوْمٌ عَظِیْمٌ	ایک بڑا دن،

[1] متی ۲۲-۳۱، ۳۲، لوقا ۲۰-۲۷، مرقس ۱۲-۱۸،

یَوْمٌ عَصِیْبٌ ، سخت دن،

یَوْمُ الْبَعْثِ جی اُٹھنے کا دن،

یَوْمُ التَّغَابُنِ افسوس کا دن،

یَوْمُ التَّلَاقِ باہم ملنے کا دن،

یَوْمُ التَّنَادِ پکار کا دن،

یَوْمُ الْجَمْعِ اکٹھے ہونے کا دن،

یَوْمُ الْحِسَابِ حساب کا دن ،

یَوْمُ الْحَسْرَةِ حسرت کا دن،

یَوْمُ الْخُرُوْجِ قبروں سے نکلنے کا دن ،

یَوْمُ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن ،

اَلْقَارِعَةُ کھڑکھڑانے والی،

اَلْغَاشِیَةُ چھا جانے والی،

اَلطَّامَّةُ الْکُبْرٰی بڑی مصیبت ،

اَلنَّبَاُ الْعَظِیْمُ بڑی خبر ،

اَلْحَاقَّةُ ضرور آنے والی گھڑی ،

اَلْوَعْدُ وعدہ ،

اَلْوَاقِعَةُ وقوع پذیر ،

اَمْرُ اللّٰہِ خدا کی بات

اَلصَّاخَّةُ بہرا کرنے والی گھڑی ،

قیامت کے اوصاف | یہ تو وہ نام ہیں جو اسم مفرد یا اضافت یا صفت کی صورت میں ہیں، اُن کے علاوہ فقروں اور جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے بکثرت نام قرآن میں آئے ہیں، مثلاً

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (انعام و نمل و طٰہٰ) جس دن نرسنگا پھونکا جائے،

يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۱۶) جس دن سچوں کو اُن کی سچائی کام دے گی،

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (شعراء ۵) جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد،

يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ (فرقان ۳) جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ چبائے گا،

يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ (فرقان ۳) جس دن آسمان پھٹے گا،

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (مومن ۱) اور جس دن گواہ کھڑے ہونگے،

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ (آل عمران ۱) جس دن میں کوئی شک نہیں،

يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا (نمل ۷) جس دن ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کرینگے،

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (مطففین ۱) جس دن لوگ جہان کے پروردگار کے لیے کھڑے ہونگے

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ (قمر ۱) (جس دن لوگ قبروں سے نکلیں گے،

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَ جس دن آدمی اپنے بھائی، اور ماں اور باپ اور بیوی

صَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (عبس ۱) اور بیٹوں سے بھاگے گا،

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا (بقرہ ۱۵) جس دن کوئی کسی دوسرے کا بدلہ نہ ہوسکیگا،

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ (نور ۳) جس دن اُن کی زبانیں اُن کے خلاف گواہی دینگی،

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا (انفطار ۱) جس دن کوئی کسی دوسرے کے لیے کچھ نہ کرسکے گا،

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا (دخان ۲) جسدن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکیگا،

الغرض یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے اوصاف اس ہولناک دن کے بیان کئے گئے ہیں، جن سے اس

عظیم الشان دن مین انسان کی بیکسی، عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی مایوسی ظاہر کی گئی ہے،

قیامت مین فسادِ نظام ہوگا قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ وہ مادّہ کے فنائے محض، یا عدم محض کا نام ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن پاک کی بیسیون آیتون مین قیامت کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، وہ تمامتر فناے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور اُن کی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہین ہے، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا،

اَلْقَارِعَۃُ مَا الْقَارِعَۃُ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ، (قارعہ-۱)

متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، اور تم کو کس نے بتایا کہ کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، یہ وہ دن ہے جب لوگ پریشان پروانون کی طرح اور پہاڑ رُوئی کے گالون کی طرح ہونگے،

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا، یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا، (زلزال-۱)

جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ نکالیگی اور انسان کہیگا زمین کو کیا ہوا، اُسدن زمین اپنی حالت بیان کرے گی،

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ (انشقاق-۱)

جب آسمان پھٹ جائین گے اور وہ اپنے مالک کی فرمانبرداری کرینگے، اور وہ فرمانبرداری کے لائق ہین، جب زمین پھیلائی جائیگی اور جو کچھ اُسمین ہے وہ ڈالدیگی،

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ، وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ، عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ،

جب آسمان پھٹ جائین گے، جب ستارے بکھر جائینگے اور جب دریا چلا جائینگے اور قبرین کرید کے زندہ کئے جائینگے، روحین جو پہلے اور پیچھے بھیجا ہے، اُسوقت جان لینگی،

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، وَ	جب آفتاب اندھیرا کیا جائیگا جب ستارے تاریک ہوجائینگے،
إِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ، (تکویر-۱)	جب پہاڑ چلائے جائیں گے،
إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ، فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ،	جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والا ہے جب
وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ،	ستارے ماند کر دیئے جائیں گے، جب آسمان کھولدیا جائیگا
(مرسلات-۱)	جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے،
فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ	جب نگاہ ماند ہوجائیگی، جب ماہتاب بے نور ہو جائیگا،
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ، (قیامہ-۱)	اور آفتاب و ماہتاب اکٹھا کر دیئے جائیں گے،
يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ	جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور جب پہاڑ
كَالْعِهْنِ، (معارج-۱)	روئی کے گالوں کے مانند ہو جائیں گے،
فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ وَحُمِلَتِ	جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائیگی جب زمین اور
الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ	پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں ٹکڑے ہو جائیں گے،
وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ	اس دن ہونیوالی بات ہوجائیگی، او آسمان پھٹ جائیگا
يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ، (الحاقہ-۱)	اور اس دن کمزور ہوجائیگا،
يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ	جب پہاڑ اور زمین میں لرزہ ہوگا، اور پہاڑ پگھلا ہوا
الْجِبَالُ كَثِيبًا مَهِيلًا،	تانبا ہوجائے گا، ....
فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ	کیونکر متقی ہوسکتے ہو جب اس دن کا انکار کرتے ہو
الْوِلْدَانَ شِيبًا السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ،	جو بچوں کو بوڑھا بنا دیگا، آسمان اسدن پھٹ
كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا، (مزمل-۱)	جائیگا، اور خدا کا وعدہ پورا ہو جائیگا،
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ (ابراہیم-۷)	جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دیجائیگی،

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (رحمٰن-۲)

جب آسمان پھٹ جائیں گے، اور سرخ تلچھٹ کی طرح ہو جائیں گے،

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا (واقعہ-۱)

جب ہونیوالی بات ہو جائیگی، جس کے ہونے میں جھوٹ نہیں ہو زیر و زبر کر دینے والی، جب زمین خوب ہلائی جائیگی اور پہاڑ پراگندہ کئے جائیں گے، اس وقت وہ پریشان ذرات کیطرح ہو جائیں گے،

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (نبأ-۱)

اور آسمان کھولدیئے جائیں گے، اور وہ دروازے دروازے ہو جائیں گے، اور پہاڑ چلائے جائیں گے، تو وہ سراب ہو جائیں گے،

غرض اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درہمی، اور دنیا کی حیات موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک اور زمین اور ایک آسمان بنے گا، اور پچھلی دنیا کے اعمال کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم-۷)

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دیجائیگی، اور آسمان بھی بدل جائینگے، اور سب لوگ اس ایک سب پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے نکل کر آئیں گے،

قیامت کی حقیقت اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات کا ذکر گوناگون طریقوں سے کیا گیا ہے، تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے، جس میں نہایت اختصار و ایجاز کے باوجود انتہائی بلیغانہ وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مطالب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت، اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ، وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ، اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ، بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ، بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ، يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ، فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ، وَخَسَفَ الْقَمَرُ، وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ، يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ، كَلَّا لَا وَزَرَ، اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ، يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ، بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ، وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ،

(قیامہ-۱)

مین قیامت کے دن کی اور ملامت کرنیوالے نفس کی قسم کھاتا ہون کیا وہ (انسان) سمجھتا ہی کہ ہم (اُس کے مرنے کے بعد) اُسکی ہڈیون کو اکٹھا نہین کر سکتے کیون نہین، ہم تو اُس کے پورون کو درست کر سکتے ہین، یہ نہین بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا یہ ہی کہ خدا کے سامنے ڈھٹائی کرے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے؟ تو جب نگاہ چوندھلانے لگے، اور چاند بے نور ہوجائے، اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیئے جائین انسان اُسدن کہیگا، اب کہان ہے بھاگنے کی جگہ، ہرگز نہین، کہین بچاؤ نہین، اُس دن تیرے رب کے پاس ہے جا ٹھہرنا، اُس دن انسان کو جو آگے بھیجا (عمل) اور جو پیچھے چھوڑا (مال و دولت) وہ بتایا جائیگا، بلکہ انسان اپنے حال کو آپ دیکھتا ہی گرچہ وہ زبان سے بہانے تراشا کرے،

ان مین سے پہلی ہی آیت مین اللہ تعالی نے روز قیامت، اور نفس لوامہ کی یکے بادیگرے قسم کھائی ہے، نفس لوامہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے جو انسان کے ہر برے کام کے وقت اندر سے غمگین و نادم ہوتا ہے، اور اُس کو اُس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت مین اسی کیفیت ضمیر کو ان لفظون مین ادا فرمایا کہ "بلکہ انسان اپنے حال کو آپ خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیون اور کوتاہیون کے لیے سیکڑون بہانے تراشا کرے"۔ انسان کی اسی قلبی کیفیت کا نام نفس لوامہ ہے،

۱- اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہین کہ فرد اور جماعت کے احوال مین ایک خاص قسم کی مناسبت ہے، جس طرح شخص پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، گناہگار ہوتا ہے، نکوکار ہوتا ہے،

پشیمان ہوتا ہے، محنت کرتا ہے، نکونام ہوتا ہے، بدنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ قوت حاصل کرتا ہے، اور انکی مخالفت سے وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے، اور پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اُس کے قوائے عمل سرد پڑتے جاتے ہین، اور وہ مرجاتا ہے، بعینہٖ یہی تمام احوال جماعتون اور قومون کو بھی پیش آتے ہین، وہ بھی پیدا ہوتی ہین، بڑھتی ہین، تندرست ہوتی ہین، کمزور ہوجاتی ہین، گناہگار ہوتی ہین، نکوکار بنتی ہین، اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچکر اُن کے عملی قویٰ کمزور و مضمحل ہوجاتے ہین، اور وہ فنا ہوجاتی ہین،

دنیا مین اسی اصول پر ہزارون قومین پیدا ہوکر فنا ہوچکی ہین، جن کے نام بھی تاریخ کے صفحون پر اب موجود نہین ہین، تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتین، اور جماعتون کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہین، کیا اُسی اصول پر تمام اقوامِ عالم کا جو مجموعہ پیدا ہوتا، بڑھتا، اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے، کیا وہ ایک دن فناے محض کے آغوش مین جاکر سو نہ جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت مین اکثر عاد و ثمود و آلِ فرعون وغیرہ قومون کی تباہی سے، قیامت کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے، اسکی مزید تفصیل آگے آئے گی،

بہرحال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفسِ لوامہ، یا ضمیر یا احساس ہے، جو اُس کے ہر بُرے فعل کے وقت اُس کو ملامت کرتا ہے، اور اُس کو گنہگار ٹھہراتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارنامون پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو قصوروار جانتا اور گنہگار ٹھہراتا ہے، اسی طرح قومون کا ضمیر بھی اپنے گناہون پر پچھتاتا، اور اپنی تقصیرون پر نادم، اور اپنی کوتاہیون سے شرمندہ ہوتا ہے، اسیطرح یہ پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارنامون پر نادم و پشیمان ہوگی، اور اس کا ضمیر و نفسِ لوامہ اس کو ملامت کریگا، کائناتِ انسانی سے بڑھکر خود کائنات ہستی بھی اُسپر جو اُس کے اندر کیا گیا، اور جو کچھ اُس کے اندر عمل مین آیا اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی، اسی عمومی اعترافِ قصور اور کلی ندامت و پشیمانی کا نام قیامت ہے، اور اسی مناسبت سے اس سورۂ بالا مین نفسِ لوامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم مین یعنی شہادت مین یکجا کیا گیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی مین سورۂ مذکور کی آیتون کو دوبارہ پڑھئے،[1]

[1] مستفاد از تفسیر سورۂ قیامت مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲- اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر و قویٰ کا مجموعہ ہے، اُس مین سردی وگرمی، صحت و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر ہر قسم کی متضاد قوتین ودیعت رکھی گئی ہین، ان متضاد قوتون مین جبتک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ زندہ رہتی ہے، اور جس وقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہی، ایک درخت مین ایک پھول کھلا، سردی وگرمی اور موسم کی تاثیر نے اُس پر عمل کیا، جب تک ان متضاد تاثیرات و استعدادات مین اعتدال کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن مین کسی ایک قوت نے شکست پائی اُسکی ہستی معرض فنا مین آگئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہی اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتین، قومین، بلکہ حیوانات، شجر، حجر، دنیا کی ہر چیز چل رہی ہی،

پوری کائنات ہستی کو لیجئے کہ اُس کو خلاق عالم نے انھین متضاد عناصر و اخلاط کے اصول پر قائم فرمایا ہے، دن رات، روشنی تاریکی، سردی اور گرمی، پانی اور آگ، بہار و خزان، تندرستی اور بیماری، دولت اور افلاس، حیات اور موت، آسمان و زمین، نیکی و بدی، خیر و شر، غرض جدھر بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ اربع عناصر کی چہار دیواری، انھین متضاد قویٰ اور حالات کی بنیادون پر قائم ہین، ان مین جبتک اعتدال قائم ہے، یہ دنیا کی ہستی چل رہی ہے، جس دن ان کے اعتدال مین فرق آئیگا، وہی دن اسکی فنا کا ہوگا،

لیکن جسطرح افراد و اشخاص مین جہان بیماری کے بعد تندرستی، اور تندرستی کے بعد بیماری کی صلاحیت موجود ہے، اسی طرح اس نظام کائنات مین بھی تندرستی کے بعد بیماری، اور بیماری کے بعد تندرستی کی صلاحیتین موجود ہین، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے، کہ دنیا ظلم و جور سے لبریز ہو گئی اور کشت و خون کے سیلاب نے اُس کے امن و امان کو غرقاب کر دیا، کہ دفعتہً وہ پھر ابھری، اور اس کا غرق شدہ امن و امان کشتیِ نوح بنکر کرہ ارضی کو بچا لے گیا، بارہا اس باغِ ہستی مین خزان آئی، اور پھر بہار کا موسم اُس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی مسابقت مین ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرانے کے قریب پہنچی، اور پھر بال بال بچگئی، یہ کرے اپنی رفتار مین بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھر سنبھل گئے، مگر فساد و صلاح کا یہ اصول اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان متضاد

قویٰ اور کائنات کے استعدادات میں یہ اعتدال قائم ہے، جس دن یہ اعتدال فنا ہوگا نظام ارضی کا یہ پورا کارخانہ درہم برہم ہوجائیگا، اور اُس وقت زمین اپنی عمر کی پوری تاریخ اور کارناموں کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے کھڑی ہوگی، اور اپنے اوپر کی ہر کوتاہی و قصور کی شہادت اپنی زبان سے سنائے گی،

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَاَخْرَجَتِ	جس وقت پوری زمین ہلائی جائے گی اور جب زمین
الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا،	اپنے اندر کے بوجھوں کو اُگل دیگی، اور انسان کہیگا
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا، بِاَنَّ رَبَّكَ	کہ اس کو کیا ہوگیا ہے، اُس دن وہ اپنی باتیں بیان
اَوْحٰى لَهَا، يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا	کرے گی کہ اُس کے پروردگار نے اس کو حکم دیا ہے
لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ، فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ	اس دن لوگ لوٹیں گے کہ اپنے عمل دیکھیں تو جس
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ	کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہے، وہ اس کو دیکھ لیگا، اور
ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ، (زلزال ۱)	ذرہ برابر اگر بدی کی ہے تو اُسکو بھی دیکھ لیگا،

صورِ قیامت | قرآن میں قیامت کے ذکر میں صور پھونکنے کا بار بار ذکر ہے، فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ پھر جب صور پھونکا جائیگا، صُور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں، اصل یہ ہے کہ قدیم الایام میں بابلیون، کنعانیون، آرامیون، اور عبرانیون وغیرہ تمام پرانی قوموں میں بادشاہی جلال و جلوس اور اعلانِ جنگ کے موقعوں پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا، اسلیے نرسنگھا پھونکنے کے معنی شاہی جلال کے اظہار اور غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے، چنانچہ توراۃ میں یہ محاورہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے، قرآن میں ہے کہ اُس دن ندا ہوگی کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دیگا، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، اُس ایک سب پر غالب آنے والے کی، غرض وہ دن آسمان و زمین اور نظمِ کائنات کے شہنشاہِ مطلق کے جلال و جنگ کے اعلان کا ہوگا، اس لیے اُس کیلئے نفخِ صور اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ استعمال کیا گیا ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ لفظی معنوں میں بھی اس دن اپنی شہنشاہی کے نرسنگھا پھونکنے کا حکم دے اور اُسکی تعمیل ہو،

عربوں کا انکار | اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ قیامت اپنے اندر کتنی عظیم الشان حقیقت رکھتی ہے، لیکن اہل عرب کو توحید کے بعد سب عقیدوں سے زیادہ کد تھا

انکار تھا، اور جس کے ماننے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے، اور جو انکی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا، وہ یہی قیامت اور حشر و نشر کا مسئلہ ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت اور خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پرسش اور سزا و جزا سے قطعاً لاعلم تھے اور اسی لیے ان میں اعمال کے خیر و شر اور نیکی بدی کی وہ تمیز نہ تھی، جس پر تمام تر اخلاق و معاملات کا دار و مدار ہے، عرب کا شاعر آپ کی اس تعلیم کو سنکر تعجب سے کہتا ہے،

اموت ثم بعث ثم حشر	حدیث خرافة یا ام عمرو
کیا موت ہی، پھر جی اٹھنا ہے پھر اکٹھا ہونا ہے	اے ام عمرو! (شاعر کی بیوی کا نام) یہ خرافاتی باتیں ہیں

قریش کے ایک دوسرے شاعر[1] نے کہا،

یحدثنا النبی بان سنحیٰ	وکیف حیاة اصداء وھام
نبی ہمسے کہتا ہے کہ ہم پھر زندہ کیے جائینگے	حالانکہ صدیٰ اور ہام ہوکر پھر زندگی کیسی؟

(ان کا عقیدہ تھا کہ انسان مرکر پرندہ ہو جاتا ہے، اور آواز دیتا پھرتا ہے، اسی کا نام ان کے ہان صدیٰ اور ہام تھا)

قرآن مجید میں بھی ان کے یہ اقوال بکثرت نقل کیے گئے ہیں،

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ (ق-۱)	کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی ہو جائین گے، یہ لوٹنا بہت دور ہے
ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ، ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً، (نزعت-۱)	کیا ہم دوبارہ الٹے پاؤن لوٹائے جائین گے کیا جب ہم سڑی ہوئی ہڈی ہو جائین گے،
ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا، (اسرائیل ۵-۱۰)	کیا جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائین گے تو ہم نئے بناکر پھر اٹھائے جانے والے ہین،
مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰس-۵)	ان سڑی گلی ہڈیون کو کون جلائیگا،

ان میں بعضون کا عقیدہ دہریون کیطرح تھا کہ یہ دنیا اسیطرح قائم رہیگی، موت و حیات کا بھی سلسلہ اسیطرح برابر جاری

---

[1] صحیح بخاری جلد اول باب الہجرۃ صفحہ ۵۵۵،

رہیگا اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہین،

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا — انھون نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، دوسری نہین

وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ، (جاثیہ-۳) — مرتے ہین اور جیتے ہین اور زمانہ ہی ہم کو مارتا ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ — اور انھون نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے ہم دوبارہ

بِمَبْعُوْثِيْنَ، (انعام-۳) — نہین اٹھائے جائینگے،

اونھین اپنے اعمال کے حساب و مواخذہ کا بھی یقین نہ تھا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا، (نباء-۱) — وہ حساب کی امید نہین رکھتے تھے،

خباب بن الارت ابتدائی مسلمانون مین ہین، یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، اُن کے کچھ دام قریش کے ایک رئیس عاص بن وائل پر واجب الادا تھے، وہ جب جاکر تقاضا کرتے تو عاص کہتا جب تک تم محمد کا انکار نہ کروگے مین تمکو کچھ نہ دونگا، انھون نے کہا یہ اسوقت تک نہین ہوسکتا جبتک تم مرکر پھر جیو نہین، اس نے کہا کیا مرکر مجھے پھر جینا بھی ہے، انھون نے کہا بیشک، اس نے مذاق سے کہا تو اچھا پھر وہین میرا مال و دولت اور سروسامان ہوگا وہین تم دام بھی لے لینا[۱]، اس سے اندازہ ہوگا کہ اس بارہ مین اُن کا کفر کتنا شدید تھا، اسیلئے آنحضرت صلعم نے ان کے سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ شدت کیساتھ پیش کیا وہ یہی تھا، قرآن مجید کی مکی سورتون مین سب سے زیادہ اسی مضمون کو مختلف تعبیرون اور موثر طریقون سے روزمرہ کے عینی مشاہدات اور دلائل کیساتھ بتکرار بیان کیا گیا ہے اسمین ہیبت الٰہی، ہنگامہ قیامت اور حشر و نشر کے رستخیز کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ سننے والا سرتاپا اثر ہوجائے انسان کے عجز، عقل کے قصور، خدا کی عظمت و قدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے، کہ سامع ہر قدم پر لرزہ براندام ہوجاتا ہے، پھر ایک طرف حیات ابدی، نعیم جنت، اور بہشت کی مسرتون کا، اور دوسری طرف موت کی بےبسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی دہشت اور عذاب الٰہی کی تہدید کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا ہے کہ نفس انسانی

---

[۱] صحیح بخاری تفسیر کہیعص صفحہ ۶۹۱،

اپنے تاثر کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا،

وحیِ الٰہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات و مناظر کو سب سے پہلے جن اسباب سے پیش کیا ہے اُن سے اہلِ نظر صحابہ ناواقف نہ تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "پہلے ایک بڑی سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہانتک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو، بدکاری نہ کرو، تو لوگ نہ مانتے، یہ آیت کہ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (بلکہ اُن کے وعدہ کا وقت قیامت کی گھڑی ہے، اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی) مکہ معظمہ میں اتری اور میں اُسوقت کمسن بچی تھی کھیلتی تھی، بقرہ اور نساء کی سورتیں (جنمیں احکام ہیں) اُس وقت اتریں جب میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہنے لگی تھی۔"[1]

اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعلیمِ محمدیؐ نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں کیوں داخل کیا ہے، کہ اگر یہ تعلیم عقائد میں شامل نہ ہوتی، تو دلوں میں اعمال کی جزا و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ بیٹھتی، اور نہ احکامِ الٰہی کی تعمیل میں دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا، اور یہودیوں کی طرح جنکے صحیفوں میں زیادہ تر دنیاوی ہی جزا و سزا کا ذکر باقی ہے۔ دوسرے اہلِ ایمان کے دل بھی سخت، اور تاثر سے خالی ہو جاتے، چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن نے ہی بیان کیا ہے۔

فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ، (نحل-۳)

تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے اُن کے دل نہیں مانتے اور وہ غرور میں مبتلا ہیں،

اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ تلاوت کریں، جسکا ایک ٹکڑا یہ ہے، مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ "روزِ جزا کا مالک" اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اس کے پیروؤں کے دلوں میں پوری طرح گھر کر لے،

قیامت پر قرآنی دلائل

قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلوں سے قطع نظر کر کے عموماً دو باتوں سے استدلال کیا ہے،

اول یہ کہ انسان بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا، اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۴۸، باب تالیف القرآن،

نیکی و بدی کا فطری امتیاز لغو اور انسانی زندگی تمامتر بے مقصد اور اُس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں،

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا	(اے لوگو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور
لَا تُرْجَعُونَ (مومنون - ۶)	تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے،
أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (قیامۃ - ۲)	کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا،

دوسری بات جو اس روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے، اگر اچھے برے انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہیں، بلکہ نعوذ باللہ خدا ظالم اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادی دنیا میں بھی انسانوں کو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے، مگر تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار، بدکار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے نیکوکار، پرہیزگار اور اچھے لوگ مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں، اس لیے یقیناً یہ موجودہ زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہیں ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے جہاں ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا نتیجہ ملسکے، اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھوں اور بروں کو اُن کے اعمال کی سزا دیتے رہتے ہیں، پھر کتنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و سزا دیکر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورۂ والتین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے،

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ	لیکن جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کیے اُن کیلئے
أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ، فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ	نہ ختم ہونے والا اجر ہے، پھر اس کے بعد تجھکو کیا چیز جزا پر یقین لانے
أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ،	نہیں دیتی کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں (تمام فیصلہ
(التین - ۱)	کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں)

اسی لیے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، کہ نیک و بد کا نتیجہ عمل یکساں نہیں ہو سکتا، ایک جگہ خدا فرماتا ہے،

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ، اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ (ص - ۳)

کیا اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے انکی طرح کردین جو زمین مین فساد کرتے ہین، یا پرہیزگارون کو بدکارون کی طرح کردین،

دوسری جگہ ارشاد ہوا،

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (جاثیہ ۲)

کیا انھون نے جنھون نے گناہ کیا یہ خیال کیا کہ ہم اُن کو انکی طرح کردینگے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، اُن دونون کی زندگی اور موت برابر ہوگی؟ ان کا یہ خیال برا ہے،

لوگون کو روز جزا اور قیامت پر یقین کرنے سے جو وہم مانع تھا وہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد پھر کوئی جیتا نہیں تو قیامت کے دن کیونکر جلائے جائینگے، یہ حقیقت مین استبعادی شبہہ ہے یعنی چونکہ مرکر دوبارہ جینا اب تک انسان کے تجربہ مین نہین آیا اس لیے اُسکو دوبارہ زندگی کا خیال مستبعد معلوم ہوتا ہے، ورنہ اس کے اِن ہونی اور محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہین ہے، وحی محمدی نے اس گتھی کو اس طرح سلجھایا کہ کفار کے اس استبعاد کے وہم کو حسب ذیل مختلف طریقون سے دور کردیا،

۱- مرکر جینے کی بعض تاریخی مثالین پیش کین جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت عزیرؑ اصحاب کہف کے قصون مین مذکور ہین اور ان سے استدلال کیا کہ جب چند آدمی یا پرند مرکر جی سکتے ہین تو پوری دنیا بھی مرکر جی سکتی ہے،

۲- جس طرح زمین گرمیون مین خشک اور بے حیات ہوجاتی ہے اور پھر دفعۃً بارش کے ایک چھینٹے سے اُس مین زندگی پیدا ہوجاتی ہے، سبزے نکل آتے ہین، کھیتیان لہلہا اُٹھتی ہین، اسیطرح قدرت الٰہی کی ایک بارش زمین سے انسانی دفینون کو اگلوادیگی وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (اور زمین اپنے اندر کے بوجھون کو باہر نکالدیگی اور دوبارہ نئی زندگی پیدا کردیگی،

۳- دوبارہ زندگی پر تعجب اور استبعاد اس لیے ہے کہ خدا کے دائرۂ قدرت کی پوری وسعت ہماری سمجھ مین

نہین آئی جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیان سبزے اور درخت اگائے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا کیا وہ انکی فنا کے بعد دوبارہ انکی ایجاد پر قادر نہین ؟

۴- حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست و معدوم تھا، خدا نے اوسکو ہست و موجود کیا، پھر رفتہ رفتہ اوسکو معدوم کر دیا، تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانہ کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اوسکو پیدا نہین کر سکتا جس نے نقش اوّل بنایا کیا نقش ثانی کھینچنے پر اُس کو قدرت نہین ؟

۵- دنیا مین باری باری بہت سی قومین وجود مین آئین، اور قوانین الٰہی کے مطابق اونھون نے جسمانی زور و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت، اور سیاسی قوت حاصل کی، بڑی بڑی عمارتین بنائین، عظیم الشان تمدن کی بنیاد ڈالی، قومون کو اپنا محکوم بنا کر حکومت و سلطنت قائم کی، پھر جب انھون نے غرور و نخوت، ظلم و ستم اور دوسرے قوانین الٰہی کی جو قومون کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لیے ضروری ہین مخالفت کی تو وہ فنا کر دی گئین، اور اُن کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، عربون سے سوال کیا کہ تمھارے عاد و ثمود جو کبھی بنو سام کے مالک عراق و شام و مصر پر چھائے تھے، کیا ہوئے؟ سبا اور تبع کی عظیم الشان حکومتین کیا ہوئین؟ فرعون اور اوسکی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قوم لوط اور قوم مدین کو زمین کیونکر نگل گئی؟ قرآن نے اہل عرب سے خطاب کر کے کہا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ، (مومن ۳)

کیا یہ زمین مین چلے پھرے نہین کہ دیکھتے کہ اُن سے پہلون کا کیسا انجام ہوا، جو اُن سے قوت اور زمین مین یادگارون کے لحاظ سے کہین بڑھ کر تھے،

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ، (ابراهیم-۲)

کیا تم کو نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی، اور جو اُن کے بعد آئے جنکو خدا ہی جانتا ہے، اُن کی خبر تم کو معلوم نہ ہوئی،

یہ تو وہ قومین ہین جنکا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ مین کتنی قومون کے عروج و فنا کی

داستانین محفوظ ہین، بابلی، اسیری، اکادی اور مصری قومین جو کبھی روے زمین پر کوس لمن الملک بجاتی تھین، ہزار ہا سال سے بے نشان ہین، نارمن جیسے فاتح کیا ہوے، یونانی اور روم جو کبھی دنیا کے تنہا مالک بنگئے تھے، اب اُن کا کہین وجود ہے؟ مجوس جو روم کے مقابل صدیون تک برسر پیکار رہے، اب اُنکی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہین رہی، امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس برّ اعظم کے واحد مالک تھے، اب فنا کے قریب ہین،

الغرض جسطرح افراد جی کر مرجاتے ہین، جماعتین وجود مین آکر مٹ جاتی ہین، قومین پیدا ہوکر فنا ہو جاتی ہین، اسی طرح پوری دنیائے مخلوقات بھی ایک دن آئیگا جب قانون الٰہی کے مطابق معدوم ہو جائیگی،

جس طرح عوام جو قومون کی تاریخ سے واقف نہین صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہین، وہ گو افراد کی فنا کا یقین رکھتے ہین لیکن قومون کی فنا کے مسئلہ کو نہین سمجھ سکتے، اور اسمین شک کرتے ہین، اسی طرح جنکی نظر دنیائے خلق کی تاریخ پر نہین، وہ اس کے فنائے کامل پر اپنی جہالت اور نادانی سے اعتبار نہین کرتے حالانکہ وہ ایک دن آئیگا جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے معرا ہوکر فنا ہوجائیگی، اور کائنات کا یہ نظام بدل جائیگا، اور اس موجودۂ عالم کا قانون طبعی، ایک دوسرے قانون طبعی سے منسوخ ہو جائیگا، اور جیسا کہ سائنس کہتا ہے اور قرآن نے نقشہ کھینچا، آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور تمام اجرام فلکی ٹکرا کر چور چور ہو جائینگے، اور پوری دنیا کی عدالت قائم ہوکر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم-۷)

جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل جائیگی، اور آسمان بھی اور مخلوق اکیلے زبردست خدا کے سامنے نکل کھڑی ہوگی،

سورۂ ق مین قیامت پر استدلال انہین دلیلون سے کیا گیا ہے،

قٓ، وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ، بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ، ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ

قسم ہے اُس بڑی شان والے قرآن کی (جو مردہ دلون کو زندہ کرتا ہے) ان کافرون کو عقلی انکار نہین ہے، بلکہ اُن کو اس سے تعجب ہے کہ اُن ہین کا ایک آدمی اگر اُن کو (قیامت کا) ڈر

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا
كِتٰبٌ حَفِيْظٌ، بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ، اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ
فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ
فُرُوْجٍ، وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا
رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ
تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ،
وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ، وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ
لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ، رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا
بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ، كَذَّبَتْ
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ،
وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ، وَّاَصْحٰبُ
الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
فَحَقَّ وَعِيْدِ، اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ
هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ،

(ق - ۱)

ساتا ہی، وہ کہتے ہین کہ یہ تعجب کی بات ہی کیا جب ہم مرجاینگے
اور مٹی ہو جاینگے (تو پھر زندہ ہونگے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دور از عقل
ہی، (خدا کہتا ہی یہ تعجب کی کیا بات ہی) ہم کو معلوم ہی کہ زمین مردون
جسمون مین جو کمی کرتی ہی، اور ہمارے پاس یاد کی کتاب ہی، بلکہ بات
یہ ہی کہ اُن کافرون نے سچائی جب اُن کے پاس آئی انھون
نے جھٹلا دی، تو وہ الجھی باتون مین پڑ گئے، کیا انھون نے
اپنے اوپر کے آسمان کو نہین دیکھا کہ ہم نے اُسکو کیسا بنایا اور
کسطرح اوسکو سجایا ہی، کہ اسمین کہین سوراخ نہین، اور زمین
کو پھیلایا ہے، اور اسمین پہاڑ کے لنگر ڈالے، اور اسمین قسم
قسم کی رونق کی چیز اگائی کہ ہر رجوع ہونے والے بندہ کو اس سے سوجھ
ہو اور یاد رہے، اور آسمان سے برکت کا پانی برسایا، پھر اُس سے باغ
اور کٹنے کھیت کے اناج اگائے، اور کھجورون کے لنبے درخت
جنکے خوشے اوپر تلے ہین، یہ بندون کو روزی پہنچانے کے لئے، اور
اُس پانی سے مردہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہین، اسی طرح قبرون سے
نکلنا ہی، ان کافرون سے پہلے نوح کی قوم، رس والے اور ثمود
اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیون نے اور جنگل والون نے اور
تبع کی قوم نے اُنکو جھٹلایا، اُن مین سے ہر ایک نے پیغمبرون
کو جھٹلایا، تو میری دھمکی پوری اتری، کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے
(جو دوبارہ نہین پیدا کر سکتے) بلکہ یہ ہی کہ ان کافرون کو از سر نو

سورۂ قیامت مین بھی اسکا بیان ہے، اوسکی آخری آیتین یہ ہین:-

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ۝ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ۝ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ۝ (قیمہ-۲)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند نہ تھا، پھر بندھا ہوا خون ہوا، پھر خدا نے اسکو بنایا اور اسکو ٹھیک کیا، پھر اُس کو جوڑا کیا نر اور مادہ کیا، یہ خدا اِس پر قادر نہین کہ مُردون کو دوبارہ جلائے؟

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ۝ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (بنی اسرائیل-۱۱)

اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائین گے تو پھر نئے بناکر اٹھائے جائین گے، کیا یہ نہین دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانون کو اور زمین کو بنایا وہ اُن لوگون کے مثل کو دوبارہ بھی بنا سکتا ہے،

ایک اور جگہ فرمایا،

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (روم-۳)

اور وہی جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر اسکو دوبارہ خلق کریگا، یہ دوبارہ خلق کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے،

اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (حج-۱)

(لوگو) اگر تمکو دوبارہ زندگی مین شک ہے تو ہم تو پہلے تمکو اسی مردہ مٹی سے پیدا کر چکے ہین، (پھر دوبارہ کیون نہین پیدا کر سکتے)

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے،

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یسین-۵)

وہ بولا کون ان سڑی گھلی ہڈیون کو جلائیگا، کہدے وہی جس نے پہلی دفعہ اُن کو بنایا،

غرض وحیِ محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استعجاب اور استبعاد کو دور کیا، اور اُن کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا،

حشرِ جسمانی اس بحث پر لوگون نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی آیا اسی گوشت و پوست کے ساتھ ہوگی، یا صرف روحانی ہوگی، اور جسم و جسمانیت کا مطلق گذر نہ ہوگا؟ گو قرآن پاک کی مختلف آیتین مختلف پہلوون کو پیش کرتی ہین، جنہین اشارۃً ہر قسم کی باتین آجاتی ہین، تاہم قیامت کے متعلق اوپر کی آیتون مین سے ایک ایک آیت پر غور کرو، کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارا یہ جسم مرکر پھر جیئے گا، کیا ہماری ان سڑی گلی ہڈیون مین دوبارہ جان پڑے گی، اور ہم قبرون سے نکل کر پھر اُٹھ کھڑے ہونگے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے علاوہ، زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم اُن کے حاشیۂ خیال مین بھی نہین تھا، مگر اس کے جواب مین اللہ تعالیٰ نے یہ نہین فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو، اور انکار پر آمادہ نہ ہو، کہ تمہارے یہ فنا شدہ جسم نہین اٹھائے جائین گے، اور نہ تمہاری اُن بوسیدہ ہڈیون مین روح پھونکی جائیگی بلکہ وہ تو سراسر روحانی زندگی ہوگی، کیونکہ جب دوبارہ جسمانی زندگی کا تخیل اُن کے لیے ناقابلِ فہم تھا، تو خالص روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی اُن کے فہم سے دور تھا، اور اب بھی ہے، کہ ہم اس مادی زندگی کے جاننے والے سرتاپا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل عاجز ہین، اسلیے مصلحتِ الٰہی اسی کی مقتضی تھی کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے، اور کیسے اور کیون سے تعرض نہ کرے، اور صاحبِ فہم کو اس کے فہم کے مطابق اس راز کو سمجھنے دے، چنانچہ قرآن پاک کے اس اسلوبِ بیان کو اگر سمجھنا ہے تو ان آیتون پر غور کرنا چاہیے،

وَقَالُوٓاءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ	اور انھون نے کہا کہ کیا جب ہم زمین مین کھو جائین گے
جَدِیْدٍ ط بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ کٰفِرُوْنَ،	کیا ہم نئی پیدایش مین پھر ہونگے، (خدا فرماتا ہے یہ کچھ نہین بلکہ
(سجدہ-۱)	یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہین،

غور کرو کہ اُن کی مادی معدومیت کے بعد مادی پیدایش کے پُرتعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ شکوک و شبہات اس لئے اُن کو پیش آتے ہین کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اُس کے سامنے ہونے سے اُن کو انکار ہے، اور حواشی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہے کہ موت کے بعد اور آخرت مین خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے، اس سے اُن کو کیا مطلب کہ وہ کس طرح ہوگا؟ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ	جواب مین کہدے کہ ملک الموت جو تم پر متعین ہے وہ

ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ، (سجدہ-۱) تم کو موت دیگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے،

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ اس عقیدۂ حشر کی اصلی روح ہے،

بات یہ ہے کہ ہم انھین باتون کو سمجھ بوجھ سکتے ہین جنکی مثالین اور نظیرین اس مادی دنیا مین ہماری نگاہون سے گذرتی رہتی ہین، اور وہ عالم جو نگاہون سے مستور، بلکہ تصور سے بھی دور ہے، اُسکی باتون کو اسطرح سمجھنا کہ ہر سوال اور ہر سوال سے وہ پاک ہوجائین تقریبًا ناممکن ہے، اُن کے متعلق جو کچھ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہرستانِ وجود یعنی دنیا کے قیاس ہی پر اُس نادیدہ شہرستانِ بقا کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جائے، اور یہی محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے کیا ہے،

جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہین، اُن سے تو کچھ کہنا ہی نہین لیکن اگر کوئی جسمانی حشر کا تصور اس لئے محال سمجھتا ہے کہ عام انسانون نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہوتے نہین دیکھا، تو اس سے زیادہ محال یہ ہے کہ کوئی تنہا روحانی زندگی کو سمجھ سکے کہ کسی انسان نے آج تک کسی انسان کو روحانی وجود مین نہین دیکھا، بلکہ وہ اُس کا تصور تک بھی نہین کرسکا ہے، وہ جب انسانی زندگی کا تصور کریگا تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کرے گا، اُن سے مجرد ہوکر نہین کرے گا،

موت جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت مین نئی زندگی ملے گی، تو ظاہر ہے کہ پہلی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت و کیفیت ہوگی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم سے پیدا کیا جائے، ورنہ غیر جسمانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی، اب نئی بات کیا بڑھ گئی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا جائے،

گو روحِ انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے، مگر ہر فاعل کے فاعل بننے کے لیے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح روح اپنے فعلِ لذت والم کے انجام دینے کے لیے جسمانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے کہ لذت والم کا کوئی روحانی احساس جسمانیت کے شائبہ سے مبرا ہوکر ہو ہی

نہین سکتا، اس بنا پر روح محض کا جنت کی لذتون سے متمتع یا دوزخ کی تکلیفون سے متالم ہونا کسی جسمانی وساطت کے بغیر تصوّر مین نہین آتا، خواب مین دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے، انہین بھی جسمانی پیکر و ہیکل کی صورت نمودار ہوتی ہے،

جسم جدید حشرِ جسمانی ماننے کے بعد یہ بحث بیسود ہے کہ آیا وہی جسم دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا جس کے قالب مین وہ روح پہلے دنیا مین رہی تھی، یا کسی دوسرے نئے جسمانی پیکر مین وہ روح پھونکی جائے گی، یا یہ کہ آیندہ جسم اپنی مادیت اور ترکیب مین اسی دنیاوی جسم کے مماثل ہوگا، جب کہ یہ حقیقت ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے جسم پر نہین، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اصلی مورد روح ہے جسم نہین، تو پھر اب وہ کسی قالب مین بھی ہو اور کسی رنگ مین بھی ہو روح پر مواخذہ، اور ثواب و عذاب کی لذت والم کا احساس یکسان ہوگا البتہ یہ ضرور ہے کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا مین ملیگا اسکی خصوصیات و لوازم اس خاکی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہونگے، چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب و رؤیا مین جو جسم ہمکو نظر آتا ہے، وہ جسم ہوکر نظر آنے کے باوجود مادی جسمانیت سے سراسر پاک ہوتا ہے، اسلیے فقط جسم کے بولنے سے انہین خصوصیات کا جسم سمجھ لینا ضروری نہین ہے، اور نہ اس جسم پر جسمانیت قیاس کرکے اس جسم پر اشکالات پیش کئے جا سکتے ہین،

خلقِ جدید چنانچہ جو جسم قیامت مین عنایت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا، اسی لیے قرآن نے منکرون کے جواب مین یہ کہا ہے، کہ

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (ق-۱) — بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک مین ہین،

منکرین کی زبان سے کہلوایا،

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (اسراء-۵) — کیا ہم درحقیقت نئی آفرینش کرکے اٹھائے جائینگے،

ایک دوسری سورہ مین یہ تلقین ہے، کہ

اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (سبا-۱) — بیشک تم ایک نئی آفرینش مین ہونے والے ہو،

پھر تمثیل دے کر فرمایا،

كَمَا بَدَأْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ، (انبیاء - ۷)
جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا، اسی طرح ہم اُس کو دوبارہ بنائین گے،

اس لیے اُس عالم کی اس نئی خلقت و پیدائش والے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہین ہے، اور نہ اس خاکی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اُس جسم مین ہونا ضروری ہے، اُس کو اگر اس عالم کے لفظ "جسم" سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو اس لیے کہ ہماری زبان مین رُوح کے غلاف و قالب کے لیے جسم سے بہتر، قریب تر، اور مشابہ تر کوئی دوسرا لفظ نہین، یہ بات کہ حشر مین بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لیے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب مین شریک ہون، تصریحِ قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن مین تو یہ تصریح ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ، (نساء - ۸)
بے شبہہ جو لوگ ہماری آیتون کے منکر ہوئے ہم اُن کو آگ مین ڈالین گے، جب جب اُنکی کھالین پک جائینگی، ہم اُن کو اور کھالین دینگے، جو پہلی کھالون کی غیر ہونگی، تاکہ وہ عذاب چکھین، بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے،

جب کھالین یکے بادیگرے بدلتی جائینگی، تو وہ پہلا اصلی حصۂ جسم جو گناہ مین شریک تھا کہان باقی رہا؟ اسیطرح یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤن اور کھالین اُس کے اعمال پر شہادت دینگی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہے اور وہ روحِ انسانی ہے،

ذمہ داری روح پر ہے | یہی سبب ہے کہ موت و حیات، عذاب و ثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بتایا ہے وہ نفس یعنی رُوح ہے،

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ، (زمر - ۶)
تو (قیامت مین) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے افسوس اس پر کہ مین نے اللہ کے پہلو مین کمی کی،

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ، (حشر - ۳)
اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اُسنے کل (قیامت) کیلئے کیا آگے بھیجا،

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (تکویر-۱) (اُس دن) ہر نفس جان لیگا جو اُس نے حاضر کیا،

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ، (اس دن) ہر نفس جان لیگا جو اُس نے آگے بھیجا،

(انفطار-۱) اور پیچھے چھوڑا،

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا، (انبیاء-۴) (تو اُس دن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا،

جنت کی نسبت ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کوئی نفس نہین جانتا کہ اُن کے لیے (جنت مین) کیا

(سجدہ-۲) آنکھون کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے،

ان آیتون مین دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور برے نتیجون کا بار جسم پر نہین، بلکہ روح اور نفس پر ڈالا گیا ہے، اور اسی کو تکلیف و لذت سے آشنا کیا گیا ہے، جنت مین داخلہ کی خوشخبری بھی اُسی کو دیگئی ہے،

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ، اے مطمئن روح! میرے بندون مین شامل اور میری

(فجر-۱) جنت مین داخل ہوجا،

دنیاوی جسم بدلتے رہنے پر بھی وہی جسم رہتا ہے

غرض اعمال اور اُن کے نتائج کی اصلی ذمہ داری، اور جنت و دوزخ کی لذت و الم کی اصل احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے، اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس و آلۂ احساس کی ہے، اس سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہین، یہ جسم لاکھ بار بدلے، مگر روح اگر وہی ہے تو وہ انسان وہی ہے، اور اسی کو اپنی ذمہ داری کی جزا و سزا ملنی ہی ہے،

جو لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصل زور جسم پر دیتے ہین، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر مین اگر روح کا خزانہ چھپا نہ ہوتا تو اس مشت خاک مین دھرا کیا ہے، دیکھو کہ انسان بچپن سے لیکر بوڑھاپے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اسکی جسمانی ہیئت اور اُس کے جسم کا مادہ ہر آن اور ہر لمحہ فنا ہو کر بدلتا رہا، اور بیماریون مین وہ سوکھ کر کانٹا ہوگیا، پھر تندرستی کے بعد نئے ذرات داخل ہو کر لہلہائے، تم غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال مین وہی جسم یکسان طور پر قائم ہے، حالانکہ

حلیم سے پوچھو تو وہ بتائے گا کہ اُس کے ذرّے کیونکر ہر آن مین جھڑتے اور گھستے رہے، اور جو خوراک وہ کھاتا رہا، وہ خون ہو کر کیونکر بدل ما یتحلل بنکر اُن کی جگہ لیتی رہی، پھر کیا ایسے ہر آن فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدل جانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور اُنکے نیک و بد کی اصلی جزا یا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے، لیکن جس طرح دنیا مین اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا اور چند سال کے بعد پکڑ کر جب لایا گیا، تو وہ یہ عذر نہین کر سکتا کہ جو وہ ہاتھ جس سے اس نے چوری کی تھی اور وہ پاؤن جن سے وہ مال لیکر بھاگا تھا، اس عرصہ درازمین بدل گئے ہین، اس لیے وہ لائق تعزیر نہین، کیونکہ وہ رُوح جس نے اپنے ارادہ و نیّت سے اس کام کو اپنے ہاتھون اور پاؤن کے ذریعہ کرایا تھا، وہ جس طرح کل تھی بعینہٖ آج بھی ہے، اور جو تکلیف اُس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی، آج بھی بعینہٖ وہی اُس کو پہنچ سکتی ہے، اور اس جسمانی تغیّر سے اُسکی روحانی شخصیت مین اصلاً کوئی فرق نہین پیدا ہوتا، اس لیے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر زور دینا بے سود ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جسم اگر بدل بھی جائے تو اعضاء کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح ہو گا، جسم کے اجزاء دنیا مین بدلتے جاتے ہین، مگر جو بیماری اگلے اجزاء مین پیدا ہو گئی تھی وہ اُن کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، مٹ نہین جاتی، بلکہ وہی اُن کے بعد کے آنے والے اجزاء مین برابر سرایت کرتی رہتی ہے،

اُخروی جسم کیسا ہو گا روحون کو آخرت مین جو جسم ملین گے وہ حقیقت مین اُن کے اعمال ہی کے ظل و عکس ہونگے، یعنی جیسے اعمال ہونگے، ویسے ہی اُنکو جسم عنایت ہونگے، چنانچہ دنیا کے جسمانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا مگر اُس دنیا مین اُس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و سپیدی کی صورت مین بدل جائیگا، فرمایا:-

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ وَ	کتنے چہرے اس دن روشن ہنستے اور شاد ہون گے،
وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ،	اور کتنے چہرون پر اُس دن کدورت ہو گی، اور اُن پر
(عبس-۱)	سیاہی چھائی ہو گی،
يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ	جس دن کتنے چہرے سپید ہونگے، اور کتنے کالے [illegible]

اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، (آل عمران - ۱۱)

چہرے کالے ہوئے کیا تم وہ ہو جو ایمان کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے، تو اپنے کفر کرنے کے بدلہ عذاب کا مزہ چکھو، اور لیکن جنکے چہرے سپید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت مین ہونگے، اُسی مین سدا رہین گے،

صحیح حدیثون مین ہے کہ جنت مین سب لوگ جوان بنکر داخل ہونگے اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہین آئیگا، اُن کا قد حضرت آدمؑ کے اولین بہشتی قد کے مطابق ہوگا، دوزخیون مین سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا کسی کا ایک پہلو مفلوج ہوگا کسی کے ہونٹ لٹکے ہونگے، دل کے اندھے آنکھون کے اندھے بنکر اٹھین گے، سزاؤن کے بعد جب اُن کے جسم چور چور ہو جائین گے تو پھر اُن کے جسم صحیح و سالم نمودار ہونگے، اور پھر اُن کی وہی کیفیت ہوگی، یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے کو بڑا سمجھے ہین وہ چیونٹی بنکر قیامت مین اٹھین گے، ان تمام شواہد سے ہویدا ہے کہ اُس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے اس دنیاوی جسم کے مطابق نہین بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہونگے،
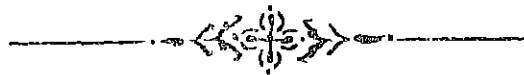
جزا اور سزا

"یوم آخر" یا "یوم دین" پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کرین کہ اُن کے ہر عمل کا بدلہ ہے، کچھ اس دنیا مین، اور پورا دوسری دنیا مین، اسی کا نام جزا و سزا ہے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اسلام کیساتھ اس مسئلہ مین ہمنوا ہین،

جزا و سزا دیگر مذاہب مین

اور درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اور اچھا یا برا جیسا کام اُس سے صادر ہوگا اُس کے مطابق اسکا اچھا یا بُرا معاوضہ اُس کو دوسری دنیا مین ضرور ملے گا، اس عقیدہ کا نشان مصر و بابل جیسی دنیا کی قدیم قومون مین بھی ملتا ہے، ہندوستان کے مذاہب مین اس دوسری دنیا کو دوسرے جنم سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اُس کے اچھے یا برے کامون کے مطابق اُس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب مین جا کر اپنے عمل کا نتیجہ بھگتی ہے، اور پھر انسانون کے قالب مین لائی جاتی ہے، اور کام کرتی ہے، اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہین، اُس کو یم لوک مین جانا پڑتا ہے، جہان نرک (دوزخ) ہین، وہان وہ ہر قسم کی سزا بھگتتی ہے، بعد ازین اپنے بعض اچھے کامون کی بدولت چندر لوک (چاند کی دنیا) مین جاتی ہے، جب روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہین، وہ اس دنیا مین ہوا، بادل، اور بارش کے ذریعہ سے زمین مین دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے روپ مین سزا پاتی ہے، اور پھر چھوٹ کر انسان بنتی ہے، یہانتک کہ اُس کے کام اتنے اچھے ہو جائین کہ وہ سزا کے قابل نہ قرار پائے، اس وقت وہ مادی قالبون کی قید سے نجات پا کر سورج لوک، اور چندر لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤن مین جا کر آرام کرتی ہے، اور پھر اپنے علم و عمل کی کسی کمی کے سبب سے بادل، ہوا، اناج یا کسی دوسرے

مخلوقات کے قالب مین ہوکر اس کو اُس دنیا مین پھر آنا پڑتا ہے، اور پھر وہی عمل اور سزا اور نئے نئے جنم مین پیدا ہوکر سزا بھگتتی ہے، اور اُس وقت تک اس آمد و رفت اور آواگون کے چکرون مین پھنسی رہتی ہے جب تک اُس سے اچھے یا برے کامون کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس لئے کامل اور دائمی نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان سے اچھا یا برا کوئی کام ہی صادر نہ ہو، یہی ترکِ عمل، روح کو مادہ کی قید سے آزاد کرکے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا (موکش) دلاتا ہے، یہانتک کہ یہ موجودہ مادی دنیا پرلے (قیامت) کے بعد جب پھر نئے سرے سے بنیگی تو پھر وہی عمل اور سزا اور جنم کے آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اسی طرح چھٹکارا پائے گی اور پھر دوسرے پرلے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ جاری رہیگا،

یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، اِلّا یہ کہ ہمالہ کی چوٹی یا غار مین بیٹھکر ترکِ عمل کے ذریعہ خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے، لیکن اگر اس اصولِ نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارستان دم کے دم مین خارستان بنجائے، اور ہر قسم کا کاروبار معطل ہوکر یون بھی دنیا فنا کے قریب آجائے، اور بدی کیساتھ نیکی کا وجود بھی دنیا سے مٹ جائے، اور باینہمہ دائمی و ابدی نجات میسر نہ ہو، کیونکہ ہر پرلے کے بعد وہی جنم، اور کرم، اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے[۱]،

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے دنیا کو نجات دلائی ہے، اُنھون نے اس موجودہ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے، جسمین انسانون کو اپنے اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزا ملیگی، مختلف زردشتی فرقون نے آرین نسل ہونے کے باوجود ہندؤون کے تناسخ کے بجائے مختلف سامی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے، اور خصوصاً بعد والون نے اسلام کے عقائد کو "ارداے ویراف نامہ" کے عجیب و غریب مشاہدات کا رنگ دیکر اور اُس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دیکر تمام تر قبول کر لیا ہے[۲]،

---

[۱] تناسخ کے رد مین الندوہ مئی، جون ۱۹۰۶ء مین ایک مضمون ہے، [۲] دبستان المذاہب کا مصنف جو زردشتی مذاہب کی پوری واقفیت رکھتا تھا، اس نے اپنی کتاب مین اس کی پوری تفصیل درج کی ہے،

صحیفۂ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت میں داخلہ کا اشارہ ہے (تکوین ۲-۱۹)
علیٰ ہذا حضرت موسیٰ ؑ کے صحیفون مین اُخروی جزا و سزا کے اصول مذکور ہین، نیکوکارون کے لیے ایک "ستھری آبادی"
جسمین دودھ اور شہد کی نہرین بہتی ہین، مذکور ہے، اور بدکارون کے لیے ہلاکت اور بربادی اور دردناک عذابون
کی بھی خبر ہے، مگر مترجمون نے ہر جگہ اُس کو دنیاوی ہی ثواب و عذاب بلکہ ارضِ موعودہ کی ظاہری سلطنت کے
معنون مین کر کے دکھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات مین یہ بے جوڑ سی بات ہو کر رہگئی ہے، حضرت آدمؑ کی جنتِ
عدن اور اس کے چار دریاؤن کا ذکر تکوین کے دوسرے باب مین ہے، علاوہ ازین توراۃ مین موت کے بعد
کی زندگی کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابراہیمؑ (پیدائش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۴۹-۳۳) کی موت
کی تعبیر ان لفظون مین کیگئی ہے، کہ "جان بحق ہوا، اور وہ اپنے لوگون مین جا ملا" ساتھ ہی "ہمیشہ کی بھلائی" (استثنا ۶-
۲۴) کا بھی تذکرہ ہے، اور "جہنم کی آگ" (استثنا ۳۲-۲۲) کا بھی بیان ہے، اور ہر ایک کو "اُس کے عمل کا بدلہ" دیئے
جانے کی بھی تصریح ہے (یرمیاہ ۱۷-۱۱) رُوح کی بقا اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی اُن کے صحیفون مین موجود ہے،
(واعظ ۳-۲۱) مرنے کے بعد رُوح کے، خدا کے پاس واپس پھر جانے کا بھی ذکر ہے، (واعظ ۱۲-۷) اور انسان کے اپنے
ابدی مکان مین جانے کا بھی تذکرہ ہے، آخر مین ہے "خدا سے ڈر اور اس کے حکمون کو مان، کہ انسان کا فرضِ
کلّی یہی ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کیساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت مین لائیگا" (واعظ ۱۲-۱۳، ۱۴)
زبور مین خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہین، امثالِ سلیمانی مین ہے، کہ "انسان کی راہین خداوند کی
آنکھون کے سامنے ہین، اور وہ اُسکی ساری روشون کو جانچتا ہے، شریر کی بدکاریان اُسکو پکڑ لینگی، اور وہ اپنے ہی
گناہون کی رسیون سے جکڑا جائے گا، وہ بے تربیت پائے مر جائے گا، اور اپنی جہالت کی شدت مین بھٹکتا پھرےگا
(۵-۲۱) دانیال مین ہے کہ "اس وقت بہتیرے جو زمین مین خاک پر سو رہے ہین، جاگ اُٹھین گے، بعضے حیاتِ
ابدی کے لیے اور بعضے رسوائی اور ذلت کے لیے" (۱۲-۲) حزقیال (۲۸) مین جنت کی طلائی اور جواہرات کی بنی
ہوئی عمارتون کے اشارات ہین،

حضرت مسیح سے پہلے یہودیون مین صدوقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا، جس نے حکمران یونانیون کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اُن کی بعض باتین قبول کر کے یہودی تعلیم مین شامل[1] کین منجملہ ان کے وہ قیامت اور حیات اُخروی کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علیحدہ رہنے والا) کہا، اپنے پرانے عقیدون پر قائم رہا، اور قیامت، حیاتِ اخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور مانتا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین فریسی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور وہان بہشتیون کو اُن کی بیویان واپس ملین گی (مرقس ۱۲-۲۴) یہودیون کی پچھلی کتابون مین جزا و سزا کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ مین بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہود کیسے ہی گنہگار ہونگے مگر چند روز سے زیادہ وہ دوزخ مین نہین رہینگے، (بقرہ ۸-۹ و آل عمران ۳) یہ چند روز باختلافِ روایت تین روز، چالیس[2] روز یا گیارہ[3] مہینے ہین،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد مین یہودیون کے ان دونون فرقون کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے، اور دونون ایک دوسرے کی تردید و ابطال مین مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر صدوقیون کے اس عقیدہ کی تردید کی، اور قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ مین جنت دوزخ کی پوری تصویر کھینچی،

حضرت عیسیٰ ع کے اس جواب سے جو انھون نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ "اس دنیا مین لوگ شادی اور بیاہ نہین کرینگے، بلکہ فرشتون کے مانند رہین گے"، ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ع نے جنت کو صرف روحانی وجود بخشا ہے، مگر درحقیقت ایسا نہین ہے، حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب مین اپنے شاگردون کے ساتھ بیٹھکر جب انگور کا افشرہ پیتے ہین، تو کہتے ہین:-

"مین تم سے کہتا ہون کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیون گا، اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت

---

[1] برٹش انسائیکلوپیڈیا مضمون صدوقین، (صدوکیز) [2] کتب تفسیر مین ان آیتون کی تفسیر دیکھو، [3] سیل کا ترجمۂ قرآن حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸،

مین تپایا ہون" (متی ۲۶-۲۹)

حضرت عیسیٰ یہودی علماء کو خطاب کر کے فرماتے ہین:-

"اے سانپو اور لے سانپون کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگوگے" (متی ۲۳، ۳۳)

حضرت عیسیٰ اپنے ایک وعظ مین دوزخ کا ایک منظر دکھاتے ہین، اور فرماتے ہین:-

"اُس نے دوزخ کے درمیان عذاب مین ہو کے اپنی آنکھین اوٹھائین اور ابراہام (حضرت ابراہیمؑ) کو دور سے دیکھا اور اُس کی گود مین لعزر کو، اور اُس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہام مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ مین اس لو مین تڑپتا ہون" (لوقا ۱۶-۲۳)

مکاشفات یوحنا مین دوزخ کو "آگ اور گندھک" کہا گیا ہے (۱۴-۱۰) اور متی کی انجیل مین اس کے دروازے بھی بتائے گئے ہین (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور اسکی طلائی وجواہراتی تعمیر، اور نہر آب حیات کا ذکر مکاشفات کے اکیسوین باب مین ہے، اور وہان کے انگوری افشردہ کا بیان متی مین ہے (متی ۲۶-۱۹) وہان کے آب سرد کا ذکر بھی انجیل مین آتا ہے (لوقا ۱۶-۲۴)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کے حساب لئے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی حواریون کے خطوط مین موجود ہے؛

"مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہون کا حساب خداوند نہ لیگا" (رومیون ۴-۸)

"سو ہر ایک ہم مین سے خدا کو اپنا حساب آپ دیگا" (رومیون ۱۴-۱۲)

"لیکن وے اُس کو جو زندون اور مردون کا انصاف کرنے پر تیار ہے، حساب دینگے" (اول پطرس ۴-۵)

اس باب مین اسلام کا تکمیلی پہلو یہ ہے کہ اُس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کیساتھ بیان ہی کیا بلکہ اُس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کئے، گذشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل تحقیقین کین، اُن کے نقائص کی تکمیل کی، اور سزا و جزا کے اصول اس طرح صفائی سے بیان کئے، کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو تشکوک و شبہات سے پاک ہوگیا

آیندہ مباحث کے سمجھنے کے لیے، پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں،

عالم آخر کا فہم و ادراک

اُس عالم آخر مین جو کچھ ہوگا، وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ و زیر مشاہدہ مادّی عالم سے بالکل الگ ہوگا تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کی وجہ سے وہ اسی زبان و محاورات مین ادا کیا گیا ہے، جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہین، اس لیے ان الفاظ کے ساتھ جو مادی خصائص و لوازم مستلزم ہوگئے ہین یا ہم اُن کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا مین عادی ہوگئے ہین، ان لفظون کو سنکر ہم بعینہ وہی سمجھنا چاہتے ہین جو اس دنیا مین اُن لفظون سے سمجھتے رہے ہین، اور اسی سبب سے بعض کم فہم وہان کے وقائع و احوال کا بیان سنکر اُن مین سے بعض امور کو محال اور ناممکن کہہ اُٹھتے ہین، اور بعضے اُن کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہین کہ لفظ و معنی مین ادنیٰ اشتراک بھی باقی نہین رہتا، یہ دونون راستے سخت خطرناک ہین، اسی لیے وحیِ محمدی نے ان نازک و دقیق اسرار کے بیان مین انسانی فطرت کی کمزوریون کا پورا لحاظ کیا ہے، نہ تو یہودیون کی طرح اُس نے ان واقعات کو سرتاپا مادی کہکر اُس عالمِ آخرت کو بھی سرتاپا یہی عالمِ آب و گل بنا دیا ہے، اور نہ عقل و خرد کے بعض نادان مدّعیون کی طرح اُن کو مادہ سے اتنا بلند و برتر کیا ہے کہ اُن کا وجود ہی موہوم و فرضی ہو جائے، بلکہ انسانی عقلون کے اختلافِ مراتب کا لحاظ کرکے بزم کے اہلِ نظر اور تماشائیون دونون کی تشفی اور تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے،

ان اُخروی وقائع کے مختلف الخیال مفہومون اور مصداقون کا لحاظ کرکے وحیِ محمدی نے ایسے جچے تلے الفاظ اختیار کیے ہین، جن سے ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے، اور ایک عامی بھی، اور دونون اپنی اپنی جگہ پر اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہین، اور ایک ایسے مذہب کے لیے جو سارے انسانی طبقون کو اپنا مخاطب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی وسعت کی ضرورت تھی، تاکہ وہ سب کے لئے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام اُخروی واقعات کو جن الفاظ مین بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ طبعًا وہی الفاظ ہو سکتے ہین، جن کے ساتھ اس دنیا مین تمامتر مادی ماحول، مادی مفہوم و مصداق، اور جسمانی تخیلات ہر چار طرف سے لپٹے ہین، ان لفظون کے سننے کیساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن مین آتا ہے، وہ سرتاپا انھین مادی قیود و لوازم کے ساتھ آتا ہے، ہم جب "آگ"

کا لفظ سنتے ہین تو معًا اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن مین آتا ہے جسکو ہم یہان دیکھتے ہین، جو انسانون اور درختون کو اور ہر چیز کو جو اُس کے اندر ہوتی ہو بلا تمیز یکسان جلا دیتی ہے، مگر اخروی آگ ایسی نہ ہوگی، اُس کے اندر بعض درخت ہونگے جو نہین جلین گے، وہ صرف گنہگار انسانون کو جلائیگی، کسی کے پاؤن کو چھوئیگی، کسی کی کمر تک آئیگی، کسی کے گلے تک پہنچیگی اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اُس کے مقابلہ مین ٹھنڈک ہے، "وزن" کا لفظ سننے کے ساتھ ہمارے سامنے اس عالم مین تولنے کی ساری خصوصیتین آجاتی ہین، ترازو، پاسنگ، پلّے، ڈنڈی اور تولی جانے والی چیز مین جسمیّت اور ثقل کا ہونا، اسی طرح نامۂ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہین گے تو کاتب کی انگلیان، قلم، دوات، سیاہی، کاغذ اور حروف کی ساری قیدین ہمارے ذہن مین آئینگی، اس بنا پر ان الفاظ کے سراسر لغوی معنون اور اُن کے قریب الفہم مجازی معنون کے سمجھنے مین اختلافِ آرا کی بڑی گنجایش ہے، اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے اُن کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہوجائے، باایں ہمہ اُن لوگون کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلّی پانا چاہتے ہین، جنکے وہ الفاظ متحمل ہوسکتے ہین کہ اگر مرادِ الٰہی یہی تنگی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ انسانی عقلون کے اس اختلافِ مراتب کا لحاظ کئے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ مین ظاہر فرما سکتا تھا، مگر ایسا نہین کیا، تاکہ اسلام تمام مختلف العقول انسانون کے لیے عالمگیر ثابت ہوسکے،

ایک دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عالمِ آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے مین اشکالات و اعتراضات اسلیے پیش آتے ہین کہ ہم وجود اور اُسکے موجودہ تمام قوانینِ فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہین کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائے گا تو معًا اُس کے وہی خصوصیات و لوازم سامنے آئین گے جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا مین عادی ہین، حالانکہ اربابِ عقل نے یہ طے کردیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے معلولات و مسبّبات اور اُن کے موجودہ علل و اسباب مین جو لزوم ہے وہ محض عادی ہے یعنی اس لیے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہین، یہ نہین کہ اس لئے یہ ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے،

اس بناپر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لیجائے کہ موجودہ مادّی دنیا مین جو قوانینِ فطرت اور علل و اسباب اور اُن کے نتائج کارفرما ہین، وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہین، اگر خدا تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے یا نیا عالم خلق کرے تو ضروری نہین کہ یہی موجودہ قوانینِ فطرت وہان بھی کارفرما ہون، بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اُس نئے عالم مین نئے قوانین پر عمل ہو، نئی خصوصیات کے جسم ہون، نئی قسم کی زندگیان ہون، نئی قسم کی آگ ہو، نئی قسم کے باغ اور اُن کے پھل ہون، نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہون، نئے علل و اسباب ہون، اور نئے قوانینِ فطرت ہون، وحیِ محمدیؐ نے اس نئے عالم کے متعلق کہا ہے،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ — جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائے گی، اور آسمان،

(ابراھیم - ۷)

تو کون کہہ سکتا ہے کہ اُس نئی زمین اور نئے آسمان مین بھی وہی مادّی قانون جاری ہونگے، جو اس موجودہ زمین و آسمان مین جاری تھے، اس بناپر جسمانیت و مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آیندہ حیات کے متعلق اشکالات جو اس دنیا اور اس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہین، بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہین،

اس ضروری تمہید کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے، وھو الھادی الی الصواب،

اصولِ جزا | اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے، جس کو اہلِ فلسفہ قانونِ قدرت اور اہلِ مذہب تقدیر اور اندازۂ الٰہی کہتے ہین، اسی طرح اُس نے اپنے ہر عالم کے لیے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے، جس کے مطابق اُس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے، انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصولِ فطرت صرف مادّیات تک محدود ہین، حالانکہ مادّیات ہون یا روحانیات، ذہنیات ہون یا عملیات، ہر ایک مین یہ یکسان جاری و ساری ہین، جس طرح یہ قانونِ فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا جسم مرجاتا ہے، اسی طرح یہ بھی اصولِ فطرت ہے کہ گناہ سے اسکی روح مرجاتی ہے، اور جس طرح اصولِ حفظانِ صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہوجاتا ہے، اسی طرح اصولِ تزکیۂ قلب کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہوجاتا ہے، پھر جس طرح دوا و اصولِ حفظانِ صحت

کی پابندی کر وہ اپنی جسمانی بیماری کے آلام سے نجات پاتا ہے، ایسا ہی روحانی تدابیرِ علاج کے ذریعہ بھی وہ شفایاب ہوتا ہے،

اعمال کے لوازم و نتائج

غرض جسطرح دنیا مین ہر چیز کی ایک خاصیت ہے، اور وہ جب یہان وجود پذیر ہوتی ہے، تو اُس کے ساتھ اُس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہین، انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم ہین جو اُس سے الگ نہین ہو سکتے، غرور اور خاکساری، بخل اور فیاضی، انتقام اور عفو، شجاعت اور بزدلی، تقوی اور فسق، ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک اثر و نتیجہ ہے، اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہین، جو اس سے اسیطرح الگ نہین ہو سکتے، جس طرح سنکھیا سے سمیت، شکر سے مٹھاس، اور آگ سے حرارت جدا نہین ہو سکتی، اور ان معنوی، روحانی اور نفسیاتی چیزون مین علت و معلول کا وہی لزوم ہے، جو جسمانی، مادی اور طبیعیاتی اشیا مین ہے، اشخاص کی نیکوکاری و بدکاری، اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہین، وہی جماعتون اور قومون کی صلاح و فساد، اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہین، جس طرح ایک سائنٹسٹ (حکیم) کا کام اُن مادی فزیکل اصول کو جاننا اور بتانا ہے، اور اُس کی اس تعلیم کا نام ہماری اصطلاح مین حکمت (سائنس) ہے، اسی طرح ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا، انبیا علیہم السلام کا کام ہے، اور ان کی اس تعلیم کا نام شریعت ہے، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کے متعلق وہی یقین ہونا چاہئے، جو ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص اور آثار کے متعلق ہوتا ہے، سائیکالوجی (علم النفس) اور سوشیالوجی (علم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے مین اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے،

عقاب و ثواب ردِ عمل ہے

الغرض یہ مادی و جسمانی دنیا علت و معلول، عمل اور ردِ عمل کے جس اصول پر مبنی ہے، اوسکی وسعت کے دائرہ مین انسان کا ہر قول اور انسان کا ہر عمل شامل اور داخل ہے، یہی سبب ہے کہ گناہ کے لازمی نتیجہ کا نام اسلام مین عقاب، اور اعمالِ صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب رکھا گیا ہے، قرآن نے انھین دونون اصطلاحون کو بار بار استعمال کیا ہے، عقاب کا لفظ عَقَبْ سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہین، اس لیے عقاب اُس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے، اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی

لوٹنے کے ہیں، اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ، اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے،

اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جاثیہ۔۴) جو تم کرتے تھے وہی بدلہ پاؤگے،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردّ عمل (ری ایکشن) کا نام ہے ایک اور جگہ ہے،

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى، (طٰہٰ۔۱) تاکہ ہر جان کو اُس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی،

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا تمامتر ہمارے دنیاوی اعمال کے آثار و لوازم ہیں،

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ، (نحل۔۴) تو ان کے برے کام اُن پر پڑے، اور اُن کا ٹھٹھا کرنا اُن پر اُلٹ پڑا،

غرض جزا و سزا انھیں اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے گویا اسی اصول کی تشریح میں یہ اشارہ فرمایا، کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ "اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر یہاں دے رہا ہوں، تو جو کوئی جزائے خیر پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کرے"۔[۱]

حصول راحت کا اصول یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہیں، جب اُس کی خاطر ہم اس سے چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو برداشت، اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لیے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو قربان کرتے ہیں، عاجلہ یعنی موجودہ، اور آخرۃ یعنی آیندہ ان دونوں کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے تو دون ہمت اور پست خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ) راحت کو پسند کرکے آیندہ راحت کی فکر نہیں کرتے، کہ اُن کی نگاہ میں موجودہ راحت گو چھوٹی ہو مگر نقد ہے، اور آیندہ کی راحت گو بڑی اور خوش آیند ہو، مگر وہ نسیہ ہے، اور اُن کا اصول یہ ہے کہ "نقد را بہ نسیہ مگذار" لیکن بلند ہمت اور عالی حوصلہ طبائع کا طریق عمل اس کے بالکل برخلاف ہے، فاتح اور

---

[۱] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و مسند ابن حنبل ج ۵ ص۱۵۴ و ص۱۶۰ و ۱۶۵ ادب المفرد بخاری باب الظلم،

کشورکشا آج اپنی جانون کو جوکھم مین ڈالتے ہین تاکہ کل سلطنت اُن کو ہاتھ آئے، تاجر اور سوداگر آج اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کردیتے ہین تاکہ دولتِ فردا سے وہ بہرہ مند ہون، ہر مہذّب انسان اپنے بچّہ کو بیس پچیس برس تک تعلیم و تربیّت اور مشق و امتحان کی مصیبتون کی آگ مین بے تامّل جھونک دیتا ہے تاکہ اُس کی آیندہ کی زندگی راحت و مسرت مین بسر ہو، لوگ اپنے سرمایۂ عزیز کو تکلیفین اٹھا اٹھا کر جمع کرتے جاتے ہین تاکہ کل اُس سے زیادہ ضروری موقع پر اُس کو کام مین لاسکین، اور تنگدستی کی بڑی تکلیف سے بچ سکین،

غرض اگر انسانون کی تمام کوششون پر ایک غائر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول اُن کے اندر جاری و ساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لیے برداشت کرلیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے رہائی ملے، اور چھوٹی چھوٹی خوشیون کو اس لئے برباد کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو، اور عارضی کامیابیون کو اس غرض سے قربان کیا جائے، کہ کوئی پائدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو، مگر یہ جبھی ہوسکتا ہے کہ آیندہ کی خوشی و کامیابی کی فراوانی اور اُس کے دوام و پائداری کا ہم کو یقین ہو، کہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس ایثار و قربانی پر آمادہ نہ ہون، اسی کے لیے ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر یہ یقین پیدا ہوجائے، اور ہم اس ایثار و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کرلین، جن لوگون مین یہ یقین پیدا نہ ہوگا، اُن سے یہ عظیم الشان قربانی بھی نہین ہوسکتی، اسی لئے گنہگار انسانون کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے،

کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (قیامت-۱) ہرگز نہین بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے محبت رکھتے ہو، اور آیندہ زندگی کو چھوڑتے ہو،

حالانکہ انسان اسی اصولِ کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات مین بھی برتے تو اُس کی کامیابی مین کوئی شک نہ رہے، آیندہ کا خیال کرکے موجودہ سے دست بردار ہوجانا ہی کامیابی کی کنجی ہے، اور اسی اصول کے تحت مین دین و دنیا کی تمام نیکیون اور کامیابیون کا راز پوشیدہ ہے، موجودہ عارضی لذت کو آیندہ کی دائمی لذّت پر اور حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان کردینا وہ سچائی ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف

نہین کرسکتا، تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو، ورزش اور دوڑ دھوپ کی محنت کو اس لیے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے، غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفون کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی، اور آج کی عارضی خوشیون کو قربان کرو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہوگی، یہی وہ فلسفہ ہے جس کو قرآن نے اس آیت مین ادا کیا ہے،

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۔ اور خدا نے اُن کے صبر کرنے پر اُن کو باغ اور ریشم کے کپڑے مزدوری دی،

(دھر - ۱)

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیون کی قربانی تاکہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو، اور یہان اداے نیکی اور احتراز جرم کی معمولی تکلیفون کی برداشت تاکہ وہان کی بڑی تکلیف سے نجات ملے، یہی سبب ہے کہ حدیث مین آیا ہے، کہ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، یعنی جنت دنیاوی تکلیفون سے، اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیون سے گھری ہوئی ہے، نادان تقویٰ اور نیکی کی ان معمولی قیدون سے گھبراتے، اور گناہ کی عارضی و فانی لذتون کے طلبگار ہوتے ہین اس لیے آخرت کی بڑی تکلیف مین گرفتار ہونگے، اور وہان کی ابدی لذت سے محروم رہین گے، اور جو دین و دیانت، اور نیکی و تقویٰ کی ان معمولی تکلیفون کو گوارا کرینگے، اور گناہ کی عارضی لذتون سے بچین گے، وہ آخرت کی لاانتہا لذتون سے شادکام ہون گے، یہی فلسفہ قرآنِ پاک کی اس آیت مین ادا ہوا ہے،

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو ناجائز لذتون اور خوشیون سے باز رکھا، تو جنت اُس کا ٹھکانا ہے،

(نازعات - ۲)

ناعمسل ہم دیکھتے ہین کہ دنیا مین جو چیز بھی ایک دفعہ پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ بے حکم خدا فنا نہین ہوتی، اسی طرح افعال و اعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہین وہ فنا نہین ہوتے، موجودہ سائنس نے بھی یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا مین کوئی حرکت بھی پیدا ہو کر فنا نہین ہوتی، یہان تک کہ فضا مین ہر آواز اور ہر صدا

بھی جو کبھی بلند ہوئی ہے، آج موجود ہی، اور ہمیشہ رہیگی، اور ہم اُس کو پکڑ پائین تو سُن سکتے ہین، وہ اعمال و افعال کے دوام وجود کے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے مین پس و پیش نہین کر سکتی، دُنیا کے ریکارڈ مین انسان کا ہر عمل و فعل ہمیشہ کے لیے گویا بھرا ہے،

قرآن پاک نے اسی اصول کو اپنی ان آیتون مین بیان کیا ہے،

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ (یونس-۳)	اُس وقت ہر جان جو اُس نے پہلے کیا، اُسکو آزمائیگی،
كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ، (طور-۱)	ہر آدمی اپنے عمل کے بدلہ گرو ہے،
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مدثر-۲)	ہر جان اپنے عمل کے بدلہ گرو ہے،
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ	تو جو کوئی ایک چیونٹی بھر نیکی کریگا، وہ اُس کو دیکھے گا،
يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ، (زلزال)	اور جو چیونٹی برابر بدی کریگا وہ اُس کو بھی دیکھیگا،
يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا	جس دن ہر جان جو اُس نے اچھے کام کئے اُن کو
وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ (ال عمران۳)	موجود پائے گی، اور جو برے کام کئے وہ بھی،

یہ بات کہ انسان کا ہر عمل و فعل صحیفۂ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتا ہے، اس کو قرآن نے کئی طریقون سے ادا کیا ہے،

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی تنہائی مین بولا جائے، خدائی شاہد اُس کے سننے کو موجود رہتے ہین، اور وہ اُس کو سنکر محفوظ کر لیتے ہین،

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ	جب دو لینے والے داہنے اور بائین بیٹھے لیتے
قَعِيْدٌ، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ	جاتے ہین، کوئی بات وہ نہین بولتا مگر ایک نگران اسکے
عَتِيْدٌ، (ق-۲)	پاس حاضر رہتا ہے،

کبھی اُس کو اعمال کی تحریر و کتابت کے الفاظ مین ظاہر کیا گیا ہے،

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ط
بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَکْتُبُوْنَ ،
(زخرف - ۷)

کیا یہ منکر سمجھتے ہین کہ ہم اُن کے بھید اور اُن کی کانا پھوسی
نہین سنتے کیون نہین بلکہ ہمارے فرستادہ انکے پاس
اعمال کو لکھتے ہین ،

اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ (یونس - ۳)

بیشک ہمارے فرستادہ تمھاری چالون کو لکھتے رہتے ہین

کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور ذاتی علم و شہادت سے اس کو ظاہر کرتا ہے،

وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ
وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ
شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (یونس - ۷)

اور تو کسی کام مین نہین ہوتا، اور نہ قرآن سے کچھ پڑھتا ہے،
اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو لیکن ہم موجود ہوتے
ہین، جب تم اسمین لگے ہوتے ہو،

کبھی یہ کہا ہے کہ ہر انسان کا نامۂ عمل اسکی گردن مین لٹکا ہے، قیامت کے دن وہی فردِ عمل کی صورت مین انسان کے سامنے پھیلا دیا جائیگا، کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو،

فرمایا:-

وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ط وَ
نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ،
اِقْرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ
حَسِیْبًا ، (بنی اسرائیل - ۲)

اور ہم نے ہر انسان کا نتیجۂ عمل اسکی گردن مین چپکا دیا ہے
اور قیامت کے دن ہم اسکو دفتر کرکے نکالین گے جسکو
وہ کھلا ہوا پائیگا کہ اپنا دفتر پڑھ لے، آج تیرا نفس خود ہی
محاسب ہو تو کافی ہے،

اس آیت کا ایسا محل ہے کہ نامۂ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب و کتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کیگئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر مین قلمبند حساب کوئی بھول نہین سکتا اور ایک ایک چیز اس مین درج ہوتی ہے، اسی طرح یہ اعمالِ انسانی فراموش نہ ہونگے، بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہین گے،

فرمایا:-

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ	اور نامۂ عمل رکھا جائیگا، تو تو دیکھے گا گنہگاروں کو اس
مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ	جو لکھا ہے اُس سے ڈر رہے ہونگے اور کہیں گے کہ ہائے
لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج	افسوس کہ اس کاغذ کو کیا ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی بات
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ	نہیں چھوڑتا لیکن اس کو شمار کر لیا، اور جو کچھ انھوں نے
اَحَدًا، (کہف-۷)	زندگی میں کیا اُس کو سامنے پائیں گے، اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا

بایں ہمہ اگر کوئی ٹھیٹ لفظوں کا پابند ہو کر نامۂ عمل کو واقعی کاغذوں کا دفتر سمجھتا ہے، تو اس میں شک نہیں کہ الفاظ کے ظاہری معنی اسکی تائید کرینگے، مگر کون سمجھا سکتا ہے، کہ یہ کیونکر ہوگا، اسی لیے اس پر بحث فضول ہے کہ یہ کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ، بہرحال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا، اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے،

اعضا کی شہادت انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندر اپنا اچھا یا بُرا اثر چھوڑ جاتا ہے، اگر دل کا آئینہ صاف ہو تو اُس کو اپنے عمل کا چہرہ اسمیں صاف دکھائی دے، فرمایا،

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى	بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا ہے
مَعَاذِيْرَهٗ، (قیامت-۱)	اگرچہ وہ اپنے عذر تراشتا ہو،

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے زنگ آلود ہو جاتا ہے،

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (تطفیف)	نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے،

اسی آیت کی تفسیر میں گویا آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا ہے کہ "جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے، تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و انابت کرتا ہے، اور آئندہ اس سے باز رہتا ہے تو وہ مٹ جاتا ہے، اور اگر اسی طرح گناہ کیے جاتا ہے، تو اُس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، یہانتک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے"[1]

[1] ترمذی،

اسی طرح وہ اپنے جن اعضاء سے جو برا کام کرتا ہے اسکا اثر اُن پر چھا جاتا ہے، یہانتک کہ چہرون پر اس اثر کے نقوش ابھر آتے ہین آنکھون مین اسکی لکیرین پڑجاتی ہین، اور ہاتھ پاؤن پر اُس کے نشان نمایان ہوجاتے ہین، عالم غیب اور عالمِ غیب کو چھوڑو، اسی عالمِ ظاہر مین تاڑنے والون کی نگاہین، انسانون کے چہرون، آنکھون اور ہاتھ پاؤن کے عنوانِ بیان سے انسان کے اندر کی تحریرین پڑھ لیتی ہین، اسی طرح قیامت مین اُن کے اعمال کے آثار و نتائج اُن کے ایک ایک عضو سے نمایان ہونگے،

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ، (رحمان۲) — گنہگار اپنی نشانی سے پہچان لیے جائین گے،

ایسی حالت مین اُسوقت جب انسان کی زبانِ قال پر خداوند عدالت کے رعبِ جلال سے مہرِ سکوت پڑجائیگی اگر انسان کے ہاتھ پاؤن، اور کھال تک نفسِ انسانی کے اعمالِ بد پر گواہی دیدین تو تعجب کی کیا بات ہے؛ فرمایا،

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ..... اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، (یٰس)

اے گنہگارو! آج نیکوکارون سے الگ ہوکر پہچان مین آجاؤ..... آج ہم انکے منہ پر مہر لگادینگے اور انکے ہاتھ ہم سے بولین گے، اور انکے پاؤن انکے کرتوتون کی گواہی دینگے،

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا، قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حٰمٓ السجدہ ۳-۲)

اور جس دن خدا کے دشمن دوزخ کیطرف ہانکے جائینگے اور وہ درجہ بدرجہ بانٹے جائین گے، یہانتک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچینگے تو اُن کے کانون، انکی آنکھون اور انکی کھالون نے ان پر اُن کے کرتوتون کی گواہی دی، انھون نے کہا تم نے ہم پر کیون گواہی دی، کہا کہ جس خدا نے ہر چیز کو گویا کیا، اسی نے ہم کو بھی گویا کیا،

اسلیے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہے، لیکن اس گویائی سے اگر کوئی حقیقی ہی زبان کی گویائی مراد لیکر تشفی پاتا ہے، تو اس کو اس کا حق حاصل ہے،

میزان اکثر انسانون کے اچھے یا برے دونون قسم کے اعمال ہوتے ہین، ایک قسم کا عمل کم ہوگا، اور دوسرا زیادہ، یا دونون برابر، دو مادی چیزون کے درمیان تفاضل اور گھٹ بڑھ کا علم ہم کو تولنے یا گننے سے ہوتا ہے، اس لیے وزن اور حساب سے عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے، اعمالِ انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملیگا، فرمایا،

جَزَآءً وِّفَاقًا، (نبأ-۱)

پورا پورا بدلہ،

اس برابری اور کمالِ عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازو کے ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارہ سے ادا کیا، فرمایا:-

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ، وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ، (اعراف-۱)

پھر ہم احوال سنائین گے، اور ہم کہین غائب نہ تھے، اور وزن اُسدن حق ہے، پھر جسکی تولین بھاری ہوئین تو وہ ہین جنکا بھلا ہوا، اور جس کی تولین ہلکی پڑین سو وہی ہین جو اپنی جانین ہار بیٹھے،

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ، (قارعہ)

تو جس کے تول بھاری ہوئے تو وہ خوش خوش عیش مین ہوگا، اور جس کے تول ہلکے ہوئے تو اُس کی ماں دوزخ ہے،

ان دونون آیتون مین تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود، اعمالِ خیر کی کمی و بیشی ہے پہلی آیت مین اسکا اشارہ موجود ہے، کہ وزن سے مراد حق اور عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل علم الٰہی مین موجود ہوگا، اور وہ کسی طرح بیش و کم نہ ہوگا،

اس مفہوم مین یہ استعارہ قرآن مین بکثرت مستعمل ہوا ہے، ایک جگہ ہے،

اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (شوریٰ) — وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کیساتھ اتارا، اور میزان کو

یعنی کتاب الٰہی، حقانیت کیساتھ اتری ہے، اور اسی کیساتھ میزان بھی جس سے مراد عدل ہے (طبری تفسیر آیت مذکورہ)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کائنات کی ہر چیز میں جو اعتدال کامل رکھا ہے، اسکو بھی میزان ہی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے،

وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ (رحمان) — اور خدا نے ترازو رکھی ہے،

حساب کمی بیشی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب کرنے کا ہے، دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی یہ استعارہ استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمھارے عمل کا حساب لیں گے اگر اس حساب سے بھی وہی مقصود ہے، جو وزن سے ہے، چنانچہ سورۂ انبیا میں یہ مفہوم مزید تصریح کے ساتھ مذکور ہے، اور جس سے میزان کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ میں آتی ہے، فرمایا،

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ۭ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا ۭ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ (انبیاء-۴)

اور ہم قیامت کے دن کے لیے ترازوئیں یعنی انصاف رکھیں گے، پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کچھ ہوگا، تو ہم لے آئیں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے،

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جا سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے، اور دوسری یہ کہ حساب سے مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی ذرہ بھی معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا، اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب ہے، لیکن بہرحال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے تو وہ بھی حق پر ہے،

جنت و دوزخ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الٰہی کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ارواح انسانی کو سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کیجائیں، مگر اس سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمال نیک کے حصول اور اعمال بد سے پرہیز پر رکھی ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے، اور اسی

عالم کا نام جہان یہ سعادتِ ابدی اور ترقیاتِ غیر متناہی ملتی ہین "بہشت" ہی، اور اس عالم کا نام جہان جاکر دنیاوی لغزشون کی تلافی اور گذشتہ حیاتِ فانی کے اعمالِ بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی "دوزخ" ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنّت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے،

جنّت انسان کی وراثت ہے حضرت آدمؑ کا قصہ جو توراۃ اور قرآن پاک مین مذکور ہے، وہ آغازِ خلقت کی محض تاریخ نہین بلکہ وہ حقیقتِ انسانی کی سچّی اور حقیقی تفسیر ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے فضل سے جس جنّت مین جگہ دی تھی، وہ پہلے اُن کو اور اُنکی نسل کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اتفاقًا اُن سے گناہ سرزد ہوا اس لیے وہان سے نکال کر زمین مین بھیجدیے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہین ہے کہ آدم علیہ السّلام کا زمین مین آنا تو اُن کی پیدائش سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ انکی خلقت سے پہلے ہی فرشتون پر یہ ظاہر کر چکا تھا، کہ

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (بقرہ-۴)	مین زمین مین ایک خلیفہ بنانے والا ہون،

حضرت آدم کا زمین مین خلیفہ ہونا، اُن کے زمین مین سکونت پذیر ہونے کی پیشینگوئی ہے، مگر زمین مین بھیجنے سے پہلے اُن کو جنّت مین رکھنا، پھر گناہ کے بعد وہان سے اُن کو نکال کر زمین مین بھیجنا، یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور اُن کی نسل کی اصلی جگہ یہی جنّت ہے، مگر اس سے دوری اس کے گناہ کی وجہ سے، اور اس کا حصول خدا کی اطاعت اور نیکوکاری کے ذریعہ ہوگا، چنانچہ اُن کے زمین مین اُترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا،

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، (بقرہ-۴)	ہم نے کہا کہ تم سب اس جنّت سے اترو، پھر کبھی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، تو اُس کو نہ ڈر ہوگا، نہ غم، اور جنھون نے نہ مانا، اور ہمارے حکمون کو جھٹلایا، تو وہی ہین دوزخ والے، وہ اسمین رہا کرینگے،
قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ	خدا نے کہا کہ اس جنّت سے تم دونون ایک ساتھ اتر جاؤ، تم ایک دوسرے

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ	کے دشمن ہو، تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی
هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ	آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا
ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ	اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ-۷)	لیے تنگ معاش ہوگی اور قیامت میں ہم اسکو اندھا اٹھائینگے

توراۃ میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک و بد کی پہچان کا، اور دوسرا زندگی جاوید کا، توراۃ کے رو سے آدم کو اسی نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے لیکن آدم نے اس کو کھا لیا، اور اسکی وجہ سے سب سے پہلے اُن کو اپنی برہنگی کا علم ہوا، آخر خدا نے اُن کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں، جب وہ جنت سے نکالے گئے تو اُن سے کہا گیا، (سفر تکوین-۲)

"اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا، زمین تیرے سبب لعنتی ہوئی، اور تکلیف کیساتھ تو اپنی عمر بھر اُس سے کھائیگا، اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹکٹارے اگائے گی، اور تو کھیت کی نبات کھائیگا، اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں پھر نہ جائے"

قرآن پاک میں اس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا تصریحًا مذکور نہیں، لیکن ایک آیت سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا" اور شیطان نے یہ کہکر اُن کو کھلایا کہ یہ "حیات جاوید اور ملک جاویدان کا درخت" ہے، مگر اُس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو "برہنگی کا علم" ہو گیا، جو نیک و بد کی تمیز کا نتیجہ ہے فرمایا:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ	شیطان نے آدم کو وسوسہ دیا، کہا اے آدم کیا میں تجھے بتاؤں
اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى	جاودانی اور سلطنت غیر فانی کا درخت بتاؤں تو (آدم اور حوا)
فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (طٰہٰ)	دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا تو انکی بری چیزیں اُن پر کھلگئیں

اب سوال یہ ہے کہ "حیاتِ جاویدان اور غیر فانی بادشاہی" سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ جنّت ہی شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اِس جنت مین جہین تم اب ہو، بے درد سر ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤن ؟ انسان نے خواہش کی، تو اُس نے نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل بتا دیا، یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس ادراک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے بھی گرانبار نہین، غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، چنانچہ وہ اس کے سر ڈالی گئی، اور پھر نسلِ آدم مین یہ نیک و بد کی تمیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی، فرمایا،

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (والشمس)

اور نفس اور اُس کی بناوٹ کی قسم پھر نفس مین اسکی بدی اور اسکی نیکی کو الہام کیا،

عجب نہین کہ قرآنِ پاک کی آیتین اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہون،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا
وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا
لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ، (احزاب - ۹)

ہم نے اپنی امانت (تکلیفِ شرعی) آسمانون پر اور زمین پر اور پہاڑون پر پیش کی تو انھون نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور انسان نے اسکو اٹھا لیا، کہ وہ ظالم اور نادان تھا، تاکہ اللہ نفاق والون اور نفاق والیون اور شرک والون اور شرک والیون کو سزا دے اور ایمان والون اور ایمان والیون پر رجوع ہو، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیفِ شرعی کی امانت کو اٹھا لیا، جو نیک و بد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا اور اس تکلیفِ شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی، لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ اُس کے سب بندے اُسکی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہرین، کہ اس کی رحمت و شفقت کا اقتضا یہی ہے کہ گنہگارون کو معاف کرے اور نیکوکارون

پر اپنی خاص رحمت نازل کرے، لیکن اگر کاشتکار اپنے کھیتوں کو ابرِ رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے، تو وہ اسکی رحمت سے مستفید نہ ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و نفاق مین مبتلا ہوکر اپنے آپ کو اسکی رحمت کے قابل نہ بنائے تو وہ بھی اسکی رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہوسکیگا،

غرض اسطرح وہ مصلحتِ الٰہی جو انسان کی پیدائش سے تھی اس صورت سے پوری ہوئی، اور وہ حیاتِ جاوید اور غیر فانی بادشاہی، جسکا حصول قضائے الٰہی نے انسان کی محنت، جد وجہد اور سعی و عمل پر موقوف رکھا تھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلاسعی و محنت محض بخت و اتفاق سے دلوا دینا چاہا تھا، بالآخر اُس کا ملنا تقدیرِ الٰہی اور نظامِ ربّانی کے مطابق شریعت کی پیروی و جدّ و جہد اور اُس کے مطابق سعی و عمل کے ذریعہ سے مقرر ہوا جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، فرمان آیا،

اِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى	یہان سے تم سب اترو، پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے
فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا	کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (بقرہ ۴)	کی، تو اُنکو نہ ڈر ہوگا نہ غم،
اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ	تم دونون یہان سے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن
فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ	ہو، پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (طٰہٰ ۷)	تو جسنے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت،

جب انسان کا اصلی مقام، وہی حیاتِ جاوید اور مملکتِ ابد ہے، تو اُسی کا حصول اس کی تمام کوششون کا محور ہونا چاہئیے، اور اس کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کامون کے ذریعہ اسی حیاتِ باقی اور لازوال بادشاہی کی دولت کو مزد و معاوضہ مین حاصل کرنا چاہئیے، تاکہ وہ اپنے باپ کی اُس آسمانی بادشاہی کو پالے جس کی صفت یہ تھی،

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى، اِنَّ لَكَ	تو شیطان تم کو جنت سے باہر کردے تو پھر تو مشقت

اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۔ (طٰہٰ - ۷)

بین پڑجائے، اور جنت مین تجھکو یہ ملا ہے کہ اسمین تو نہ بھوکا ہوگا، نہ ننگا، نہ پیاسا ہوگا، اور نہ دھوپ کی تپش،

آدمؑ اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، اور ننگے بھی ہوئے، پیاس بھی اُن کو معلوم ہوئی، اور دھوپ کی تپش کی بھی تکلیف ہوئی، اور زمین مین آکر انھین چار چیزون کی مشقت مین گرفتار ہوئے، کھانا، پینا، پہننا، رہنا یہی انسان کی چار مختصر ضروریات ہین، اور انھین کو اپنی ہوا و ہوس سے پھیلا کر اس نے ضروریات کا ایک عالم پیدا کر لیا، اور انھین کے تیار کرنے اور عمدہ بنانے مین اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر دیا، اور اصل جنت کی طلب سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہین سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائز اکل، جائز شرب، جائز لباس، اور جائز مسکن کے حصول کے طریقون کی تعلیم اور ناجائز طریقون سے احتراز کا حکم ہوا، اسی سے شریعت کے اصول معاملات اور اخلاقِ انسانی کی ذمہ داریان پیدا ہوئین، اور پھر اس لیے تاکہ اس حیاتِ فانی مین پھنسکر حیاتِ غیر فانی کی طلب کو بھول نہ جائے، عرفانِ الٰہی (عقائدِ صحیحہ) اور عبادت و اطاعتِ الٰہی کی تلقین ہوئی، جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (مومنون - ۱)

یہی وہ میراث لینے والے ہین، جو سایہ دار باغ کے وارث ہونگے، وہ اُسمین ہمیشہ رہنے والے ہین،

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمالِ خیر ہی کے ذریعہ ملے گی، چنانچہ اہلِ جنت کو جنت کے داخلہ کے وقت یہ بشارت ملے گی،

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؕ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ (زخرف - ۷)

اور اس جنت مین وہ کچھ ہے جس کو دل چاہے، اور آنکھون کو لطف ملے، اور تم کو اُسمین ہمیشہ رہنا ہے، اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے کامون کے بدلہ مین جنکو تم کرتے تھے، وارث بنائے گئے،

اور اُنھین کو منادیِ غیب یہ ندا دیگا،

وَنُودُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، (اعراف۔۵)

اور اُن کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے جسکے تم اپنے اُن کامون کے بدلہ مین جو تم کرتے تھے، وارث بنائے گئے،

ملتِ توحید کے مبلغِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤن کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (شعراء۔۵)

اور مجھے باغِ نعمت کے وارثون مین کر،

اِن آیتون سے ہویدا ہے کہ اسلام نے انسان کا اصلی مقام وہی قرار دیا ہے، جہان نہ بھوک ہے، نہ پیاس، نہ برہنگی ہے، نہ دھوپ کی تکلیف، جہان کی بادشاہی لازوال اور جہان کی زندگی غیر فانی ہے، لیکن اُس کے حصول کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے مجموعہ کا نام "تقویٰ" ہے،

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا، (مریم۔۴)

یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندون مین سے ہم اُسکو بنائین گے جو تقویٰ والا ہوگا،

انسانی جزا و سزا کے تین گھر

انسان کے تین گھر ہین، ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہین، اور دوسرا درمیانی عالم، موت یا عالمِ قبر جس کا نام برزخ ہے، اور تیسرا اُس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دارِ آخرت کہتے ہین، یہودیون کے یہان اصلی زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر دیا گیا ہے، اور تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہین، اور عیسائیون مین پورا زور تیسری منزل کی سزا و جزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلون کے ذکر سے خاموشی ہے لیکن وحیِ محمدی کی تکمیل نے ان تینون گھرون کو انسانی سزا و جزا کا مقام قرار دیا ہے، انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و سزا تو اسی دنیا مین کامیابی و ناکامی کی صورت مین ملتی ہے، گو اس کامیابی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو، اس کے بعد جب انسانی روح دوسری منزل مین قدم رکھتی ہے، تو یہان بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزا و سزا کا منظر دیکھ لیتی ہے، اس کے بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائے گا، اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا، تو فانی انسانون کو دائمی زندگی کے لیے بیدار کیا جائے گا، اور اُس وقت وہ اپنے اعمال کی پوری جزا و سزا پائین گے،

انسان کا پہلا دارالجزاء

انسان کا پہلا دارالجزاء دنیا ہے، انسان کے ہر نیک و بد فعل کا جو اثر دوسری دنیا کی زندگی پر پڑتا ہے، اُسی کے مشابہ خود اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی ملا کرتا ہے، انسان کی عزت، شہرت، ناموری، ہر دلعزیزی، محبوبیت، سکینت، اطمینان، سرور، فارغ البالی، حکومت، یہ تمام اس زندگی کے اعمالِ خیر کے نتائج ہیں، ان کے برخلاف ذلت، رسوائی، بے عزتی، کس مپرسی، پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، خوف، محکومیت، ہمارے اعمالِ بد کے اثرات ہیں،

یہودیوں کی توراۃ میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالجزا کو دی گئی ہے، بلکہ یہی خیال توراۃ میں سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کی رنج و راحت کی صورت میں اسی زندگی میں ملتی ہے، مثلاً خدا کے حکموں پر عمل کروگے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہونگی، تمہاری اولادیں برومند ہونگی، تمہارے جانور جنیں گے، تمہارے درخت پھل دینگے، اور تمہارے دشمن مغلوب ہونگے، اور اگر خدا کی نافرمانی کروگے تو تم پر وبائیں آئینگی، قحط پڑینگے، تمہاری اولادیں جیتی نہ رہینگی، تمہارے جانور مرجائیں گے، تمہارے شہر تباہ ہوجائینگے، تمہارے باغ پھل نہ دینگے، اور تمہارے دشمن تم پر چھا جائیں گے، عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں، بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیا ہے، اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، آنحضرت صلعم جس دعوت کو لے کر آئے وہ یہودیت و عیسائیت کی اس افراط و تفریط دونوں سے پاک ہو، اُس نے ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی اور اُس دنیا کی بادشاہی بھی، زمین کی حکومت بھی، اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور وہاں کا باغ و بہار بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نکوکار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا،

فَآتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران ۱۵)

تو خدا نے اُن کو دنیا کا بدلہ بھی دیا، اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

خدا نے اُن سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے گناہون

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (فتح۴) — کی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا،

اور یہ بھی انھیں سے وعدہ ہے،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور۔۷) — خدا نے اُن سے جو تم مین سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ اُنکو ملک مین حاکم بنائیگا جسطرح اُن سے اگلون کو حاکم بنایا تھا،

لیکن اسمین بھی شک نہین کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اُس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پایدار ہے، اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اُس دنیا کے ثواب کی قدر وقیمت بھی زیادہ ہے، اور اُسی دنیا کے حسن عمل کی کوشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے۔ فرمایا،

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ (نحل۔۴) — جنھون نے نیک کام کئے اس دنیا مین اُن کیلئے بھلائی ہے اور بے شبہہ آخرت کا گھر بہتر ہے، اور پرہیزگارون کا گھر کیا اچھا ہے،

اسی طرح بدکارون کی جزا جہان اُس دُنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا، اسی طرح اس دنیا کی ذلت وخواری اور رسوائی کو بھی فرمایا،

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ۔ (حج۔۲) — اُس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اُٹھایا،

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (بقرہ۔۱۴) — اُن کے لیے دنیا مین رسوائی ہے، اور آخرت مین بڑی مار ہے،

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (بقرہ۲۷) — اُن کے کام دنیا اور آخرت مین برباد ہوئے،

اور اُن کے متعلق یہ بھی فرمایا،

فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (آل عمران۶) — تو مین اُن کو دنیا اور آخرت مین سخت سزا دونگا،

تنگی اور بدحالی کی سزا بھی یہین ملتی ہے،

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً	اور جس نے میری نصیحت سے منھ پھیرا تو اُس کے لیے
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى،	تنگ گذران ہے، اور قیامت مین ہم اُسکو اندھا
(طٰہٰ - ۷)	اوٹھاؤنگا (کہ دنیا مین وہ دل کا اندھا بنا تھا)

انتہا یہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگِ اُحد مین جو فتح نہین ملی، اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی انکی بعض فروگذاشتون کا ثمرہ بتایا،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ	تم مین سے بعض لوگ اُس دن جب دونون فوجین
اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا	بھڑین، جو پیچھے ہٹے اُن کے بعض کامون کی وجہ سے
(آل عمران - ۱۶)	شیطان نے اُن کو پھسلا دیا،

ایک اور مقام پر عمومی طور سے فرمایا گیا،

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ	جو مصیبت تم کو پہنچی، وہ تمھارے ہاتھون کے کرتوتون کے
وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ، (شوریٰ - ۴)	باعث، اور وہ بہت سی باتون سے درگذر کرتا ہے،

یہود کے ذکر مین قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا،

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا	ان پر ذلت ماری گئی جہان پائے گئے لیکن (جہان
بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ	عزت حاصل ہی) وہ خدا کے ذریعہ اور لوگون کے سہارے
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ	اور اللہ کا غصہ کما لائے، اور اُن پر (قومی) محتاجی ماری
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	گئی، یہ اسلیے کہ وہ خدا کے حکمون کا انکار کرتے تھے اور
وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا	پیغمبرون کو مار ڈالتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ، (آل عمران - ۱۲)	ہین، اور حدودِ الٰہی سے آگے بڑھتے ہین،

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا،

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ،

(مائدہ - ۹)

اور اگر یہ توراۃ اور انجیل کو اور جو انکی طرف اُنکے پروردگار کی طرف سے (اب) اتارا گیا، اس کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر (برکاتِ آسمانی) سے کھاتے اور اپنے پاؤن کے نیچے (ارضی خیر و برکت) سے کھاتے،

ایک اور موقع پر اشارہ ہے،

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

(اعراف - ۱۲)

اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لاتے، اور پرہیزگاری کے کام کرتے تو ہم اُن پر آسمان سے اور زمین سے برکتوں کو کھولتے لیکن انھوں نے خدا کے احکام کو جھٹلایا تو ہم نے اُنکے اعمال کی پاداش میں انکو پکڑ لیا،

مگر یہ دارالجزا فانی ہے | لیکن یہان ایک لغزش گاہ بھی ہے، جس سے اہلِ ہوش کو باخبر رہنا چاہئے، اس دنیا مین انسان کو اعمال کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ مین ضرور ملتی ہے، مگر اس نکتہ کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ کیا شخصی زندگی، اور کیا جماعتی حیات کے لحاظ سے یہ دارالجزا جس کا نام دنیا ہے عارضی اور فانی ہے، یہان کا غم بھی فانی اور یہان کی خوشی بھی عارضی ہے، اسلیے صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصل مطلوب و مقصود اور غایت و منتہا نہین بنانا چاہئے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی مملکت، اور لازوال سلطنت ہے جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے، اور جہان کی نعمتین اس دنیا کی نعمتون سے کہین زیادہ بہتر اور غیر فانی ہین، اس لیے اس فانی دنیا کی لذتون مین پڑکر اس کو نہ بھول جانا چاہئے، اُس مسافر کی عقلِ سلیم کی داد کون دیگا جو راستہ کی عارضی خوش منظریون، اور سفر کی فانی دلچسپیون مین پڑکر اپنے خوش سواد اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے،

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ

بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھکر چاہتے ہو، حالانکہ آخرت کی

وَّ اَبْقٰى ، (اعلیٰ-۱) زندگی اس سے بہتر اور اس سے زیادہ پائدار ہے،

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ (یوسف-۷) اور بیشک آخرت کی مزدوری (یہاں کی مزدوری سے) بہتر

اور اسی طرح گنہگاروں کے لیے یہاں کی ذلت و رسوائی سے بڑھکر ایک اور ذلت و رسوائی کا مقام ہے،

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ تو خدا نے اُن کو اس دنیاوی زندگی میں رسوائی کا مزہ

لَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ چکھایا، اور بیشبہ نہیں کہ آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا

(زمر-۳) ہے، اگر وہ جانتے،

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سہہ بھی لی جائے مگر وہاں کے عذاب کی سختی کو کون سہہ سکتا ہے کہ،

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ، اور (اس دنیا سے) آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور

(طٰہٰ-۷) زیادہ دیر رہنے والا ہے،

اس لیے اس فانی دنیا میں انسان کو اپنے حسن عمل کے بدولت جو زور و قوت، جاہ و جلال، نعمت و مال، اور حکومت و سروری ملے، اُن کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں اور وہاں کی غیر فانی بادشاہی کے حصول میں صرف کرنا چاہیئے، کہ اس سے خود اُن دنیاوی نعمتوں کو بھی بقا اور پائداری حاصل ہوگی، اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ صلعم کی وحی حقیقت طراز نے قارون کی نصیحت کے ضمن میں ان لفظوں میں ادا کیا ہے،

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ اور خدا نے جو تجھکو دیا ہے، اُس سے آخرت کا گھر تلاش

نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول، اور جس طرح خدا نے تجھپر

اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ احسان کیا ہے تو بھی (خدا کے بندوں پر) احسان کر

(قصص-۸) اور (اس دولت سے) زمین میں خرابی نہ چاہ ،

چنانچہ ناخلف یہود پر تباہی اسی لیے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت و جائداد کی محبت میں ایسے پھنسے کہ اُن کو اپنے کاروبار میں آخرت کے سودا کا خیال بھول کر بھی نہ آیا،

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ	تو ان کے بعد کچھ ناخلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس
يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ	دنیا کے سامان واسباب کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو
سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۚ	معاف ہوگا، اور اگر ویسا ہی سامان اسباب پھر آئے
اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا	تو پھر لیں، کیا ان سے کتاب کے حق میں یہ عہد نہیں لیا
يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ	گیا کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں حالانکہ جو اس میں
وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا	ہے وہ اس کو پڑھ چکے ہیں، اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں
تَعْقِلُوْنَ، (اعراف - ۲۱)	کے لیے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں،

یہ دار الجزاء دار الاصلاح بھی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وشفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اس ہمیشہ کی زندگی کا مقام بھی دکھایا اور بتا دیا کہ اس مقام کا دائمی وابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی لیے اس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ میں اس سدابہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے، مگر چونکہ انسان دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور، زود فراموش، اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی اسی مستعار زندگی میں بار بار اپنے سنبھلنے، سدھرنے، اور کامیاب بننے کے موقع عنایت کئے، رسولوں کی بعثت، معلموں کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ، اور گناہوں پر جسمانی سزا و تعزیر، اور عمل خیر پر روحانی لذت، اور عمل شر پر روحانی غبار و کدورت کے لوازم اسی لیے مقرر ہوئے کہ اس کو ہر قدم پر اپنے اعمال پر تنبیہ اور اپنی غلط روی کا احساس ہو، اور ان سب کے علاوہ اس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تنبیہ اور اصلاح کے لیے حسب ذیل مراتب مقرر کئے،

۱- **نیکی سے برائی کا کفارہ**، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریوں کی حد سے باہر نہیں نکل سکتا، اس لیے جس طرح اس دنیا میں اس نے انسانوں کے دلوں میں یہ فطری اصول ودیعت کر دیا ہے، کہ جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو، اس کی معمولی برائیوں سے چشم پوشی کیجاتی ہے، یا یہ کہ آخر میں اس کا کوئی ایک

نیک کام اتنا زبردست ہوجاتا ہے کہ اُس سے اسکی تمام اگلی برائیون کی فرد دُھل جاتی ہے، اسی کا نام کفارۂ عمل" ہے، چنانچہ وحی محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ مین تلقین کی کہ،

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھُود-۱۰) بے شبہہ نیکیان، برائیون کو دور کردیتی ہین،

اس آیت کا یہ بھی منشا ہے کہ نیکیون کی تدریجی ترقی بالآخر برائیون کو کم کرتی جاتی ہے، یہانتک کہ وہ پورا نیکوکار انسان بنجاتا ہے، اور یہ بھی خوشخبری اسمین پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیان، اسکی پہلی برائیون کے نتیجہ کو بھی انشاء اللہ مٹا دینگی، اس معنی کی اور آیتین بھی قرآن پاک مین ہین،

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا، (نساء-۵) تم کو جن باتون سے منع کیا گیا ہے اگر ان مین کی بڑی باتون سے تم بچتے رہوگے تو ہم تمہاری تقصیرین تم سے اتار دینگے، اور تمکو عزت کے مقام مین داخل کرینگے،

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، (مائدہ-۳) البتہ اگر تم نماز کھڑی کرو، اور زکوٰۃ دو، اور میرے پیغمبرون پر ایمان لاؤ، اور اُن کی مدد کروگے، اور اللہ کو اچھی طرح کا قرض دوگے، تو مین تمہارے گناہون کو اُتار دونگا، اور تم کو اُن جنتون مین داخل کرونگا جنکے نیچے نہرین بہتی ہین،

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ، (احقاف-۲) یہ وہ ہین جن کے اچھے عمل کو (اور جنتیون کے شمول) مین ہم قبول، اور انکی برائیون سے درگذر کرینگے،

۲- توبہ کفارہ ہے، انسان کے تمام کاروبار مین اصل شے اُس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک بنتا ہے، اور اسی سے ناپاک بنتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے، اور

اپنی تقصیرون اور فروگذاشتون پر اُس کی بارگاہ مین نادم و شرمسار ہوکر اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہوکر آیندہ کے لیے نکوکاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کرے، تو اُس کا نام توبہ ہے، یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کے آغوشِ محبت مین لا کر ڈالدیتی ہے، آدم علیہ السلام کا قصور اور پھر انکی توبہ، اور رحمتِ الٰہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لیے ہمیشہ وا رہتی ہے، رحمتِ الٰہی کے اس پرجوش نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلعم کے صحیفۂ وحی اور پیامِ نبوت مین نظر آتی ہے، اُس سے ہندوستان کا ہر مت اور دھرم قطعاً محروم، توراتؔ خاموش، زبور کی سریلی آواز مدھم، اور انجیل کی خوشخبری مبہم ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے پیامِ ربانی مین اسکی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا، وہ گویا ربّ العلمین کی طرف سے رحمۃ للعلمین کا خاص حصہ تھا، فرمایا،

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ	مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک کام
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا	کئے، تو وہ جنّت مین داخل ہونگے، اور اُن پر
(مریم - ۴)	کچھ ظلم نہ کیا جائیگا،

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہون کے سارے دفتر دھو کر، ان کی جگہ آپ لے لیگی،

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا	مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو یہ وُہ
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ	ہین جنکی برائیون کو اللہ بھلائیون مین بدل دےگا،
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (فرقان - ۶)	اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

اور یہی اس کی شانِ رحمت کا اقتضا ہے، یہان تک کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے گناہون سے توبہ کرین تو انکو بھی بشارت ہے،

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ	تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے کو

اللہ یَتُوْبُ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ،

(مائدہ-۶)

سدھارا، تو بیشک اللہ اُس پر رجوع ہوگا کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے، کیا تجھے نہین معلوم کہ آسمانون کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کرے، اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرما دیا کہ

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی، (طٰہٰ-۴)

اور بیشک مین اُسکو بخشنے والا ہون جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اور نیک کام کئے اور پھر راہ پر چلا،

لیکن توبہ کس کیلئے ہے اور کس شرط کیساتھ ہے،

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْهِمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ کُفَّارٌ (نساء-۳)

اللہ کو اُن کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو نادانی سے بُرا کام کرتے ہین، پھر جلد توبہ کرتے ہین، تو یہی وہ ہین جنکو اللہ معاف کرتا ہے، اور اللہ سب جانتا ہے، اور حکمت والا ہے، اور انکی توبہ نہین ہے جو بُرے کام کرتے جاتے ہین یہانتک کہ جب اُن مین سے کسی کو موت آئی تو اس نے کہا اب مین نے توبہ کی، اور نہ اُن کی توبہ ہے، جو کافر ہو کر مرین،

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اُس بندہ کے دل مین آیندہ تلافی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو، اور ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہین، ہان اگر وہ توبہ اپنے احساس کے اثر سے کرے، اور اسکے بعد اتفاقاً موت آجائے، تو یقیناً رحمت الٰہی اُس کے قبول کرنے مین تأمل نہ کریگی،

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا	اور جنھون نے برے کام کئے، پھر اس کے بعد باز آئے
وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	(توبہ کی) اور یقین کیا، تو بیشک تیرا پروردگار اسکے بعد
(اعراف - ۱۹)	اسکو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے،
وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ	اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے اپنے گناہ
يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، (نساء - ۱۶)	کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو بخشش والا رحم کرنے والا پائیگا،

۴- مصائب کی تنبیہ اور کفارہ، دنیا مین مصائب سے زیادہ بری اور تکلیف وہ چیز انسان کو کوئی دوسری نہین معلوم ہوتی، لیکن یہ حقیقت بھلانے کے لائق نہین کہ افراد، بلکہ جماعتین اور قومین بھی مصائب ہی کی تنبیہ اور سرزنش سے متنبہ اور ہشیار ہو کر آمادۂ اصلاح ہوتی ہین، چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتون ہی کی آگ نکھار کر کندن بناتی ہے، صبر، استقلال، تواضع، شکر، محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت انھین مصائب کے زیر سایہ ہوتی ہے، مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے، اس لئے غافل انسانون، اور خود فراموش سرمستون کو ہوش مین لانے کے لیے کبھی کبھی کی مصیبتون سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہین کہ اُن کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک دفعہ بیقرار ہو کر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے،

دولت ونعمت، کامیابی ومسرت، شراب ہے، جس کے نشہ کا اُتار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہو سکتا ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت وثروت پر کتنا ہی نازان ہو لیکن جب وہ کسی افتاد سے دوچار ہوتا ہے، تو دفعۃً اُس کی آنکھین کھل جاتی ہین، بیماری، تنگدستی، عزیزون کی موت آرزوون کی ناکامی، ان مین سے ہر چیز وہ ٹھوکر ہے، جس کو کھا کر سرمست سے سرمست راہگیر بھی چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے، اور اُس کو اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے اس لیے ان مصائب مین انسانون کے اعمال بد اور گناہون کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے، کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ مین جو روحانی احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے قرآن پاک نے اس نکتہ کو پوری طرح جا بجا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگارون کو

اس سے پہلے کہ اُن کو ہلاک کرے، اُن کو مصائب کی آزمایشون مین ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کرین اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کرین، فرمایا،

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ، (اعراف-۱۶)

اور بیشک ہم نے فرعون والون کو قحطون اور پھلون کی کمی کی مصیبت مین گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑین،

بنی اسرائیل کے متعلق ہے،

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (اعراف-۲۱)

اور ہمنے انکو نعمتون اور مصیبتون کیساتھ آزمایا تاکہ وہ شاید باز آئین،

اسی سورہ مین ایک اور جگہ اس اصول کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا،

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ (اعراف-۱۲)

اور ہم نے کسی آبادی مین کوئی نبی نہین بھیجا، لیکن وہان کے رہنے والون کو سختیون اور مصیبتون مین گرفتار کیا، تاکہ وہ گڑگڑائین

مسلمانون سے فرمایا گیا،

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ، (البقرہ-۱۹)

اور البتہ ہم تمکو تھوڑے خوف، بھوک، اور دولت کی اور جانون کی، اور پھلون کی کمی سے آزمائین گے اور اُن صابرون کو خوشخبری سنا کہ جنکو جب کوئی مصیبت ستاتی ہے تو کہتے ہین، ہم خدا کے ہین، اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہین، یہ وہ ہین جنپر اللہ کی برکتین اور رحمتین ہونگی اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہین،

اس اصول کے تحت مین احادیث صحیحہ مین آنحضرت صلعم نے اُسکے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ (نساء-۱۸) (جو کوئی برائی کرے گا اسکا بدلہ اُس کو دیا جائیگا) تو مین نے آنحضرت صلعم سے اس کا مطلب پوچھا، فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے عتاب ہے، اس کا

بدلہ دُنیا مین بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے، جیسے اُس کو بخار آجائے، یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہو جائے، یہانتک کہ جیب مین کوئی چیز رکھکر بھول جائے، اور اس سے جو تکلیف اُس کو پہنچے وہ تکلیف بھی کفارہ بنجاتی ہے، یہانتک کہ بندہ گناہون سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے، جیسے بھٹی سے سونا"[1] دوسری حدیثون مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہین آتی ہے، لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے گناہون کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہانتک کہ اگر اُس کے کوئی کانٹا چبھ جائے تو وہ بھی کفارہ بنجاتا ہے"، تیسری روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری، یا غم، یا اذیت نہین پہنچتی، لیکن یہ کہ وہ اُس کے گناہون کا کفارہ ہو جاتی ہے، یہانتک کہ اگر اس کے کوئی کانٹا چبھ جائے، تو وہ بھی" چوتھی روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کانٹا چبھنے سے لیکر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اُس سے اس کے گناہون کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہین[2]" پانچوین روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "دنیا مین جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اُس کی سزا اُس کو یہین مل گئی تو وہ اُس کے لیے کفارہ، اور اس کو اس گناہ سے پاک وصاف بنانیوالی ہے[3]"

سطورِ بالا سے ہویدا ہے کہ کوئی انسان جو اقرارِ توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو دنیا مین توبہ، اعمالِ نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعہ سے نجات پا سکتا ہے، اور اس دنیا سے اسی طرح پاک وصاف ہو کر نکلسکتا ہے، کہ موت کے بعد اُس کو کسی نئے کفارۂ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے،

اسی لیے قرآنِ پاک مین ہے،

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ	اور ہم البتہ اُن کو بڑے عذاب کے پہلے ادنیٰ عذاب کا کچھ
الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ، (سجدہ ۲)	چکھاتے ہین، تاکہ وہ اب بھی باز آئین،

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ عذابِ الٰہی کا مقصد انتقام اور نفس سزا اور عقوبت نہین، بلکہ تطہیرِ نفس کو

---

[1] یہ اور اس کی ہم معنی حدیثین اکثر کتبِ حدیث مین ہین مثلاً ترمذی تفسیر اواخر النساء، سنن ابی داؤد، اوائل کتاب الجنائز،
[2] صحیح بخاری اوائل کتاب المرضیٰ مین یہ تینون روایتین ہین، [3] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ،

راہِ راست پر لانا ہے، اسی لیے ایک اور آیت مین فرمایا:-

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ	اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دیکر کیا کریگا، اگر تم شکر کرو، اور ایمان
وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۔	لاؤ، کہ خدا (نیکیون کا) قبول کرنے والا، اور (تمھارے
(نساء - ۲۱)	ہر عمل کو) جاننے والا ہے،

الغرض یہ عذاب اس دنیا مین آیندہ گناہون سے بچانے اور گزشتہ گناہون سے پاک کرنے کے لیے ہوتا ہے، اور عالمِ برزخ اور عالمِ بعث چونکہ نئے عمل کے محل نہین، اس لیے ان دونون مقامون مین آیندہ کا کوئی سوال نہین پیدا ہوسکتا، صرف گزشتہ بداعمالیون کی سزا بھگت کر اُن کے نتائج سے نجات مل سکتی ہے، اور یہی عالمِ برزخ اور عالمِ بعث کے عذابون کا مقصد ہے، الّا یہ ہے کہ پروردگارِ عالم خود اپنی رحمت سے نوازے، اور معاف فرمائے،

عذابِ برزخ بھی کفارہ ہے | لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہون کی ناپاکیان اتنی زیادہ ہین کہ اس کی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اس کو دھوکر پاک و صاف نہ بنا سکے، تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم مین اپنے اعمالِ بد کی مناسب سزاؤن کی صورتون مین تکلیفین اٹھا کر پاک و صاف بننا پڑے گا، یہی عالمِ برزخ کا عذاب ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ عالمِ برزخ کی یہ سزائین اسلیے ہین کہ ہم نے دنیا مین اپنی ناپاک خواہشون اور ناپاک کامون سے احتراز کرنے کی جو زحمت نہین اٹھائی، اور اچھے کامون کے کرنے مین جو تھوڑی تکلیف پیش آتی ہے، اُس کو برداشت کرکے اچھے کام جو نہین کئے، ان دونون کے معاوضہ مین عالمِ برزخ مین آکر عذاب کی تکلیفین اٹھائین، تاکہ حیاتِ ثانی کے دروازہ پر پہنچکر بھی اگر ہم ان سزاؤن کے ذریعہ پاک و صاف ہوسکین تو پاک و صاف ہوکر اپنی ازلی بہشت کے قابل بن سکین، جو صرف پاکون اور بے گناہون کی جگہ ہے، یعنی انکی جگہ ہے جو یا سرے سے کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہون، یا یہ کہ گناہ کے مرتکب ہوئے، مگر اعمالِ نیک، توبہ، اور مصائب مین صبر و شکر کرکے یا برزخ مین سزا پاکر وہ گناہون کے داغ سے نجات پاگئے،

یہ بات کہ عذابِ برزخ بھی ہمارے گناہون کا کفارہ ہے، قرآن پاک کی متعدد آیتون سے نکلتی ہے، سورۂ ص

مین ہے کہ جو گنہگار عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے وہ برزخ کے عذاب کو دیکھکر کہین گے،

رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ، (ص - ۲) — اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہماری چھٹی روزِ حساب سے پہلے جلد کرشے،

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہین جنکو یوم الحساب سے پہلے ہی تھوڑا عذاب پاکر چھٹی مل جائے اور انھین لوگون کو دیکھکر دوسرے مجرمون کو بھی بارگاہِ الٰہی مین اس درخواست کی ہمت پڑیگی کہ اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے،

بعض حدیثون مین بھی اس کنایہ کی تصریح ملتی ہے، کنز العمال مین ایک حدیث ہے،

عن ابن عمر طول مقام اُمّتی فی قبورِهم تمحيص لذنوبهم، (کنز العمال باب عذاب القبر جلد ۸ صفحہ ۹۶) — ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا اپنی قبرون مین طول قیام اُن کو گناہون سے خالص کرتا ہے،

اسی لیے ایک اور حدیث مین آیا ہے،

اکثر عذاب اُمّتی فی قبورهم[1] — میری اُمت کو زیادہ تر عذاب اُنکی قبرون مین ہوگا،

اس حدیث کا (اگر وہ ثابت ہو تو) منشا یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانۂ عذاب مین نکھر کر اور پاک و صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائین گے، اور عذابِ دوزخ کی ضرورت اُن کو پیش نہ آئے گی،

حافظ ابن القیم ایک موقع پر لکھتے ہین،

فان وفت بالخلاص منها فی هذه الدار — اگر ان بیماریون کا یہ علاج اس دنیا مین نجات کیلئے

والا ففی البرزخ، فان وفی بالخلاص — پورا ہو گیا تو خیر، ورنہ برزخ کی سزا سے علاج کیا

والا ففی موقف القیامة واهوالها — جائیگا، تو اگر یہ نجات کے لیے کافی ہو گیا تو خیر ورنہ پھر

[1] اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ، باب الوقائع الحشریہ مین نقل کیا ہے لیکن مجھ کو اسکا اصل ماخذ معلوم نہو سکا،

مَا يُخَلِّصُهُمْ مِنْ تِلْكَ الْبَقِيَّةِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	قیامت کا مقام اور اسکی ہولناکیان باقی بیماریون سے
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ [1]	نجات دلوائین گی،

رویائے برزخ کی حدیث مین جو پہلے مفصل گذر چکی ہے، وہ منظر بھی دکھایا گیا ہے، جسمین گنہگار عذاب کے دورسے نکل کر اور نہر حیات مین نئی زندگی پاکر بہشت کے مستحق قرار پائے ہین[2]، غالبًا انھین نجات پانے والے مومنون کو دیکھکر مشرکین بھی قیامت مین کہین گے،

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَامَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ	اور جس دن وہ اُن سب کو اکٹھا کریگا، اے گروہ جن!
اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ	تم نے بہت سے انسانون کو اپنا بنا لیا، اور اُن کے
مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ	دوست انسان کہین گے کہ ہمارے پروردگار!
وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ؕ	ہم مین سے ایک نے دوسرے سے کام نکالا، اور ہم مقررہ وقت
(انعام-۱۵)	کو جسکو تو نے ہمارے لیے ٹھہرایا تھا، پہنچ چکے،

یہ الفاظ کہ "ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا پہنچ چکے" یہ معنی رکھتے ہین کہ "عالم برزخ" کا مقررہ دورۂ عذاب ہم ختم کر چکے، اور اب حشر ونشر کے عذاب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس لیے بعض دوسرے نیک بختون کی طرح ہم کو بھی اب چھٹکارا ملے، جواب ملے گا،

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ	فرمائیگا، آتش دوزخ تمھارا ٹھکانا ہوا، اُسمین سدا رہوگے،
إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (انعام-۱۵)	لیکن یہ کہ جو اللہ چاہے بیشک، تیرا رب حکمت والا اور علم والا ہے،

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمھارا دورۂ عذاب ختم نہین ہوا ہے، اور تمھاری پاکیزگی ابھی تمام نہین ہوئی، اس لیے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سہنا ہے، پھر جب خدا چاہے گا تم کو اس سے نجات دیگا اس کا ہر کام علم وحکمت پر مبنی ہے، اس کے علم وحکمت اور مصلحت کا جب تقاضا ہوگا، تم کو نجات[3] ملیگی،

---

[1] شفاء العلیل لابن القیم مطبوعہ حسینیہ مصر صفحہ ۲۵۴، [2] صحیح بخاری کتاب التعبیر، [3] حسب تفسیر ابن عباسؓ ابن جریر طبری ج ۸ صفحہ ۲۴ مصر،

عذابِ دوزخ کفارۂ گناہ ہو

ابھی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے کہ

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا، (نساء۔۲۱)	خدا کو تمھارے عذاب سے کیا کام، اگر تم شکر کرو، اور ایمان لاؤ، کہ خدا تمھاری شکر گذاری کو قبول کرنیوالا اور (تمھارے دلون کے حال کو) جاننے والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار کو جو عذاب ملیگا اُسمین اللہ کو کوئی خوشی نہین حاصل ہوتی، نہ وہ چاہتا ہے کہ اسکے گنہگار بندے اس عذاب مین مبتلا ہون لیکن ازل سے اُس نے اپنے جو قانون مقرر کر دیے ہین وہ اُنکو توڑتا بھی نہین، جبوقت آدم کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس دنیا مین اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنّت کو دوبارہ ہمیشہ کے لیے حاصل کرین، اسی وقت یہ قانون بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا،

اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا، فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، (بقرہ۔۴)	یہان سے تم سب اترو، تو اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت اترے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے، اور جنھون نے ناشکری کی اور ہماری نشانیون کو جھٹلایا تو وہی دوزخ والے ہونگے،

اس آیت مین مستحقِ دوزخ ہونے کی دو وجہین بیان کیگئی ہین، ایک کفران، اور دوسری تکذیب، دیکھو کہ اوپر کی نساء والی آیت مین عذابِ دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطین شکر اور ایمان ان کے بالکل بالمقابل ہین، اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاقِ جنت کی شرطین، اور کفران اور تکذیب استحقاقِ دوزخ کے اسباب ہین، بقیہ تمام نیکیان شکر اور ایمان کے فروع، اور تمام برائیان کفران اور تکذیب کی شاخین ہین،

لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ نے انسانون کو اس لیے نہین بنایا کہ وہ اُن کو پیدا کرکے دوزخ کا ایندھن بنائے بلکہ اس نے تو اُن کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہین فرمایا،

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	ہم نے یہ امانت آسمان پر اور زمین پر اور پہاڑون
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ	پر پیش کی، تو اُن سب نے اُس کے اٹھانے سے انکار
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا	کیا، اور ڈرے، اور انسان نے اُس کو اٹھا لیا، کہ وہ
جَهُوْلًا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ	ظالم اور نادان تھا، تاکہ اللہ نفاق کرنے والون اور
الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ	نفاق کرنے والیون اور شرک کرنے والون اور
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ	شرک کرنیوالیون کو سزا دے، اور ایمان والون،
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ،	اور ایمان والیون پر وہ اپنی رحمت کیساتھ رجوع ہو
(احزاب-۹)	اور اللہ تو بخشنے والا اور رحمت والا ہے،

اس آیت پاک سے صاف ہویدا ہے کہ اللہ تعالی کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی بخشش ورحمت اُس کی صفت ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کرکے گناہ کرتا ہے، اور اس لیے وہ اپنے کو رحمت الٰہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے،

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ	اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنی جانون پر
يَظْلِمُوْنَ ، (توبہ-۹)	آپ ظلم کرتے ہین،
وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ، (مومن-۴)	اور اللہ اپنے بندون پر ظلم کرنا نہین چاہتا،

غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے،

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ، (طہ-۱)	کہ ہر جان کو اپنے ہی کیے کا بدلہ دیا جائیگا،

اس لیے بہشت ہو یا دوزخ جو کچھ ہے، انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے، جس طرح دنیا کے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ تھا، کھانے کا نتیجہ شکم سیری، پینے کا نتیجہ سیرابی، بھوک کا نتیجہ تکلیف، بیماری کا نتیجہ بے آرامی، گرنے کا نتیجہ چوٹ، زہر کا نتیجہ موت، شہد کا نتیجہ مٹھاس، غرض ہر اچھے یا برے فعل کا ایک لازمی

جسمانی نتیجہ تھا، جو دنیا مین ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہا، اسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا تھا، جو ہم کو اس دوسرے عالم مین مل رہا ہے، تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے، اور ہم یہ نہین کہتے کہ ہم زہر کھا کر مر کیون گئے، یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیون آئی، اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہین کر سکتے کہ ہم کو ان اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیون ملی، کہ دونون یکسان ہمارے اعمال کے لازمی نتیجے ہین،

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایتِ رحمت سے ہم کو اعمال کے نتیجون سے قبل از وقت مطلع فرما دیا تھا، ہم کو اُس نے نیک و بد کی تمیز کا احساس بخشا، عقل عنایت کی، ضمیر عطا کیا، پھر نبی اور رسول بھیجے، شریعت دی، کتاب مرحمت فرمائی، اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے، اور اُن اعمال کا ارتکاب کیا، تو اب ہم کو اُن اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا ہے؟

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ، (نساء-۲۳)

یہ رسول بھیجے، نیکون کو خوشخبری سنانے والے، اور بدکارون کو ہشیار کرنے والے تاکہ خدا پر انسان کی حجت باقی نہ رہے،

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر مین اپنی رحمت کے کامل مظہر کو دنیا مین بھیجا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء-۷) ہمنے تجھکو (اے پیغمبر) ساری دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا،

لیکن ظالم و نادان انسانون نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بدعقیدگیون اور بداعمالیون سے اپنے کو برباد کیا، اور جس غرض سے خدا نے اُن کو پیدا کیا تھا، اس سے اعراض کیا، اور اپنے کو خود اپنے ہاتھون سے ہلاکت و بربادی مین مبتلا کیا،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى وَاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ، وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود-۱۰)

[illegible]

اور نہ تھا تیرا رب جو آبادیون کو ہلاک و برباد کرتا، در انحالیکہ اُنکے رہنے والے نکوکار ہوتے، اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگون کو (زبردستی) ایک راہ پر کر دیتا، لیکن وہ یہی زبردستی نہین کرتا) اور وہ یونہی ہمیشہ اختلافات مین رہینگے

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو رحمت کی خاطر بنایا ہے، عذاب کے لیے نہین لیکن وہ خود انسان ہے جو اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اُس کے عذاب کا اپنے کو سزاوار ٹھہرالیتا ہے، اس آیت کی تفسیر مین حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہین،

للرّحمة خلقهم ولم یخلقهم للعذاب، — خدا نے انسانون کو رحمت کے لیے پیدا کیا، عذاب کے لیے نہین،
(طبری ج ۱۲ - ص ۸۶ مصر)

لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان پے درپے رحمتون کے باوجود اپنے کو اسکی رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خدائے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے،

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط (انعام - ۲) — اُس (خدا) نے (مخلوقات پر) رحمت کو اپنے اوپر واجب کرلیا ہے،

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام - ۶) — تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہرالیا ہے،

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۹) — اور میری رحمت نے ہر چیز کو سمالیا ہے،

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ (کہف - ۸) — اور تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے،

ورحمتی سبقت غضبی (صحیح بخاری) — اور میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لیگئی،

وہ اپنے گنہگار و سیہ کار بندون سے ہمیشہ کے لئے اپنا منھ موڑ لے گا، حالانکہ اُس کی رحمت غرض سے نہین، بلکہ بے غرض ہے فرمایا،

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (انعام - ۱۶) — اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دی ہے،

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا — اے میرے وہ بندو جنھون نے اپنے اوپر آپ ظلم

تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر-۶)

گیا ہے خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو، خدا سب گناہوں کو معاف کرتا ہے بیشک وہی بخشنے والا رحمت والا ہے،

اس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اُس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہاں اسکی رحمت کا سب سے بڑا مظہر اُس کے مقام لعنت (دوزخ) سے دوری، اور اُس کے مقام رحمت (بہشت) سے قرب ہے فرمایا،

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ، (انعام-۲)

جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا، تو وہ وہی ہے جس پر اُس نے اپنی رحمت کی، اور اُس کی رحمت کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے،

اللہ تعالیٰ کی ان پے بہ پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُن کے نتائج عمل کے بھگت لینے کے بعد بالآخر اپنی رحمت کے سایہ میں لے، اور اُن کو اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے،

دوزخ قید خانہ نہیں شفاخانہ ہے، انسان جب عدم حفظِ صحت کی غلط کاریوں کے سبب سے بیمار ہوجاتا ہے، تو اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ فطرت نے اُس کو ان کے معاوضہ میں بیماری کی تکالیف کی سزائیں دی ہیں، مگر واقعہ یہ نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان غلط کاریوں کے جو نتائج بد انسان کے جسم کے اندر پیدا ہوگئے ہیں اُن کو دور کرنے کے لیے جسم انسانی جدّوجہد کرتا ہے، اور اُس کی اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیف و آلام ہے، جنکو ہم دردِ سر، دردِ شکم، اعضا شکنی، بیخوابی، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی روحانی بیماریوں کا حال ہے، جنکو ہم اصطلاح میں "گناہ" کہتے ہیں، اور اُن کے نتائج بد کا نام اصطلاحِ شرعی میں "عذاب" ہے، جو آتش دوزخ اور اس کے شدائد و آلام کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور جس کا منشا یہ ہے کہ روحِ انسانی اپنی غلط کاریوں کے نتائج بد کو دور کرنے کیلئے جدوجہد میں مصروف ہوگی، اور جونہی وہ ان سے عہدہ برآ ہوگی، خدا کی رحمت سے سرفرازی پاکے اس عذاب سے نکل کر اپنی موروثی بہشت میں داخل ہوگی،

اس تمہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال یہ نہین ہے کہ وہ مجرمون کے لیے قیدخانہ ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ بیمارون کے لیے شفاخانہ ہے، بیمار کو شفاخانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفین محسوس ہوتی ہین، درد، اعضاشکنی، شدت تشنگی سوزش جسم، اُس کو وہان کڑوی سی کڑوی دوا پلائی جاتی ہے، بدمزہ سے بدمزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے تو اُس کو نشتر دیا جاتا ہے، اُس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے، کوئی داغا جاتا ہے، اوران سب کی تکلیفین اُسکو اٹھانی پڑتی ہین، مگر یہ ساری "ایذارسانی" کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہین ہوتی، بلکہ اُس کے عدم صحت کی غلط کاریون کے نتائج بد سے اُس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کیجاتی ہے، اور جو تکلیفین اسکو وہان محسوس ہوتی ہین، وہ گو شفاخانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہین، مگر اُن کا سبب شفاخانہ نہین بلکہ خود اُس بیمار کا اصول صحت سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا، اور اسکی وجہ سے ان بیماریون مین مبتلا ہونا ہے،

یہ اصول اُن آیات اور اُن احادیث صحیحہ سے پوری طرح سمجھ مین آتا ہے جنمین بالآخر عذاب دوزخ سے نجات کی کیفیت بیان کیگئی ہے، دنیاوی آلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے،

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ (آل عمران-۱۴)

اور تاکہ خدا ایمان والون کو پاک خالص کرے اور کافرون کو مٹائے۔

یہی اصول عذاب اُخروی پر صادق آتا ہے، کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان کی پاکی و صفائی ہے، چنانچہ حدیث صحیح مین ہے کہ حقوق عباد کے بعد

حَتّٰی اِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا اُذِنَ لَهُمْ فِی دُخُوْلِ الْجَنَّةِ (صحیح بخاری باب القصاص یوم القیامہ ص۹۶)

یہانتک کہ جب گنہگار چھیٹے جائینگے اور پاک صاف ہو جائینگے، تب اُن کو جنت مین داخل ہونے کی اجازت ملے گی،

اس حدیث مین یہ دو لفظ هُذِّبُوْا و نُقُّوْا ذرا تشریح طلب ہین، هُذِّبُوْا کا مصدر تهذیب ہے، تہذیب کے لغوی معنی یہ ہین کہ درختون کی خراب شاخین اس لیے چھانٹ دی جائین تاکہ درخت مین سرسبزی و شادابی

پیدا ہوکر ترقی کی نئی زندگی اُسکو مل جائے، اور نُقُّوا کا مصدر تنقیہ ہے، تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہین کہ کسی چیز کے اندر سے خراب و فاسد مادّہ کو الگ کردیا جائے، تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگارون کو جنّت کے داخلہ کے لیے کیا درکار ہے، اسی لیے قرآن پاک مین ہے کہ اہل جنّت جب جنّت کے قریب پہنچین گے تو ندا آئے گی،

طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ ۔ (زمر - ۸) تم پاک صاف ہوچکے تو جنّت مین سدا کیلئے آجاؤ،

الغرض جب اُس طیب و پاکیزگی کا دور آئیگا تو گنہگارون کو بھی نجات ملیگی، اسی لئے ہر گنہگار کے لیے دوزخ کے نکلنے کی مدّت خواہ کتنی ہی طویل ہو، مگر بہرحال اسکی انتہا ہے، فرمایا،

لَابِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۔ (نبا) دوزخ مین وہ صدہا سال تک پڑے رہینگے،

لیکن بالآخر ان صدہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو اُن کو نجات ملیگی،

حدیث رویائے برزخ مین ہے کہ آپ نے دوزخ مین کچھ ایسے لوگون کو بھی دیکھا جنھون نے کچھ اچھے اور کچھ بُرے کام کئے تھے، اُن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت، اور آدھا سخت بدصورت تھا، جب اُنکی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتون نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اُس نہر مین جاکر پڑ جاؤ، سامنے وہ نہر تھی جسمین خالص سپید پانی بہ رہا تھا، وہ اُس مین جاکر پڑ گئے، پھر نکل کر آئے تو انکی وہ بدصورتی جاتی رہی، اور نہایت خوبصورت ہوگئے[۱] اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگارون کو سرفراز فرمائیگی،

گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے، کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیان، اور سزائین بھی گنہگارون کے لیے اللہ تعالیٰ کی اوسی طرح نعمت ہین، جس طرح اس دنیا مین شفاخانون کا وجود بیمارون کیلئے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگارون کی پاکیزگی، اور پاکون کی جنّت مین اُن کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان و رحیم کی رحمت و کرم نے گوارا نہ کیا کہ ان بدبختون کو اُن کی نافرمانیون کے باوجود ہمیشہ کے لیے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب التعبیر،

محروم رکھا جائے، اس لیے اُن کی صفائی کے لیے پہلے برزخ کا حمّام مقرر کیا، اور جو اس سے بھی پاک نہ ہو سکین اُن کے لیے دوزخ کی آگ مقرر کی، کہ وہ اپنی ہر قسم کی بداعمالیون کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائین، اور کُندن بن کر بالآخر اپنی آبائی اور فطری وراثت (جنّت) پائین، اس نظریہ کو پیشِ نظر رکھکر قرآن پاک کی ان آیتون کو پڑھئے جنمین قیامت اور دوزخ کی ہولناکیون اور مصیبتون کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:-

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا
تَنْتَصِرَانِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ، فَاِذَا
انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ، فَيَوْمَئِذٍ
لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ، يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ
بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ، هٰذِهٖ جَهَنَّمُ
الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۘ يَطُوْفُوْنَ
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ،

(رحمان-۲)

تم پر آگ کے صاف اور دھوان ملے شعلے چھوٹین گے،
پھر کوئی تمھاری مدد نہ کر سکیگا، تو اپنے پروردگار کی کن
نعمتون کو جھٹلاؤ گے، پھر جب آسمان پھٹ کر تلچھٹ
کی طرح گلابی ہو جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن
نعمتون کو جھٹلاؤ گے، پھر اس دن کسی انس و جن سے
اُس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائیگا، تو اپنے پروردگار
کی کن نعمتون کو جھٹلاؤ گے، گنہگار اپنی نشانیون سے
پہچان لئے جائین گے، پھر وہ اپنی پیشانیون کے بال
اور پاؤن سے پکڑے جائین گے، تو اپنے پروردگار کی
کن نعمتون کو تم جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ ہے جسکو
گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس دوزخ اور گرم پانی کے
بیچ مین گشت کرینگے، تو تم اپنے پروردگار کی کن نعمتون کو جھٹلاؤ گے،

ان آیتون کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہرحال ماننی پڑے گی، کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال مجرمون کے حق مین نعمت ہین، اس لیے بھی کہ دنیا مین وہ اُن کے ڈر سے برائیون کو چھوڑ کر راہِ راست پر آتے ہین اور اسلئے بھی کہ آخرت مین وہ انھین کے ذریعہ سے اپنے گناہون کے نتائجِ بد سے بری ہو کر بہشتِ ربّانی کے

لائق بن سکین گے،

دوزخ مین رحمت الٰہی کا ظہور اور نجات،

انسان اور وہ بھی اللہ اور رسول کا معترف خواہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار ہو تاہم اُس کے نامۂ اعمال مین کچھ نہ کچھ نیکیان ضرور ہونگی، قیامت گو اللہ تعالیٰ کے عتاب و جلال کا روز ہوگا جسمین ہر گنہگار کو اپنی گنہگاری کا ملزم ہونا پڑیگا مگر بالآخر اس رحمان و رحیم کی شان رحیمی کا ظہور ہوگا، اور رحمتی سبقت غضبی (اور میرے غصہ سے میری رحمت سبقت لیگئی ہے) کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت مین جلوہ گر ہوگا، اور گنہگارون کو اُس کی بدولت گناہون کے داغ سے پاک و صاف کرکے پاکون کی بہشت مین داخلہ کی اجازت ملے گی، فرمایا،

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ	اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے اُس سے
عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ. (تغابن-۱)	اسکی برائیان جھاڑ دیگا، اور اسکو جنت مین داخل کریگا،
وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا	اور دوسرے لوگ جنھون نے اپنے گناہون کا اقرار
صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ	کیا، اور ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد، شاید اللہ
عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (توبہ-۱۳)	انکو معاف کرے بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

احادیث صحیحہ مین اس کے متعلق آنحضرت صلعم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہین۔

۱-حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "شفاعت کے ذریعہ لوگ دوزخ سے چھوٹی ککڑیون کے مانند نکلین گے"(صحیح بخاری، کتاب الشفاعۃ)

۲-حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "دوزخ سے کچھ لوگ اسکی جھلس کھاکر نکلین گے، اور جنت مین داخل ہونگے" (؍؍)

۳-حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جنت والے جنت مین، اور دوزخ والے دوزخ مین داخل ہوچکین گے، تو خدا فرمائیگا کہ جس کے دل مین رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو

تو وہ کوئلے ہوکر نکلین گے، پھر وہ نہر حیات مین ڈال دیئے جائین گے، تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ مین جنگلی دانہ اگتا ہے،" (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۴۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا "پھر مین سجدہ مین گر پڑونگا، اور پڑا رہون گا، تو آواز آئیگی کہ اے محمدؐ! سر اٹھا، مانگ، دیا جائیگا، تو مین سر اٹھاؤنگا، اور اس حمد سے جو خدا مجھے سکھائیگا اس کی حمد کرونگا، اور سفارش کرونگا، تو خدا ایک حد مقرر فرمائیگا، تو مین ان کو دوزخ سے نکالونگا، اور جنت مین داخل کرونگا، پھر لوٹ کر آؤنگا، اور سجدہ مین گر پڑون گا، پھر وہ کچھ لوگون کو بخش دیگا، اسی طرح تیسری، پھر چوتھی بار کرونگا، یہانتک کہ دوزخ مین پھر وہی رہ جائینگے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے،" (ایضاً)

۵۔ حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ محمدؐ کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلین گے، اور جنت مین داخل ہونگے، جنکا نام جہنم والے ہوگا،" (")

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ "میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو،" (")

۷۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندون کے فیصلہ سے فراغت پائیگا اور چاہیگا کہ ان کو جنھون نے اس کی توحید کی گواہی دی تھی دوزخ سے نکالے، تو فرشتون کو ان کے نکالنے کا حکم دے گا، فرشتے ان توحید والون کو اس علامت سے پہچانینگے کہ ان کی پیشانیون مین سجدہ کے نشان ہونگے، کہ خدا نے آدم کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیا ہے، تو وہ ان کو جلا نہ سکیگی، فرشتے جب ان کو نکالینگے تو وہ جلے جھلسے ہونگے، پھر ان پر آب حیات چھڑکا جائیگا تو وہ اس طرح اوگینگے جس طرح سیلاب کے بہاؤ مین جنگلی دانہ اگتا ہے،" (")

۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جنت والے جنت اور دوزخ والے دوزخ مین داخل ہوچکین گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا، دیکھو جس کے دل مین ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اسکو

دوزخ سے نکالو، تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو اس طرح وہ اُگیں گے جس طرح سیل آب کے کنارے جنگلی دانہ اگتا ہے" (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۹۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وہ اہل دوزخ جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے، لیکن وہ لوگ جنکو دوزخ کی آگ بعض گناہوں کی وجہ سے چھوئیگی، تو وہ اس میں کچھ دیر کے لیے مر جائیں گے یہاں تک کہ وہ جل جائینگے، پھر اُن کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کرکے آئیں گے اور جنت کی نہروں میں پھیل جائیں گے، اور اہل جنت سے کہا جائیگا کہ ان پر پانی بہاؤ، تو وہ اس طرح اُگیں گے جیسے سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانے" (〃)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "سب سے آخر میں جو شخص دوزخ سے نجات پاکر نکلیگا، وہ گھسٹتا ہوا نکلیگا، اور اُس کو جنت بھری معلوم ہوگی"...... (〃)

۱۱۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ خدا فرمائیگا کہ "ملائکہ نے سفارش کی، اور پیغمبروں نے سفارش کی، اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہگیا جو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دوزخ سے مٹھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالیگا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی" (صحیحین)

۱۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ "جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کے دل میں جو برابر بھی نیکی رہی ہو، اُس کو دوزخ سے باہر کرو، جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور گیہوں کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل میں نیکی ہو، اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور جوار کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل میں نیکی ہو، اُس کو دوزخ سے الگ کرو" (ترمذی، صفۃ النار حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابوں میں ان معنوں کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جنکا استقصا یہاں مقصود نہیں، ان تمام حدیثوں میں قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے،

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (نساء۔ ۱۸)

بیشک اللہ اس کو معاف نہ کریگا کہ اُسکے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہے وہ اُس کو جس کے لیے چاہیگا معاف کر دیگا،

اس آیت مین تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجہ سے برأت کیجا سکتی ہے، مگر شرک وہ بیماری ہے جسکے نتائج سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہین، اسلیے اُن کے نتائج بد بھگتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانون ابدی کے خلاف ہے

شرک و کفر کی بخشایش نہین احکام الٰہی اور شریعت ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمین ہین، ایک کا تعلق دل اور قلب سے ہے اور جو بمنزلۂ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان مین ایمان، فلسفہ کی اصطلاح مین علم اور تصوف کی بولی مین عرفان کہتے ہین، اور دوسری قسم وہ ہے، جو اس عقیدۂ اول کی فرع اور نتیجہ ہے، اور جسکا تعلق اعضا اور جوارح سے ہے اُس کو ہم مختصراً عمل اور تفصیلاً عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہین، شرک و کفر کے گناہ کا تعلق قسم اول سے اور دوسرے گناہون کا تعلق قسم دوم سے ہے، دلون مین ایمان و علم و عرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو اس ظلمتکدہ کی روشنی کی امید کسی طرح کیجا سکتی ہے، مگر جس کا شانۂ دل مین اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اسکی روشنی سے ہمیشہ کے لیے ناامیدی ہے، اسی لئے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہین، اور جہان ایمان کچھ بھی موجود ہے، اعمال خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمال شر کا بھی ساتھ ساتھ وجود ہے، جنکی دوزخ کے عذاب اور رحمت الٰہی سے تلافی ہو کر نجات مل سکتی ہے، ایمان و علم و عرفان جسکی حقیقت "بالغیب یقین" ہے، اس کا حصول موت کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آتے جاتے ہین، ہماری سعادت کا نتیجہ نہین، بلکہ خود اُن حقائق کے ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک و کفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانون الٰہی مین ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی جو دوسری قسم کا گناہ ہے، خدا کی رحمت سے بعید نہین ہے،

سمجھنے کے لیے ان دونون کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا مین تعلیمی امتحان کے لیے ۳۳ نمبر کم از کم فرض کیا گیا ہے، اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ اور اس لئے اُس کا نمبر صفر محض ہے تو رحم دل سے رحم دل ممتحن

کے لیے بھی یہ ناممکن ہے کہ اُس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے، لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں، اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں، اور کچھ غلط لکھے ہیں، تو اگر وہ ۲۹ و ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے تو رحمدل ممتحن ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے،

الغرض ایمان و علم و عرفان کے مجرم جنکا نام مشرک و کافر ہے، اپنے ناقابل تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذاب دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ انکی دنیاوی زندگی کا عرفانی فقدان رحمت الٰہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی بالفعل نہیں رکھتا، مگر کیا شرک و کفر کے گنہگاروں کے لیے شرک و کفر کے دورۂ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی، رہائی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب آیندہ سطروں میں ملیگا،

کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ دوزخ جو عقاب الٰہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہیگا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کے قانون کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے[1]، اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدت دراز کے بعد ایک دن آئیگا جب جہنم کی آگ

[1] ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں، جنکی تفصیل ملل و نحل کی کتابوں میں موجود ہے، ایک، دو کو چھوڑ کر اس پر تو بے شبہہ قطعیت کیساتھ سب کا اتفاق ہے کہ جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہے، لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت میں کسی قدر اختلاف ہے، عام اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی ہے، گنہگار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر یا خدا کی رحمت سے متاثر ہو کر بالآخر جنت میں داخل کئے جائینگے لیکن مشرک و کافر کے گناہ کبھی معاف نہونگے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے، فقہا اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجئیہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ جو مومن ہوگا وہ گنہگار بھی ہوگا تو کبھی دوزخ میں نہ جائیگا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی سے جنت میں داخل ہوگا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیگا، اور کبھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں، ع شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا،

اہلسنت کے بعض محققین نے بیچ کا مسلک اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، اور صاحب العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء والمشائخ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پا چکیں گے تو جہنم فنا کر دیجائیگی، اور جنت کو بقائے دوام بخشا جائیگا، حافظ ابن قیم نے اپنی دو کتابوں شفاء العلیل اور حادی الارواح میں (دونوں مطبوعہ ہیں، حادی الارواح اعلام الموقعین کیساتھ چھپی ہے) قرآن اور احادیث و آثار اور عقل کی پچیس دلیلوں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے (دیکھو شفاء العلیل از صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۶۴ حسینیہ مصر، اور حادی الارواح از صفحہ ۱۶۷ تا صفحہ ۲۳۵ مطبعہ جدیدہ مصر) صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی اور انکے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلود نار کا حکم ہے، وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائینگے کہ انکو اسی دوزخ میں راحت اور لذت معلوم ہونے لگیگی جیسے بعض کیڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور انھیں میں لطف اٹھاتے ہیں، میں نے اس باب کو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا ہے کہ اسمیں اجمال الٰہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہے

رحمتِ الٰہی کے چھینٹون سے بالآخر سرد ہوجائیگی، حدیث صحیح مین ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنّت میری رحمت، اور دوزخ میرا عذاب[1] ہے"؛ اسی کے ساتھ حدیث صحیح مین وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اُس نے اپنے عرش کے اوپر یہ لکھدیا کہ

رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ[2] میری رحمت میرے غضب سے سبقت لیگئی ہے،

پھر اگر دوزخ جو اُس کے غضب کا مظہر ہے اسکی جنّت ہی کی طرح دائمی وابدی ہو، تو اُسکا غضب اُس کی رحمت پر سبقت لیے جاتا ہے، یا برابر ہوا جاتا ہے، اور اس کا تخیل بھی اُس رحمان ورحیم کی نسبت نہین ہوسکتا، اسی طرح حدیث مین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصّون مین سے صرف ایک حصّہ دنیا مین اتارا اور ننانوے (۹۹) حصّے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہین[3]، اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن آئیگا جب اُس کے غضب پر اسکی رحمت غالب آئیگی، اور اسکی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہیگا، اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہون کی ناپاکیون اور نجاستون سے اپنے اپنے مقررہ وقت پر پاک ہوکر اسکی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنائے جائینگے

اسلام کے رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک و کافر ہین، اور جو اس وقت تک نجات نہ پاسکین گے جبتک دوزخ کے تنور مین ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے، تاہم اُن کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن مین حسب ذیل تین تصریحات ہین،

۱- لَابِثِیْنَ فِیْھَآ اَحْقَابًا (نبأ-۱) وہ دوزخ مین صدہا ہزارہا سال ٹھہرینگے،

صدہا ہزارہا سال کی مدت کسی قدر بڑی ہو، پھر بھی اُن کا خاتمہ ہے، دوسری آیت جو صریحًا کفّار و مشرکین کے حق مین ہے یہ ہے،

(حاشیہ صفحہ ۶۰۷) اگر یہ اختیار کردہ پہلو حق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور توبہ کی توفیق بخشے، اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھولے،

[1] صحیح بخاری باب رحمۃ اللہ جلد دوم صفحہ ۱۱۱۰ و صحیح مسلم، [2] صحیح بخاری، باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، جلد دوم صفحہ ۱۱۱۱ و صحیح مسلم باب سعۃ رحمۃ اللہ [3] صحیح مسلم باب سعۃ رحمۃ اللہ،

٢- اَلنَّارُ مَثْوٰکُمْ خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ۔ (انعام-١٥)

دوزخ ہی تمہارا ٹھکانا، اُسمین تم سدا رہنے والے ہو لیکن یہ کہ اللہ جو چاہے، بیشک تیرا رب حکیم و علیم ہے،

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل مین قانوناً یہی ہے کہ دوزخ مین دائمی سزا دی جاتی رہے، مگر اُس کی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے، لیکن وہ حکیم و علیم ہے، اس لیے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق مین کیا کرنا چاہیے، اور کب کرنا چاہیئے،

تیسری آیت مین ہے :-

٣- خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۔ (هود-٩)

وہ دوزخ مین ہمیشہ رہین گے، جبتک آسمان زمین قائم ہین، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے، بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

دوسری اور تیسری دونون آیتون مین، اللہ تعالیٰ نے ان کے حق مین اپنی مشیئت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے، اور ان دونون مین اپنے کو "رب" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اسکی مشیئت بالآخر اس عذاب کا ختم ہوجانا اسکی "ربوبیت" کا اقتضا ہے،

قرآن پاک مین کوئی ایسی صاف و صریح آیت موجود نہین ہے، جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدمِ انتہا، اور تسلسلِ وجود پر تصریح استدلال کیا جاسکے، حالانکہ اس کے برخلاف بہشت کی ہمیشگی و بقا اور عدم انقطاع و عدم فنا کی بیسیون آیتین قرآن پاک مین موجود ہین، چنانچہ ان دونون کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام و کمال یہان نقل کرتے ہین، فرمایا،

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ

تو لیکن جو بدبخت ہوئے وہ دوزخ مین ہونگے اسمین ان کو گدھون کیطرح چلانا اور رینکنا ہے، جبتک آسمان اور زمین ہین وہ اس دوزخ مین رہینگے

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا
فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ
مَجْذُوْذٍ، (هود-٩)

مگر جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر ڈالتا
ہے، اور لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں
ہونگے، ہمیشہ اُسمین رہین گے جب تک آسمان و زمین
قائم رہین، مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی،

دیکھو کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ دونون کے لیے خلود و دوام فرمایا، پھر ان دونون مین اس کے بعد اپنی مشیئت سے استثنا فرمایا، مگر اہلِ دوزخ کے دوام کے ذکر مین فرمایا کہ "مگر جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر ڈالتا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کردے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہلِ جنت کے دوام کے ذکر مین بتصریح فرمایا "مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی"، اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ جنت کے حق مین اسکی مشیئت یہی ہوگی کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتہی دوام و تسلسل کیساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر مین متعدد ائمہ سلف مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کے بارہ مین تو اپنی مشیئت ظاہر فرما دی کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے، لیکن اہلِ دوزخ کی نسبت اپنی مشیئت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے[۱]،

ایک اور مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر اس طرح فرمایا گیا ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ
الْبَرِيَّةِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ جَزَآؤُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ (بینه)

بیشک اہلِ کتاب اور مشرکون مین سے جنھون نے
کفر کیا، وہ جہنم کی آگ مین (خالد) پڑے رہین، یہ بدترین
لوگ ہین، بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ
بہترین لوگ ہین، اُن کی جزا اُن کے پروردگار
کے نزدیک بسنے کے باغ ہین، جن مین نہرین
بہتی ہون، وہ اُس مین ہمیشہ (خالد) رہینگے،

غور سے دیکھو کہ اس مین اہلِ دوزخ کے مقابلہ مین اہلِ جنت کے دوام مین کتنی تاکید پر تاکید ہے، پہلے

[۱] تفسیر طبری و درمنثور سیوطی تفسیر آیات ہود رکوع ۹ و انعام رکوع ۱۵،

"عدن" فرمایا، جس کے معنی "قیام" اور "بسنے" کے ہین، پھر "خالدین" کہا کہ وہ اس مین "رہا کرین گے" بعد ازین "ابدًا" فرمایا کہ وہ جنت مین ابدی طور سے قیام کرین گے،

اسی طرح ایک اور سورہ مین ہے،

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	اور اُس کو اُن باغون مین داخل کریگا جن کے نیچے
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ	سے نہرین بہتی ہونگی جنمین وہ ہمیشہ رہا کرین گے،
الْعَظِيْمُ ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ	اور وہی بڑی کامیابی ہے، اور جنھون نے انکار
اُولٰۗئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ	کیا اور ہماری باتون کو جھٹلایا، وہی دوزخ والے
بِئْسَ الْمَصِيْرُ ، (تغابن ـ ۱)	ہین، وہ اسمین رہا کرینگے، اور وہ بری جگہ ہے،

دیکھو کہ تقابلًا دونون مین خالدین (رہا کرینگے) اور خالدین فیہا ابدا (ہمیشہ رہا کرین گے) کا فرق کتنا نمایان ہے کہین یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب مین مدت کی تعیین سے سرے سے خاموشی برتی گئی ہے، اور جنت مین خلود کی تصریح فرمادی گئی ہے، مثلًا

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا	جس دن کچھ منھ سپید ہونگے اور کچھ سیاہ، تو جو
الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ	سیاہ ہوئے، تو کیا ایمان کے بعد کافر ہوگئے تھے،
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا	تو اپنے کفر کی پاداش مین عذاب کا مزہ چکھو، اور
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ	جنکے منھ سپید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت مین ہونگے،
وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا	اور اوس رحمت مین سدا رہین گے،
خٰلِدُوْنَ ، (آل عمران ـ ۱۱)	

" " " " " " " " " "

آیت بالا مین عذاب کے ذکر مین مدت کی تصریح سے سراسر خاموشی ہے، اور رحمت کے ذکر مین خلود کی تصریح تمام ہے،

انھین آیتون کی تفسیر مین آنحضرت صلعم اور بعض صحابۂ کرامؓ سے روایتین ہین کہ ایک دن آئیگا جب دوزخ کے میدان مین ہُو کا عالم ہوگا، اور کوئی ایک متنفس بھی وہان نظر نہین آئیگا، چنانچہ:-

۱- طبرانی مین حضرت ابو امامہ صحابیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جہنم پر ایک دن ایسا آئیگا جب وہ خزان رسیدہ پتے کے مانند ہوجائیگا، اور اُس کے دروازے کھل جائین گے"

۲- حضرت جابرؓ یا کسی اور صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جہنم پر ایک دن ایسا آئیگا جسمین اُس کے دروازے کھل جائین گے، اور اُسمین کوئی نہ ہوگا"

۳- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "مین جو کہتا ہون وہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک دن آئیگا جب اسمین کوئی نہ ہوگا"

۴- تفسیر عبد بن حمید مین حضرت عمرؓ سے روایت کیگئی ہے کہ انھون نے فرمایا کہ "اگر اہل دوزخ ریگستان عالج کے ذرات کے بقدر شمار بھی دوزخ مین رہین، پھر بھی ایکدن آئیگا جب وہ اُس سے نکلین گے"

۵- عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ "جہنم پر ایک دن آئیگا کہ اس کے خالی دروازے کھڑکھڑا رہینگے اور اسمین کوئی نہ ہوگا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب لوگ اسمین صدہا ہزارہا سال (احقاب) کی مدت پوری کرلینگے"

۶- عبد الرزاق، ابن منذر، طبرانی، اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات مین ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی، یا ابو سعید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے یہ فرمایا کہ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ کا استثنا پورے قرآن پر حاوی ہے، یعنی جہان جہان قرآن مین خَالِدِيْنَ فِيْهَا (سدا اسمین رہینگے) ہے وہان پر مشیت الٰہی کا استثنا قائم ہے"

۷- حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ "دوزخ پر ایک زمانہ آئیگا جب اُس کے خالی دروازے کھڑکھڑا رہینگے"

دفع شبہہ | قرآن پاک مین ایسی بھی چند آیتین ہین جن سے لوگون کو دوزخ کے دوام کا خیال ہوا ہے، مثلاً وہ آیتین جنمین کفار کو خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ہمیشہ کے عذاب کی دھمکی دیگئی ہے،

لہ حافظ ابن القیم نے شفاء العلیل (صفحہ ۲۵۹) مین ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر و حدیث سے نقل کیا ہے، انمین سے بعض ابن جریر طبری مین بھی آیات مذکور کی تفسیر مین خصوصاً تفسیر سورۂ ہود جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ مین مذکور ہین اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر در منثور، تفسیر سورۂ ہود، جلد ثالث صفحہ ۳۵۰ مین زیر آیت مذکورۂ ہود ذکر کیا ہے، اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی مین چھٹی روایت صفحہ ۲۳ ۱ (مطبوعہ الہ آباد) مین ہے،

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکَافِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَھُمْ	۱۔ بیشک خدا نے کافروں پر لعنت کی، اور اُن کیلئے دہ
سَعِیْرًا خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا (احزاب ۸۰)	آگ مہیا کی جسمین وہ ہمیشہ پڑے رہین،
۲۔ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ	۲۔ اور جو اللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کریگا، تو اُسکے
جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا، (جن ۲)	لیے جہنم کی وہ آگ ہے جسمین وہ ہمیشہ پڑے رہین،
۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ	۳۔ بیشک جنھون نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے
لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا اِلَّا	نہین ہے کہ اللہ اُن کو بخشے اور نہ یہ کہ اُن کو راہ دکھائے
طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا (نساء ۲۲)	لیکن جہنم کی راہ جسمین وہ ہمیشہ پڑے رہین،

ان تینون آیتون مین خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا (دوزخ مین ہمیشہ رہین گے) کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنکے حق مین یہ آیتین آئی ہین، وہ اُس وقت تک دوزخ مین ہمیشہ رہین گے جب تک حسب مشیئت الٰہی دوزخ کے خاتمہ کا دور نہین آئے گا،

باقی چند آیتون مین اَبَدًا (ہمیشہ) کے بغیر صرف خَالِدٌ ہے جیسے

ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ،	وہ اُسمین خالد رہین گے،

یا ایک جگہ ہے،

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سجدہ)	اور خلود کے عذاب کا مزہ چکھو،

تو یہان ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ خلود کے دو معنی ہین ایک حقیقی دوام، اور دوسرے قیام طویل ان دو مین سے کسی ایک معنی کی تخصیص بقرائن ہوگی، اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے عربی اشعار مین پہاڑون، اور بدویانہ چولھون کے پتھرون کے لیے خوالد، اور خالدات کے لفظ صفت مین آتے ہین، کیونکہ وہ تا دیر اور زمانۂ دراز تک باقی رہنے والے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ تنہا "خالدین" کا لفظ ابدیت کے مفہوم مین صریح نہین ہے جبتک اس کے ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو، جو دوام کے معنی کی تخصیص کردے، جیسا کہ یہ قرینہ اُن آیتون مین

ہے جہاں اہل جنت کو خٰلِدِیْنَ کہا گیا ہے، کہ تقریباً بیس آیتوں میں ان خلود کے معنی دوام اور عدم انقطاع کے بتائے گئے ہیں، اس لیے جنت کے سلسلہ میں جہاں صرف خٰلِدِیْنَ بھی ہے، وہاں ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لیے جائینگے، برخلاف اس کے جہاں دوزخ کے ساتھ خٰلِدِیْنَ کا لفظ ہے وہاں دوام کے مفہوم کیلئے کوئی قرینہ موجود نہیں، اس لیے دوزخ والی آیتوں میں خلود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار زمانہ دراز تک دوزخ میں رہینگے، غالباً یہی وجہ ہو کہ گنہگار اہل ایمان کی سزا میں کبھی خٰلِدِیْنَ کے ساتھ اَبَدًا استعمال نہیں کیا گیا ہے، گنہگار اہل ایمان میں سب سے بڑی دھمکی اس کو دی گئی ہے، جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا ہو، مگر اس کے سامنے بھی خٰلِدِیْنَ کے ساتھ اَبَدًا استعمال نہیں کیا گیا، فرمایا:-

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ	اور جو کوئی کسی باایمان کو قصداً قتل کریگا تو اسکا بدلہ
خَالِدًا فِيْهَا، (نساء-۱۳)	دوزخ ہی جسمیں وہ خَالِدًا (یعنی مدت دراز تک پڑا) رہیگا

یہی سبب ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے سوا تمام اہل اسلام اس بیگناہ مسلمان مقتول کے قاتل کی بالآخر بخشایش کے قائل ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں میں "خلود" سے مراد "ہمیشگی" نہیں ہے، بلکہ زمانہ دراز ہے، کہ اہل توحید کی بالآخر نجات قرآن و حدیث کی متفقہ تعلیم ہے، اور اس لئے مومن کے لیے اس کے کسی جرم کی سزا میں ہمیشگی کا مفہوم داخل ہی نہیں ہو سکتا، بنا بریں ان آیتوں میں "خلود" کے معنی منطقی دوام کے نہیں، بلکہ عرفی دوام کے ہیں، یعنی مدت دراز کے، ہم عام طور سے مجرم کے لیے "حبس دوام" کی قانونی اصطلاح بولتے ہیں، جس سے مراد کبھی ابد تک کیا قیامت تک کا زمانہ بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ عمر بھر بھی نہیں، بلکہ صرف اس سے قانونی قید کی درازترین مدت مراد ہے، جس کا قانونی اندازہ بیس سال کیا گیا ہے، کتنے مجرم ہیں جو اس مدت کو کاٹکر آزادی حاصل کرتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں، جو کسی شاہی عفو عام کے سلسلہ میں قبل از مدت رہائی پا جاتے ہیں،

دو چار آیتیں ایسی بھی ہیں، جنمیں مذکور ہے کہ یہ گنہگار دوزخ سے الگ نہ ہونگے، چنانچہ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۚ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ، وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ، (انفطار)

۱۔ بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں، وہ انصاف کے دن اُس میں داخل ہونگے، اور وہ اُس سے چھپے نہیں رہ سکتے،

۲۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ،

(بقرہ ۲۰)

۲۔ اور کہیں گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی زندگی ملتی تو ہم اپنے پیشواؤں سے ہی الگ ہو جاتے جیسے وہ ہم سے یہاں الگ ہو گئے، اللہ اُن کے کاموں کو ایسے ہی حسرتیں بنا کر انکو دکھائیگا، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں،

۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ،

(مائدہ ۶)

۳۔ بیشک جنھوں نے کفر کیا، اگر اُن کی ملکیت میں کل روئے زمین ہو، اور اتنا ہی اور ہو تاکہ اُسکو فدیہ دیکر قیامت کے عذاب سے رہائی پائیں تو وہ اُن کی طرف سے قبول نہ ہو، اور اُن کیلئے دردناک عذاب ہے، وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں، لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں، اور اُن کے لیے قائم عذاب ہے،

۴۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ، (حج ۲)

۴۔ وہ جب چاہیں کہ اس دوزخ سے غم کی وجہ سے نکل پڑیں، وہ اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائیگا کہ) جلنے کی سزا چکھو،

۵۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا

۵۔ اور لیکن جنھوں نے نافرمانی کی، تو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب وہ چاہیں گے کہ وہ اس سے

فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ — نکل جائین، انہین لوٹا دیئے جائینگے، اور کہا جائیگا کہ دوزخ
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ، (سجدہ-۲) — کی اس مار کا مزہ چکھو جسکو تم جھٹلاتے تھے،

یہ وہ پانچ آیتین ہین، جنسے بعضون کو عذابِ دوزخ کے دوام اور غیر منقطع بقا کا خیال پیدا ہوا ہے، مگر ان مین سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو اُن کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہوجائیگی، پہلی آیت کا منشا اسی قدر ہے کہ کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپکر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیگا، تو یہ محال ہے، کہ خدا سے چھپکر بچ جانا کسی طرح ممکن نہین؛ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کہینگے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا مین جانے دیا جائے تو ابکی ہم نیکی کے کام کرینگے، اس کے جواب مین کہا جائیگا کہ اب یہان سے نکل کر دنیا مین دوبارہ جانا نہین؛ تیسری آیت مین ہے کہ پورے روے زمین کی دولت دیکر بھی آخرت مین نجات خریدی نہین جاسکتی، اور نہ وہان سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے، چوتھی اور پانچوین آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے عذاب سے گھبرا کر اُس سے نکل بھاگنا چاہیگا تو وہ پکڑ کر پھر اسی مین ڈالدیا جائے گا، ان آیتون سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکین گے، اور نہ مدتِ عذاب کے اندر وہ خلاصی پاسکتے ہین، مگر اس سے خدا تعالیٰ کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہین نکلتی، اور نہ اس کی کہ بقدرِ گناہ عذاب کی مدت بسر کرنے کے بعد بھی نجات نہین ملسکتی، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی دوام بخشا گیا ہے،

یہی وہ آیتین ہین جنسے گنہگارون کے لیے دوامِ عذاب کا مفہوم نکالا جاسکتا ہے، مگر ایک ایک آیت کو غور سے پڑھو کہ ان مین سے کسی مین بھی دوزخ کے دوامِ بقا اور عدمِ فنا یا اس کے عذاب کے عدمِ انتہا کی تصریح ہے؟ حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقائے دوام اور عدمِ انقطاع کی تصریح بار بار اور بتکرار ہے،

ایک اور نکتہ لحاظ کے قابل ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگارون کو عذابِ دوزخ کی ابدیت اور دوام کی دھمکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہین کرنی چاہیئے کہ نیکی کا بدلہ نہ دینا یقیناً برائی ہے، جس سے

اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تمامتر پاک ہے کہ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آل عمران ۲) تو وعدہ کے خلاف نہین کرتا۔ اِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا (مریم ۴) اُس کا وعدۂ جنّت پورا ہی ہوگا، لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب تہدید سابق برائی کے ساتھ نہ دیا جائے، تو یہ حقیقت مین خلاف وعدگی نہین، جو قابلِ ملامت ہو، بلکہ اس کا نام مغفرت، کرم، عطا، اور عفو ہے جس کا اہل اس رحمان ورحیم اور عفوّ وغفور سے بڑھکر کوئی دوسرا نہین، اس لیے گنہگارون کے ساتھ جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے، اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کرسکتا ہے، چنانچہ مسند ابو یعلیٰ مین حضرت انس بن مالک سے روایت ہو کہ آپ نے فرمایا کہ "خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اُس کو ضرور ہی پورا کریگا لیکن جب کسی کو اُس کے کسی کام پر عذاب کی دھمکی دی ہے تو اُس کو اختیار حاصل ہے"[1]

کوئی کہہ سکتا ہے، کہ اگر بالآخر گناہون کی مغفرت اور خدا کی رحمت مین یہ وسعت اور عموم ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ مین جل کر بالآخر پاک وصاف اور جنت مین داخل ہونے کے قابل ہو جائین گے تو اشارات وکنایات کے بجائے اُن کی معافی کی صریح تصریح کیون نہین کردی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ اُن مجرمون اور گنہگارون کے حق مین اچھا نہ ہوتا، کہ اس سے ان کے نادم و تائب ہونے کے بجائے ان مین اور خودسری، گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی، اور ان مین آیندہ کے نتائج بد سے نڈرپن اور بیخوفی آجاتی، اور یہ تنبیہ و اصلاح و تدارک کی مصلحتون کے سراسر منافی ہوتا، اس لیے انکی قانونی سزا، تو دائمی عقاب مقرر فرمائی، اور بالآخر اُنکی نجات کو اپنی مشیئت اور علم و مصلحت کے سپرد فرماکر، اُن کو یک گونہ اپنے سے نااُمید بھی نہین ہونے دیا، اور امید و بیم کی حالت مین رکھکر اپنے سامنے جھکنے اور محبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کردیا، اور یہ اس باب مین وہ عظیم الشان اصلاح ہے جس کو ایک طرف عیسائیون نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندو مذاہب نے کرم کی تعلیم دیکر غارت کردیا تھا،

عیسائیون کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہوکر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام گناہ دفعۃً معاف

---

[1] بحوالہ شفاء العلیل ابن قیم صفحہ ۲۲۲، مصر،

ہوجاتے ہین، اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرادیا تھا، ان کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمالِ بد کے نتائج جنکو کرم کہتے ہین، خدا چاہے بھی تو وہ کبھی معاف نہین ہوسکتے، لیکن اسلام نے آکر ترازو کے ان دونون پلّون کو برابر کردیا، ایک طرف فرمایا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ "ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ مین گرو ہے" (مدثر - ۲) اور دوسری طرف فرمایا يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ "خدا جس کو چاہے بخشدے اور جسکو چاہے عذاب دے" (مائدہ - ۳) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے، مگر خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کرسکتی ہے، جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ گو خدا کے بنائے ہوئے قانون یہان جاری ہین، جنکو آپ قانونِ فطرت کہتے ہین، مگر بایہمہ اس کا حکم اور اسکی خواہش اور مصلحت اُن پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچالیا، اور دوسری طرف خدا کی قدرتِ تام اور رحمتِ عام کا دروازہ بھی کھُلا رکھا،

عذابِ طویل کا سبب | بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہین کہ انسان کا گناہ جو ایک لمحہ کا کام ہے، اُس کا عقاب اتنا طویل کیون رکھا گیا، اسی طرح سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صدہا اور ہزارہا سال کے عقاب سے دینا مناسب نہین، حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ اُن کی تسکین کے لیے کافی ہوتے، دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ مین انجام پاجاتا ہے، چوری کرتے، عملِ خلافِ فطرت کرتے، یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے؟ مگر اُس کے معاوضہ مین سالہاسال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت گاہون مین تجویز کرتے ہین، اور اس کو خلافِ عقل نہین کہتے،

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذراسی جسمانی بدپرہیزی، اور اصولِ صحت کی معمولی سی غلطی کے پاداش مین وہ کبھی ہفتون، مہینون، بلکہ سالہاسال بیمار رہتا ہے، اور ایک مدّتِ دراز مین جاکر کہین اُن چند لمحون کی غلطی کی تلافی کرپاتا ہے، اور کبھی اس معمولی سی غلطی کے بدولت عمر بھر اُس کے روگ مین مبتلا رہتا ہے، اور آخر مین جان دیدیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اسکی تلافی کی مدّت مین یکسانی نہین ہوتی بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدّت کے مقابلہ مین

اسکی تلافی کی مدت صدہا اور ہزار ہا گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑ جاتا ہے، اسکی تلافی کی مدت غلطی کی نوعیت، طبیعت کی صلاحیت، اور خلاقِ عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لیے عقابِ طویل سے رہائی یا شفایابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لیے یکسان نہین ہوسکتی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

مشرک و کافر کا آخرانجام؟ اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہوجائیگی تو کیا اہلِ کفر و شرک بھی اپنے گناہون سے پاک ہوکر رحم و کرم کے سزاوار ہوجائین گے؟ جواب یہ ہے کہ،

قرآن پاک مین اسکی تصریح موجود ہے کہ شرک و کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا یعنی اُس کے اُخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ شرک و کفر کی جزا، دوامِ عذاب، اور خلودِ نار (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا) ہے، یعنی جب تک دوزخ قائم ہے، اُس سے اُن کو نجات نہین مل سکتی، مگر جب حسبِ مشیئتِ الٰہی وہ دن آئے کہ خود دوزخ کی مدتِ حیات ختم ہوجائے، تو اس وقت عجب نہین کہ اُن کو بھی اس سے رہائی مل سکے،

چنانچہ مشرکین و کافرین کے ذکر مین خدا فرماتا ہے،

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ	فرمائیگا، دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اسمین ہمیشہ رہوگے،
اللّٰهُ، اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (انعام-۱۵)	مگر یہ کہ جو چاہے اللہ، بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے،

اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا "تیرا رب حکمت اور علم والا ہے" اس موقع پر خدا کے لیے خاص طور سے رَبّ کا لفظ لانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کی شانِ ربوبیت اگر چاہے گی اور اُس کے غیر محدود علم و حکمت کا اقتضا ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر اُن کو رہائی مل سکیگی،

لیکن اسمین شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت مین داخل ہوسکین گے، کیونکہ حضرت عیسیٰ کی زبان سے قرآن مین یہ تصریحِ الٰہی ہے،

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ	یہ کہ بے شبہہ اللہ کا جو شریک بنائیگا، تو اللہ نے اُس پر جنت
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (مائدہ-۱۰)	حرام کردی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

نیز ایک اور آیت مین ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ط (اعراف-۵)

بیشک جنھون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا، اور اُن کے ماننے سے غرور کیا، تو اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہین کھولے جائین گے، اور وہ جنت مین داخل نہین ہو نگے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکہ مین داخل ہو جائے،

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانون جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گو اُن کے لیے کبھی دوزخ کا خاتمہ بھی ہو جائے، مگر جنت کے احاطہ مین اُن کا گذر نہ ہو، لیکن اُسکی رحمت و مغفرت کا دائرہ اس سے بھی بڑھکر ہے، جیسا کہ خود اُس نے اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ، (ھود-۹)

(وہ سدا دوزخ مین رہینگے) لیکن تیرا رب جو چاہے، بیشک تیرا رب جو چاہے کر گذرتا ہے،

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے کہ پھر اُس کا یہ بھی اعلان ہے، کہ

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (اعراف-۱۹)

اور میری رحمت ہر شے کو اپنی گنجایش مین لیے ہے،

اس رحمت عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے والون کو کہا جاتا ہے کہ

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ج وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ، (انعام-۱۸)

اے پیغمبر اگر وہ تجھے جھٹلائین، تو کہدے کہ تمھارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگارون سے ٹالا نہین جا سکتا،

یعنی کسی دوسرے مین یہ طاقت نہین کہ اُس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگارون کے سر سے ٹالدے لیکن خود اسکی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ چاہے تو اُن کو دنیا ہی مین ہدایت دیکر جنت نصیب کرے، یا آخر بہت

مین عذاب دینے کے بعد درگذر کردے، اور اُس کی اصلی رحمت کا محل وہی ہے جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا، فرمایا،

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ط (انعام-۲) — جس سے اُسدن عذاب ہٹایا گیا، تو خدا نے اس پر رحم کیا،

صحیح بخاری و مسلم و ترمذی مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت سے مایوس ہو جائے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اسکی رحمت کتنی وسیع ہے، تو وہ بھی جنت سے نا امید نہ ہو"،

مصلح الدین سعدی نے غالباً اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعرون مین ادا کیا ہے،

بہ تہدید اگر برکشد تیغِ حکم — بمانند کرّوبیان صمّ و بکم

وگر در دہد یک صلائے کرم — عزازیل گوید نصیبے برم

خود اُس رحمان و رحیم کا ارشاد ہے، کہ جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے،

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ — جسکو چاہتا ہے، بخشدیتا ہے، اور جسکو چاہے عذاب دیتا ہے،

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ، (مائدہ-۳) — اور اسی اللہ کی آسمانون کی اور زمین کی اور اُن کے بیچ کی بادشاہی ہے، اور اسی کی طرف لوٹکر جانا ہے،

لیکن اسکی یہ مشیت جیسا کہ اُس نے (انعام رکوع ۱۵) مین فرمایا ہے، اُسکی وسیع حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، مگر کرتا وہی ہے جو اسکی مصلحت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے،

اس سے زیادہ اس باب مین کچھ اور کہنا حد سے آگے بڑھنا ہے، کہ جسکی تصریح خود خدائے تعالیٰ نے نہین فرمائی، اسکی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے، اس لیے مشرک و کافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف "مشیت الٰہی" ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے،

اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (انعام-۱۵) — دوزخ تمھارا ٹھکانا ہے، اسمین سدا رہوگے، لیکن جو چاہے اللہ، بیشک تیرا پروردگار حکمت والا، اور علم والا ہے،

بہشت و دوزخ کی جزاء و سزا بھی تمثیلی ہے،

اوپر عالم برزخ کے ذکر میں ہم تفصیل بتا چکے ہیں کہ جزاء و سزائے اُخروی تمامتر تمثیلی ہوگی، اس تمثیلی کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اُسی کے مناسب و مشابہ اسکی جزا یا سزا ہوگی مثلاً قرآن میں ہے کہ جو زکوٰۃ یعنی اپنے مال کا میل کچیل مستحقین کو کھانے کے لیے نہ دیگا تو اُس کو دوزخ میں زخمون کا دھوون کھانے کو ملیگا، یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دیگا، مرنے کے بعد اُس کو جانِ تازہ اور حیاتِ نو بخشی جائے گی، وہ دولتمند جس کو دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے قصر و محل اور پینے کے لیے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور عزت کی جگہ عنایت کیگئی تھی، اگر اس نے دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق اِس دنیا میں ادا نہ کیا تو دوسری دنیا میں اُس کو یہ سامان ملیگا،

فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا	وہ لُو اور کھولتے پانی میں، دھوئیں کے سایہ
بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ	میں، نہ ٹھنڈا، نہ باعزت، بیشک، وہ پہلے
مُتْرَفِيْنَ ؕ (واقعہ-۲)	نازونعمت میں تھے،

رویائے برزخ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگون کو دیکھا جنکا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا، یہ وہ تھے، جنکے کچھ کام اچھے اور کچھ برے تھے، اس لیے بداعمالی بدصورتی، اور نیکی خوبصورتی کے رنگ میں نمایان ہوئی، صریح طور سے یہ اصول ان حدیثون سے مستنبط ہوتا ہے،

۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ "جو مومن خود بھوکا رہکر کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلائیگا تو خدا اس کو جنت کے پھل کھلائیگا، اور جو پیاسا ہوکر کسی دوسرے پیاسے کو پلائیگا، تو خدا اُس کو جنت میں شراب طہور پلائیگا، اور جو کوئی کپڑون کا حاجتمند ہوکر ننگے کو پہنائیگا، تو خدا اُس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائیگا" (ترمذی کتاب الزہد والرقاق ص۴۰)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفون

۱؎ حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ مسلمانون کا میل ہے، ۲؎ صحیح بخاری کتاب التعبیر،

ہیں سے کسی تکلیف کو دور کریگا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی کوئی تکلیف دور فرمائیگا، اور جو کوئی کسی نادار کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسائیگا، تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُس کو مصیبت میں مبتلا فرمائیگا، اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کریگا، تو خدا دنیا و آخرت میں اُسکی ستر پوشی کریگا، اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں جبتک رہیگا خدا اُس وقت تک اسکی مدد میں رہیگا" (ترمذی صفحہ ۳۲۳)

۳۔ "جو انسانوں پر رحم کریگا خدا اُس پر رحم فرمائیگا" (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو امور معنوی اور غیر مجسّم ہیں، وہ اپنی مناسب مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہونگے مثلاً

۱۔ قرآن میں ہے کہ "جو اس دنیا میں حقیقت بینی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا" دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی دوسرے عالم میں ظاہری جسمانی نابینائی کی شکل میں ظاہر ہوگی،

۲۔ حدیث میں ہے کہ "اہل تکبر قیامت کے دن چیونٹیاں بنا کر اٹھائے جائیں گے، جنپر ہر طرف سے ذلت و خواری چھائی پھرتی" دیکھو کہ تکبر کی جزا، ذلت و خواری سے ملیگی، اور چیونٹیوں سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی ہستی نہیں اس لیے ان کی بڑائی اور تکبّر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ چیونٹی بنکر اٹھیں،

۳۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ "جو بخل کریگا، قیامت میں اسکا مال سانپ بنکر اس کو ڈسیگا" صفت بخل اسکے حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کرکے اسکی تکلیف کا باعث ہوگی، آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص بلا وجہ بھیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہے، قیامت میں وہ اٹھیگا تو اس کے منھ پر گوشت نہ ہوگا" دیکھو کہ دنیا کی بے شرمی و بیحیائی بے گوشت چہرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ "دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت میں اس طرح آئیگا، کہ اس کا ایک پہلو (گویا مفلوج ہو کر) جھک گیا ہوگا" ایک پہلو کا عدم ادائے حق اپنی تمثیلی صورت ایک پہلو کی مفلوجی کیفیت میں نمودار ہوگا، یہ چند جو اسلیے ذکر کئے گئے ہیں، انھیں پر جزا و سزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہئے، اس مسئلہ کو اچھی طرح سے سمجھنے

۱؎ ترمذی کتاب الزہد والرقاق صفحہ ۱۸۱، ۲؎ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں: مثل لہ مالہ شجاعاً اقرع ، ۳؎ ترمذی، ۴؎ ایضاً

کے لیے حسب ذیل آیتون پر غور کرنا چاہیے،

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا، وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى، (طٰہٰ - ۷)

جس نے میری یاد سے منہ پھیرا، تو اسکو تنگ گذران ملیگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائین گے، وہ کہیگا اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیون اٹھایا مین تو دیکھتا تھا، فرمائیگا اسیطرح میری آیتین تیرے پاس آئین تو تو نے انکو بھلا دیا، ایسے ہی آج تو بھلایا جائیگا،

دیکھو کہ دل کی نابینائی، قیامت مین ظاہری نابینائی، اور یہان خدا کو بھولنا اور اس کے احکام کو یاد نہ کرنا، وہان رحمتِ الٰہی کی یاد سے بھول کی شکل مین نمودار ہوگا،

دوزخ کی جسمانی سزائین | دوزخ مین جسمانی اور روحانی دونون سزائین ملین گی، قرآن پاک مین جن جسمانی سزاؤن کا ذکر ہے، وہ حسب ذیل ہین،

۱- آتشِ دوزخ اور اسکی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ اَلنَّار یعنی آگ گویا دوزخ کا دوسرا نام ہے، انھین معنون مین اَلسَّعِيْر یعنی جلتی آگ بھی بارہا مستعمل ہوا ہے، اور عَذَابَ الْحَرِيْقِ (جلن کا عذاب) بھی دو چار جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (مومنون ۶) — اُنکے چہرون کو دوزخ کی آگ جھلس دیگی اور انکی صورتین بگڑ جائینگی

دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے، جس کے متعلق یہ ہے کہ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ، لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ، لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ، (مدثر) — اور تمھین کیا معلوم سقر کیا ہے، نہ وہ رحم کھائیگی نہ چھوڑیگی چہرون کو جھلس دینے والی

كَلَّا، اِنَّهَا لَظٰى، نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى، (معارج ۱) — ہرگز نہین وہ شعلہ والی آگ ہے، منہ کی کھال ادھیڑنے والی

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ، كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ، (مرسلات ۱) — دوزخ محل کے برابر اونچی چنگاریان اتنی بڑی پھینکیگی جیسے زرد رنگ کے اونٹ،

۲۔ وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا،

اِنْطَلِقُوْا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا — چلو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین پھانکیں ہونگی،

ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ؕ (مرسلات-۱) — نہ گھن کی چھاؤں، اور نہ تپش میں کام آسکے،

۳۔ وہاں ٹھنڈک نہ ہوگی،

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (نبا-۱) — انہیں وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا،

۴۔ دوزخ میں نہ موت آئیگی کہ چین آجائے، اور نہ ایسی زندگی ہی ہوگی جسمیں کوئی مسرت ہو، دو جگہ فرمایا،

لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی، (طہ و اعلیٰ) — وہاں وہ نہ مریگا نہ جیے گا،

۵۔ پینے کو گرم پانی ملیگا، جس سے آنتیں نکل پڑینگی،

وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد - ۲) — اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ پانی اُن کی آنتوں کو ٹکڑے کردیگا،

۶۔ اور پیپ پئیں گے،

اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا (نبا - ۱) — لیکن کھولتا پانی اور پیپ،

۷۔ اُن کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائیگا،

یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ (حج - ۲) — ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائیگا،

۸۔ کھانے کو سینڈھے کا پھل ملیگا،

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ .... اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ۚ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

یا سینڈھے کا پھل .... وہ ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ میں اُس کے شگوفے جیسے شیطانوں کے سر تو وہ کھائیں گے اور اُس سے پیٹ بھرینگے، پھر اُس پر گرم پانی کی ملونی

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ (والصّٰفّٰت-۲)　　ہوگی،

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ　　سینڈھے کا درخت گنہگار کی غذا ہے، جیسے پگھلا تانبا،

يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ (دخان-۳)　　وہ پیٹون مین کھولتا ہے، جیسے کھولتا پانی،

۹- خاردار جھاڑی کی خوراک جس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا،

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ　　اور اُن کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا، لیکن خاردار جھاڑی

وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (غاشیہ-۱)　　جو نہ موٹا کریگی اور نہ بھوک سے بے پروا کریگی،

۱۰- زخمون کے دھووَن کی خوراک،

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (حاقہ-۲)　　اور نہ کوئی کھانا مگر زخمون کا دھووَن،

۱۱- کھانا نگلا نہ جائے گا،

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (مزمل-۱)　　اور گلے مین اٹکنے والا کھانا،

۱۲- آگ کے کپڑون کا لباس ہوگا،

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ (حج-۲) کافرون کے لیے آگ کے کپڑے قطع ہونگے،

۱۳- لوہے کے ہتھوڑے پڑینگے،

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (حج-۲)　　اور اُن کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہین،

۱۴- گلے مین طوق اور زنجیرین،

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ　　جب اُن کی گردنون مین طوق اور زنجیرین ہونگی

يُسْحَبُوْنَ (مومن-۸)　　وہ کھینچے جائین گے،

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا　　ہم (خدا) نے کافرون کے لیے زنجیرین اور طوق اور

وَّسَعِيْرًا (دھر-۱)　　آگ تیار رکھی ہے،

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (ابراھیم-۷) وہ زنجیرون مین جکڑے ہوئے،

دوزخ مین روحانی سزائین | ان جسمانی سزاؤن کیساتھ روحانی سزائین بھی ہونگی، جو اہلِ نظر کی نگاہون مین اُن سے بھی بڑھ کر ہین، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوزش کا حال اوپر گذرچکا، وہ دل کو جاکر جھانکیگی، فرمایا،

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ (ہمزہ) سلگائی ہوئی اللہ کی آگ، جو دلون کو جھانکیگی،

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ (یونس-۶) اور جب عذاب کو دیکھین گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائینگے،

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (زمر-۶) اے حسرت اسپر کہ مینے خدا کے پہلو مین کمی کی،

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ (حج-۲) وہ جب جب دوزخ سے غم کیوجہ سے نکلنا چاہین گے،

ذلت کا عذاب،

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ (احقاف-۲) تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دیئے جاؤگے،

اس افسوس وحسرت وندامت سے بڑھکر یہ کہ اُن کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی،

لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ (تحریم-۱) آج معذرت نہ پیش کرو،

اللہ عزوجل سے مکالمہ کا شرف اُن کو نہ ملے گا، جب وہ بات کرنا چاہین گے، تو وہ فرمائیگا،

اِخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (مومنون-۶) ذلیل ہو اس دوزخ مین اور مجھ سے بات نہ کرو،

اور سب سے بڑھکر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہین گے،

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (تطفیف) ہرگز نہین وہ اُس دن اپنے رب سے پردہ مین ہونگے،

ان مین سے وہ جنھون نے اس دنیا مین اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا، پروردگار بھی اُس دن انکو اپنی رحمت وشفقت کی یاد سے بھلا دیگا، فرمایا،

كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ اَلْيَوْمَ تُنْسٰى ، (طٰه - ۷)

اسی طرح ہماری آیتین تیرے پاس آئین، تو تو نے اُنکو بھلا دیا ایسے ہی آج تو بھی بھلایا جائیگا ،

بلکہ وہ دوزخی بھی ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہین سگے، وہ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیگا اور نہ اُن سے کچھ بات کریگا، اور نہ اُنکی اصلاحِ حال کی کوئی فکر کریگا، یہ حقیقت مین شفیق و مہربان رب کی انتہائی ناراضی کی تصویر ہے، اس درد کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہین، جو عشق و محبت کے زخم خوردہ ہین، فرمایا،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ، (آلِ عمران - ۸)

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسمون کے ذریعہ تھوڑی سی دولت خرید کرتے ہین، یہ وہ ہین جن کا آخرت مین کوئی حصہ نہین، اور نہ قیامت مین خدا اُن سے بات کریگا، اور نہ اُن کی طرف دیکھے گا، اور نہ اُن کو سنواریگا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے،
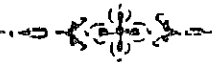
جنّت

جنّت کے نام اُس مقام کا نام جو نیکوکار انسانوں کا دائمی گھر ہوگا، قرآن پاک میں عموماً اَلْجَنَّۃُ (باغ) بتایا گیا ہی، اور کبھی اُسکو مناسب اضافتوں کیساتھ بھی ادا کیا گیا ہی، مثلاً جَنّٰتُ النَّعِیْم (نعمت کا باغ) جَنَّۃُ الْخُلْدِ (بقاے دوام کا باغ) جَنّٰتُ عَدْنٍ (دائمی سکونت کے باغ) جَنَّۃُ الْمَاوٰی (پناہ کا باغ) اُنکے علاوہ اور دوسرے لفظوں سے اُسکی تعبیر کیگئی ہی، مثلاً فِرْدَوْسٌ (باغ) رَوْضَۃٌ (چمن) دَارُ الْخُلْدِ (ہمیشگی کا گھر) دَارُ الْمُقَامَۃِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلَامِ (امن و سلامتی کا گھر)

جنّت کا دوام اس موجودہ دنیا میں بھی گو لذتیں اور مسرتیں ہیں، مگر جو چیز یہاں نہیں ہے، وہ بقاے دوام ہے، یہاں کی ہر لذت عارضی، اور ہر مسرت آنی ہے، یہاں خوشی کا کوئی ترانہ نہیں، جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو، یہاں ہر پھول کیساتھ کانٹے، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی، ہر وجود کے ساتھ فنا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غنا کے بعد محتاجی ہے، انسان ہزاروں مشکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنتا، اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہیں آتی، کہ اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غرض اس موجودہ عالمِ فانی کی ہر شے آنی جانی ہے، اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے،

لیکن جنّت اُس مملکت کا نام ہے، جہاں کی لذتیں جاودانی، اور جہاں کی مسرتیں غیر فانی ہیں، جہاں حیات ہے مگر موت نہیں، راحت ہے، مگر تکلیف نہیں، لذت ہے، مگر الم نہیں، مسرت ہے مگر غم نہیں، جہاں وہ سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن و اندوہ نہیں، شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جس جنّت کا نقشہ کھینچا تھا وہ بالکل صحیح تھا، اس نے کہا اے آدم!

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (طٰہٰ) — کیا میں تجھے سدا جینے کا درخت اور وہ بادشاہی بتاؤں جسکو فنا نہیں،

مگر جنّت کا یہ وصف سُنا کر اُن کو جدھر کا راستہ بتایا، وہ موت کے درخت، اور فنا کے ملک کی طرف تھا، او

یہی وہ فریب تھا جسمین آدم گرفتار ہوئے، چنانچہ اسی جنتی زندگی کی تلاش مین وہ چیز کھائی جو اُن کے حق مین زہر تھی یعنی گناہ کا پھل، نتیجہ یہ ہوا کہ جنۃ الخلد اور غیر فانی ملک سے نکل کر اُن کو اس فنا کے ملک مین آنا پڑا، اور پھر اُس کا استحقاق اُن کے اور انکی نسل کے اعمال کا صلہ قرار پایا، چنانچہ فرمایا،

اَمْ جَنَّۃُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ کَانَتْ	یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پرہیزگارون سے کیا گیا جو
لَھُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا، (فرقان-۲)	اُن کا صلہ ہوگا، اور واپسی کی جگہ،

یہ ہمیشگی کا باغ وہ غیر فانی مملکت ہے جہان کا آرام دائم، اور جہان کی سلامتی ہمیشہ، جہان کی لذت بے انتہا، جہان کی زندگی غیر منقطع، جہان کا سرور غیر مختتم، اور جہان کا عیش جاودان ہے، چنانچہ اسکی تصریح قرآن پاک کی ان آیتون مین مختلف طریقون سے کیگئی ہے، فرمایا،

۱- وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ	۱- اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم انکو اُن باغون
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ	مین داخل کرینگے جنکے نیچے سے نہرین بہتی ہونگی، وہ اُن مین
اَبَدًا، وَعْدَ اللہِ حَقًّا، وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللہِ قِیْلًا،	ہمیشہ کے لیے رہ پڑینگے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ

اس تاکید پر تاکید اور پرزور طریقۂ تعبیر پر نظر ڈالئے کہ صرف "خُلُود" پر اکتفا نہین کی، بلکہ ساتھ ہی اَبَدًا فرما کر اس خلود کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی، بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ "یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے" اس پر بھی مزید تاکید کا اضافہ کیا کہ "اور اللہ سے زیادہ سچی بات کسکی ہو سکتی ہے؟" اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلود جنت اور بقاء غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے،

۲- وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ	۲- اور جو ایمان لائے، اور اچھے عمل کئے ہم اُن کو اُن
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا	باغون مین داخل کرینگے جنکے نیچے سے نہرین بہتی ہونگی
۳- لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ	۳- اُن کے لیے وہ باغ ہین جنکے نیچے سے نہرین بہتی
خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا (مائدہ-۱۶)	ہین وہ اُن مین ہمیشہ رہا کرینگے،

۴- وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ (توبہ-۳)

۴-اور اللہ اُن کو خوشخبری دیتا ہے، کہ اُن کے لیے وہ باغ ہین جنمین ہمیشہ کا آرام ہے، اور جنمین وہ ہمیشہ رہا کرینگے

۵- وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ (توبہ-۱۳)

۵-اور اُنکے لیے وہ باغ مہیا کیے ہین جنکے نیچے نہرین روان ہین، وہ اُن مین ہمیشہ رہا کرینگے،

۶- وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ (تغابن-۱)

۶-اُس کو اُن باغون مین داخل کریگا جنکے نیچے نہرین بہتی ہونگی اُن مین وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

۷- وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا، (طلاق-۲)

۷-اور جو اللہ پر ایمان لائے، اور نیک کام کرے اُس کو وہ اُن باغون مین داخل کریگا جنکے نیچے نہرین بہتی ہین، اُن مین وہ ہمیشہ رہا کرینگے، اللہ نے اُس کو روزی خوب دی،

۸- جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ (بینہ-۱)

۸-اُن کی مزدوری اُن کے رب کے حضور مین بسنے کے وہ باغ ہین جنکے نیچے نہرین بہتی ہین جن مین وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

یہ آیتین وہ ہین جنمین اہل جنت کو جنت مین خلود ابدی کی قطعی بشارت سنائی گئی ہے، ان کے علاوہ وہ آیتین ہین جنمین جنتون کی راحتون اور لذتون کی ابدیت اور دوام کی خبر دیگئی ہے، فرمایا،

۹- وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ (کہف-۱)

۹-اور اُن مومنون کو بشارت دے گا جنھون نے اچھے کام کیے، کہ اُن کے لیے اچھی مزدوری ہے، جسمین وہ ہمیشہ قیام پذیر رہین گے،

سورۂ ص مین جنت کی اکثر نعمتون کے بیان کے بعد ہے،

۱۰- هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ، إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ (ص-۴)

۱۰- یہ وہ ہے جسکا حساب کے دن تم کو دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے بے شبہ یہ ہماری وہ روزی ہوگی جسکو ختم ہونا نہیں ہے،

۱۱- وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (هود-۹)

۱۱- اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں رہا کرینگے، جب تک آسمان اور زمین ہیں لیکن جو تیرا رب چاہے وہ بخشش ہوگی جو منقطع نہ ہوگی،

یعنی خدا کی مشیئت کے سوا انکو اس جنت سے کوئی الگ نہ کرسکیگا لیکن اسکی مشیئت یہی ہوگی کہ ان کیلئے اسکی یہ بخشش دائمی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے، پھر جس کے متعلق اسکی مشیئت کا یہ اعلان ہے، وہ فنا کیونکر ہوسکیگی،

۱۲- وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ (توبہ-۳)

۱۲- اور وہ باغ جنمیں ان کیلئے قائم رہنے والی نعمت ہوگی

۱۳- أُكُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا (رعد-۵)

۱۳- جنت کا میوہ اور اس کا سایہ دائمی ہے،

۱۴- وَّفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ (واقعہ-۱)

۱۴- اور بہت سے میوے جنکا نہ انقطاع ہوگا، اور نہ جن کی روک ہوگی،

۱۵- إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین)

۱۵- لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کیلئے وہ مزدوری ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا،

فنائے راحت، اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے، پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتوں میں کردیگئی کہ راحت و مسرت کے اسباب کا وہاں خاتمہ نہ ہوگا، اب رہگئی دوسری صورت تو خٰلدین فیہا ابدًا کہکر اسکی نفی بار بار کیجا چکی ہے مگر ایک جگہ بتصریح یہ کہدیا گیا ہے، کہ اس احاطہ میں موت کا گذر نہ ہوگا، فرمایا،

۱۶- لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولٰى (دخان-۳)

۱۶- جنت میں جنت والے پہلی موت کے سوا پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے،

لیکن ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ مسرت کے اسباب بھی قائم رہین اور اہل جنت کی زندگی بھی دائم ہو، مگر کچھ دنون کے بعد اُن کو وہان سے نکال کر الگ کر دیا جائے، تو اسکی تصریح بھی فرما دی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی اہل جنت کو انکے عیش و راحت کی منزل گاہون سے باہر نکال سکے، فرمایا،

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ؕ (حجر - ۴) — وہان اُن کو کوئی غم نہ چھوئیگا، اور نہ وہ وہان سے نکالے جائین گے،

یہ بھی ممکن ہے، کہ خود اہل جنت اُس سے گھبرا کر نکل آئین، تو فرمایا کہ اُن کی جبلت و فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود بھی اس مہمان خانۂ الٰہی سے نکلنا پسند نہین کرینگے، فرمایا،

خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (کہف - ۱۲) — سدا رہین گے وہین اس سے منتقل ہونا نہ چاہین گے،

دوام و بقار اور تسلسل و عدم انقطاع کی اس تو بر تو تاکید اور اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب مسرت کی بقار، راحت کا دوام، اور زندگی کا تسلسل جنت کی اصلی خصوصیت ہوگی، یہی وہ حقیقت ہے، جس کی لالچ شیطان نے

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ؕ (طٰہٰ - ۷) — اور غیر فانی سلطنت،

کہکر آدم کو دلائی تھی، اور اس بہانہ سے اُس عالم بقا سے اُن کو اس عالم فنا مین بھجوا دیا، آخر وہ زمانہ آئیگا جب آدم کی اولاد کو اُن کے نیک اعمال کی بدولت اُس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لیے حاصل ہوگی،

غیر فانی بادشاہی | دنیا مین شخصی راحت و آرام کا بلند سے بلند تخیل ایک لفظ "بادشاہی" کے اندر بخوبی ادا ہو سکتا ہے، اگر انسان کو اُس کی انتہائی آرزوؤن کے بر آنے کی خوشخبری کے دینے کیلئے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی اُس کیفیت کا نام ہے جسمین انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامان راحت اور اسباب شادمانی کی فراوانی سے اُس کی مسرت مین کسی غم کا شائبہ نہ ہو، اونچے اونچے محل، ہرے بھرے باغ، بہتی نہرین، سرسبز و شاداب تختے، سونے چاندی کے اسباب، زر و جواہر کے برتن، زرین کمر غلام و خدام، ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیون کے ہار، سونے کے کنگن، شراب کے زمرّدین اور بلورین پیالے، حسین و مہ جبین بیگمات، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام

ضروری لوازمے ہیں،

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی،

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (طٰہٰ-۷) اور غیر فانی بادشاہی،

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لیے مختلف پیغمبروں نے مختلف لفظ استعمال کیے ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے "آسمانی بادشاہی" کی اصطلاح قائم فرمائی ہے، اور اپنی گفتگو کے تمام استعاروں میں اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو مادیت کی گودوں میں پلے، اور مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں کسی خالص روحانی مفہوم کی تعبیر ناممکن ہے، کیا ہر لفظ کے مفہوم کو انہیں لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے جو ہمیشہ سے اس لفظ کے ساتھ وابستہ چلے آتے ہیں، آپ بادشاہی کو آسمانی کہکر کسی قدر مادہ سے بلند کریں، مگر بادشاہی کے مفہوم کیساتھ جو موروثی خیالات و لوازم وابستہ ہیں وہ دور نہیں ہوسکتے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو جب شراب کا پیالہ بھر کر دیتے ہیں، تو آسمانی بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں،

"میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ انگور کا شیرہ پھر نہ پیونگا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں اسے نیا نہ پیوں"؛ (متی ۲۶-۲۹)

آپ نے دیکھا کہ "باپ" کی "آسمانی بادشاہی" میں بھی انگور ہی کا شیرہ پینے کو ملیگا،

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ ان کو اسی سونے چاندی کے محل، آب حیات کی نہر، اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی (مکاشفات یوحنا باب ۲۱ و ۲۲) اور پھر

"وہاں رات نہ ہوگی، اور وے چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں کیونکہ خداوند ان کو روشن کرتا ہے، اور وے ابدالآباد بادشاہی کرینگے"؛ (۲۲-۵)

لیکن یہ "بادشاہی" عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، نبوت کے آخری پیغام نے اس اجمال کی

تفصیل ان لفظون مین کی ہے،

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ
تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے بچا لیا،

نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۚ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا
اور اُن کو تر و تازگی، اور شادکامی سے ملا دیا، اور

جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۙ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ
اُن کے صبر کے بدلہ مین اُن کو (رہنے کیلیئے) باغ

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ
اور (پہننے کے لیے) ریشمی کپڑے دیئے، وہ اُن باغون

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا
مین تختون پر تکیئے لگائے ہونگے، اُن مین نہ دھوپ

تَذْلِيْلًا ، وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ
ہو گی نہ ٹھنڈ، اور اُن کے سایے ان پر جھکے ہونگے، انکے

فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۙ قَوَارِيْرَا مِنْ
خوشے پست ہو کر لٹکے ہونگے، چاندی کے برتن اور نقرئی

فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ، وَيُسْقَوْنَ
شیشون کے آبخورے، جو ناپ کر بنائے گئے ہین، انکو

فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ
لوگ اُن کے پاس لیے پھرین گے، اور اُن کو وہان

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ، وَيَطُوْفُ
وہ پیالہ پلایا جائیگا جسمین سونٹھ ملی ہوگی، اُنہین ایک چشمہ

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ
کا نام سلسبیل ہے، اور سدا رہنے والے کمسن غلام، انکی خدمت

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ، وَاِذَا رَاَيْتَ
مین گھوم رہے ہونگے، اور تو انہین دیکھے تو سمجھے کہ موتی

ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ، عٰلِيَهُمْ
بکھرے ہین، اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہان نعمت

ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّ
و عیش اور بڑی بادشاہی دیکھے، انکی پوشاک سبز نرم

حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ
ریشم اور دبیز ریشم ہو، اور اُن کو نقرئی کنگن پہنائے جائینگے

رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ، اِنَّ هٰذَا كَانَ
اور اُن کا پروردگار ان کو پاک شراب پلائے گا، یہ

لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۔
تمہاری مزدوری ہوگی، اور تمہاری محنت کی قدر کی گئی

یہ پورا نقشہ اُس عیش و مسرت کا ہے، جو اس دنیا کے شاہانہ محلون کے متعلق تخیل مین آتا ہے، اس بیان

کی تائید و تصدیق اُس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی مین حضرت مغیرہؓ صحابی سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "موسیٰ نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار! جنّت والون مین سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنّت والون کے جنّت مین داخل ہو چکنے کے بعد آخر مین آئیگا، تو اس سے کہا جائیگا کہ جنّت مین داخل ہو جاؤ، وہ کہیگا کہ "اب مین کہان جاؤن، کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربّانی نوازشون پر قابض ہو چکے" اُس سے کہا جائیگا کہ "کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہون مین سے کسی کے پاس نہ تھا" عرض کریگا "خداوندا! مین راضی ہون" فرمائیگا "تیرے لیے اتنا، اور اس سے دونا، اور اس سے تگنا اور چوگنا ہے" کہیگا "خداوندا مین راضی ہوگیا" خدا فرمائیگا "تیرے لیے وہ اور اُس کا دوگنا ہے" عرض کریگا "مین راضی ہوگیا" فرمائیگا "اس کیساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشے"[1]

باغ کا استعارہ آخرت کے خانۂ عیش و راحت کے لیے قرآنِ پاک نے عموماً جنّت، اور کہین روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے، نادان اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہین کہ عرب کے شور و بے حاصل اور خشک صحرا کے بسنے والون کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغون ہی کی ہوسکتی ہے، اس لیے اُن کے لیے یہ لفظ اُس مقامِ آخرت کے لیے قرآن نے استعمال کیا ہے، مگر یہ سمجھنا چاہئیے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہین بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، اس لئے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکون کے بسنے والون کے تخیل مین باغ و راغ اور رنگ و گل کی بہار پسندیدہ نہین ہے، اصل یہ ہے کہ یہان بیابان و گلستان کی تخصیص نہین، یہ فطرتِ انسانی کی تقویم ہے، انسان کسی خطۂ ارضی مین آباد ہو مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات، باغ و بہار، اور کنارِ آب و نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے، اور اُن کو دیکھکر اندر سے اسکی روح وجد کرتی ہے،

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جسمین حزن و غم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال، اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم کی فکرین اُس کے دل کے

[1] جامع ترمذی تفسیر سورہ سجدہ (یہ حدیث حسن صحیح)

دامن سے لپٹی ہوتی ہین، مگر جب انسان سیر و تفریح کے لیے باغ و چمن کا رخ کرتا ہے، تو تھوڑی دیر کے لیے وہ ہر غم کو فراموش اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے، اور ایسا شادان و فرحان بنجاتا ہے کہ غم و الم اُس کے ہر گوشۂ خاطر سے دور ہوجاتے ہین، وحیِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لفظ کو اسی لیے استعمال کیا ہے تاکہ اُس سے اُخروی عیش و مسرت، شادی و خوشی، اور فراغِ خاطر کی پوری تصویر کھنچ جائے،

سامانِ جنت کے دنیاوی نام | یہ حقیقت بار بار دھرائی گئی ہے کہ عالمِ آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ہے اُن سے مقصود بالکل وہی نہین ہین، جو اُن لفظون سے سمجھنے کے ہم عادی ہین، بلکہ اُن اُخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظ سے اس لیے ادا کیا گیا ہے کہ وہ اُن سے خاص مناسبت رکھتی ہین، ورنہ از روے حقیقت ان الفاظ کے لغوی مفہوم و معنی سے انکی اُخروی حقیقتین بدرجہا بلند و اتم ہونگی، چنانچہ قرآنِ مجید کی ان آیتون مین،

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ
لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا
رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا
هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ
اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا
(البقرہ ع-۳)

اور اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یہ خوشخبری
سنا کہ اُن کے لیے وہ باغ ہین جنکے نیچے سے نہرین
بہتی ہونگی، وہ جب جب اُن باغون سے کوئی پھل
دیئے جائینگے کہین گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے
ہم کو دیا گیا تھا، اور وہ اس کو ایک دوسرے کے مشابہ دیا
جائیگا، اور اُن باغون مین اُنکی صاف ستھری بیویان
ہونگی، اور وہ اُن مین ہمیشہ رہینگے، بے شبہہ خدا اس سے
شرمندہ نہین کہ وہ ایک مچھر کی یا اس سے بھی کم رتبہ

ان آیتون کے سباق و سیاق اور نظم و ترتیب پر لحاظ کرکے میرے ذہن مین یہی معنی آتے ہین کہ اُن مین دنیاوی الفاظ اور اُن کے اُخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے، ورنہ حقیقت کے رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنون مین وہی نسبت ہے، جو مچھر اور کسی عظیم الجثہ شے کے درمیان ہوسکتی ہے، یہی سبب ہے

کہ جنّت کی لذّتون اور نعمتون کی نسبت قرآن نے یہ بھی کہا ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ	تو کسی نفس کو معلوم نہین کہ اُن کے لیے انکے (اچھے)
اَعْیُنٍ ج جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ،	اعمال کے بدلہ مین آنکھون کی جو ٹھنڈک چھپا
(سجدہ-۲)	کر رکھی گئی ہے،

اس "آنکھون کی ٹھنڈک" یعنی لذّت وراحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے یہ فرمایا گیا کہ جنّت کی راحت ولذّت کی حقیقت علم وفہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے، آنحضرت صلعم نے اسی مفہوم کو اپنے ان مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے،

قَالَ اللّٰہُ اعددت لعبادی الصّٰلحین	خدا فرماتا ہے کہ مین نے اپنے نیک بندون کے لیے وہ
مَالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا	مہیا کیا ہے جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا
خطر علی قلب بشرٍ[۱]،	اور نہ کسی انسان کے دل مین اُسکا خیال آیا،

اگر جنّت کے باغون، نہرون، میوون، غلامون، شرابون، ریشمی کپڑون، اور طلائی زیورون کی وہی اخروی حقیقت ہے، جو ان لفظون سے لغوی طور پر ہم اس دنیا مین سمجھتے ہین، تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذّتون اور مسرّتون کو ایک "مخفی حقیقت" نہ فرماتا، اور نہ آنحضرت صلعم اسکی توضیح مین اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزین ہین جنکو آنکھون نے دیکھا نہ کانون نے سنا، اور نہ وہ کسی انسان کے خیال مین گذرین، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ مین ہے،

بلہ ما اطلعتم علیہ، (صحیح بخاری تفسیر سورہ سجدہ) جو تم جانتے ہو اُس کو چھوڑ دو،

صحیح مسلم[۲] کی روایت مین یہ الفاظ ہین، بلہ ما اطلعکم اللہ علیہ، اس کے دو معنی ہو سکتے ہین، ایک یہ بلکہ "خدا نے تم کو اُس پر مطلع بھی نہین کیا ہے" دوسرے یہ "جو خدا نے اُس کا حال بتایا ہے، اُس سے بھی درگذر کرو"

غرض ان لفظون سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھو، اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباس رض

---

[۱] صحیح بخاری، باب کلام الرب، وتفسیر سورۂ سجدہ، صحیح مسلم کتاب الجنۃ، وترمذی تفسیر سجدہ، [۲] صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا،

سے بسند نقل کیا ہے،

وَقَالَ السفیان الثوری عن الاعمش عن ابی ظبیان عن ابن عباس، لایشبہ شیئ مما فی الجنۃ ما فی الدنیا الا فی الاسماء،

سفیان ثوری، اعمش سے، اور وہ ابوظبیان سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے، روایت کرتے ہین کہ جنت مین جو کچھ ہے وہ دنیا کی چیزون سے نامون کے سوا اور کسی بات مین مشابہ نہین،

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہین،

لیس فی الدنیا مما فی الجنۃ الا الاسماء، جنت مین جو کچھ ہے وہ نامون کے سوا دنیا مین نہین،

غرض ان الفاظ سے انھین دنیاوی مشاہدات کی چیزون کو سمجھنا ضروری نہین، بلکہ اُن سے بدرجہا بلند لذتین اور مسرتین مراد ہین، جنکی تعبیر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہین کہ کسی وجہ مناسبت کے سبب سے ان کو ان دنیاوی لفظون سے ادا کیا جائے، اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے، اہین اشکال نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب نہین ہے، بلکہ عاجز انسانون کی ذہنی درماندگی کے سبب سے ہے، کہ نادیدہ و ناشنیدہ اور در دل ناخلیدہ مفاہیم کیلئے اُن کی زبان ولغت مین کوئی لفظ ہی نہین،

جنت کی مسرتین، اعمال کی تمثیل ہین یہ اصول بارہا بیان مین آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفین ہون یا جنت کی مسرتین، دونون اعمال انسانی کی تمثیلین ہین، اسی لیے قرآن پاک نے تبصریح تمام یہ کہا ہے،

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، (طور-۱) وہی بدلہ پاؤگے، جو تم کرتے تھے،

حدیث مین آتا ہے کہ قیامت مین خدا فرمائیگا "اے میرے بندو، یہ تمھارے ہی عمل ہین جو تم کو واپس مل رہے ہین، تو جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے"،

مثلاً وہ نکوکار جو دنیا مین کافرون کے خوف اور ڈر سے کے باوجود ایمان پر قائم تھے، اُن کو جنت مین امن

---

(۱) تفسیر ابن جریر طبری، آیت مذکورہ و بیہقی فی البعث کما فی الدر المنثور للسیوطی، تفسیر آیت مذکورہ،

سلامتی کے ساتھ وہان کی تمام راحتین ملینگی تو،

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ، (طور ر-۱)

کہینگے ہم اس سے پہلے اپنے گھر والون مین ڈرتے تھے، تو خدا نے ہم پر مہربانی فرمائی اور ہم کو دوزخ کی لو کے عذاب سے بچا لیا،

اس آیت سے صاف نمایان ہے کہ فتنہ و فساد اور نکوکارون پر قہر و گرمی کرنے والے جو دوزخ کی لو کے عذا ب مین مبتلا ہون گے، وہ انھین کے فتنہ و فساد اور قہر و گرمی کی صورت ہو گی، اور وہ نکوکار جنھون نے ان ستمگرون کے اس قہر و گرمی اور غیظ و غضب کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، وہ اس عذاب سے یہان جنت مین محفوظ رہین گے

دولتمند و قوی دست منکرین کمزور اور غریب مسلمانون کو دیکھکر دنیا مین اُن پر تحقیراً ہنستے تھے، قیامت مین اسکا الٹا ہو گا کہ یہ اُن پر ہنسینگے فرمایا،

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ .... فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ (تطفیف)

بیشک گنہگار، ایمان والون پر ہنستے تھے... .... تو آج ایمان والے کافرون پر ہنسین گے،

نکوکارون کے دنیا کے آنسو یہان تبسم اور خندۂ مسرت مین بدل گئے، اور گنہگارون کی وہان کی ہنسی یہان آنسوؤن کا تار بنکر ظاہر ہوئی،

گنہگار جو دنیا مین اپنی دولت و قوت کے نشہ مین چور اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش اور مسرور رہتے تھے، وہ یہان غمگین ہونگے، اور جو وہان غمگین تھے وہ یہان خوش اور مسرور ہونگے،

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا (انشقاق-۱)

تو وہ موت کو پکاریگا، اور دوزخ مین داخل ہو گا، کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال مین (مغرورانہ) خوش تھا،

اور غریب و مسکین جو وہان اہل و عیال مین بیٹھکر بھی مسرت سے ناآشنا تھے اُن کا یہ حال ہو گا کہ

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا (انشقاق ۱۰)

تو اس سے آسان حساب لیا جائیگا، اور وہ خوش خوش اپنے لوگون کے پاس لوٹیگا،

قرآن پاک مین بارہا یہ آیتین یا بعینہٖ انھین معنون کی آیتین آئی ہین،

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بقرہ ۳)

اور ایمان والون اور اچھے کام کرنے والون کو باغون کی خوشخبری سنا جنکے نیچے نہرین بہتی ہین،

ان آیتون مین ایمان اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور اس کی نہرون کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے، اس سے ادھر خیال جاتا ہے کہ ان دونون مین کوئی خاص تمثیلی تعلق ہے، یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزین ہین، جنکی ترقی اور نشو ونما پانی سے ہوتی ہے، بعینہٖ اسی طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑون کی سیرابی اعمال صالحہ کی آبیاری سے ہوتی ہے، اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہون تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشو ونما کی امید نہین، اور اگر صرف عمل صالح ہے اور ایمان نہین، تو ریگ مین پانی کی روانی ہے جس کا وجود و عدم یکسان ہے، اس تمثیل کے ذہن مین آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے،

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (ابراہیم)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ اُن باغون مین داخل کئے گئے جن کے نیچے نہرین بہتی ہین، وہ اپنے پروردگار کے حکم سے اُن مین سدا رہین گے، وہان سلامتی کی مبارکباد ہے، کیا تو نے نہین دیکھا کہ خدا نے کیسی ایک تمثیل بیان کی نیک بات ایک ستھرے درخت کی طرح ہے، جسکی جڑ مضبوط ہو اور ٹہنی آسمان مین ہو اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے، اور خدا مثالین بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچین،

اس آیت مین جنّت اور کلمۂ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے، یہانتک تقابل ہے کہ پہلے مین جب یہ کہا گیا کہ "اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اُن باغون مین سدا رہین گے"۔ تو دوسرے مین ہے کہ "وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہیگا"، کلمۂ طیبہ سے یہان مراد ایمان[1] ہے، جس کی جڑ مضبوط و مستحکم اور اسکی شاخین آسمان مین، اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہین،

صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد انکی ایک ہمسایہ صحابیہؓ نے خواب مین دیکھا کہ ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ہے، انھون نے آکر یہ خواب آنحضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے اسکی تعبیر مین فرمایا ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يَجْرِي لَهٗ یعنی "یہ نہر اُن کا عمل ہے جو اُن کے لیے بہ رہی ہے"، (بخاری کتاب التعبیر)

ان دونون سابقہ حوالون سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدا بہار درخت سے اور عمل کی تمثیل نہر روان سے ہے، اس بنا پر اہلِ جنّت کے لیے بار بار جس باغ اور نہر جاری کی بشارت دیگئی ہے، وہ حقیقت مین اُن کے ایمان، اور عملِ صالح کی تمثیلی شکلین ہونگی، اُن کا ایمان خوشنما اور سدا بہار باغ، اور اُن کے اعمالِ صالحہ صاف و شفّاف نہر کی صورت مین نمایان ہونگے، اور وہ اُن سے لطف و لذّت اٹھائینگے،

اسی قیاس پر جنّت کی دوسری لذّتون اور مسرتون کی حقیقت کی تشریح کیجا سکتی ہے، علوم نبویؐ کے ایک بڑے واقف کار اور اسرارِ شریعت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین،

واکثر الوقائع الحشریة من هٰذا القبیل	حشر کے واقعات از قبیلِ تمثیل ہین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وبالجملة	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حاصل یہ کہ
فتشبیهات وتمثلات لما عندها ۔ ۔ ۔	یہ تمام امورِ معانی کا جسمانی قالبون مین اور مثالی صورتون
۔ ۔ ۔ ۔ وتشبیه النعمة بطعم هنیئ	مین ظاہر ہونا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر آیت مذکورہ،

وشُرب مریئ ومنکح شھی وملبس رضی	کی عنایت و مہربانی خوش مزہ کھانے خوشگوار پینے کی چیزوں
ومسکن بھیّ (ص۲۲۶ ۔ ہند)	رغبت انگیز لذتِ نکاح، دلپسند لباس اور عمدہ مسکن

ہم نے آیات و احادیث کے حوالون سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ اس تمثیل و تشبیح کے کیا معنی ہین، اور کیونکر غیر مجسّم معانی، اپنے مناسب قالبون مین مجسّم ہوکر وجود پذیر ہوتے ہین، دنیا کے تمام اعمالِ صالحہ کی اگر تحلیل کیجائے تو انکی اوّلاً دو قسمین نکلین گی، خدا پر ایمان اور خلوصِ دل سے اُسکی طاعت جس کو "حقوق اللہ" کہتے ہین، اور دوسری بندگانِ الٰہی کیساتھ حسنِ سلوک، بندگانِ الٰہی کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہے وہ یہی کہ اُنکی عزت و آبرو کا پاس کیا جائے جسکو عفت و عصمت کہتے ہین، اور اُن کے ضروریاتِ زندگی کے مہیا کرنے مین امداد کیجائے، اور ضروریاتِ زندگی یہی کھانا، پینا، پہننا، اور رہنا ہین، انھین کی نسبت ہم اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرسکتے ہین، اب یہ پانچ قسمین ہوئین جنت کی نعمتین انھین پانچ قسمون مین منحصر ہین، ایمان و اخلاصِ طاعت کی جزا وہ خود تبارک و تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نوازیگا، عفّت و عصمت کی جزا حسین و مہ جبین بیویون کی صورت مین نمایان ہوگی، دوسرون کے کھلانے کی جزا جنت کے باغ اور پھل، اور قسم قسم کے الوانِ طعام ہین، دوسرون کو پلانے کی جزا خوش مزہ و خوشگوار پینے کی مختلف چیزون کی فراوانی ہے، پہنانے کی جزا، ریشم و حریر و دیبا و اطلس اور بہتر سے بہتر خوشنما لباس ہے، اور رہنے اور رکھنے مین حسنِ سلوک کی جزا، خوش منظر مکان و قیامگاہ ہے،

ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی ہے،

اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ	بیشک تیرے لیے اس بہشت مین نہ بھوکا ہونا ہے
لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی (طٰہٰ ۔)	نہ ننگا ہونا اور نہ پیاسا ہونا، نہ دھوپ مین رہنا،

یہی چار مختصر انسانی ضرورتین ہین، جو پھیل کر ایک دنیا ہوگئی ہین، جب آدمؑ کی اولاد کو اپنے اعمالِ صالحہ کے بدولت نجات ملیگی، تو پھر اُن کے لیے وہی بہشت ہے، جس مین نہ بھوکا ہونا ہے، نہ پیاسا ہونا، نہ ننگا ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف مین گرفتار ہونا، اس حقیقت کی تعبیر دو طرح سے کیجاسکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت مین

اہلِ بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے یکسر پاک و بے نیاز ہو جاتے ہین، اسلیے وہان نہ کوئی بھوکا ہوگا نہ پیاسا، نہ ننگا ہوگا، اور نہ دھوپ اور لُو کی محنت مین گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت مین اہلِ بہشت کو کھانے کے لیے ایسے الوانِ نعمت ملین گے جنکو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہوگا، اور پینے کے لیے شراب و شربت کی وہ نہرین بہینگی جنکو پی کر پھر پیاسا نہ ہوگا، اور پہننے کو وہ کپڑے ملین گے جو پھر نہ میلے ہونگے اور نہ بوسیدہ ہوکر پھٹینگے اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملینگے جہان دھوپ کا گذر نہ ہوگا،

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا مین انسان کے لیے جو لطف و لذت ہے، وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لیے تھوڑی سی تکلیف گوارا کرتا ہے، اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرتون کو قربان کرتا ہے، اسی اصول پر اُس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنا ہے، اعمالِ صالحہ کے بجالانے مین انسان کو اس دنیا مین چھوٹی چھوٹی تکلیفین برداشت کرنی پڑتی ہین اور اپنی عارضی خوشیون اور لذتون کو اُن پر قربان کرنا ہوتا ہے، صبح کے نمازی کو خوابِ سحر کی لذت کو خیرباد کہنا، اور دوپہر کی جلتی دھوپ مین ظہر کے لیے مسجد جانا پڑتا ہے، خود بھوکا رہ کر دوسرون کو کھلانا پڑتا ہے، اور اپنی بہت سی ناجائز مگر بظاہر دلچسپ خوشیون کا ایثار کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گذارنے پر اُسکو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا مین ان اعمالِ صالحہ کی خاطر جن چیزون کو قربان کرنا پڑتا ہے، اُن مین پہلی چیز تو خود اسکی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمین ہین، جنکا نام کھانا، پینا، پہننا اور رہنا ہے، اس لیے آخرت مین ان قربانیون کی جزا مین انھین کی مناسب و مماثل جو چیزین ملینگی، وہ غیر فانی زندگی، الوانِ طعام، اقسامِ شراب و شربت، انواعِ لباس، اور بہترین مسکن ہین، قرآن پاک مین ہے،

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۙ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	پس جس نے خدا سے سرکشی کی، اور دنیاوی زندگی (کے ناجائز لطف و آرام) کو ترجیح دی تو دوزخ اُس کا

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ، (نازعات-۲)

ٹھکانا ہے، لیکن جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشون سے روکا تو اُسکا ٹھکانا بہشت ہے،

گو اس کی جزئی نیکیون کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا مین تھوڑی تھوڑی کرکے شہرت، تعریف، ہر دلعزیزی، اور دولت کی صورت مین ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی ہی مین اُس کو ملے گی،

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ (آل عمران-۱۹)

اور تمھاری مزدوری قیامت کے دن پوری ادا کی جائے گی،

لطف و مسرت کا تصور

مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے، جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے، اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے، اب انسانی خواہشون کی تحلیل کرو، تو بالآخر اُن کی انتہا انھین باتون پر ہوگی جنکی طلب اُسکی فطرت کے اندر ودیعت کردیگئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزین ہین، یا کیا چیزین اُس کے فہم مین آسکتی ہین، وہ یہی ہین، باغ و بہار، لباس و طعام، حور و قصور، خدم و حشم، سامان و اسباب، اور زر و جواہر، مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئیگا، اور جب کبھی ہم اُن کو سمجھنا چاہین گے، اور کہنا چاہین گے، تو ہم کو انھین چیزون کا نقشہ کھینچنا پڑے گا، اور ہماری انسانی فطرت انھین مسرتون اور خوشیون کو ڈھونڈھنے کی عادی ہے، اور انھین کے حصول کی خاطر دنیا مین ہر طرح کی سیہ کاری اور گنہگاری کی مرتکب ہوتی ہے، اس لیے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزین ہم کو وہان ملینگی وہ ہمارے انھین عادی و مانوس اسباب مسرت کی صورتون مین ہمارے سامنے پیش ہونگی اور ہم ان سے لطف اندوز ہونگے،

لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین تخیل

اس دنیائے کون و فساد مین ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت مین مبتلا ہین، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی آرزوؤن اور خواہشون کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے، لیکن عملاً اپنی خواہشون اور تمناؤن کے مطابق اپنی دنیا بنا لینے پر قدرت نہین، نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے صبر و شکر کا دامن نہین پکڑا ہے، تو ہم سے زیادہ اس دنیا مین تصور و تخیل کی تکلیف مین کوئی اور گرفتار نہین، جنت آخرت کی اُس دنیا کا نام ہے، جو ہمارے اعلیٰ ترین

تخیل اور ہماری تمناؤن اور آرزوون کے مطابق ہوگی،

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ (نحل-۴)

رہنے کے باغ جنکے نیچے نہرین بہتی ہون، اُن کیلئے اُن باغون مین وہ ہے جو وہ چاہین، اللہ اسی طرح پرہیزگارون کو بدلہ دیگا،

وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ (حم السجدہ ۷-۴)

اور تمہارے لیے جنت مین وہ ہے جو تمہارے دل چاہین اور تمہارے لیے اسمین وہ ہے جو تم مانگو،

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَ لَدَیْنَا مَزِیْدٌ (ق-۳)

ان کے لیے جنت مین وہ ہے جو وہ چاہین اور ہمارے پاس اُس سے زیادہ ہے

وَ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ (زخرف-۷)

اور جنت مین وہ ہے جس کی دل خواہش کرین، اور جو آنکھون کو لذت دے،

لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا (فرقان-۲)

اُن کے لیے جنت مین وہ ہے جو وہ چاہا کرین گے یہ وعدہ ہے تیرے رب کے ذمہ،

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (زمر-۴)

اُن کیلئے اُنکے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہینگے،

الغرض جنت وہ مقام ہے، جہان ہم کو وہ کچھ ملیگا، جہانتک ہمارا مرغِ خیال اڑکر پہنچ سکتا ہے، لطف و مسرت کا وہ بلند سے بلند تخیل جو تصوّر مین آسکتا ہے وہان ہمارے لیے مہیا ہوگا، صحابہؓ مین ہر قسم کے لوگ تھے جنت کے سامان مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق آپ سے پوچھتے رہتے تھے، اور آپ جواب دیتے تھے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت مین جو سب سے کم رتبہ ہوگا اسکی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدا تعالےٰ اس سے فرمائیگا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل مین خیال کر، وہ کریگا، تو خدا فرمائیگا کہ تجھکو وہ سب دیا گیا جس کی تو نے آرزو کی تھی اور اس کے برابر اور[1] یہانتک کہ بازار کا شوق ہوگا، تو بازار بھی لگیگا، لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی،

---

[1] صحیح مسلم،

کہ وہاں کی کس چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، (الا الصورمن الرجال[1])

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا، تو دانہ، سبزہ، غلہ اور پھر تیاری یہ سب کام منٹوں میں انجام پاجائے گا[2]، ایک بدوی نے پوچھا یا رسول اللہ صلعم وہاں گھوڑے بھی ہونگے، فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہوگے کہ سرخ یاقوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہاں چاہو بہشت میں لئے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم اونٹ بھی ہوگا، فرمایا اگر تم جنت میں گئے تو تمھارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمھارا دل چاہے گا، اور جو تمھاری آنکھیں پسند کرینگی[3]،

جنت میں اہل جنت کے مختلف رتبے ہونگے، اس لیے اعلیٰ کے لباس و سامان کو دیکھکر ادنیٰ کو اپنی کمی کا خیال ہوگا، تو اس کے تصور میں یہ پیدا کردیا جائیگا (حتی یتخیل الیہ) کہ خود اس کا لباس و سامان اس سے بہتر ہے، اور یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں[4]"

جنت جہاں کوئی جسمانی و روحانی آزار نہیں

کسی صاحبدل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے، ع

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت کے پھول کیساتھ غم کا کوئی کانٹا نہ چبھ رہا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آیندہ ختم ہونے کا خوف ہے، اور یا گذشتہ ناکامی کا افسوس ہے، اس بنا پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں، مگر جنت وہ مقام ہوگا، جہاں نہ ماضی و حال کا غم ہوگا، اور نہ مستقبل کا خوف ہوگا، چنانچہ اہل جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا،

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ، نہ اُن کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے،

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اسمیں جسمانی و روحانی ہر قسم کی نعمتیں داخل ہیں،

دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک کوئی لقمہ گلے سے نہیں اتار سکتا، اور نہ کوئی چیتھڑا بدن پر رکھ سکتا ہے

[1] ترمذی، دیکھو مشکوٰۃ صفۃ الجنۃ، [2] صحیح بخاری [3] ترمذی، [4] ترمذی، یہ کل حدیثیں مشکوٰۃ صفۃ الجنۃ سے لیگئی ہیں،

جب تک اُس کے سر کا پسینہ اُس کے پاؤن تک نہ آئے، دنیا کی تمام فانی مسرتین ہماری فانی کوششون کا فانی نتیجہ ہین مگر جنت کی خوشیان بے غم و تکلیف ہماری گذشتہ فانی نیکیون کا غیر فانی نتیجہ ہین، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ ان وہان ہم کو ہماری آسائشین کا تمام سامان اُس قسم کی ادنیٰ زحمت و مشقت اٹھائے بغیر میسّر آئیگا جس کے بغیر دنیا مین کوئی انسان زندہ ہی نہین رہسکتا، اور جسکی کشمکش سے یہ دنیا ہر انسان کے لیے دوزخ بنی ہے، چنانچہ اہلِ جنت جنت مین داخل ہوکر اور شاہانہ تزک و احتشام اور لباس و زیور سے آراستہ ہوکر خدا کی حمد و تعریف کا ترانہ ان لفظون مین گائینگے،

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ — رہنے کے باغ جنہین وہ داخل ہونگے اُن مین وہ سونے

اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ — کے کنگن اور موتی پہنائے جائینگے، اور انکی پوشاک

فِيْهَا حَرِيْرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ — اُنمین ریشم ہوگی، اور وہ کہین گے پاک ہے وہ جس نے

عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ الَّذِيْ — ہم سے غم دور کر دیا، بیشک ہمارا پروردگار گناہون کا

اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا — معاف کرنیوالا ہے اور نیکیون کی قدر کرنے والا ہے، وہ جسنے

فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (فاطر ۴) — ہمکو اپنی مہربانی سے رہنے کے گھر مین اتارا اور ہم کو وہان

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (حجر ۴) — نہین اُن کو کوئی آزار نہ ہوگا، اور نہ وہان سے نکالے جائینگے

جنت بہان رشک و حسد نہین، موجودہ دنیا خیر و شر کے متضاد عناصر سے بنی ہے، یہان ثواب کے ساتھ گناہ، رحم کیساتھ سنگدلی محبت کیساتھ کینہ ہے، یہ گناہ و کینہ اور بغض و حسد وہ آگ ہے جس نے یہان کے قلبی امن و امان کے خرمن مین آگ لگا رکھی ہے، ہر شخص یہان دوسرونکی اچھی حالت کو دیکھ کر جلتا ہے، اور دوسرون پر غصہ کے جوش و خروش سے اُبلتا ہے، جنت وہ عالم ہے جہان اس آگ اور سیلاب کا وجود نہ ہوگا، ہر قسم کے گناہ، سنگدلی، عداوت اور بغض و حسد کا خاتمہ ہوگا، اور خالص محبت والفت کے دریا موجزن ہونگے، فرمایا،

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (مریم ۴) — اسمین امن و سلامتی کے سوا کوئی بیہودہ بات نہین سنینگے،

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ — اور ہم نے اُن کے سینون سے کینہ کو کھینچ لیا، اُن کے

مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ (اعراف، ۵) — نیچے نہرین بہتی ہین،

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا — اور ہمنے اُن کے سینون سے کینہ کو کھینچ لیا، بھائی بھائی

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ، (حجر - ۴) — بنکر تختون پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے،

اسی کی تفسیر مین حدیث صحیح مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وہان نہ دلون کا اختلاف ہوگا، نہ باہم بغض اور کینہ، سب کے دل ایک دل کی طرح متحد ہونگے"[1]

وہان کی جسمانی زندگی کیسی ہوگی؟

بہشت مین زندگی کی جو لذتین ہونگی انکی تعبیر الوانِ نعمت، اور انواعِ شربت و شراب، اور دوسرے مادی لذائذ سے ہوسکتی ہے، مگر وہ حظ و مسرت اور اطمینان و سکینت کے علاوہ کسی معنی مین بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوگی، یہان ہر کھانے پینے کے ساتھ بول و براز، پسینہ اور سوءِ ہضم کی علت لگی ہوئی ہے، اور بغیر اس کے انسان یہان زندہ نہین رہسکتا، مگر وہان یہ کچھ نہ ہوگا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اہل جنت کھائین گے اور پئین گے لیکن نہ تھوکین گے نہ وہان بول و براز کی حاجت ہوگی، نہ وہان ناک سے رطوبت نکلیگی، نہ بلغم و کھکھار جیسی گھنونی چیزین ہونگی، کھانا ایک ڈکار مین ہضم ہوگا، وہان کے پسینہ مین مشک کی خوشبو ہوگی، جو بہشت مین داخل ہوگا اُس کو وہ نعمت ملیگی کہ پھر تکلیف نہ ہوگی، نہ اُن کے کپڑے بوسیدہ ہونگے، اور نہ انکی جوانی زائل ہوگی، وہان منادیِ غیب یہ پکار کر کہدیگا، یہان وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑوگے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئیگی وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہوگے، اور وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤگے، لوگون کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکینگے کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودھوین کے چاند کی طرح"[2]

غور کرو کہ وہ جسمانی زندگی، ہماری موجودہ جسمانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے، انسان کبھی شکمِ مادر مین ایک بچہ کی صورت مین زندہ تھا، مگر وہان اسکی زندگی، اسکی غذا، اُس کے فضلۂ غذا، اس کی سانس، اور دوسرے لوازمِ حیات، بیرونِ شکم کے دنیاوی اصولِ حیات و قوانینِ زندگی سے بالکل مختلف تھے،

[1] صحیح مسلم صفۃ الجنۃ، [2] یہ ساری حدیثین صحیح مسلم صفۃ الجنۃ مین ہین،

اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعجب کیساتھ سنکر آمادہ انکار ہونا دانشمندی نہ ہوگی، ایسے ہی اس مادّی زندگی کے خوگر، اور اس عالم آب و گل کے باشندے اس دوسری زندگی کے اصول حیات، طرز غذا، اور دوسرے لوازم حیات کو سنکر آمادۂ انکار ہوں تو اُن کا بھی یہ فعل دانشمندی کے خلاف ہوگا،

جنت بہ ارتقاے روحانی ہے | مادّی و جسمانی خلقت و فطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادّہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جسمانیت تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جماد بنا، پھر نبات کی شکل میں آیا، پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر جسم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ مادّیت کی معراج ترقی ہے، جمادیت مٹکر نباتیت پیدا ہوئی، اور نباتیت فنا ہوکر حیوانیت نمودار ہوئی، پھر حیوانیت معدوم ہوکر انسانیت ظہور پذیر ہوئی اور ارتقاے انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغاز طفولیت میں ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مدارج نہیں آئیں گے، ایک مادّہ پرست صرف بام ارتقا تک زینہ بزینہ چڑھکر ٹھہر جاتا ہے، لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے، اور یہاں سے وہ اڑکر سقف آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے، قرآن پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلتے ہیں،

اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	جو فردوس کی وراثت پائیں گے، اور وہ اُسمیں سدا
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ	رہینگے، اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی کی کشید سے بنایا،
طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ	پھر اس کو (رحم نسوانی کے) ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں ایک بوند
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	بنایا، پھر اس بوند کو بندھا ہوا خون بنایا، پھر اس خون کو
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ	لوتھڑا بنایا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں کو
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ	گوشت پہنایا، پھر اس کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا
اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۗ (مومنون ۱-۱)	کیا، تو برکت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا (خدا)،

لیکن یہ ترقی یہین تک پہنچکر رُک نہین جائیگی، بلکہ آگے بھی ہو گی اس لیے جس طرح ماں کے پیٹ کی تنگ وتاریک دُنیا مین زیست وحیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دُنیا مین اُس نے قدم رکھا، جہان ترقی وحیات کے دوسرے ہی اصول ہین، اسی طرح اس دنیاے مادّی سے نکل کر اُس وسیع تر دنیا مین قدم رکھیگا جہان ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہونگے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ	پھر بیشک تم اس کے بعد مرنے والے ہو، اور پھر قیامت
يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ، (مومنون-۱)	کے دن اٹھائے جاؤ گے،

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھون برس مین ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت پیدا ہوتے ہوتے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہین کہ اب نوع انسانی کی تمام کیفیتین مٹکر ایک بلند تر نوع کی کیفیتون کی تیاری شروع ہوئی صدہا ہزارہا سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظہور ہوگا،

یہان مسئلۂ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جسکو "بقائے اصلح" کہتے ہین، کہ ان مدارج ترقی کے اثنا مین ہزارون وہ نوعین فنا ہوتی رہتی ہین، جنمین آگے بڑھنے کی صلاحیت نہین ہوتی، اور وہی باقی رہجاتی ہین جنمین آیندہ بقا کی پوری استعداد ہوتی ہے، جس طرح پچھلی استعداد سے آیندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اوس دوسری ملکوتی نوع کی استعداد انھین کو ملتی ہے جنکے اندر اپنی پچھلی مادّی وجسمانی زندگی مین اس کی استعداد پیدا ہوچکی تھی، دوزخ کے درجے اُن لوگون کے مقامات ہین جو گویا ہنوز، جمادی ونباتی وحیوانی منزلون مین ہین، اور ممکن ہے کہ وہ اس دار الامتحان مین اپنی کمی استعداد کے بقدر رہکر آگے کی استعداد پیدا کرلین، اور ملکوتیت کی ترقی حاصل کرسکین،

بہشت کے مختلف مدارج اُنکی استعدادون کے مقامات ہین، جو اپنی پہلی ہی زندگی مین اس ترقی کی استعداد پیدا کرچکے تھے، لیکن یہان پہنچکر بھی اُن کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا، بلکہ وہ بقدر استعداد تکمیل کے مدارج طے کرتے چلے جائین گے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ (تین-۱) ان (بہشتیون) کے لیے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے،

ایک دوسری آیت مین ہے کہ اہل بہشت بہشت مین دعا کرینگے،

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ان کا نور ان کے سامنے اور داہنے دوڑیگا، اور وہ کہینگے

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو کامل اور ہم کو

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم-۲) معاف کر تو ہر بات کرسکتا ہے،

یہ مزید تکمیل کی خواہش عین بہشت مین ظاہر کیجا رہی ہے، اور دعا کا آغاز "ربّ" کی ندا سے ہوتا ہے اس سے اشارہ ہے کہ یہ مزید تکمیل اسی کی ربوبیت کا اقتضا ہے، جو نکوکارون کو جنت مین حاصل ہوگی،

امن وسلامتی کا گھر انسان امن وسلامتی کا بھوکا ہے، لیکن وہ اس امن وسلامتی کو اسباب راحت کے انبار مین تلاش کرتا ہے، اور نہین پاتا، وہ دنیا مین امن کا گوشہ ڈھونڈھتا ہے، اور وہ اسکو نہین ملتا، لیکن یہان آکر اسکو نہ صرف امن کا گوشہ، بلکہ امن وسلامتی کی ایک دنیا ملیگی، وہ پرند جو عمر بھر چار عناصر کے قفس مین گرفتار رہا، یہان وہ سدرۃ المنتہیٰ کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کریگا، جنت کے جہان وحی محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہین، وہان اس کا ایک نام دَارُ السَّلَامِ بھی بتایا ہے، جس کے معنی امن وسلامتی کے گھر کے ہین،

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے،

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (انعام-۱۵) ان کے لیے انکے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دیکر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ حقیقت مین اسی امن وسلامتی کی نوید وبشارت ہے، اسی لئے فرمایا،

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ (یونس-۳) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے،

آنحضرت صلعم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سب سے پہلے اسی امن وسلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلعم کی جب صدائے نبوت نے سب سے پہلے ان کے دل

مین گھر کیا، وہ یہ تھی، "لوگو اسلامتی پھیلاؤ، بھوکون کو کھلاؤ، جب دنیا غفلت کی نیند سوئے تو تم اٹھکر اُس کی عبادت کرو، امن وسلامتی کے گھر مین رہنا تم کو نصیب ہوگا"

جنت کے ذکر مین اس امن وسلامتی کا تذکرہ قرآن پاک مین بار بار آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے در و دیوار سے امن وسلامتی کے ترانے سنائی دینگے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ (رعد - ۳)

اور فرشتے ہر دروازہ سے اُن کے سامنے یہ کہتے ہوئے آئینگے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا، تو کیسا اچھا پچھلا گھر ہے،

وہان امن وسلامتی کے سوا کچھ اور سنائی نہ دیگا،

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا، (واقعہ - ۱)

لیکن سلامتی سلامتی کی پکار،

فرشتے اہل جنت کو یون کہینگے،

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ (ق)

اس جنت مین سلامتی کیساتھ داخل ہو، یہ زندگی جاوید کا دن ہے،

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (مریم - ۴)

اُنہین سلامتی کے سوا کوئی اور بیہودہ بات نہ سنین گے،

جنت کا ایک اور نام قرآن مین "مقام امین" امن والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا،

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ؕ (دخان - ۳)

بیشک پرہیزگار لوگ امن والے مقام مین ہونگے،

مقام رحمت خدا کی رحمت کب نہین؟ اور کہان نہین؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا مین ایسے واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہین، جنکو ہم رحمت کے بجائے قہر الٰہی سے تعبیر کرتے ہین، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کے بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب مین مبتلا ہونا پڑتا ہے، لیکن ایک عالم وہ ہے جہان اُس کی رحمت کے سوا اُس کے قہر و غضب کا نام ونشان نہ ہوگا، اُس کی رحمت اور فیض وکرم کی وہان ہر طرف بارش ہوگی، اور اسکی رحمت کے سوا کوئی اور منظر کہین، اور کبھی دکھائی نہ دیگا،

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ (توبہ-۳)

اُن کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت، خوشنودی اور اُن باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جنمین اُن کیلئے ہمیشہ کا آرام ہو،

اہلِ جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دمکتے ہونگے، یہ آواز سنائی دیگی،

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (آلِ عمران-۱۱)

لیکن جنکے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت مین ہونگے، اُنمین وہ سدا رہین گے،

مقامِ نور جنت نور کا وہ مقام ہے، جہان ظلمت و تاریکی کا نام ونشان نہ ہوگا، جنتیون کے چہرے روشن ہونگے کوئی ستارون کی طرح چمکیگا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف اُن کے انوار کی بارش ہوگی آگے پیچھے، داہنے بائین ہر سمت سے نور درخشان ہوگا، فرمایا،

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (تحریم-۲)

اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے دوڑے گا،

اُس دن اہلِ ایمان کے نورِ ایمان کی بجلیان ہر طرف کوندینگی،

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ (حدید-۲)

جس دن تو مومن مردون اور مومن عورتون کو دیکھیگا کہ اُن کا نور اُنکے سامنے اور اُن کے داہنے چمکیگا، آج تمکو خوشخبری ہو، وہ باغ ہین جن کے نیچے نہرین بہتی ہین، اُن مین ہمیشہ رہا کروگے، یہی بڑی کامیابی ہے،

اُس دن اہلِ نفاق اہلِ ایمان سے آرزو کرینگے، کہ ذرا ٹھہر جایئے، کہ ہمارے ظلمت کدہ مین بھی ایک دم کے لیے روشنی ہوجائے،

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ

جس دن منافق مرد اور منافق عورتین اہلِ ایمان سے

اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ج (حدید-۲) کہینگی کہ ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لین،

مقام رضوان | جنّت کے انعامات کی فہرست مین سب سے آخری چیز مقام رضوان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی اور خوش ہونا، کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اُس بندہ پر عتاب فرمائیگا، نہ اُس سے ناراض ہوگا، بلکہ اُسکو اپنی رضامندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا، متقیون کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتین رکھی ہین اُن مین جنّت، نہرین، پاک بیویان، اور اُن سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ مین رحمت اور رضوان کے بعد جنّت کے ذکر کو جگہ دیگئی ہے،

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ لا (توبہ-۳)

اُنکا پروردگار اُنکو اپنی رحمت اور خوشنودی (رضوان) کی خوشخبری دیتا ہے اور اُن باغون کی جنمین نعمتِ الٰہی قائم رہیگی،

سورۂ حدید مین بھی اسی طرح مغفرت اور رضاے الٰہی کے بعد بطور تکملہ کے جنّت کا ذکر آتا ہے، فرمایا،

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ لا وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ، سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، (حدید-۳)

اور آخرت مین سخت عذاب ہے، اور خدا کی بخشش اور رضامندی بھی ہے، اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے، اپنے رب کی بخشش اور اُس جنّت کی طرف دوڑو جسکا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے، یہ اُنکے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولون پر یقین رکھتے ہین، یہ اللہ کی مہربانی ہے، جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے،

سورۂ آل عمران مین جنّت کی تمام نعمتون کو گنا کر اُن کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان بشارت پر کیا گیا ہے، فرمایا،

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ — جنھون نے پرہیزگاری کی اُن کے لیے اُنکے پروردگار

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ — کے پاس ایسے باغ ہین جنکے نیچے نہرین بہتی ہین اُن مین

مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران-۲) — وہ سدا رہینگے اور پاک بیویان، اور اللہ کی خوشنودی،

سورۂ توبہ مین جنت کی تمام نعمتون سے بڑھکر نعمت رضوانِ الٰہی کو قرار دیا ہے،

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ — اللہ نے باایمان مردون اور عورتون سے اُن باغون

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا — کا وعدہ کیا ہے جنکے نیچے نہرین بہتی ہین اُن مین سدا

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ — رہینگے اور رہنے کے ستھرے گھر، اور اللہ کی رضامندی

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ — سب سے بڑی ہے، وہی بڑی کامیابی

الْعَظِيْمُ (توبہ-۹) — ہے،

بہشت کی مطمئن روحون کو اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ نوید مسرت سنائی جاتی ہے،

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى — اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کے پاس اسطرح

رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (فجر-۱) — واپس جاکہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو،

اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے،

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (مائدہ-۱۶) — خدا اُن سے خوش، اور وہ خدا سے خوش،

انھین آیتون کی تفسیر مین آنحضرت صلعم نے یہ بشارت سنائی ہے، کہ "خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دیگا کہ اے جنت والو! وہ جواب دینگے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہین، سب بھلائیان تیرے پاس ہین، فرمائیگا (جنت کی نعمتین پاکر) اب تم خوش ہوئے، عرض کرینگے پروردگار کیون خوش نہ ہون، کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہین دیا، فرمائیگا کہ مین ان تمام گذشتہ نعمتون سے بڑھکر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دون؟ کہین گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے؟ فرمائیگا "یہ کہ اپنی رضامندی و خوشی تم پر اتار دون، پھر اس کے بعد مین کبھی تم سے ناراض نہ ہونگا"

صحیح بخاری و مسلم صفة الجنة

مقام طیب و طاہر موجودہ دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے، لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاکی ستھرائی لطافت اور طہارت کا مظہر ہے، اسمیں وہی داخل ہونگے جو گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں، فرمایا

طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِيْنَ (زمر - ۸) تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ،

جو زندگی وہاں ملیگی وہ بھی پاک وصاف اور ستھری اور ہر جسمانی و روحانی آلایش سے بری ہوگی، فرمایا،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (نحل - ۱۳) مرد ہو یا عورت جس نے مومن بنکر اچھے کام کئے ہم اسکو ایک پاک زندگی دیکر جلائین گے، اور اُن کو ہم اُن کے سب سے بہتر عمل کے مطابق بدلہ دینگے،

جو گھر وہاں ملین گے وہ بھی پاک وصاف اور ستھرے ہونگے،

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً (صف - ۲) اور پاک گھر،

جو بیویاں ملین گی وہ پاک ہونگی،

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (آل عمران - ۲) اور پاک بیویاں،

وہاں کی جو باتین ہونگی وہ بھی پاک،

وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (حج - ۳) اور اہل جنت کو پاکیزہ گفتگو کی طرف رہنمائی کیجائیگی،

اُن کو پینے کی جو چیز ملیگی وہ بھی پاک ہوگی،

شَرَابًا طَهُوْرًا (دھر - ۱) اور پینے کی پاک چیز،

غرض کہ ہر چیز وہاں، پاک، صاف، طیب و طاہر، ہر روحانی وجسمانی آلودگیوں سے مبرا ہوگی،

تسبیح و تہلیل اس آرام ولطف کے بعد اہل جنت کی روحانی لذت، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح و تہلیل ہوگی ...کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہاں ہر طرف انوار الٰہی برستے ہین، جہاں صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور ...یین، جہاں قدس ونزاہت کی ہر طرف صورتین نظر آئینگی، وہاں حمد وثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف

سے بلند ہونگے،

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ج وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، (یونس-۱)

جنّت مین اُن کی ندا یہ ہوگی کہ اے میرے اللہ تیری پاکی اور اُن کی آپس کی دعا، سلامتی ہوگی، اور اُنکی آخری پکار یہ ہوگی، کہ دنیا کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی حمد ہو،

جنّت کی تمام شاہانہ نعمتون کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی، کہ خدا کی تسبیح و تہلیل کی نئی نئی پر لطف راہین وہان پر کھلینگی، فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ، (حج-۳)

بیشک اللہ اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن باغون مین داخل کریگا، جنکے نیچے نہرین بہتی ہون، اُنہین اُنکو سونے کے کنگن، اور موتی پہنائے جائینگے اور اُنکی پوشاک اُن مین ریشم کی ہوگی، اور وہ راہ دکھائے جائینگے اچھی بات کی، اور دکھائے جائین گے اُس سراپا حمد (ذات) کی راہ،

وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکریہ مین فرشتون کے ساتھ مل کر حمد الٰہی کا سرود سرمدی گائینگے، اور یہ وہ وقت ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اسکی حمد کا ترانہ بلند ہوگا، فرمایا،

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ، وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ج فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ، وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ

جنّت کے نگہبان اُن سے کہین گے، تمپر سلامتی ہو، تم پاک ہوچکے تو جنّت مین چلے جاؤ، اہل جنّت کہین گے اُس اللہ کی حمد ہو جس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اور ہم کو اس سرزمین کا مالک کیا، کہ جنّت مین جہان چاہین رہین، تو کام کرنے والون کی کیسی اچھی مزدوری ہے، اور دیکھیگا

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ج — کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ — کر رہے ہونگے اور سب لوگون کے درمیان فیصلہ کیا جائیگا

الْعٰلَمِيْنَ، (زمر - ۸) — اور کہا جائیگا کہ حمد ہو سارے عالم کے پروردگار کی،

اہل جنت کے متعلق قرآن پاک مین ایک جگہ ہے،

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا، وَلَهُمْ — وہ نہ سنین گے وہان بیکار بات، مگر سلام اور اُن کی

رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا، (مریم - ۴) — روزی اُنمین صبح اور شام ہوگی،

اس صبح وشام کی روزی سے مقصود کیا جنّت کے کھانے کے الوانِ نعمت ہین؟ اگر ایسا ہوتا تو صبح وشام کی تخصیص کیا تھی، وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے، میرا گمان یہ ہے کہ اس روزی سے خدا کی تسبیح وتہلیل کی روحانی روزی اور ربّانی غذا مراد ہے، اور حدیث کے ان لفظون کو اسی کی تفسیر جانتا ہون، صحیح مسلم مین ہے کہ آپ نے جنّت کی نعمتون کے سلسلہ مین فرمایا،

يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا، (صفة الجنة) — وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرینگے،

ایک اور حدیث مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "اہلِ جنّت کو خدا کی تسبیح وتقدیس کا الہام ہوا کریگا" اور شاید قرآن پاک کی اس آیت کے یہی معنی ہون،

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا — اور اچھی بات کی طرف اُنکی رہنمائی کیجائیگی، اور اُس سراپا

اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (حج - ۳) — حمد کا راستہ اُن کو بتایا جائے گا،

مقامِ قرب اہلِ جنّت کو جو کچھ نصیب ہوگا، اُن سب کے سوا سب سے اعلیٰ مرتبہ قربِ خاص کا مقام ہے، بندے اپنے پروردگار کی حضوری کا شرف پائین گے، قرآن پاک مین جا بجا اُن کے لیے یہ آتا ہے جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ "اُنکی جزا اُن کے پروردگار کے پاس" یہ قربِ خاص کے اشارے ہین، اور ایک جگہ یہ اشارہ اس تصریح سے بدل جاتا ہے،

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ، فِيْ مَقْعَدِ — بیشک پرہیزگار باغون مین اور نہرون مین سچائی کی

صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (قمر-۳) نشست گاہ مین اُس بادشاہ کے حضور جسکا سب پر قبضہ ہے،

دیدار جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت، اللہ تعالی کی تجلی کا نظارہ ہے، کون ہے جو اس مطلع انوار کے دیدار کی تاب لا سکے، تاہم یا تو یہ آنکھین کچھ اور آنکھین ہونگی، یا وہ نور مطلق کسی خاص شان مین نمایان ہوگا، اُس وقت یہ عالم ہوگا، کہ وہ نور کا مرکز بنکر نمودار ہوگا، اور اہل جنت کی مشتاق آنکھین اسکی طرف اٹھی ہونگی،

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ کتنے چہرے اُس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی سمت دیکھ رہے ہونگے، (قیامہ-۱)

اسی آیت کی تفسیر مین حضرت جریر بن عبداللہ صحابی روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا کہ "تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھوگے" دوسری روایتون مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو ایسے ہی تم اپنے پروردگار کو دیکھوگے، اس دیدار و رویت مین کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا"[۱] اس تمثیل سے آپ کے دو مقصود ہین ایک تو شدت یقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک وشبہہ دیکھ رہے ہو، اسی طرح بے شک وشبہہ اپنے پروردگار کو دیکھوگے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھون کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکسان حیثیت سے باطمینان اس طرح دیکھ سکتے ہین، کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے مین عائق نہین ہوتا، اسی طرح دیدار الٰہی مین کروڑون کا ہجوم مانع نہ ہوگا، اتنا ہی نہین بلکہ جس دن جنتی اپنے پروردگار کے حضور مین پیش ہونگے اُن کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (احزاب-۶) اُنکی دعا جب وہ اپنے پروردگار سے ملینگے سلامتی ہوگی

بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دیگا،

سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یس-۴) رحمت والے پروردگار کیطرف سے پیام سلامتی ہوگا،

بخاری مین ہے کہ آپ نے فرمایا "خداوند تعالی اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمائیگا"[۲]

---

[۱] صحیح بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۱۰۱، [۲] ایضا باب کلام الرب،

یہ رویت کیونکر ہوگی، اہلِ روایت لفظ کے قائل ہین، اہلِ عقل زیادتِ ایمان کی تاویل کرتے ہین، اہلِ حقیقت اُس کو اسمار وصفات کی ناقابلِ بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہین، لیکن فیصلہ یہ ہے،

بیا کین داوریہا را بہ پیشِ داور اندازیم

ان تعلیمات کا عملی اثر | اوپر کے صفحون مین قیامت، حشر ونشر اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گذر چکے، یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے، اور اسی کے یقین مین مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے، معلوم ہوچکا ہے کہ اہلِ عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، بلکہ مرکر جی اٹھنا، اور اس موت کے بعد دوبارہ زندگی اُن کے نزدیک کس قدر مستبعد تھی، قرآنِ پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیاتِ بعد الموت کی تلقین، اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلعم اپنے اکثر خطبون مین اس کا حال بیان کیا کرتے تھے، اور جمعہ کے خطبون مین خصوصیت کیساتھ سورۂ قٓ تلاوت فرماتے تھے، جسمین قیامت کے حالات ہین، لیکن دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم، قرآنِ پاک کی تاثیر، اور محمد رسول اللہ صلعم کے فیضِ ہدایت سے نہ صرف انکار کا اقرار سے بدل گیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر اُن کے دل و دماغ کی لوح مین منقوش ہوگئے تھے،

یاد ہوگا کہ اسلام کے آغاز مین ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا،

اموتٌ ثم بعثٌ ثم حشرٌ	حدیثُ خرافةٍ یا امَّ عمرٍو
کیا مرنا ہی، پھر جینا، اور پھر اکٹھا ہونا	اے عمرو کی ماں، یہ خرافات باتین ہین

لیکن چندہی سال کے بعد یہ طنزِ انکار، رمزِ یقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا، ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے جائین گے،

وَاِنَّا لنرجو فوق ذٰلک مظهرًا	اور ہم یہ امید رکھتے ہین کہ اس سے بھی بلند مقام مین ظاہر ہون

آنحضرت صلعم استفسار فرماتے ہین کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے؟ عرض کرتا ہے کہ جنت یا رسول اللہ؟ آپ فرماتے ہین "انشاء اللہ" دیکھو کہ جنکی نظرین زمین سے اونچی نہین جا پاتی تھین، اُنکا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا،

جنکو مرکر پھر جینا دوراز عقل معلوم ہوتا تھا جنکو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈر نہ تھا جنکو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پروانہ تھی، جو سزا وجزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے، جو جنت ودوزخ کے تخیل سے ناآشنا تھے، وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے، دوسری زندگی پر اُن کو اسی طرح یقین آگیا جسطرح آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے اعمال کی جوابدہی سے ترسان ولرزان رہنے لگے، سزا وجزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی بازپرس خود کرنے لگے، جنت کا اشتیاق اُن کو بڑی سی بڑی قربانی پر آمادہ کردیتا تھا، دوزخ کا ڈر اُن کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیڑا کرتا تھا، اونکی آنکھون کو اشکبار رکھتا تھا، فرائض اور ذمہ واری کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ اُن کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے اُن کو چونکا کر عمل کے میدان مین تنہا لے آتا تھا، اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے اُن کو ہمہ تن سرگرم اور سرتاپا مصروف جدوجہد بنا دیتا تھا، تنہائی اور تاریکی مین بھی اُن کے دل اور بدن کو برائیون اور بداعمالیون سے باز رکھتا تھا، اُن کے ضمیر اور دل کے صفحون کو ہر وقت خدا کی آنکھون کے سامنے کھلا رکھتا تھا،

ایک دفعہ دو صحابیون مین کسی حقیقت کے متعلق جھگڑا تھا، آنحضرت صلعم نے فریقین کی باتین سنکر ایک کے حق مین اوسکا فیصلہ دیدیا، پھر فرمایا "مین بھی ایک آدمی ہون، مدعی اور مدعا علیہ مین سے ممکن ہے کہ کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو جو اپنے دعوی کو خوبی کیساتھ بیان کرے، اور مین اُس کے موافق اوسکا فیصلہ دون، لیکن درحقیقت وہ چیز اوسکی نہ ہو تو گویا مین اوس کے گلے مین آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہون"، یہ سنکر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونون رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا،[1]

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع وفرمانبردار تھے، رسول کے عاشق وشیدا تھے، نیکیون سے مالا مال تھے، جنت کی بشارت سے سرفراز تھے، تاہم آخرت کے مواخذہ اور جوابدہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انھون نے کہا کہ "اگر وصال نبوی کے بعد میرے اچھے اور برے اعمال برابر برابر رہین تو بھی مین خوش ہون، اگر جنت نہ ملے تو پروا نہین مگر الٰہی دوزخ نہ ملے"[2]، وہ نزع کی حالت مین بہت بےچین تھے، بعض صحابہ اُن کے اچھے اعمال گنا کر اُن کو تسلی دینے لگے، تو جواب

[1] سنن ابی داود کتاب الاقضیہ، [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ جلد اول صفحہ ۵۵۶،

مین کہا "خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لئے سونا ہو جاتی کہ اُس کو دیکر عذاب[1] الٰہی سے بچ سکتا، تو مین دیدیتا" ام المومنین حضرت[2] عائشہؓ کہتی تھین "اے کاش مین جنگل کی گھاس ہوتی[3]" "اے کاش مین کچھ نہ ہوتی"

قیامت کے متعلق قرآنِ پاک کی یہ عجیب مؤثر آیت:-

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ	لوگو! اپنے رب سے ڈرو، قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے
عَظِيمٌ ۞ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا	جسدن اوسکو دیکھوگے، ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ
أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى	پیتے بچہ کو بھول جائیگی اور پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دیگی اور
النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ	لوگون کو نشہ مین دیکھوگے، لیکن وہ نشہ مین نہ ہون گے بلکہ
اللَّهِ شَدِيدٌ ۞ (حج - ۱)	خدا کا عذاب سخت ہوگا،

جب اتری اور آنحضرت صلعم نے صحابہ کو سنایا، اور اوسکی تفسیر کی، تو اُن کے چہرون کا رنگ[4] بدل گیا، اور آنکھون سے آنسو جاری[5] ہوگئے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے قبر کا ذکر کیا، اور موت کے بعد کے عذاب کا حال بیان کیا، تو صحابہؓ چیخین مار مار کر رونے[6] لگے، حضرت ابوہریرہؓ کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اثناے روایت مین وہ تین دفعہ بیہوش ہو کر گر پڑے، اور جب امیر معاویہ کے سامنے یہ روایت دہرائی گئی تو اُن پر بھی گریہ طاری[7] ہوگیا،

اس یقین و ایمان کا دوسرا سمان یہ ہے کہ بدر کا میدانِ جنگ ہے، مشرکین کی ایک ہزار لوہے مین ڈوبی ہوئی فوج کا سیلاب امنڈا آرہا ہے، ادھر تین سو نہتے مسلمان صف باندھے کھڑے ہین کہ آپ صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرماتے ہین: لو اُس جنت کا موقع سامنے ہے جسکی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے" ایک انصاری حیرت سے پوچھتے ہین کہ کیا آسمان و زمین کے برابر؟ آپ فرماتے ہین "ہان" وہ خوشی سے واہ واہ کہہ اٹھتے ہین، آپ دریافت فرماتے ہین کہ تم نے واہ واہ کیون کہا، عرض کی، اس امید سے کہ شاید مین بھی اُس مین ہون، فرمایا تم اُسمین ہو، یہ سنکر وہ کھجورین نکال نکال کر جلدی جلدی

صحیح جامع ترمذی (ابواب الزہد)

۱؎ صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ جلد اول صفحہ ۵۲۱ ۲؎ ابن سعد جزء النساء ص ۵۱ ۳؎ صحیح بخاری مناقب عائشہؓ و تفسیر سورۂ نور و مستدرک حاکم ترجمہ عائشہؓ و ابن حنبل مسند عائشہؓ ص ۱۶۵ ۴؎ صحیح بخاری تفسیر سورۂ حج جلد دوم ص ۶۹۳ ۵؎ جامع ترمذی تفسیر سورۂ حج ۶؎ سنن نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر

کھانے لگے، بالآخر جنت کے جانے مین اتنا توقف بھی شاق گذرا بولے اتنی دیر بھی کیون کیجائے، یہ کہکر کھجورین پھینک دین اور تلوار کھینچکر آگے بڑھے اور شہید ہوئے،

غزوۂ احد مین بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، اُحد کے میدان دار و گیر کا شور برپا تھا، لاشون پر لاشین گر رہی تھین کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ مین مارا گیا تو کہان ہونگا، فرمایا "جنت مین" وہ کھجور کھا رہے تھے ہاتھ سے کھجورین پھینکدین اور لڑکر جان دیدی، قلیس ایک صحابی تھے، وہ ایک جہاد مین شریک تھے، انھون نے اسلامی فوج کے سپاہیون کے سامنے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلوارون کے سایہ کے نیچے ہین، ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا، اس نے آگے بڑھکر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے، انھون نے کہا "ہان" یہ سنکر وہ اپنے دوستون کے پاس آیا، اور سلام کرکے رخصت ہوا میان توڑکر پھینکدی، اور تلوار لیکر دشمن کی صف پر جا پڑا، اور شہادت حاصل کی،

ان حیرت انگیز واقعات مین سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس منکر و کافر عرب کے دل و دماغ اور ذہن و اعتقاد کو کس طرح آن کی آن مین بدل دیا، اور دم کے دم مین عربون کے عقائد، اخلاق اور کارنامون کو کہان سے کہان پہنچا دیا،

سلہ یہ تینون واقعے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت الجنۃ للشہید مین ہین، دوسرا واقعہ سنن نسائی مین بھی ہے، کتاب الجہاد باب ثواب من قتل فی سبیل اللہ،

قضا و قدر

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر-۳)

اگرچہ قرآنِ پاک مین ایمان کے سلسلہ مین اس کا ذکر کہین نہین آیا، مگر اسکا اعادہ بار بار قرآن مین اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اسکی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اُس کو بھی ایمانیات کے پہلو مین جگہ دیجائے چنانچہ بعض صحیح حدیثون[1] مین یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دیگئی ہے، اور سلسلۂ توحید مین اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت، اور مشیتِ مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے، اسکا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیئے،

اس عقیدہ کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا مین جو کچھ اب تک ہوا، جو کچھ اب ہو رہا ہے، اور جو کچھ آیندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور فیصلۂ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے، اور ہوگا، جس طرح مُہندس اور انجینیر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کرکے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہین، اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہین، اسی طرح اس مہندسِ ازل خالقِ کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول و قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کرکے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا، اب اُسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اُس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہین، موت و حیات، فقر و غنا، کامیابی و ناکامی، تکلیف و راحت، ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے، اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے،

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہین، جو کچھ مخصوص ہے، وہ اسکی تکمیلی تعلیم ہے،

توراۃ مین حضرت آدم و شیطان اور ہابیل و قابیل کے قصّون مین اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہین،

---

[1] صحیح مسلم بروایت ابن عمرؓ و ابوہریرہؓ باب الایمان،

حضرت یوسفؑ کا خواب اسی ایک حقیقت کی تعبیر ہے، مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اسکی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۳۸-۱۴ میں ہے،

"تیرے کام حیرت افزا ہیں! اسکا میرے جی کو بڑا یقین ہے، جبکہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا اور زمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادّہ کو دیکھا، اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں، اور اُن کے دنوں کا حال بھی کہ کب بنینگی، جب ہنوز اُن میں سے کوئی بھی نہ تھی۔"

اس کے بعد زبور ۱۴۸ کا ترانۂ حمد اسی لے میں شروع ہوتا ہے،

"........ خداوند کے نام کی ستایش کریں کہ اُس (خدا) نے حکم دیا اور وہ (مخلوقات) موجود ہوگئے، اُس نے اُن کو ابدی پایداری بخشی، اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں سکتی۔"

انجیل میں اسکی تعلیم "خدا کی مرضی" کے عنوان سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام زندگی کی آخری شب کی دعا میں فرماتے ہیں، "میری مرضی نہیں، تیری مرضی پوری ہو" (متی ۲۶-۳۹) اور اسی "مرضی" کا ذکر یوحنا (۵-۳۰ و ۶-۳۸) اور خطوط (فلپون ۲-۱۳) میں ہے، اور رومیوں کے نویں باب میں اسکی پوری تفصیل ہے، مگر خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے اوّل یہ کیا کہ اس مسئلہ کی مجمل حقیقت کی توضیح کی، اور اسکی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور دوسری بات یہ کی کہ گذشتہ مذاہب کی طرح اپنے دفتر کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اسکو کہکر خاموشی اختیار نہیں کرلی، بلکہ باربار اتنی دفعہ دہرایا کہ سننے والوں کے دلوں میں اسکی عقیدت نے گھر پیدا کرلیا، اور یہ تلقین یقین کی صورت میں انکی رگ وریشہ میں پیوست ہوگئی، اور ایسا اُس نے اس لیے کیا تاکہ صبر و شکر کی اخلاقی تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں نہ رہ جائے، بلکہ عملی حیثیت میں اُس کے پیرؤوں کے اندر استقلال و ثبات کی روح اور دنیا کے مصائب و حوادث میں تسلّی و تشفی کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں نہ رہے، بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کرلے۔

وحیِ محمدی نے اس اصطلاح کے لیے دو لفظ اختیار کئے ہیں، ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا قضا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں،

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (قمر-۳) — ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا،

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا (انعام-۱) — وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا،

یہ دونوں لفظ بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے، کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا ہے اور متعین کر دیا ہے، اُسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے، اس میں خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا، آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا، چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدیئے، موت و حیات، فنا و بقا، اور عروج و زوال، غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرما دیئے انہیں پر وہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد ہے،

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ، (یٰس-۳)

اور سورج اپنے ٹھہراؤ پر چل رہا ہے، یہ ہے غالب اور علم والے کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کو ہم نے تقدیر (اندازہ) کر دی ہیں منزلیں، یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح (خمیدہ ہو کر) لوٹتا ہے، نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ چاند کو پالے، اور نہ رات دن سے آگے بڑھے، ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے،

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا،

وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا، (حم سجدہ-۲) — اور زمین میں اُسکی روزیاں اندازہ کریں،

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا،

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (طلاق-۱) اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ بنایا ہے،

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے، فرمایا،

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ (واقعہ-۲) ہم نے تمھارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا،

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے، وہ وہی چیز ہے جسکو لوگ قانونِ فطرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرما دیئے ہیں، جن کی اطاعت اُس پر واجب ہے، علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال، موت و حیات، بیماری و صحت، دولت و افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرما دیئے ہیں، غرض اُن کو آرام و تکلیف جو کچھ بھی پیش آتی ہے، خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (تغابن) نہیں پہنچی تمکو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے،

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی، اسلیے تقدیرات کو نوشتۂ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں، کہ جس طرح لکھی ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹتی اور بھولتی نہیں، ایسے ہی یہ باتیں بھی مٹتیں اور بدلتیں نہیں،

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِہٖ اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی، اور نہ جنتی ہے لیکن خدا
وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ کے علم سے، اور نہ کسی دراز عمر کو عمر کی درازی ملتی ہے،
اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ یا اسکی عمر کم ہو جاتی ہے، لیکن وہ کتاب میں ہے بیشک
(فاطر-۲) یہ اللہ پر آسان ہے،

اس آیت پاک میں دو ٹکڑے ہیں، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے، یا جو بچہ جنتی ہے وہ خدائے پاک کے علم سے ہے، دوسرا ٹکڑہ یہ ہے کہ جس کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے وہ کتاب الٰہی میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے، ان دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الٰہی میں ہونا، اور علم الٰہی میں ہونا، دونوں

ہم معنی ہین،

قرآنِ پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا وقدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اسکی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذراسی کامیابی پر فخر وغرور کے نشہ مین چور ہوجاتا ہے اور ذراسی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہوکر ہمت ہار بیٹھتا ہے، یہ دونون مختلف اخلاقی بیماریان اسلیے اُس کولاحق ہوتی ہین، کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے، اسلیے وہ کبھی اپنے کیے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے، اور یہ دونون کیفیتین افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر وثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہین، اس لیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر ومسرت اور ناکامی کے افسوس وحسرت دونون موقعون پر عاجز انسانون کی دست گیری کرے، اور وہ یہی عقیدۂ قضا وقدر ہے،

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے، وہ ہماری کوشش کا براہِ راست نتیجہ نہین، بلکہ وہ اللہ تعالی کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے، اس لیے اس پر ہمارا فخر وغرور کرنا بیجا ہے، اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی کسی حکمت ومصلحت کا نتیجہ ہے، اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کامون کے نتیجے اُس علّام الغیوب کے علم مین مقرر ہوچکے تھے، اس لیے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اُسی جوش وخروش اور سرگرمی سے پھر از سرِ نو جدّ وجہد مین مصروف ہوجانا چاہیے،

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورۂ حدید مین ان لفظون مین مذکور ہے،

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ
لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝
لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا
بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝
(حدید - ۳)

کوئی مصیبت نہین آتی ملک مین، اور نہ خود تم (اس ملک کے بسنے
والون) مین لیکن یہ کہ وہ ایک کتاب (الٰہی) مین اپنی پیدائش
سے پہلے درج ہوتی ہو، یہ اللہ پر آسان ہو، ایسا اسلیے کیا گیا
تاکہ تم اُسپر جو تم سے جاتا رہے، غم نہ کھایا کرو، اور جو تمکو (اللہ)
دے اُسپر اترایا نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے بڑائی مارنے (والے کو پسند نہین کرتا)

اس آیت کریمہ نے مسئلۂ قضا و قدر کے فلسفہ کو اس خوبی سے واضح کیا ہے، کہ اسکی تائید کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہین رہتی، یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ کی گردنین عین کامیابی و فتوحات کی حالت مین خداوند قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتی تھین، اور ناکامی کی حالت مین اُن کے دل یاس و ناامیدی سے دوچار نہین ہوتے تھے، اور اُنکی عملی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اُس کو اپنی طرف سے نہین، بلکہ خداوند عالم کی طرف سے سمجھکر خاموش رہتے تھے، مالی بیچارگی، سیاسی مصیبت، عزیزون کی مفارقت، لڑائیون کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونا نہین جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اُٹھا بیٹھتے تھے، کہ اُن کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئیگی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا، اسی لیے اُن کے دلون مین وہ عزم ہوتا تھا، کہ نہ اُسکو پہاڑ روک سکتے تھے، نہ سمندر بہالے جاسکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان اُسکو اکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اُسکو جلا سکتے تھے،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا
نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ
نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ، وَ
كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ
كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۚ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ،

(آل عمران)

ع۱۵

کسی کے اختیار مین نہین کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مرسکے، یہ لکھا ہوا مقرر ہے، (انسان کے ہاتھ مین صرف اچھا یا برا ارادہ و نیت ہے، اُس نیت کے مطابق کام کا نتیجہ ظاہر ہونا اُس کے اختیار مین نہین) جو کوئی دنیا کا معاوضہ چاہیگا، تو ہم اُس کو اسمین سے کچھ دینگے، اور جو آخرت کا معاوضہ چاہیگا اُسمین سے کچھ (یہان) دینگے، اور پورا معاوضہ شکر کرنے والون کو آیندہ (وہان) دینگے، کتنے پیغمبر تھے جو لڑے ہین، اُنکے ساتھ بہت سے خدا کے طالب تھے، تو خدا کی راہ مین انکو جو مصیبت پیش آئی اسکی وجہ سے نہ وہ دل ہارے نہ سست ہوے، اور نہ دب گئے، اور اللہ ثابت قدم رہنے

ان آیتون نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ پستی، سستی، اور دون ہمتی نہین، بلکہ بلندی، استقلال اور صبر و ثبات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلعم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کارنامون مین ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، اُن کو صاحبِ وحی کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنون سے کہدین، کہ ہمین ڈر نہین، کیونکہ

لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (توبہ – ۷)

ہمپر کوئی آفت آئی ہی نہین سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے لیے لکھدیا ہے، وہ ہمارا آقا ہے، اور اللہ ہی پر چاہیے کہ ایمان والے

خطرات اور مشکلات کی انکو پروا نہین، کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ میدانِ جنگ مین بھی مرینگے، اور بسترِ راحت پر بھی، اور جنکی موت کا مقررہ وقت نہین آیا وہ تلوارون کی دھارون، اور سمندرون کے طوفانون سے بھی سلامت بچکر نکل آئینگے،

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا
قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى
مَضَاجِعِهِمْ (آل عمران – ۱۶)

منافق کہتے ہین کہ اگر ہماری بات مان لیجاتی تو ہم یہان مارے نہ جاتے، کہدے کہ اگر تم اپنے گھرون مین بھی ہوتے تو جنپر یہان مرنا لکھا جا چکا تھا، وہ از خود اپنے مقتل مین نکل کر چلے آتے،

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ
كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ (نساء – ۱۱)

تم جہان بھی ہو تم کو موت آکر پائیگی اگرچہ تم مضبوط و مستحکم قلعون مین ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابلِ ہزیمت جرأت، اور غیر شکست پذیر عزیمت، اور بے خوف بہادری کا راز ہے، کچھ لوگون نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلۂ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبورِ محض ہونا لازم آتا ہے، اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بنکر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو نہ رسولون کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ ربّانی کتابون کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی، اور نہ اصلاح و ہدایت کا حکم ہوتا، اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دیجاتی، مگر ایسا نہین کیا گیا، لاکھون

پیغمبر بھیجے گئے، کتنی کتابین اترین، کرورون مبلّغ اور مرشد بنا کر پھیلائے گئے، ہدایت و ارشاد کی تاکید پر تاکید آئی، لوگون کی دعوت و اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھرایا گیا، کوشش و محنت سعی و تلاش، اور جد و جہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی، اور محمد رسول اللہ صلعم کی جد و جہاد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھرائی گئی، اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ نے اپنے کارنامون سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی،

اب کیا محمد رسول اللہ صلعم کی تلقین، اور آپکا عمل دو متضاد چیزین تھین؟ نہین، یہ دونون ایک دوسرے کی مؤید تھین، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھین کہ اعملوا فکل میسّر لما خلق (بخاری) لوگو! اپنے اپنے کام کئے جاؤ، کہ تم مین سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہونگے جنکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے، اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے، اور یہ تقدیر ہے، فرمایا،

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى، فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى	بے شبہہ تمھاری کوششین مختلف رُخ کی ہین، تو جس نے دیا،
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى	اور پرہیزگاری کی، اور نیکی کو سچ کر دکھایا تو ہم اُس کو
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى	آہستہ آہستہ آسانی کی طرف لے چلین گے، اور جس نے
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى، وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ	نہ دیا، اور بے پروائی برتی اور نیکی کو جھٹلایا تو ہم اُس کو
مَالُهٗ إِذَا تَرَدّٰى، إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى	آہستہ آہستہ سختی کیطرف لے چلین گے، اور اسکی دولتمندی
وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُوْلٰى،	اُسکو گڑھے مین گرنے سے نہین بچا سکتی ہے، بیشک راہ
(لیل - ۱)	سوجھانا ہمارا فرض ہے اور آخر اور اوّل ہمارے لئے ہے

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق، جسکی ژولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا، کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے، اور اُس کے مطابق اسکی جزا کا ملنا جو اُس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، خدا کا کام ہے، نیکون کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستہ کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور برون کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے، اور ان دونون مین سے ایک کا ملنا انسان

کی ابتدائی کوشش سے ہے خدا فرماتا ہے،

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا، (عنکبوت - ۷)
اور جو ہماری بات مین کوشش کرتے ہین البتہ ہم اُن کو اپنا راستہ سوجھاتے ہین،

خدا کی طرف سے توفیق و ضلالت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے،

وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ (بقرہ - ۳)
اور ہم اس سے گمراہ نہین بناتے لیکن انھین کو جو ہمارا حکم نہین مانتے

غرض پہلے فسق، عدمِ اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے، تب اُس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہے،

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی،
اور انسان کیلئے نہین لیکن وہی جسکی اُس نے کوشش کی،

وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی (نجم - ۳)
اور بیشک اسکی کوشش (خدا کے حضور) دیکھی جائیگی،

اسکی مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کچھ کوشش کرتا ہے، تو اُس کے والدین اُسکو چلنا اور بولنا سکھاتے ہین، بچہ پاؤن اٹھاتا ہے اور والدین اُس کے ہاتھ پکڑکر اُس کو دو چار قدم چلاتے ہین، اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے، وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مبہم آوازین نکالتا ہے تو والدین اُس کو بامعنی الفاظ کی تلقین کرتے ہین، اور اس طرح دونون کوششین مل کر بارآور ہوتی ہین، اسی طرح تقدیرِ الٰہی اور عملِ انسانی باہم مل کر انسانون کی عملی تاریخ تیار کرتے ہین،

جبر و قدر کا مسئلہ

عموماً لوگ اسی موقع پر جبر و قدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہین، یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل مین مجبور ہے یا مختار؟ حالانکہ یہ سررشتۂ کائنات کا وہ عقدہ ہے، جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہین ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن سے بھی نہین ہوسکتا، جس طرح اہلِ مذہب ارادۂ الٰہی اور ارادۂ انسانی کی باہمی تطبیق مین حیران ہین، اسی طرح فلسفۂ الٰہیات کے معلم علمِ الٰہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان، اور فلسفۂ اخلاق والے، انسان کی آزادیٔ عمل اور اُس کے موروثی اثرات، فطری جذبات، اور ماحول کی تاثیرات کی مجبوریون کے درمیان جو تصادم ہے، اُسکو

بشکل بچا سکتے ہین،

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھاگے مین یہ گرہ اُسی طرح پڑی ہوئی تھی، اور اس کے حل کی صورتین دو ہی انھون نے نکالی تھین، یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جائے، اور دبے پاؤن اس راستہ سے گذر جایا جائے، یا بحث چھیڑی تو جبر ہی کیطرف اُن کا میلان نمایان تھا، چنانچہ یہی جبر ہندو مذاہب مین تناسخ، آواگون اور کرم کی صورت مین ہے، عیسائیون مین حضرت آدمؑ کے گناہ اور "خدا کی مرضی"[1] کے پیرایہ مین ہے، اور یہودیون کے مجموعۂ تورات مین حضرت ایوبؑ کا صحیفہ ادھر ہی رہبری کرتا ہے، دوسری طرف مجوسی تھے جنھون نے انسانی اختیار و آزادی کو یہانتک بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اُس کے آگے مجبور تھا، خدا کو نہ صرف انسانون کے بلکہ فرشتون کے کامون پر کوئی قابو حاصل نہ تھا،[2] غرض آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو تعلیمین تھین، یعنی یا تو اُن کو اس مشکل کی خبر ہی نہین تھی، یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے، کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تناسخ کے چکر مین اُس کو پھنسا کر اسکی زندگی کو اُس کے پچھلے جنم کے کرمون کے ہاتھون گرو کر دیتے تھے، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا،

تمام انبیا مین آنحضرت صلعم ہی کی شخصیت وہ نمایان شخصیت ہے جسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس سربستہ راز کے چہرہ سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتین ہین، اور دونون اپنی اپنی جگہ پہ صحیح ہین، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اُس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے، اور آسمان و زمین، بر و بحر اور انسان و حیوان کوئی چیز نہین جو اُس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کرسکے، اس طرح انسان اور اُس کے تمام اعمال بھی اُسکی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہین، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی، اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہو

---

[1] انجیل مین ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعا مین فرمایا "اے خدا اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہین بلکہ تیری مرضی پوری ہو"، عیسائیون کے جبری و قدری فرقون کی معرکہ آرائی کا حال، فرنچ فاضل سیدیو کی کتاب الاسلام (ترجمہ عربی) (ص ۷۷) سے کسی قدر معلوم ہوسکتا ہے،

[2] شفاء العلیل فی القضاء والقدر والتعلیل حافظ ابن قیم،

تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہجائے، اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے جس کے اختیارات محدود، جسکی قدرتین ناقص اور جسکی شاہنشاہی ناتمام ہو،

۲۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے، کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح کوئی اختیار ضرور بخشا گیا ہے، کہ اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے، اور انسان کو اُسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہین، تو پھر انسان کے لیے خیر و شر کا امتیاز، جزا و سزا، شریعت، کتاب، تعلیم، اور انبیا، کی بعثت یہ تمام چیزین بیکار محض ہوجائین، ظلم و انصاف دنیا مین کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا کسی فعل پر قابلِ مدح یا قابلِ ملامت ہونا بے معنی ہوجائے، کسی اچھے کام پر خدا کا اُسکو انعام دینا، اور برے کام پر اُسکو عذاب دینا سراسر ظلم بنجائے، بلکہ اس دنیا کی عدالت مین بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے،

الغرض یہ دونون باتین اپنی اپنی جگہ پر درست ہین، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرتِ تامہ حاصل ہے اور اُسکی مشیت و ارادہ ہر جزو و کل پر حاوی ہے، اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اُس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے، نیکی کے کامون کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کامون پر وہ ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی مین اپنے فعل کی جزا و سزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا، اسی پر وہ فطرت کے سامنے، دنیا کی عدالت مین اور آخرت مین بھی مواخذہ اور بازپرس کی ذمہ داری مین گرفتار ہے، اور اسی کیلئے خدا کی طرف سے اُس کے پاس ہدایت کی کتاب، اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہین،

آنحضرت صلعم کا صحیفۂ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے، جس نے ان دونون صداقتون کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے، اور اُن کی تبلیغ کی ہے، ایک طرف وہ کہتا ہے کہ "خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی گر نہین سکتا" اور دوسری طرف وہ کہتا ہے "ہر جان اپنے کامون کے ہاتھ گرو ہے"، یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور ناقابلِ رد مشیت کے باوجود اُس نے خود اپنے اختیار، خود اپنی

مشیئت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ، اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی، یہی ارادہ اور اعضاء کو اُس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت اسکی ذمہ داری، تکلیف، بازپرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اور اسی پر اُس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے اسلیئے انسان پر اُس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں جو اُس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو، بلکہ اُس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور و بے اختیار رہا ہو، (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات) اس تطبیق سے نہ تو خدائے پاک کی قدرت و اختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے، اور نہ انسان کا تمامتر مجبور ہونا لازم آتا ہے، خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقت مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اُسکو اُس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ۴) — تو جو چاہے مومن بنجائے اور جو چاہے کافر ہو جائے،

اسلیے ہر انسان اپنی جنت آپ بناتا، اور اپنی دوزخ آپ مہیا کرتا ہے،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (فصلت ۶) — جس نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور برا کام کیا تو اپنے لئے کیا، تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

کہ اگر ایسا نہو تو وہ ظلم ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی جناب پاک و برتر ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم سے ارشاد ہے،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ط اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ط اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ، (یونس ۵)

اے پیغمبر! ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جو تمھاری طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے، اگر چہ وہ سمجھتے نہ ہوں، اور اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمھاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو سوجھاؤ گے، اور اگر چہ وہ نہ دیکھیں، بیشک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ لوگ ہیں جو اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں،

وہ انسان جو اندھا اور بہرا بنتا ہے، اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے اور نہ اُس پر عمل کرتا ہے، خدا اُسکو اندھا اور بہرا بنا کر پھر اُس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا، کہ اگر وہ ایسا کرتا، تو یہ اُسکا ظلم ہوتا، اور ظلم کے ہر شائبہ سے اُسکا ہر حکم اور ہر کام بری ہے، لوگوں کو قرآن کی ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ ہدایت اور ضلالت خدا کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا بُرے کام کے جواب میں خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ضلالت کی نسبت فرمایا،

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ	بیشک جنھوں نے (اسلام کی تعلیمات کے قبول) سے انکار
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ	کیا اُن کو تمہارا تنبیہ کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہے، وہ ایمان
عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ	نہ لائینگے، خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مُہر کردی،
غِشَاوَةٌ (بقرہ-۱)	اور آنکھوں پر پردہ ہے،

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا، تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اسکو تشبیہاً یوں ادا کیا کہ اُن کے دلوں پر مہر پڑ گئی کہ سمجھتے نہیں، کانوں پر مہر پڑ گئی کہ سنتے نہیں، اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہے، کہ دیکھتے نہیں، دوسری جگہ فرمایا،

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِکُفْرِهِمْ (نساء-۲۲)	بلکہ خدا نے اُنکے کفر کے سبب سے اُنکے دلوں پر مہر کردی،

یہاں بھی اُن کا کفر خدا کی مُہر پر مقدم ہے، مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے تو دلوں سے صداقت شناسی اور اثر پذیری کا جوہر سلب ہو جاتا ہے، اور یہی خدا کی مُہر ہے،

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغام حق کے سننے، اور آنکھوں سے دیکھنے اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و ہدایت سے سرفراز فرمائے، ارشاد ہوا،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	بیشک جو ایمان لائے، اور نیک کام کئے اُنکو اُنکا پروردگار

---

[1] قرآن پاک میں جہاں جہاں خدا کی اس مُہر کا یا کسی کو ہدایت نہ دیئے جانے کا ذکر ہے، وہاں اس کے کفر و فسق کی علت ہمیشہ پہلے ذکر کردی گئی ہے، اس لیے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں،

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ (یونس) ‏ اُن کے ایمان کے سبب سے ہدایت دیگا،

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد) ‏ اور جنھون نے ہدایت قبول کی انکو ہدایت مین اور بڑھایا،

ایرانی فلسفۂ خیر و شر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے، حالانکہ عربی الفاظ خیر و شر کو اعمال کے خیر و شر سے بحث نہین، عربی مین مطلق خیر کے معنی دولت و نعمت و آرام کے اور شر کے معنی غربت و تکلیف و مصیبت کے ہین، قرآن پاک مین یہ دونون لفظ انھین معنون مین آئے ہین، البتہ جب اُن کے ساتھ لفظ عمل شریک ہوگا تو عمل خیر اور عمل شر کے معنون مین یہ استعمال ہوگا، جیسے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، ‏ تو جو کوئی چیونٹی برابر نیکی کریگا وہ اُس کو دیکھیگا، اور

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال) ‏ جو برائی کریگا وہ بھی دیکھے گا،

اس لیے حدیثون کے ان الفاظ مین

وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ‏ اور اسپر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے،

کا یہ مطلب نہین، کہ انسانون کے اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہین، بلکہ یہ معنی ہین کہ انسانون کو راحت و رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس، اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف سے پہنچتی ہے، اور اس کے تسلیم کرنے مین کیا عذر ہو سکتا ہے ؟

بعض لوگون کو صحیح مفہوم کے سمجھنے مین اُن آیتون سے بھی شبہہ ہوتا ہے جنمین یہ ذکر ہے کہ "اگر خدا چاہتا تو اُن کو ہدایت دیدیتا" اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہین کہ وہ خود خداوند تعالی ہی ہے جو ان کافرون کو ہدایت سے جبرًا روکے ہوے ہے، حالانکہ ان آیتون کا مطلب یہ ہے، کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہین کر سکتے، الا یہ کہ خود خدا زبردستی اُن کو مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر، اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالی کے جاری قانون کے خلاف ہے، چنانچہ ان آیتون کا یہی مطلب ہے،

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ (دھر-۲) ‏ تم نہین چاہوگے، الا یہ کہ خود خدا چاہے، اور (تمکو زبردستی مسلمان بنا دے)

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (انعام) — وہ نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں الا یہ کہ خدا چاہے،

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (انعام) — اور اگر خدا چاہتا تو اُن کو ہدایت پر متفق کر دیتا،

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (انعام-۱۸) — تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان سبکو وہ (خود) ہدایت دیدیتا،

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (نحل-۱) — اور اگر وہ (خدا) چاہتا البتہ اُن سب کو ہدایت دیدیتا،

مگر اُسکی عادت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دیدے، اس لیے اس مشیتِ الٰہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابق ہونگی جنمیں بندوں کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، فرمایا

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف) — تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے،

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (دھر و مزمل) — تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ قبول کرے،

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا (نبا-۲) — تو جو چاہے اپنے پروردگار کیطرف بازگشت پکڑے،

اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (فرقان) — لیکن جو اپنے پروردگار کیطرف راستہ اختیار کرنا چاہے،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے، مگر کن کے لیے بتصریح فرمایا،

۱- وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (بقرہ-۳) — اور اللہ اس سے گمراہ نہیں کرتا، مگر نافرمانوں کو،

۲- فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (صف-۱) — جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے اُنکے دلوں کو کج کر دیا، اور اللہ بے حکم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،

۳- بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تطفیف) — بلکہ اُن کے کام اُن کے دلوں پر زنگ بنگئے،

۴- بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء-۲۲) — بلکہ اُنکے کفر کے سبب اللہ نے اُن پر مہر کر دی،

۵- انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (توبہ-۱۶) — وہ پھر گئے، اللہ نے اُن کے دلوں کو اس لیے پھیر دیا کہ وہ لوگ سمجھتے نہ تھے،

۶- كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (اعراف-۱۲) — اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے،

۷۔ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا — اُن کے دلوں مین (پہلے سے) (نفاق کی) بیماری تھی تو خدا نے بیماری بڑھادی، (بقرہ - ۲)

ان آیتون مین سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف وصریح معلوم ہوگا کہ انسان کی بداعمالی مقدم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اُس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، مہر، اور بیماری فرمانا مؤخر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مہر اور بیماری کا اثر نا علت اور انسانون کا کفر و گناہ و نفاق معلول نہین ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فسق، کجی، زنگ، کفر، انصراف (پھر جانا)، نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اُس کے جواب مین ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے، اور یہی طبعی اصول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، اور غمگین ہوتا ہے تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہین، اگر کوئی اسکو الٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی،

بہرحال اس مسئلہ مین مہبطِ وحی و رسالت محمد رسول اللہ صلعم کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اُسی شدت سے اسمین بحث و مناقشہ سے منع فرمایا[1]، اور درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے مین راز ہے، یہ کلی جہان جتنگی کہ اُس کی خوشبو اُڑ گئی،

اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشون کو چھوڑ کر جنکو متکلمین کی مجادلانہ کاوشون نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا، (فرقان - ۱) — اور خدا کی سلطنت مین اُس کا کوئی شریک نہین، اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ایک اندازہ (تقدیر) لگایا،

---

[1] مشکوٰۃ، باب الایمان بالقدر،

ایمان کے نتائج

گذشتہ صفحون مین ایمان کی حقیقت، اور اسکی چھ شاخون خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یوم آخر اور قدر کی تفصیلات بیان کیگئی ہین، اور دکھایا گیا ہے، کہ اُن مین سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہے، اُسکی صداقت کی دلیلین کیا ہین؟ اور اسکی تعلیم مین شارع ؑ نے کیا مصلحتین رکھی ہین، اور شروع مین یہ بحث بھی کیجاچکی ہے کہ ہر مذہب مین اور خصوصاً مذہب اسلام مین ایمان کو اوّلین اہمیت کیون دیگئی ہے؟ دہ بحثین اصول کی تھین یہان خاتمہ مین نتائج کی حیثیت سے پھر اوسی دعویٰ کی تکرار کیجاتی ہے یعنی یہ کہ درحقیقت ایمانیات اسی لائق ہین کہ اُن کو مذہب مین یہی اوّلین درجہ دیا جائے کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے، وہان ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہین،

اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کرین یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کرین کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اُس پر ایمانداری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہین، اور نہ ہمارے نفس و ضمیر پر اُس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہین، اس لیے جب تک دل نہ بدلے گا، ہمارے اعمال مین تغیر نہین ہو سکتا یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح، تمامتر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے، اور ایمان کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے، کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا،

یہان ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہین بڑھنا چاہئے، یہودیون نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی، اور عیسائیون نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا دارومدار رکھا، چنانچہ حواریون کے خطوط و ملفوظات مین اس تعلیم کو بہت کچھ نمایان کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ عملیات نہین، بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے، اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارہ مین یہ ہے کہ وہ دونون کی اصلاح کرکے اُن دونون کو جمع کرتا ہے

اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان پر اور نہ تنہا عمل پر، بلکہ ایمان صحیح اور عملِ صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو ایمان لائے اور انھون نے نیک کام کئے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہین دیتا بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عملِ صالح کی علت و سبب ہے، یعنی وہ عملِ صالح کے لیے راستہ بناتا، اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے،

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس لیے نخلِ ایمان کی شناخت بھی اسکے پھل ہی سے ہو سکتی ہے، اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اُس کے اعمال مین اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہین آتا، تو یہی سمجھنا چاہیئے کہ ایمان نے اسکی زبان سے اتر کر اسکے دل کی گہرائیون مین برگ و بار پیدا نہین کیا ہے، یہی سبب ہے کہ قرآنِ پاک ہر نیکی اور ہر خوبی کو ایمان کا خاصّہ اور مومنون کا وصفِ لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اُس نے مسلمانون کو

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، اے وہ لوگو! جو ایمان لائے،

کی ندا سے خطاب کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہین جو ایمان سے متصف ہین؛ بہت سے موقعون پر ہے،

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ، اگر تم ایمان والے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والون ہی کے لیے خاص ہے، اور وہی اس کے اہل و سزاوار ہین فرمایا

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ-۲۰) ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ محبتِ الٰہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے، ایک اور سورہ مین ہے،

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا	ایمان والون کی بات یہ ہے کہ جب اُن کو فیصلہ کرنے
اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ	کیلئے اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے، تو کہین کہ ہمنے
یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (نور-۷)	سنا اور ہمنے مانا، اور انھین لوگون کا بھلا ہے،

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اور اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا ہے
دوسری آیت میں فرمایا،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ، (حجرات - ۱) ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں،

اس سے نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے، ایک اور آیت میں ہے

وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران) اور خدا ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کریں،

معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہلِ ایمان کی شان ہے، سورۂ مومنون میں اہلِ ایمان کے اوصاف یہ بتائے گئے ہیں،

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ
صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ، وَالَّذِیْنَ ھُمْ
عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ
فَاعِلُوْنَ، وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ......
وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ
وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ
(مومنون - ۱)

بے شبہ اہلِ ایمان نے بھلائی پائی، جو اپنی نماز میں اد ب
سے جھکے رہتے ہیں اور جو لغو بات پر دھیان نہیں دیتے،
اور جو زکات ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی
حفاظت کرتے ہیں . . . .
اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگرانی رکھتے
ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے
ہیں،

ان آیتوں سے اہلِ ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے "نماز میں خضوع و خشوع، بے کار باتوں سے احتراز، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت، ایفائے عہد، نمازوں کی پابندی"۔ ان آیتوں میں ایک عجیب رمز ہے، دیکھو کہ اہلِ ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا، اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے، اور اسی لیے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اس پر زور دیا گیا ہے،

ہم نے یہ چند آیتین یہان مثالاً نقل کی ہین، ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن مین ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے ملین گے، احادیث مین بھی اس مضمون کی کمی نہین، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخین ہین"، حافظ بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان مین مختلف حدیثون سے ایمان کی ان ستر شاخون کو ایک ایک کرکے گنایا ہے، اس کتاب کا خلاصہ مختصر شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ہے

ایک حدیث مین ایمان کی شناخت، اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے، آپ نے فرمایا،

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا

(سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ)

مومنون مین اُسکا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہین،

حسن اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اُسی ہستی سے ہونی چاہیئے جو تمام محبتون کا مرجع و مرکز ہے یعنی اللہ تعالیٰ، اور اُس کے بعد اسی محبت الٰہی کے ضمن اور تبعیت مین اُس ہستی سے بھی محبت کرنا ضرور ہے، جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جوہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام دنیاوی محبتین اور قرابت اور رشتہ داری کے علائق ہیچ ہین، فرمایا

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین

(مسلم و بخاری کتاب الایمان)

تم مین سے کوئی اُس وقت تک ایمان مین کامل نہین، جب تک کہ اُس کے دل مین میری محبت اُسکی اولاد، والدین، اور تمام لوگون سے زیادہ نہ ہو،

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اُس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اُسی طرح محبت، پیار اور اخلاص ہو، جس طرح خود اپنے آپ سے، فرمایا،

والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ او لجارہ ما یحب لنفسہ،

(بخاری و مسلم کتاب الایمان)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، تم مین سے کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہین، جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو شک ہے) کیلئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا جب تک تم مومن نہ ہوگے جنت میں داخل نہ ہوسکوگے، اور مومن نہ ہوگے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کروگے، میں تمھیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہوسکتی ہے، آپس میں سلام پھیلاؤ، (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمایش، ریا، یا ذاتی نفع ونقصان کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو، فرمایا "تین باتیں جسمیں ہیں اُس نے ایمان کا مزہ پالیا، اوّل یہ کہ اُس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھکر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسری یہ کہ بندگانِ خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو، تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اُس میں آلودہ ہونا اُسکے لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا" ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کامل اسلام کس مسلمان میں ہے فرمایا "اُس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے" فرمایا کہ "ایمان کی ستّر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جنمیں سے ایک شرم وحیا ہے" یہ بھی تعلیم دی کہ "جسکو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہیے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی، ورنہ چپ رہے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے جسکو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے" ایک صحابیؓ آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "تم میں سے کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹا دے، یہ نہ ہوسکے تو زبان سے ٹوک دے، یہ بھی نہ ہوسکے تو اپنے دل میں اسکو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے"[1]

اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ "نفاق کی چار نشانیاں ہیں، جسمیں اُن میں سے ایک بھی پائی جائے اُسمیں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے اگرچہ وہ نماز گذار اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو توڑ دے، امانت سپرد کیجائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی بکے"[2]

اِن تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ تمام نیکیاں، اور ہر قسم کی بھلائیاں اور خوبیاں جس ایک جڑ کی شاخیں ہیں وہ ایمان ہے، اور اسی لیے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے، وہ نہ ہو تو انسانی نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے، لیکن

[1] یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب الایمان میں ہیں، [2] صحیح بخاری ومسلم کتاب الایمان، پیش نظر مسلم ہے،

اس سے کسی کو شبہہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہین، کہ اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار ادا کیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عملِ صالح دونون پر ہے، اسی لیے اٰمَنُوْا کے ساتھ ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پر بھی اُس نے ہمیشہ زور دیا ہے، بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا منشا یہ ہے کہ ان دونون مین ایمان اصل، اور عمل اسکی فرع ہے، ایمان ملزوم اور اعمالِ حسنہ اُس کے خصوصیات اور لوازم ہین، یعنی ان دونون مین اصل و فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے، جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہین ہو سکتے، اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہین رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ و بار درخت ہے، جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم و وجود برابر ہے، اس بنا پر جہان ایمان ہے اُس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے،

کاغذ کے سات سو صفحے سیاہ ہو چکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرانباری سے، اور آنکھین ان سطور کی تم سوادی سے تھک چکی ہونگی اسلیے بہتر ہے کہ رہروِ قلم کے ساتھ قافلۂ نظر کے دوسرے رفقا بھی کچھ دیر آرام کرین ہرچند کہ

رہروان را خستگی راہ نیست،
عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است،

سُلیمان ندوی
دار المصنفین

رمضان سنہ ۱۳۵۰ھ

تصحیح اغلاط
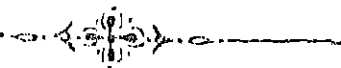
سیرۃ النبی جلد چہارم

آیاتِ قرآنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۸	اَلَّذَیْ	اَلَّذِیْ
۱۶	۱۵	مُسَخَّرٰت	مُسَخَّرٰتٌ
۱۹	۴	كُلِیْ	ثُمَّ كُلِیْ
〃	۵	رَبِّكَ	رَبِّكِ
۲۴	۹	عَلَيْهِمِ	عَلَيْهِمُ
〃	۱۵	مَعَهُمْ	مَعَهُمُ
۳۳	۱	هٰرُوْنَ	هٰرُوْنَ
〃	۸	اٰتَيْنٰهُمْ	اٰتَيْنٰهُمُ
۴۸	۱۷	يُكَلِّمُهُ	يُكَلِّمَهُ
〃	۱۸	فَيُوْحِيْ	فَيُوْحِيَ
۵۲	۵	اِتَّقُوْا	اتَّقُوْا
〃	۶	الْحَقُّ	الْحَقَّ
۵۳	۹	اَنْبَاءِ	اَنْبَآءِ
۵۴	۳	〃	〃
۵۵	۱۴	غَيْبٌ	غَيْبٌ
۵۶	۲	اَلَّتِيْ	اِلَّتِيْ
〃	〃	(مریم-۷)	(مریم-۴)
۶۲	۱	وَنَتَجَاوَزَ	وَنَتَجَاوَزُ
۶۵	۱۳	فَاَنْتَهُوْا	فَانْتَهُوْا
۶۱	۱۷	فَبَشِّرْهُمْ	فَبَشِّرْهُ
۶۲	۴	يَتَقَوَّلُ	يَتَقَوَّلَ
〃	۱۳	بِمُسَيْطِرٍ	بِمُسَيْطِرٍ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲	۱۳	لا هُمْ	هُمْ
〃	۱۴	وَاللّٰهَ	وَاللّٰهُ
〃	۱۴	رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
۷۴	۳	الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارَ	الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ
〃	۷	اِيْتَاءِ	اِيْتَآءَ
۷۵	۱	سَوَاءٌ	سَوَآءٌ
۷۷	۱۸	وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ	وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
۷۹	۱۲	(فتح)	(نصر)
〃	۱۵	فَتْحًا	فَتْحًا
〃	۱۷	يَنْصُرُكَ	يَنْصُرَكَ
۸۷	۹	(اسرائیل ۱۰)	(اسرائیل-۱۱)
〃	۱۹	(ابراہیم-۱)	(ابراہیم-۲)
۸۸	۸	بِمَا اَنْزَلَكَ	بِمَا اَنْزَلٰكَ
〃	۱۱	نَحْنُ	نَحْنُ
〃	۱۲	يَمُنَّ	يُمُنُّ
۸۹	۱۹	لَاِلٰهُكُمْ	اِلٰهُكُمْ
۹۰	۱۷	تَاْتِيْ	تَاْتِيَ
۹۱	۱۰	مَلِكًا	مَلَكًا
۱۱۴	۱۹	عَمَّا	مِمَّا
۱۲۰	۱۷	اَللّٰهَ	اللّٰهُ
۱۲۹	۱۱	اخْتَلَفْتُمْ مِنْ	اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ
〃	〃	فَحُكْمُهُ	فَحُكْمُهٗ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۹	۱۵	اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ	اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ
۱۳۰	۸	کَانُوْا تُعَلِّمُوْنَ	کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
״	۱۸	بَیِّنَتِهٖ	بَیِّنَةٍ
۱۳۷	۵	اَقْرَاْنٰهُ	قَرَاْنٰهُ
۱۴۰	۳	اللّٰهَ	اللّٰهُ
״	۱۷	قَوْلُ	قَوْلَ
۱۴۵	۸	قَبْلَ	مِنْ قَبْلِ
۱۵۰	۵	اِنَّمَا	اَنَّمَا
״	۱۸	اِلْبَلٰغُ	اَلْبَلٰغُ
۱۵۱	۱۹	شَیْءٍ ط نَحْنُ	شَیْءٍ نَحْنُ
۱۵۲	۱	الذین	الَّذِیْنَ
״	۵	اَلْبَلٰغُ	اَلْبَلٰغُ
״	۱۱	فَاِنْ	فَاَنْ
״	״	اِنَّمَا	اَنَّمَا
۱۵۶	۷	اَلْمِیْزَانِ	اَلْمِیْزَانَ
״	۱۷	لِیَقُوْمُ النَّاسَ	لِیَقُوْمَ النَّاسُ
۱۵۸	۴	لَعِبَادِنَا	لِعِبَادِنَا
״	״	الْمُرْسَلِیْنِ	الْمُرْسَلِیْنَ
״	۱۰	لَهُمْ	لَهُمْ
״	۱۷	اِسْتَاْیَسَ	اسْتَیْئَسَ
۱۸۲	۱۰	یَکْفُرُوْنَ	یَکْفُرُوْنَ
״	۱۱	حَقٌّ	حَقٌّ
۱۸۳	۱۹	عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ
۱۸۴	۲	لِیَشْتَرُوْا	لِیَشْتَرُوْا
״	۱۲	اَنْفُسَكُمْ	اَنْفُسُكُمْ
۱۸۵	۱۳	النَّاسَ	النَّاسِ
۱۸۶	۱۴	(نساء - ۷ - ۸)	(نساء، ۸)
۱۹۳	۱۳	لَیُسَمُّوْنَ	لَیُسَمُّوْنَ
״	۱۸	وَلَا یَاْمُرُكُمْ	وَلَا یَاْمُرَكُمْ
۱۹۴	۵	شَهَادَتُهُمْ	شَهَادَتُهُمْ
״	۶	(زخرف - ۲)	(زخرف، ۱-۲)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۴	۳	الْجِنَّ	الْجِنُّ
۱۹۵	۱۷	الثَّالِثَةِ	الثَّالِثَةَ
۲۰۳	۲	یٰمَعْشَرَ	یٰمَعْشَرَ
۲۱۸	۱	الْخَمْرِ	الْخَمْرُ
۲۲۶	۸	اَنْ لَّا یَسْرِقْنَ	وَلَا یَسْرِقْنَ
۲۳۱	۱۴	التُّرَابِ	التُّرَابُ
۲۳۲	(حاشیہ)	واذا الشمس	اذا الشمس
۲۴۳	۱۰	وَاٰتُوْا	وَاٰتُوْا
۲۴۴	۱۸	اِنَّ	اِنْ
۲۴۵	۶	مُّبِیْنٍ	مُّبِیْنٍ
״	۱۳	مِنْ	مِّنْ
״	״	مَلَکًا	مَلَکًا
۲۴۶	۱۲	الْقُرْاٰنَ	الْقُرْاٰنُ
۲۴۷	۱۸	(بنی اسرائیل - ۱۱)	(بنی اسرائیل - ۱۲۰)
״	۱۹	مُوَدَّةً	مَوَدَّةً
۲۵۴	۱۰	بِسُوْءٍ	بِسُوْٓءٍ
۲۶۳	۶	مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْاَعْرَابِ	مَنْ حَوْلَهَا
״	۱۰	ذِکْرٌ	ذِکْرٌ
״	״	مُّبِیْنٌ	مُّبِیْنٌ
۲۶۴	۲	(اعراف - ۱۹)	(اعراف، ۲۰)
۲۸۰	۱۰	(یوسف، ۱۱)	(یوسف، ۱۲)
״	۱۹	(ذاریات ۱۳)	(ذاریات - ۱)
۲۸۱	۴	(جاثیہ - ۷)	(جاثیہ - ۲)
۲۸۲	۱۵	اِنَّمَا	اَنَّمَا
۲۸۳	۳	کُلُّهُمْ	کُلُّهُمْ
״	۱۱	فَاجِرَةٌ	فَاجِرَةٌ
۲۸۶	۷	مِنَّا	مِنَّا
۲۹۵	۱۷	اَشْهَادٌ	اَشْهَادٌ
۲۹۶	۱	مِنْ مَّاءٍ	مِنْ مَّآءٍ
״	״	الْاَرْضَ	الْاَرْضِ
״	۲	الرِّیْحَ	الرِّیْحُ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۲	۸	خَزَآئِنَ	خَزَآئِنُ	۴۲۳	۱	يَأْتِيَ	يَأْتِيْ
۳۰۷	۶	لَوْ	وَلَوْ	″	۱۱	لَهُمْ	لَهُمْ
۳۲۹	۲	رَبُّهُمْ	رَبُّهُمْ رَشَدًا	۴۲۶	۴	فَاِنَّهُ	فَاَنَّهُ
″	۱۳	وَلَدٌ مَا	وَلَدٌ	۴۳۱	۱۶	وَاذْكُرُوْا	فَاذْكُرُوْا
۳۳۱	۱۲	يُعَذِّبُهُمْ	يُعَذِّبَهُمْ	۴۴۱	۱۵	الْحَكِيْمُ	الْحَلِيْمُ
″	۱۸	اللّٰهَ	اللّٰهُ	۴۴۳	۸	فَيُوْحِيْ	فَيُوْحِيَ
۳۳۵	۷	تَأْتِ	تَأْتِيَ	″	۱۱	بِالرُّوْحِ عَلٰى	بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى
۳۳۶	۱	ذِكْرىٰ لِّقَوْمٍ	ذِكْرىٰ لِقَوْمٍ	″	۱۸	رَبُّكَ	رَبِّكَ
″	۱۶	بُنٌ	اِبْنٌ	۴۴۴	۸	عَلَيْهِمْ	عَلَيْهَا
۳۳۹	۱	(انعام-۶)	(انعام-۵)	″	۱۵	اَوْمَنْ	وَمَنْ
″	۴	اللّٰهَ	اللّٰهُ	۴۴۵	۵	يُوْسِكُمْ	يُوْسِكُمْ
۳۴۰	۱۶	لِمَنِ	لَمَنِ	″	۱۰	الْاٰخِرَةُ	الْاٰخِرَةِ
۳۴۵	۱	(یونس-۱)	(یونس-۲)	″	۱۲	(احزاب-۵)	(احزاب-۶)
۳۴۷	۱۷	(نجم-۳)	(نجم-۲)	″	۱۳	(احزاب-۵)	(احزاب-۷)
″	۱۸	شُفَعَآءُ	شُفَعَآءَ	″	۱۶	لَعْنَةٌ	لَعْنَةَ
۳۵۰	۱۸	وَمَا	مَا	۴۴۶	۲	زُمُوْا	زُمَرًا
″	(حاشیہ)	عَظِيْمٌ	عَظِيْمٍ	″	۱۷	رَبُّهُمْ	رَبِّهِمْ
۳۶۶	۱۵	تُخْرِجُ	تَخْرُجُ	۴۴۷	۱۹	وَلَدٌ مَا	وَلَدٌ مَنْ
″	۱۹	ذٰلِكَ	ذٰلِكُمْ	۴۴۸	۹	يُسَبِّحُ	وَيُسَبِّحُ
۳۶۷	۱۳	لِّلْعَالَمِيْنَ	لِّلْعَالِمِيْنَ	۴۴۹	۱۹	تَجْزِ	تَجْزِيْ
۳۶۸	۱	وَالْاَرْضِ	وَالْاَرْضُ	۴۵۰	۷	وَلَا يَأْمُرُ	وَلَا يَأْمُرَ
۳۷۱	۱۲	(نجم-۲)	(نجم-۳)	۴۵۱	۶	السَّمٰوٰتُ	السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ
۳۷۵	۱۳	(انعام-۱-۸)	(انعام-۹)	″	۹	شَهَادَتُهُمْ	شَهَادَتُهُمْ
۳۸۸	۱۳	اللّٰهُ	اللّٰهَ	۴۵۲	۱	قَوْمٍ	اِلٰى قَوْمٍ
″	″	دْعُوا	اُدْعُوا	″	۳	اَوْ	وَ
″	۱۸	ذَرِ	ذَرُوا	۴۵۴	۱۳	الْعَظِيْمُ	الْعَظِيْمِ
۳۸۹	۱۹	الْاَرْضِ	الْاَرْضَ	۴۵۸	۲	وَاِنَّ	وَاَنَّ
۳۹۷	۵	دْعُوا	اُدْعُوا	۴۶۲	۱۱	مِنْهُمْ	وَمِنْهُمْ
۴۰۰	۱۱	اَلِيْمٌ	اَلِيْمٍ	۴۶۶	۱۹	وَالَّذِيْنَ	وَ
۴۱۴	۳	(یٰسین-۲)	(یٰس-۱)	۴۶۸	۳	(آل عمران-۱۰)	(آل عمران-۹)
۴۱۵	۵	رَحْمَتِيْ	وَرَحْمَتِيْ	″	۱۸	(اعلیٰ-۲)	(اعلیٰ-۱)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
	۴	فَبِھُدٰاھُمُ	فَبِھُدٰىھُمُ	۵۰۴	۴	السَّمَآءَ	السَّمَآءُ
	۶	اِلَیۡنَا	عَلَیۡنَا	۵۳۹	۱۵	الۡیَوۡمَ	الۡیَوۡمَ
۴۹۶	۱۰	وَیُثَبِّتُ	یُثَبِّتُ	۵۴۵	۱۶	نَبۡغُ	نَبۡغِ
″	(حاشیہ)	(نحل-۱۲)	(نحل-۱۴)	۵۷۲	۱۴	رَّاضِیَۃً	رَّاضِیَۃٍ
۴۹۹	۱۰	ثُلُثَیۡنِ	اثۡنَتَیۡنِ	۵۷۴	۱۱	خَرۡدَلٍ	خَرۡدَلٍ
۵۰۰	۲	(زمر-۴)	(زمر-۳)	۵۷۸	۱	تُظۡلَمُوۡا	تَظۡلِمُوۡا
۵۱۳	۴	تَبَرَّا	تَبَرَّاٰ	۵۹۷	۱۶	الۡقُرٰی وَ	الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّ
″	۷	اللّٰہَ	اللّٰہُ	۶۱۰	۲	خٰلِدِیۡنَ	خٰلِدِیۡنَ
۵۱۴	۲۰	(سجدہ ۷-۲)	(سجدہ ۱۸-۲)	″	۱۶	اَولٰٓئِکَ	اُولٰٓئِکَ
۵۱۹	۱۷	″	″	۶۱۳	۱۴	(سجدہ ۷-۲۰)	(سجدہ ۷-۲)
۵۳۲	۶	لِقَوۡمٍ	وَلِقَوۡمٍ	۶۲۰	۱۵	وَاِنۡ	فَاِنۡ
″	۷	″	″	۶۳۵	۱۶	اَسَاوَرَ	اَسَاوِرَ
″	۸	(مؤمن-۱)	(مؤمن-۶)	۶۴۸	۶	عَدۡنٍ	عَدۡنٍ
″	۹	لِقَوۡمٍ	لِقَوۡمٍ	۶۵۷	۱۵	وَشَرَابًا	شَرَابًا
″	۱۰	لِقَوۡمٍ	وَلِقَوۡمٍ	۶۶۷	۱۴	کَالۡعُرۡجُوۡنِ	کَالۡعُرۡجُوۡنِ

اصلاحات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۷	ہیں نے	ہم نے	۴۵	۱۶	چاروں	پانچوں
۱۱	۱۵	اُن کے کے لیے	اُن کے لیے	۴۶	۱	کرتا چلا گیا ہے	کرتے چلے گئے ہیں،
۲۱	۲	ہیں جس	ہیں سے جس	″	۲	اس جلدی سے	اتنی جلدی
″	۱۱	حکومت قائم	حکومت زیادہ قائم	۵۶	۱۹	اس کے	اُن کے
۲۴	۱۴	اُن کی	اس کی	۵۸	۷	ہوتا ہے	ہوتی ہے،
۲۸	″	کی بڑی	کی	۶۰	۱۰	اس کو	اُن کو
۳۱	۱	کو کے	کے	۶۴	۵	اس کے	اُن کے
۳۲	۱۹	بخشا	بخشے	۷۷	۱۸	غالب	دانا
۳۳	۴	ہیں سے	ہیں سے ہے،	۷۸	۱۲	اُن کا	اس کا
۴۳	۱۷	وجو	وجود	۸۲	۱۴	ہم	اللہ
۴۵	۴	تیسرا	چوتھا	″	۱۵	کریں	کرے
″	۵	چوتھا	پانچواں	۸۵	۱۴	بخشا	بخشے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۷	۸	کو	سے
″	۱۴	کو	کی
۹۰	۱۱	میرے	ہمارے
۹۴	۱۳	ضروری	ضرور ہی
۹۶	۸	چار اجتہادی	پانچ اجتہادی
۹۸	۹	غالب کو	غالب ہین
۱۰۴	۱۶	ہین، اور	ہے، اور
۱۰۶	۷	رکھتا ہے	رکھتی ہے
۱۰۸	۳	اُس کے	اُن کے
۱۳۲	۴	شرح کرنا	شرح کر دی،
″	۱۱	کے	کا
۱۳۳	۴	بھرا گیا	بھری گئی
۱۴۱	۱	لوگون کو	لوگون کا
۱۴۳	۸	علیہم	علیہم السلام
۱۴۵	۳	نبوت	انبیا،
۱۴۶	۱	اُن	اُس
۱۴۷	۳	انداز	اِنذار
″	۴	″	″
۱۴۸	۱۹	کُجَّاب	نُشتُن عُجاب
۱۴۹	۳	رسول کو	رسول کے لیے،
″	۱۴	یہ مشار	ان کا یہ مشار
۱۵۳	۸	اُس کو	اُن کو
″	۱۵	شروع	مشروع
″	″	دیا	دیا تھا،
۱۵۴	۲	اُن کو	اُس کو
″	۱۷	اُن کا	اُس کا
۱۵۵	۸	کو پیشوا	کو ایسا پیشوا
″	۱۲	انسان جن	انسان جب
۱۵۶	۹	برابر کا	برابر کی
″	۱۴	اسی میزان	میزان شریعت
۱۵۷	۳	اور ایک	اور یہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۹	۹	تفصیل	تفصیل
″	۱۸	رہنمایہ	رہ نمایہ
۱۶۲	۱۰	حیثیت	حیثیت
۱۶۷	۱۴	بیٹھکر بھی	بیٹھکر
″	۱۵	تیار نہین کیا	تیار کیا،
۱۷۰	۱۱	تھین	تھی،
۱۷۶	۸	چودہ	چودہ سو،
۱۸۰	۱۰	لگے رہے	لگے نہ رہے،
″	۱۹	اسے بنی اسرائیل	اسے اسرائیل
۱۸۱	۱	معبود ہو	معبود نہ ہو
۱۸۵	۱۹	وقت	وقت تک
۱۸۹	۱	تھی	تھا
۱۹۲	۱۶	خدا کا کا	خدائی کا
۱۹۳	۲	کا بنایا	بنایا
″	۸	کیا ہے وہ	کیا اور وہ
۱۹۶	۱۸	ایک	اک
۲۲۰	۱۰	جاہل	جاہلی
۲۲۴	۲	قافلے	قافلے
۲۲۶	۱۶	قسم کے	قسم کی
۲۳۰	۱۴	قائل کے	قائل کے بغیر
۲۴۴	۷	ان کے	ان کی
۲۶۴	۵	کھوکھلا پن	کھوکھلے پن
۲۷۲	۱۳	پہنچا سے	پہنچائے
۲۷۳	۶	کے بدری	(کے بدوی)
۳۰۷	۶	محمد	اور محمد
۳۲۶	۸	مقصود	مفقود
″	″	درچہ	درجہ
۳۵۰	۱۸	اور ظالمون	ظالمون
۳۶۶	۱۸	اس میں	ان میں
۴۱۱	۱۰	قراز	فراز
۴۲۸	(حاشیہ)	اختلاف کے	اختلاف

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲۲	۱۸	اس نے	انھون نے	۴۷۵	۹	ورنہ کسی	اور نہ کسی
۴۳۴	۸	ادا ہوسے	ادا ہوا	۴۸۲	۴	اسی بنا پر	اس بنا پر
۴۳۶	۵	وغیر	وغیرہ	۴۸۳	۱	جھلایا	جھٹلایا،
۴۳۹	۱	پوری	پورا	۵۰۴	۷	پنے	اپنے
۴۴۳	۱۱	فرشتون کو	فرشتون کو اپنے حکم سے	۵۱۷	۱۹	آل فرعون	آل فرعون کے ذکر مین ہو
۴۴۴	۸	اوران پر	اور انھا پر	۵۲۳	۹	اس مٹی	ان مٹی
۴۴۷	۱۹	جو کچھ ہے،	جو کوئی ہے،	۵۲۶	۱۵	گرگر گئے	گر گئے
۴۴۸	۹	بجلی	اور بجلی	۵۳۸	۱۱	ہین	ہے
۴۵۱	۷	آسمان	ساتون آسمان	۵۷۲	۶	کے ناپ	کی ناپ
۴۵۵	۱۳	اور ہم	اور ہم نے	〃	۱۲	جس کے تول بھاری ہوئے	جس کی تول بھاری ہوئی،
۴۵۶	۵	ہوتا ہے	ہوتا تھا،	〃	۱۳	جس کے تول ہلکے ہوئے	جس کی تول ہلکی ہوئی،
۴۶۱	۹	اور علانیہ	اور قرآن نے علانیہ	۵۹۷	۱۶	آبادیون کو ہلاک	آبادیون کو ظلم سے ہلاک
〃	۱۰	کام کیا	کام نہین کیا،	۶۲۴	۱۸	پھینکین گی	پھینکے گی،
۴۶۳	۴	مطابق ہین،	مطابق ہے،	۶۳۷	۱۳	وہ اس کو ایک	وہ ان کو ایک
۴۶۴	۱۱	ایک	ایک کو	۶۵۱	۱۲	احس	جس
۴۶۶	۱۹	اور جو	اور	۶۵۷	۱۵	اور پینے	پینے
۴۶۷	〃	اور کچھ	اور جو کچھ	〃	۱۶	ہر روحانی	اور تمام روحانی